

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَالْقُرْآنِ الْعَلِيِّ
 وَفِيهِ نَصِيحَةٌ حَاصِلَةٌ كَرِهَتْ لَهَا
 آسَانَ كَرِيهَاتٍ
 تَرْتَابُهَا
 تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

مَعَالِمُ الْعُرْفَانِ

دروس القرآن

إفادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحجید سواتی

خطیب جامع سب رنور

بانی مدرسۃ العلوم گوجرانوالہ

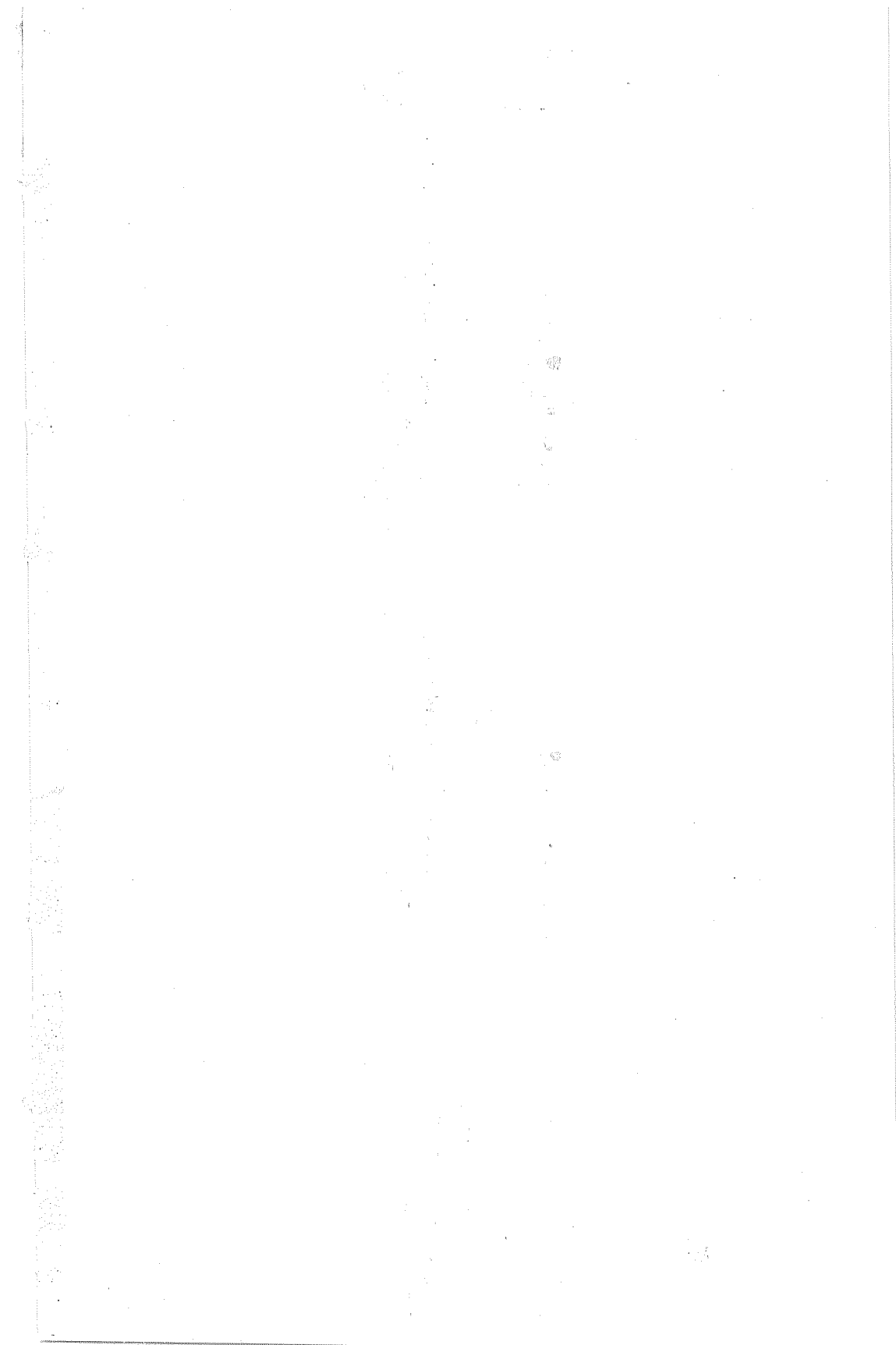
مترتب

الحاج لعل دین ایم علی [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق کالج گوجرانوالہ



روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سُورَةُ النِّسَاءِ (مکمل)

جلد ۵
فوائد

حضرت مولانا صوفی عجمی رحمتی مدظلہ

خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

بائیسواں ایڈیشن

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ النساء مکمل) جلد ۵
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمد خان سواتی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
مرتب	الحاج لعل دین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطا طین حضرت شاہ نفیس الحسنی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
کتابت	محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق کینج گوجرانوالہ
قیمت	۲۵۰/- (دو سو پچاس روپے)

تاریخ مطبعہ بائیسواں ایڈیشن --- رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۳

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ صفدریہ 0300-4257988 لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق کینج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی درس القرآن سورۃ نساء (مکمل)

جلد ۵

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳	چار عورتوں سے نکاح	۲۷	سورۃ نساء
۲۴	نکاح کی شرط	۲۹	درس اول ۱ (آیت ۱)
۲۵	تختہ نکاح	"	آیات و ترجمہ
۲۶	اسلام کے خلاف پراسیگنڈا	۳۰	نام اور کوائف
۲۷	قرآن پر حملہ	۳۱	مصائب سورۃ
۲۸	جبری مسلمان	۳۲	خوف خدا
۲۹	لونڈی غلام کا مسئلہ	"	تخلیق انسانی
۵۱	درس چہارم ۱ (آیت ۴)	۳۳	غنا صراحتاً
"	آیات و ترجمہ	"	حضرت عیسیٰ کی پیدائش
"	رابط آیات	"	نسل انسانی
۵۱	مہر کی اہمیت	۳۴	صلہ رحمی
۵۲	مہر کا نصاب	"	درس دوم ۱ (آیت ۱)
۵۳	صدقہ کا معنی	"	آیات و ترجمہ
"	سحلہ کا معنی	"	رابط آیات
۵۴	مہر کی ادائیگی	۳۹	یتیموں کے حقوق
۵۵	مہر بطریق حیثیت	"	حلال میں حرام کی ملاوٹ
۵۶	مہر کی معافی	"	خیریت کی حکمت
۵۷	مہر کا تصرف	۴۰	اکل حرام
		۴۱	خوب کبیر
		۴۲	درس سوم ۱ (آیت ۱)
		"	آیت و ترجمہ
		"	رابط آیات
		"	یتیم لڑکیوں سے نکاح

۷۶	قانونِ وراثت میں استثناء	۵۷	نوشگوار اور خوش ہضم
۷۷	ارتکازِ دولت	۵۹	درس پنجم ۵ (آیت ۵)
۷۸	وراثت کے حقدار	۶۰	آیات و ترجمہ
۷۹	مقررہ حصص	۶۱	ربط آیات
۸۱	درس ششم ۵ (آیت ۸ تا ۱۰)	۶۱	مال کی حفاظت
۸۱	آیات و ترجمہ	۶۲	مال کا حق و بیع
۸۱	ربط آیات	۶۲	ملکیت اور تصرف
۸۲	غیر ورثائے حینِ سلوک	۶۳	دعا کی ناقبولیت
۸۳	مشترک مال کے مسائل	۶۴	خوش کلامی
۸۳	بچوں کے ساتھ خیر خواہی	۶۶	درس ششم ۶ (آیت ۶)
۸۵	معیار تقویٰ	۶۷	آیات و ترجمہ
۸۶	اکل حرام کی سزا	۶۸	یتیموں کی تربیت اور امتحان
۸۶	بلی نقصان	۶۹	سن بلوغت
۸۷	جہنم میں داخلہ	۶۸	ناجائز تصرف کی ممانعت
۸۸	درس ہفتم ۹ (آیت ۱۱ نصف)	۷۰	معاوضہ بمطابق حیثیت و ضرورت
۸۸	آیات و ترجمہ	۷۰	اسراف کی ممانعت
۸۸	ربط آیات	۷۲	لین دین پر گواہی
۸۸	وراثت دور جاہلیت میں	۷۲	محاسبہ الہی
۸۹	ابتداءً اسلام میں وراثت	۷۴	درس ہفتم ۷ (آیت ۷)
۸۹	مستقل قانونِ وراثت	۷۴	آیات و ترجمہ
۹۰	ولاءِ موالات	۷۵	ربط آیات
۹۲	شانِ نزول	۷۵	زمانہ جاہلیت میں قانونِ وراثت
۹۳	قبل از تقسیم وراثت	۷۵	شانِ نزول
			وراثت کا اجمالی قانون

۱۱۶	۹۴	ہم جنسی اور اس کی سزا	ایک مرد و مادی دو عورتیں
۱۱۷	۹۵	توبہ کا دروازہ	صرف لڑکیوں کی صورت میں وراثت
۱۱۹	۹۶	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۱ تا ۱۸)	درس دہم ۱۱ (آیات ۱۱ بقیہ و ۱۲ نصف اول)
۱۱۹	۹۷	آیات و ترجمہ	آیات و ترجمہ
۱۲۰	۹۸	رابطہ آیات	والدین کا حصہ
۱۲۱	۹۹	گناہ بالجہالت	بھائیوں کی موجودگی میں
۱۲۱	۱۰۰	اقدام گناہ کے درجات	وصیت اور قرض
۱۲۲	۱۰۱	توبہ کا دروازہ	وصیت کے حقدار
۱۲۳	۱۰۲	قریبی توبہ	تقریر حصص کی حکمت
۱۲۳	۱۰۳	توبہ کی عدم قبولیت	زوجین کا حصہ
۱۲۴	۱۰۴	توبہ کی تین شرائط	درس یا زودہم ۱۲ (آیت ۱۲ نصف آخر تا ۱۴)
۱۲۵	۱۰۵	کفار کی توبہ نہیں	آیات و ترجمہ
۱۲۶	۱۰۶	(درس چہارم ۱۴ (آیت ۱۹ تا ۲۱))	کلامہ کی وراثت
۱۲۶	۱۰۷	ترجمہ و آیات	وصیت کی دو اقسام
۱۲۷	۱۰۸	رابطہ آیات	ضرر رساں وصیت
۱۲۸	۱۰۹	شان نزول	حدود اللہ کی پابندی
۱۲۹	۱۱۰	عورت بطور مال وراثت	حقیقی فلاح
۱۳۰	۱۱۱	بے حیائی کی صورت میں	نافرمانی کی سزا
۱۳۱	۱۱۲	پنہ اور ناپسند	درس نوزدہم ۱۳ (آیت ۱۵ تا ۱۶)
۱۳۱	۱۱۳	عورت کی تبدیلی	آیات و ترجمہ
۱۳۲	۱۱۴	خلوت صحیحہ اور مہر	رابطہ آیات
۱۳۲	۱۱۵	مقدار مہر	انسانی سوسائٹی کی بنیاد
۱۳۶	۱۱۶	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۲۳ تا ۳۱) اول	بے حیائی کی تعزیر

۱۵۸	آیات و ترجمہ	۱۳۶	آیات و ترجمہ
۱۵۹	لوندیوں کے ساتھ نکاح	"	رابطہ آیات
۱۶۰	لوندی اور آزاد عورت میں تقابل	"	محرمات نکاح
۱۶۱	ایمان کی شرط	۱۳۷	سوتیلی ماں
"	مالک کی رضامندی	۱۳۸	تین خرابیاں
۱۶۲	بے حیائی کی سزا	۱۳۹	نبی محرمات
۱۶۳	مشروط اجازت	۱۴۱	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۲۳ بقیہ حصہ)
۱۶۴	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۲۶ تا ۲۸)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	حرمات بوجہ رضاعت
"	رابطہ آیات	۱۴۲	مدت رضاعت
"	مکمل وضاحت	۱۴۳	رضاعت کے دیگر مسائل
"	خصوصی راہنمائی	۱۴۵	رضاعت کی حکمت
۱۶۵	انبیائے سابقین سے مطابقت	۱۴۶	حرمات بوجہ مصاہرت
۱۶۶	رجوع من اللہ	۱۴۸	دو مہینوں کا اجتماع
۱۶۷	خواہشات پرست لوگ	۱۵۰	درس ہفتم ۱۶ (آیت ۲۷)
۱۶۸	جہنم اور جنت کی باڑھ	"	آیات و ترجمہ
۱۶۹	راہ اعتدال	"	منکوحہ عورتیں
"	درس ہشتم ۲۰ (آیت ۲۹ تا ۳۰)	۱۵۱	ملک یمین یعنی لوندی
۱۷۰	آیت و ترجمہ	۱۵۳	غلامی کا بین الاقوامی مزاج
"	رابطہ آیات	۱۵۴	شرائط طہلت
"	مال میں ناجائز تصرف	۱۵۵	ادائیگی مہر
۱۷۱	تجارتی منافع	۱۵۶	متعہ حرام ہے
۱۷۲	غیر تجارتی ذرائع مال	"	مہر میں کمی بیشی
۱۷۳		۱۵۸	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۲۵)

۱۹۸	درس نسبت سومہ ۲۳ (آیت ۳۴)	۱۷۷	گنوارہ امن
"	آیات و ترجمہ	۱۷۸	قتل نفس
"	رابطہ آیات	۱۷۹	ناجاہ تصرف کی سزا
۱۹۹	سرد بلطور حاکم	۱۸۱	درس نسبت و یک (آیت ۳۱)
"	فطری فضیلت	"	رابطہ آیات
۲۰۲	اختیاری فضیلت	"	کباہت اور صفائے
"	نیک عورت کے اوصاف	۱۸۲	سات کباہت
۲۰۳	نافران عورتیں	"	کباہت کا اصول
۲۰۶	درس نسبت چہارم ۲۴ (آیت ۳۵)	۱۸۲	کباہت کے تین گروہ
"	آیات و ترجمہ	۱۸۵	اعتقادی کباہت
"	رابطہ آیات	۱۸۶	انسانی اعضاء کے گناہ
۲۰۷	مصاحیح کبیح	۱۸۸	عزت کا مقام
۲۰۸	خلافت عثمانؓ کی ایک مثال	۱۸۹	درس نسبت و دو (آیت ۳۲ تا ۳۳)
۲۰۹	عورتوں کی کمزوری	"	آیات و ترجمہ
۲۱۰	مصاحیح کبیح کی ذمہ داری	"	رابطہ آیات
۲۱۱	مصاحیح کبیح کی تہنید	۱۹۰	شانِ نزول
۲۱۲	درس نسبت و پنج ۲۵ (آیت ۳۶)	۱۹۱	تفریق جنس
"	آیات و ترجمہ	۱۹۲	میدانِ عمل
"	رابطہ آیات	"	دائرہ کار
۲۱۳	عبادت صریحہ اللہ کی ہو	۱۹۳	فضل کی طلب
۲۱۳	خالق اور واجب الوجود	۱۹۵	موالات کا قانون
"	شرک فی العبادات	۱۹۶	تقریر حصص کی وراثت
۲۱۶	شرک فی التمدیر	۱۹۷	وصیت کا قانون

۲۴۰	آیات و ترجمہ	۲۱۸	والدین کے حقوق
"	رابط آیات	۲۱۹	دیگر مستحقین
"	نماز کی اہمیت	"	پروردگاری کے حقوق
۲۴۱	طہارت شرط نماز ہے	۲۲۰	ذریعہ فلاح
"	جنابت کی تعریف	۲۲۱	غزور سے بیزاری
۲۴۲	نشہ آور اشیا	۲۲۳	درس نسبت و شش ۲۶ (آیت ۲۵ تا ۲۸)
۲۴۳	مجازی نشہ	"	آیات و ترجمہ
۲۴۴	ہوش و حواس کی درستگی	۲۲۴	رابط آیات
"	عربی تعلیم کی ضرورت	۲۲۶	سجلی کی بیماری
۲۴۵	نماز کی شمولیت	۲۲۷	علم میں سبلی
۲۴۶	درس نسبت نمبر ۲۹ (آیت ۳۴ نصف آخر)	۲۲۸	ریاکاری
"	آیات و ترجمہ	۲۲۹	ایمان سے خالی
"	گزشتہ سے پیوستہ	۲۳۰	شیطان کا پھندا
"	طہارت بدریغہ تیمم	"	درس نسبت و ہفت ۲۷ (آیت ۳۹ تا ۴۲)
۲۴۸	تیمم کی دو حالتیں	"	آیات و ترجمہ
۲۴۹	مٹی ذریعہ فلاح	۲۳۱	رابط آیات
۲۵۱	اشکال اور جواب	۲۳۳	و دعوت الی التوحید
"	درس سہمی ۳۰ (آیت ۴۴ تا ۴۶)	"	اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا
۲۵۳	آیات و ترجمہ	۲۳۴	ظلم کا مفہوم
"	رابط آیات	۲۳۵	نیکی کا اجر
۲۵۴	اہل کتاب کی علمی خامیاں	۲۳۸	اللہ کے ہاں پیشی
"	مکہ و مدینہ	۲۳۹	کفار کی بے بسی
۲۵۶	خدا پر بھروسہ	۲۴۰	پہرچیز ظاہر ہوگی
۲۵۷			درس نسبت و شش ۲۸ (آیت ۴۳ نصف اول)

۲۸۲	آیات و ترجمہ	۲۵۸	تحریر کلمات
۲۸۳	رابط آیات	۲۵۹	لفظی بہیرا پھیری
"	حد کی آگ	۲۶۰	دین پر پختہ چینی
۲۸۶	یہود کی طرف سے مخالفت	۲۶۱	لعنت کے مستحق
۲۸۷	کفار کے لیے جہنم کی سزا	۲۶۳	درس سہی کی ۳ (آیات ۲۷ تا ۵۰)
۲۸۸	مومنوں کے لیے انعام	"	آیات و ترجمہ
۲۸۹	پاکیزہ بیویاں	۲۶۴	رابط آیات
۲۹۱	درس سہی و چہار ۳۴ (آیت ۵۸)	"	ایمان کی دعوت
"	آیات و ترجمہ	۲۶۶	اصحابِ بیت
"	رابط آیات	"	شکر ناقابلِ معافی جرم
"	نظام حکومت کی ضروریات	۲۶۷	شکر کی تعریف
۲۹۲	ادائے امانت	۲۶۸	خود ستائی
۲۹۳	منصبی امانت	۲۶۹	اللہ پر افتراء
"	چار خوبیوں	۲۷۰	درس سہی و دو ۳۲ (آیت ۵۱ تا ۵۳)
۲۹۵	تین ذریعے اصول	"	آیات و ترجمہ
"	حضرت ابن عباسؓ کے اوصاف	"	رابط آیات
۲۹۶	حکام سے عہد	۲۷۵	شانِ نزول
۲۹۸	حاکم کی ذمہ داریاں	۲۷۶	جنت اور طاعت
۳۰۰	درس سہی و پنج ۳۵ (آیت ۵۹)	۲۷۸	حق پر کون
۳۰۰	آیات و ترجمہ	"	خدا کی لعنت کا مفہوم
"	رابط آیات	۲۸۰	غذائی میں حصہ
۳۰۱	بیت اللہ شریف کی چابی	۲۸۱	سلسلہ نبوت
"	اللہ اور رسول کی اطاعت	۲۸۲	درس سہی و دو ۳۳ (آیت ۵۴ تا ۵۷)

۳۲۵	رضا بر قضاے رسول	۳۰۲	اولی الامر کی اطاعت
"	شان نزول	۳۰۳	علماء کی اطاعت
۳۲۶	دلی تسلیم و رضا	۳۰۴	شرعی قوانین کا فقدان
۳۲۷	دائمی صحیح مسلم نبوی	۳۰۵	بصورت تنازعہ
۳۲۸	درس سی و ہشت (آیت ۶۸ تا ۶۶)	"	حرف آخر
"	آیات و ترجمہ	۳۰۷ (آیت ۶۰ تا ۶۳)	درس سی و ہشت
"	رابط آیات	"	آیات و ترجمہ
۳۲۹	ابتلا من اللہ	۳۰۸	رابط آیات
۳۳۰	قربانی کا حکم	۳۰۹	منافقین کا دعویٰ
۳۳۱	ہجرت اور جہاد کی اہمیت	۳۱۰	شان نزول
۳۳۲	تعیین حکم کا ثمرہ	۳۱۱	منافقوں کے ساتھ سلوک
"	ایمان کی سچی	۳۱۳	طاغوتی نظام
۳۳۴	دنیا و آخرت کی کامیابی	۳۱۴	شرائع الہیہ کی پیروی
۳۳۵	درس سی و نہ ۳۹ (آیت ۶۹ تا ۷۰)	۳۱۵	منافقین کی بے بسی
"	آیات و ترجمہ	"	جھوٹی قسمیں
"	رابط آیات	۳۱۸ (آیت ۶۴ تا ۶۵)	درس سی و ہفت
۳۳۶	انعام یافتہ لوگ	"	آیات و ترجمہ
"	انبیاء علیہم السلام	"	رابط آیات
۳۳۷	انسان کی تعریف	۳۱۹	اطاعت رسول فرض ہے
"	نبی النان ہوتا ہے	۳۲۱	طلب معافی کے ادب
۳۳۸	نبی محصوم ہوتا ہے	۳۲۲	عرض اعمال
۳۳۹	صدق کی تعریف	۳۲۳	روضہ رسول پر استشفاع
۳۴۰	شہید اور شہادت	۳۲۴	سماع موتی

۳۵۸	رفع الظالم من ظلموم کی مدد	۳۴۰	صالحین
۳۵۹	مکہ کے مظلوم مسلمان	۳۴۱	منعہم علیہم کی جامع تعریف
۳۶۰	اللہ اور طاغوت کے راستے	"	منعہم علیہم کی رفاقت
۳۶۳	درس چیل ۲ و ۳ (آیت ۷ تا ۸، حصہ اول)	۳۴۲	شان نزول
"	آیات و ترجمہ	۳۴۳	اللہ تعالیٰ کا فضل
۳۶۴	رابط آیات	۳۴۴	درس چیل ۴ (آیت ۱ تا ۲)
"	جہاد کی عدم اجازت	"	آیات و ترجمہ
۳۶۶	ابتدائی تربیت	۳۴۵	رابط آیات
۳۶۷	ام العبادات - نماز	۳۴۵	دفاع کے لیے تیاری
۳۶۹	زکوٰۃ کی ادائیگی	۳۴۶	عیدِ ٹیگنا لوجی کی ضرورت
۳۷۰	ٹہڑی سے اعراض	۳۴۷	سلف کے کارنامے
۳۷۲	دنیا بمقابلہ آخرت	۳۴۸	جنگِ حکمتِ عملی
"	موت سے مفر تہیں	۳۴۹	مناقضین کی روش
۳۷۴	درس چیل ۳ و ۴ (آیت ۸، بقیہ ۷ تا ۸)	"	مسلمان بحیثیت جماعت
"	آیات و ترجمہ	۳۵۰	کامیابی کی کلید
۳۷۵	رابط آیات	۳۵۱	اجرِ عظیم
۳۷۶	حسنہ اور سنیہ	۳۵۲	درس چیل و یک (آیت ۷ تا ۸)
"	نبی پر الزام تراشی	"	آیات و ترجمہ
۳۷۷	بھلائی منجانب اللہ ہے	۳۵۳	رابط آیات
"	منکبرین کی بدبختی	۳۵۴	جہاد فی سبیل اللہ
۳۷۸	برائی از نفس انسانی	۳۵۶	جہاد کی راہ میں رکاوٹ
۳۷۹	ابرار کے لیے درجاتِ عالیہ	۳۵۷	نظریہ حق و باطل
"	خود احتسابی	۳۵۸	اختیار کے پروگرام

۲۰۰	رابطہ آیات	۲۸۰	تقصہ فی الدین
۲۰۱	اچھی اور بُری سفارش	"	علم فقہ اور فقہاء کرام
۲۰۲	جاہلہ سفارش پر ثواب	۲۸۲	رسول کی فرمانبرداری
۲۰۳	ناجاہلہ سفارش پر عتاب	۲۸۴ (آیت ۸۱ تا ۸۲)	درس چہل و چہارم (آیت ۸۱ تا ۸۲)
۲۰۴	سلام - مکارم اخلاق	"	آیات و ترجمہ
۲۰۵	سلام کی تشہیر	"	رابطہ آیات
"	کفار اور سلام	۲۸۵	قول و فعل کا تضاد
۲۰۶	آداب سلام	۲۸۷	توکل بر خدا
۲۰۷	سلام کی تکمیل مصافحہ	"	تدبر فی القرآن
"	اسلام کی بنیاد و توحید	۲۸۸	قرآن تضاد سے پاک ہے
۲۰۸	حاصل کلام	۲۸۹	قرآن معجزہ ہے
۲۰۹	درس چہل و چہارم (آیت ۸۸ تا ۸۹)	۲۹۱ (آیت ۸۲ تا ۸۴)	درس چہل و پانچ (آیت ۸۲ تا ۸۴)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۲۱۰	منافقوں کی دو قسمیں	۲۹۲	رابطہ آیات
۲۱۱	اس آیت میں مذکور منافقین	"	تشہیر کی ممانعت
۲۱۲	ہجرت کی تین قسمیں	۲۹۳	پیشگی تحقیق
۲۱۳	سکونت کا فقدان	۲۹۵	استنباط مسائل
۲۱۴	باطل نظامہائے معیشت	۲۹۶	استنباط شرعی حجت ہے
۲۱۵	"	"	اہم اور معصومیت
۲۱۶	ہذا بیت بدست خدا	۲۹۷	ضرورت قیاس
۲۱۷	انعیار کی درمی خواہش	"	جہاد فی سبیل اللہ
"	ان کے لیے حکم	۲۹۹	دشمن پر گہری نظر
۲۱۹	درس چہل و چہارم (آیت ۹۰ تا ۹۱)	۳۰۰ (آیت ۸۵ تا ۸۶)	درس چہل و شش (آیت ۸۵ تا ۸۶)
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ

۲۲۵	قتلِ عمر	۲۲۰	ربط آیات
"	قصاص میں زندگی ہے	"	رعایت بوجہ معاہدہ
۲۳۶	انگریزی قانون	۲۲۱	رعایت بوجہ عجز
۲۳۸	قتلِ عمر کا گناہ اور سزا	۲۲۲	اللہ کی خاص مہربانی
۲۴۰	درس پنجاہ ویک (آیت ۹۴)	"	قوانین صلح و جنگ
"	آیات و ترجمہ	۲۲۳	فتنہ پرور لوگ
"	ربط آیات	۲۲۵	جزیرہ العرب کی پاکیزگی
۲۴۱	عیاش بن مہزیب کی رعبہ کا واقعہ	"	اباحتِ خون
۲۴۳	اسامہ بن زید کی غزوت	۲۲۶	درس چیل ونہ ۲۹ (آیت ۹۲)
۲۴۴	تحقیق کا حکم	"	آیات و ترجمہ
۲۴۵	مال کی تمنا	۲۲۷	ربط آیات
۲۴۶	اسلامی مرکز کی ضرورت	"	مومن کے مال و جان کی حفاظت
"	ہران نگرانی	۲۲۸	قتل مومن کی تین صورتیں
۲۴۷	درس پنجاہ و دو (آیت ۹۵ تا ۹۶)	۲۲۹	قتلِ خطا
"	آیات و ترجمہ	"	قتلِ عمر
"	ربط آیات	۲۳۰	قتلِ شبہ عمر
۲۴۸	قائدین اور مجاہدین کا تقابل	"	قتلِ خطا کا کفارہ
۲۴۹	شانِ نزول	"	دیت یا خون بہا
"	معذروں کے لیے رعایت	۲۳۲	غلام کا بدل
۲۵۰	درجہ کے اعتبار سے فضیلت	۲۳۳	اللہ کی طرف سے توبہ
"	جہاد فرض کفایہ ہے	۲۳۴	درس پنجاہ ۵۰ (آیت ۹۳)
۲۵۱	چار گروہ	"	آیات و ترجمہ
۲۵۲	جہاد باللسان	"	ربط آیات

۲۴۰	قصر لازم ہے	۲۵۲	جہاد بذریعہ تصنیف
۲۴۱	خوف کی شرط	۲۵۳	جہاد بالمال
۲۴۳	درس پنجاہ و پنج ۵۵ (آیت ۱۰۲)	۲۵۴	ترک جہاد کا وبال
"	آیات و ترجمہ	"	فضولِ عمر حرجی
۲۴۴	رابط آیات	۲۵۵	ربیٰ جذبہ
۲۴۵	نماز خوف	"	اجرِ عظیم
۲۴۶	حکم عام یا حکم خاص	۲۵۷ (آیت ۱۰۰ تا ۱۰۱)	درس پنجاہ و سہ ۵۳ (آیت ۱۰۰ تا ۱۰۱)
"	نماز خوف کب اور کیوں	۲۵۸	ہجرت کی فرضیت آیت و ترجمہ
۲۴۷	نماز خوف کا طریقہ	۲۵۹	کو تا ہی کی سزا
۲۴۹	دشمن کا منصوبہ	۲۶۰	مغذروں کے لیے رعایت
۲۸۰	عذر میں رخصت	۲۶۱	ہجرت کی بدکات
"	ناکامی کے اسباب	۲۶۲	مقاصدِ ہجرت
۲۸۲	درس پنجاہ و شش ۵۶ (آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴)	۲۶۳	مہاجر کے لیے اجر و ثواب
"	آیات و ترجمہ	۲۶۴	ہجرت اور سیخ محضوں میں
"	رابط آیات	۲۶۵ (آیت ۱۰۱)	درس پنجاہ و چہارم ۵۴ (آیت ۱۰۱)
۲۸۳	ذکر یہ بد وقت	"	آیات و ترجمہ
۲۸۴	قلبی ذکر	"	رابط آیات
"	ہر سانس کے ساتھ ذکر	"	سفر اور اس کے اثرات
"	لامحدود ذکر	۲۶۶	شرعی سفر کی مسافت
۲۸۵	نماز بھی ذکر ہے	۲۶۷	نماز میں قصر
۲۸۶	نماز بعد از رفع عذر	۲۶۸	شرعی حیثیت
"	نماز بقید وقت	۲۶۹	طن اقامت
۲۸۸	نظام اوقات کی عدم موجودگی میں نماز	"	

۵۰۷	آیات و ترجمہ	۲۸۹	دشمن کا تعاقب
"	رابط آیات	۲۹۰	اجتہاد کی امید
۵۰۸	تختہ مشورے	۲۹۱	درس پنجاہ و ہفت آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹
۵۰۹	صدقہ کا حکم	"	آیات و ترجمہ
۵۱۰	سود و خوری	۲۹۲	رابط آیات
"	نیک عمل	۲۹۳	شان نزول
۵۱۱	اصلاح ذات البین	۲۹۵	منافق کا انجام
۵۱۲	جائزہ اور ناجائز مشورے	"	اللہ کی طرف سے وعید
۵۱۴	اہل ایمان کی چار صفات	۲۹۶	استغفار کی تلقین
"	رضائے الہی	"	خائنوں کی مذمت
۵۱۶	دریں شخصیت ۶۰ (آیت ۱۱۵)	۲۹۷	اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے
"	آیات و ترجمہ	۲۹۸	مجرمین کی بے بسی
"	رابط آیات	۲۹۹	درس پنجاہ و ہشت آیت ۱۱۰ تا ۱۱۳
۵۱۷	رسول کی مخالفت	"	آیت و ترجمہ
۵۱۸	سزائی و جوہات	۵۰۰	رابط آیات
"	اتباع کے درجات	"	گناہ کے بعد استغفار
۵۱۹	دلائل تشریحیہ	۵۰۲	ہبتان طرازی
۵۲۱	کثرت تلاوت قرآن	"	سنت انبیاء علیہم السلام
۵۲۲	مسک اہم ابو حنیفہ	۵۰۳	سفاظت خداوندی
"	شاہ ولی اللہ کا مسک	"	کتاب و حکمت
۵۲۳	فرقہ بندی کی وجہ	۵۰۴	کلی اور جزوی علم
۵۲۴	توفیق خداوندی	۵۰۶	اصل عظیم
۵۲۵	اجتماعیت کی اہمیت	۵۰۷	درس پنجاہ و نہ ۵۹ (آیت ۱۱۴)

۵۴۸	رابط آیات	۵۲۶	در شصت و یک (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)
"	خالی نسبت	"	آیت و ترجمہ
۵۴۹	بیود و ہونو کا گمان	"	رابط آیات
"	نصاری کی خوش فہمی	۵۲۷	شرک ناقابل معافی ہے
۵۵۰	مسلمان فرقتے	۵۲۸	صفات میں شرک
۵۵۱	خانہ ذی تقویٰ	۵۲۹	عبادت میں شرک
۵۵۲	شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	"	قسم میں شرک
"	نیکی کی جزا	۵۳۰	دیگر اقسام شرک
۵۵۳	سہترین دین	۵۳۱	شرک گمراہی ہے
۵۵۴	اتباع ملت البرہمی	۵۳۲	عورتوں کے نام کی دیوبند
"	ایزہیم خلیل اللہ	۵۳۳	شیطان کی پوجا
۵۵۶	نصرت اور احاطہ	۵۳۵	در شصت و دو (آیت ۱۱۸ تا ۱۲۲)
۵۵۸	در شصت و چہار (آیت ۱۲۷)	"	آیات، و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۵۳۶	رابط آیات
"	رابط آیات	۵۳۷	شیطان بمقابلہ انسان
۵۵۹	عورتوں کے مسائل	۵۳۹	شیطان کا حصہ
۵۶۰	یتیم لڑکیوں کے حقوق	۵۴۱	شیطانی فلسفہ
۵۶۱	کمزور طبقوں کے ساتھ انصاف	۵۴۲	غیر اللہ کے ساتھ نسبت
۵۶۳	حرف آخر - نیک نیتی	"	تغیر فطرت
۵۶۴	در شصت و پانچ (آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰)	۵۴۴	شیطان کی دوستی
"	آیت و ترجمہ	۵۴۵	جماعت حقہ کے لیے انعام
۵۶۵	رابط آیات	۵۴۷	در شصت و تین (آیت ۱۲۳ تا ۱۲۶)
"	میال بیوی میں نیک نیتی	"	آیات و ترجمہ

۵۸۸	قیامِ عدل	۵۶۶	صلحِ وسیع تر مضموم میں
۵۸۹	صحیح شہادت صحیح فیصلہ قانون پر عمل درآمد	۵۶۷	صلح کی اقسام اور شرائط
۵۹۱	درشخصت و شوش ۶۸ (آیت ۱۳۶ تا ۱۳۷)		
"	آیات و ترجمہ	۵۶۸	صلح کی مثال
"	رابط آیات	۵۶۹	حرص اور بخل
۵۹۲	مؤمنین سے خطاب	۵۶۹	مال کی محبت
۵۹۳	ایمان سے ملاومت	۵۷۰	نیکی اور تقویٰ
"	ایمان باللہ	۵۷۱	فطری میلان
۵۹۴	ایمان بالرسول	۵۷۲	علیحدگی کی صورت
۵۹۵	ایمان بالکتاب	۵۷۴	درشخصت و شوش ۶۶ (آیت ۱۳۱ تا ۱۳۴)
۵۹۶	کفر اور صلہ	"	آیات و ترجمہ
"	انکار ملائکہ	۵۷۵	رابط آیات
۵۹۷	انکار کتب	"	تقویٰ کی تاکید
"	انکار رسل	۵۷۷	اہل کتاب اور تقویٰ
۵۹۸	انکار قیامت	۵۷۸	بادشاہی اللہ کی ہے
"	مرتدین کا کفر وار	۵۷۹	موجود بہ حق صرف اللہ ہے
۶۰۰	درشخصت نہ ۶۹ (آیت ۱۳۸ تا ۱۴۱)	۵۸۰	مخلوق کی تبدیلی
"	آیات و ترجمہ	۵۸۱	طلب دنیا
۶۰۱	رابط آیات	۵۸۴	درشخصت و شوش ۶۷ (آیت ۱۳۵)
۶۰۲	منافقوں کے بشارت	"	آیات و ترجمہ
۶۰۳	کفار کی درستی	"	رابط آیات
۶۰۳	عزت کی تلاش	۵۸۵	حق کی گواہی
۶۰۴	اہل باطل کی مجلس	۵۸۶	رفع الظالم

۶۲۹	آیات و ترجمہ	۶۰۵	اسلام کے ساتھ استنواء
۶۳۰	رابط آیات	۶۰۶	دوغلی پالیسی
۶۳۱	نزول کتاب کا مطالبہ	۶۰۷	قلیۃ اسلام
۶۳۲	رؤیت الہی کا مطالبہ	۶۰۸	مرکز اور نکاح
۶۳۳	پچھڑے کی پوجا	۶۱۰	درس مفہاد ۱ (آیت ۱۴۲ تا ۱۴۷)
۶۳۴	ارتقاہ طور	"	آیات و ترجمہ
۶۳۵	سجدہ سے انکار	۶۱۱	رابط آیات
۶۳۶	سبقت کی بے حرمتی	۶۱۲	دھوکہ دہی
"	دلوں پر مہر	۶۱۳	نمازیں سستی
۶۳۸	درس مفہاد دو (آیت ۱۵۶ تا ۱۵۹)	۶۱۴	تذہب کی حالت
"	آیات و ترجمہ	۶۱۵	اغیار سے دوستی
۶۳۹	رابط آیات	۶۱۶	مناقضین کا ٹھکانا
"	حضرت مریم پر بہتان	"	مؤمنین کے لیے بشارت
۶۴۰	قتل انبیاء	۶۱۸	اعمال کا بدلہ
"	قتل مسیح	۶۲۰	درس مفہاد دو ایک (آیت ۱۴۸ تا ۱۵۲)
۶۴۱	رفع مسیح - پہلی روایت	"	آیات و ترجمہ
۶۴۲	دوسری روایت	۶۲۱	رابط آیات
۶۴۳	تیسری روایت	۶۲۲	مکارم اخلاق
۶۴۴	دیگر نظریات	۶۲۳	نبی کا اجر
۶۴۵	اہل کتاب کا ایمان لانا	۶۲۵	برائی سے درگزر
۶۴۸	درس مفہاد دو چہارم (آیت ۱۶۰ تا ۱۶۲)	۶۲۶	تفریق بین الرسل
"	آیات و ترجمہ	۶۲۷	اہل ایمان کا بدلہ
۶۴۹	رابط آیات	۶۲۹	درس مفہاد دو دو (آیت ۱۵۳ تا ۱۵۵)

۶۴۹	قرآن کی حقانیت	۶۴۹	حلال و حرام
۶۵۱	کفار کی گمراہی	۶۵۰	جہانی نقصانات
"	راستے کا پھنکر	۶۵۱	روحانی نقصانات
۶۵۳	منکرین کے لیے سزا	۶۵۲	حرمات بطور سزا
"	ایمان بالرسول	"	صراطِ مستقیم میں رکاوٹ
۶۵۵	درس مہفتا و ہفتاد (آیت ۱۷۱)	۶۵۳	سود خوری
"	آیات و ترجمہ	۶۵۴	حق پرست لوگ
"	رابطہ آیات	۶۵۶	درس مہفتا و ہفتاد ۵ (آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵)
۶۵۶	حضرت علیؑ اور پیروی	"	آیات و ترجمہ
۶۵۷	حضرت علیؑ علیہ السلام اور نصاریٰ	"	رابطہ آیات
۶۵۸	عقیدہ تثلیث	۶۵۷	صدقہ کی دلیل
۶۵۹	غیر تدریجی ولادت	۶۵۸	
۶۶۱	ایمان باللہ بالرسول	"	
۶۶۳	مسلمانوں کا غلو	۶۵۹	رسول اور کتابیں
۶۶۵	درس مہفتا و ہفتاد (آیت ۱۷۱ تا ۱۷۲)	۶۶۰	حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ
"	آیات و ترجمہ	۶۶۱	معروف اور غیر معروف انبیاء
۶۶۲	رابطہ آیات	"	برصغیر کی بعض شخصیتیں
"	مقامِ عبدیت	۶۶۲	خدا تعالیٰ سے ہم کلامی
۶۶۳	اہل ایمان کے لیے جزا	۶۶۳	انذار و تبشیر
۶۶۴	عبادت سے اعراض	۶۶۴	سامانِ ہدایت
۶۶۵	قرآن بطور برہان	۶۶۵	درس مہفتا و ہفتاد ۶ (آیت ۱۶۴ تا ۱۶۵)
"	پیغمبر بطور برہان	"	آیات و ترجمہ
۶۶۶	صراطِ مستقیم	۶۶۶	رابطہ آیات
۶۶۷	درس مہفتا و ہفتاد ۹ (آیت ۱۷۱)	۶۶۷	بعثت نبی آخر الزمان

۶۹۲

۶۹۲ مرد کلالہ کی وراثت

۶۹۶

عورت کلالہ کی وراثت

۱۱

۶۹۳ قدرت اور علم خداوندی

۱۱

آیات و ترجمہ

رابطہ آیات

اصحاب رسول اور سوالات

کلالہ کی تعریف

احکامِ عمرہ

مع

زیاراتِ مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ

○

مترتب

حاجی محمد فیاض خان سواتی

○

ملنے کا پتہ

قیمت
۱۸ روپے

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ

صفحات
۹۶

پیش لفظ

از: الحاج لعل دین صاحب ایم۔ اے علوم اسلامیہ، لاہور

تَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اصابع

الحمد للہ! مکمل سورۃ نساء پر مشتمل سلسلہ دروس القرآن کی یہ پانچویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پیشتر پارہ ۲۹، پارہ ۳۰، سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ جیسا کہ سابقہ جلد سورۃ آل عمران کے تعارف میں توقع کی گئی تھی، یہ جلد مکمل سورۃ نساء پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کام کی رفتار تیز ہو کر یہ جلد بہت کم وقت میں تیار ہو گئی ہے۔ بتوفیقِ ایزدی امید واثق ہے کہ ہر آمدہ جلد کے لیے انتظار کی گھنٹریاں سزید کم ہوسکیں گی۔ مکمل سورۃ مادہ پر مشتمل اگلی جلد کا مسودہ تیار ہو کر طباعت کے مرحلے طے کر رہا ہے۔ انشاء اللہ یہ جلد بھی جلد ہی منظرِ عام پر آجائے گی۔ اس وسیع کام کو شروع کرتے وقت اس کی تکمیل کی جو منزل بہت دور نظر آتی تھی اب قریب نظر آنے لگی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ زندگی اور صحت کے ساتھ توفیق عطا فرمائے تو یہ عظیم منصوبہ اپنے ہاتھوں پاہ تکمیل تک پہنچا دیکھیں کیونکہ زندگی کے اس آخری حصے میں یہی تڑپ ہے۔

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جائیں

اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جائیں

سورۃ بقرہ اور آل عمران کی طرح سورۃ نساء بھی سبع طولی سورتوں میں شمار ہوتی ہے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول ۳ ہجری کے اواخر سے ۴ ہجری کے اواخر یا ۵ ہجری کے اوائل تک ہے۔ اس زمانہ میں اہل ایمان کو جس قسم کے احکام کی ضرورت

مختی، وہ سب اس میں آگئے ہیں۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ سورۃ بقرہ میں روئے سخن زیادہ تر یہودیوں کی طرف تھا اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کی طرف۔ سورۃ نسا، میں زیادہ تر اہل عرب کو مخاطب کر کے ان کے باطل عقائد اور معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان کے کفر اور شرک کا رد کیا گیا ہے اور دعوتِ دینِ نبی کے ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کے غلط مذہبی تصورات اور غلط اخلاق پر بھرپور تنقید کی گئی ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلامی معاشرہ کافی حد تک وسیع ہو چکا تھا، مختلف قبائل کے اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے معاشرتی مسائل پیدا ہو چکے تھے۔ جنگِ احد میں مسلمانوں کے جانی نقصان کی وجہ سے یتیموں اور یتیموں کے مسائل سامنے آئے۔ وراثت کی تقسیم اور نکاح جیسے اہم معاملات پر احکام کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں یتیموں، یتیموں، یتیموں، مسافروں، والدین اور اقربا کے حقوق کو واضح فرمایا ہے۔ عرب معاشرے میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی، اللہ نے اس کے حقوق کا تحفظ فرمایا ہے اور اُسے باعزت مقام دلایا ہے۔ تقسیمِ وراثت جیسے اہم اور مشکل مسئلہ کے متعلق مکمل ضابطہ نازل فرمایا ہے۔ خانہ دانی معاملات میں مرد و زن کے تعلقات کو بہتر طور پر منظم فرمایا ہے اور نکاح کے ضمن میں تمام محرمات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے معاشرتی خرابیوں میں شراب پر پابندی عاید کی ہے۔ دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے اہل اسلام کو ترغیب دی گئی ہے اور ساتھ ساتھ ان کی اندرونی تنظیم پر بھی زور دیا گیا ہے۔ افواہوں کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور خاص طور پر دورانِ جنگ پیدا ہونے والی افواہوں کی قیاحت سے آگاہ کیا گیا ہے۔ عبادت کے احکام کا سلسلہ اس سورۃ میں بھی جاری ہے۔ طہارت کے لیے وضو اور تیمم کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ صلوٰۃ خواتین اور صلوٰۃ قصر کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ امورِ سلطنت کو بہتر طور پر انجام دینے کیلئے احکامِ سلطانیہ بیان ہوئے ہیں، چنانچہ خیر جانیدار معاہدہ کیا گیا، سلوک، مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں سے برتاؤ اور ان کی سازشوں سے چوکنہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ غرضیکہ سابقہ درو طال سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی مختلف الانواع مسائل کا وافر ذخیرہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس سے استفادہ

حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آج پوری دنیا سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام پر چلتی ہے۔ پوری انسانیت اپنے ہی ہاتھوں معاشرتی اور سیاسی مسائل سے دوچار ہے۔ خالق اور مخلوق کا تعلق کھنڈور پٹیر ہے اور شیطانی افعال پوری قوت کے ساتھ نئی نسل کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن پاک ہی وہ واحد لائحہ عمل ہے جو بظاہر ہوئی مخلوق کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ آئیے اپنے مسائل کا حل اور سکون قلب کی دولت اللہ کے قرآن اور نبی آخر الزمان کے فرمان میں تلاش کریں۔ اس سلسلہ میں دروس القرآن کا یہ منصوبہ حتی المقدور اپنی خدمات پیش کر رہا ہے۔ آئیے ہم اپنی جھبھیلیوں کو اس کی برکات سے محروم نہ کریں۔ قارئین کرام سے الٹا سہ ہے کہ اس سلسلہ میں دلے، درے، سخیے، حصے لینے والے تمام کارکنوں کے استقامت اور آخرت میں بہترین اجر کی دعا فرمائیں۔

احقو العباد

(الحاج) اجل دین، ایم اے (علوم اسلامیہ)

شالامار ٹاؤن۔ لاہور

نوٹ

تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن بحمد اللہ تعالیٰ
 رمضان ۱۴۱۶ھ میں مکمل بیس جلدیں طبع ہو چکی ہیں
 فیاض

سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ
وَكَوَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

فرقہ وارانہ کشمکش، اسلام کو اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرنے، کتاب اللہ کی غلط تفسیریں اور باطل تاویلات، رسومات و بدعات کی فراوانی کے اس دور میں جب کہ ظلم و جہالت کی دیبر چادر پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، جہاں ہر سر قدم پر انسانی حوصلہ پست کر نیوالی اور ہمت ہرائیتے والی سینکڑوں بلکہ ہزاروں رکاوٹیں موجود ہیں، جہاں انسان عزم کا استحکام اور ارادے کی استواری بالکل کھو دیتا ہے، دل کی تنگنگی اور دماغ کی تمام بلند خیالیاں معدوم ہو جاتی ہیں۔ دل میں نئی امنگ پیدا ہونے پر کوئی خدا کا بندہ اگر ان حالات پر کچھ کرنے، کہنے یا لکھنے کی کوشش کرتا ہے تو طاعتوں کی طاقتوں کے بنائے ہوئے مضبوط پھندوں یا حسین جالوں میں پھنس کر گر پڑتا ہے۔

سینہ کا دریا ہے ازل سے تا امروز چرخ مصطفوی سے شرار بود لہبی
یہی وقت میں ذاتی مفادات سے بالا ہو کر اسلام کی صحیح ترجمانی اور قرآن و سنت کا صحیح بیان یقیناً اہل حق میں انتہائی باہمت اشخاص کا کام ہے، اور اپنے اس فریضہ کی ادائیگی ہے جس کا حکم رب ذوالجلال نے اپنی مقدس اور آخری کتاب میں فرمایا۔

وَلَسٰتُ اَنْتُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ
اِلٰى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
اور تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیے
جو بھلائی کی طرف لوگوں کو دعوت دے اور

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بُرے کاموں
سے روکے

(رکال عمران)

اچھے اللہ، معلم العرفان فی دروس القرآن علیٰ حق کی ان دیگر تفاسیر اور کتب میں شامل ہے جنہوں نے حالات کی پروا کیے بغیر اپنے فریضہ کو صحیح طور پر ادا کیا، گو اس میں الفاظ اور عبارت اراٹی کی وہ چمک دمک نہیں ہے جو بعض دیگر کتب و تفاسیر میں موجود ہے لیکن قرآن و سنت کی صحیح تعبیر، علمائے سلف کے مزاج کے مطابق عام فہم انداز میں موجود ہے، اور اس میں ہر طبقہ علوم کی ابدی بھلائی کے لیے واقف حصہ ہے۔

اس میں علمائے حق کی مستند تفاسیر میں پھیلے ہوئے اہم مسائل کو ایسے سانسے میں ڈھالا گیا ہے، جو عہد حاضر کے مسائل کا صحیح حل پیش کرتے ہیں اور ادھر ادھر سے بے نیاز کر دیتے ہیں، اس میں غلط افکار کی مکمل تیج کنجی کر کے اتمام حجت کا فریضہ انتہائی احسن انداز میں کر دیا گیا ہے۔

یہ دروس بیک وقت مختلف محاذوں پر برسرِ سپر کیا نظر آتے ہیں، ان میں تمام باطل مذاہب کا رد انتہائی اچھے اور اچھوتے انداز میں کیا گیا ہے، جن سے صاحب درس کے مطالعے کی وسعت، نظر کا عمق اور مقاصد کی رفعت عیاں ہے، غالباً یہ سب کچھ اساتذہ و شیوخ کے آستانہ فیض بخش کامرہوں منت ہے۔

صاحب درس حضرت صوفی صاحب مظاہر فائدہ ولی اللہی کے حدیٰ خوال اور اپنے شیخ و استاد حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے انتہائی متاثر ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت کو صبر و شجاعت، ایثار و قناعت کے ساتھ ساتھ عزیمت و استقامت کا وافر حصہ عطا فرما رکھا ہے، عہد طفولیت تعلیم میں گذرا اور عہد شباب سے لیکر اس پرانہ سالی میں بھی قرآن و سنت اور کتب درسیہ کی تعلیم میں مصروف ہیں، نصرت ایندوی نے شامل حال ہو کر دس تدریس کے ساتھ ساتھ حضرت کے قلم حق رقم سے بھی سہانوں کی خدمت کا کام لیا۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے متعدد رسالوں اور کتب کے تراجم و حواشی اور توضیح دیگر انتہائی اہم اور مفید کتب و رسائل کے تراجم و حواشی، نماز مسنونہ، غزنیوں میں تشیخ پیدا کرنے والے علوم

میں ایسا غوجی کی اُردو شرح، افکار حضرت سندھیؒ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
 خدا تعالیٰ حضرت کی ان کوششوں کو بار آور فرمائیں، رہتی دنیا تک خواص کے ساتھ
 عامۃ المسلمین کو ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ حضرت اور آپ کے شیوخ و اساتذہ
 کے لیے انہیں صدقہ جاریہ بنائیں۔

زیر نظر کتاب مکمل سورۃ نساء کے ۹ دروس پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ میں تدریس مندرج
 یعنی گھر پر زندگی اور عورتوں کے حقوق کے بارہ میں بہت سے احکام اور ان کی حکمتوں کا بیان
 ہوا، اسی ضمن میں عورت کی سربراہی کا مسئلہ بھی بیان ہوا، از دوامی زندگی اور اس سے پیدا
 ہونے والے مختلف الانواع مسائل کا حل واضح طور پر کر دیا گیا ہے جس پر عمل پیرا ہونے
 سے ایک عمدہ سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے، اور فساد فی الارض کے سببوں اور اسباب
 کا قلع قمع ہو جاتا ہے، عبادت کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ طہارت کا ظاہرہ کے
 احکام مجزا کیے تینم، جنابت، غسل کے مسائل اور طہارت باطنی یعنی تقویٰ اور اس کے
 اہم ترین اصول عدل، احسان، تعظیم شعائر اللہ اور تنظیم شعائر اللہ کا مفصل بیان بھی ہو چکا
 ہے، سیاست دینیہ یعنی احکام سلطنت کے سلسلہ میں دیگر دروس کے علاوہ درس ۳۴،
 ۳۵ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ تاہم ان سب امور میں فلسفہ ولی اللہی کی چھاپ نمایاں طور
 پر محسوس ہوتی ہے۔

آخر میں ولی دعوایہ کے اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب دین حضرت ضوفی صاحب مدظلہ العالی نے
 قرآن کے جہد اراکین فاضل مرتب جناب حاجی لال دین، ————— سرگرم ارکان
 بلال احمد ناگی، الحاج بابو غلام حیدر، استری محمد منیر، شیخ محمد یعقوب، منشی مشتاق احمد، اصحاب منیر احمد نارو
 اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فز و فلاح اور بخش کا ذریعہ بنائے اور ان کی اس سعی
 جمیل کو قبول فرمائے اور قیمت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہو سکی توفیق عطا
 فرمائے۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

فقط محمد شرف، فاضل مدرسہ نصیرۃ العلوم و وظائف المدارس العربیہ

۱۶ جلدی لاہوری ۱۳۰۹ بمطابق ۲۶ جنوری ۱۹۸۹ء

سُورَةُ نِسَاءٍ
(مَكَّمَل)



لَنْ تَنَالُوا

النِّسَاءَ ۴

دِس اَوَّل ۱

آیت ۱

سُورَةُ النِّسَاءِ مَكِّيَّةٌ هِيَ مِائَةٌ وَسَبْعٌ وَسَبْعُونَ آيَةً فِيهَا الرَّجْعَةُ وَعِشْرُونَ كُوعًا

سورۃ نساء مدنی ہے اور یہ ایک سو ستتر آیات اور انہیں چوبیس ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بچہ مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ
 نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا
 رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ
 بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

ترجمہ :- اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، جس نے تمہیں پیدا
 کیا ایک ہی نفس سے اور پیدا کیا ہے اُس نے اسی
 نفس سے اُس کا جوڑا، اور پھیلا دیا ہے اُن دونوں سے بہت سے
 مردوں اور عورتوں کو۔ اور اُس اللہ سے ڈرتے رہو کہ تم سوال
 کرتے ہو اُس کے واسطے سے، اور قرابتوں سے (خبردار رہو) بیشک

اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر نگہبان ہے ①

نام اور کونسا

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ النساء ہے۔ یہ سورۃ ہجرت کے بعد مدنی زندگی میں نازل
 ہوئی۔ سورۃ بقرہ اور آل عمران کی طرح یہ بھی لمبی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ترتیب کے لحاظ

سے طویل ترین سورۃ بقرہ ہے، پھر آل عمران اور اس کے بعد سورۃ نساء کا نمبر ہے اس کی ایک صد ستتر آیتیں، چوبیس رکوع، تین ہزار نو سو چالیس کلمات اور اور سولہ ہزار تیسٹھ^{۱۶۰۳۰} حروف ہیں۔

نساء جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد الْمَرْءُ ہے تنبیہ الْمَرْءُ ہے یعنی ایک عورت، دو عورتیں اور نساء یا نسوة سب عورتوں کے معنی میں آتا ہے اسی طرح مرد کے لیے بھی الْمَرْءُ، الْمَرْءَانِ اور رِجَالٌ آتا ہے یعنی ایک مرد، دو مرد اور سب مرد۔

جیسا کہ اس سورۃ مبارکہ کے نام سے ظاہر ہے، اس میں عورتوں کے متعلق مضامین سورۃ بہت سے احکام ہیں۔ تاہم اس سورۃ میں اس کے علاوہ بھی بہت سے احکام اور حکمتیں بیان ہوئی ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر گذشتہ سورۃ میں بھی گزر چکا ہے اور اس سورۃ میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ عورتوں کے مسائل اُن کے حقوق ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔ عیسائی اور ہندو عورت کو وراثت کا حق نہیں دیتے۔ برخلاف اس کے اسلام نے عورت کو وراثت میں حصہ دیا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں وراثت کے بہت سے احکام بیان ہوئے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ مومن مرد یا عورت کا نکاح مشرک عورت یا مرد کے ساتھ جائز نہیں۔ اب اس سورۃ میں اُن تمام رشتوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ پھر حقوق ہی کے ضمن میں ایک مسلمان کے لیے اُس کے اقربا کے حق کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ رشتہ داروں میں والدین، بہن بھائی، اولاد کی تفصیل ہے، پھر یتیموں، مسکینوں مسافروں اور یتیموں کے حقوق ہیں۔ خاص طور پر یتیموں کے حقوق کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں معاشرتی احکام بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ عالمی قوانین کا ذکر بھی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق اس سورۃ

میں تدبیر منزل کے تمام احکام بیان ہوئے ہیں اور اجتماعی احکام میں احکام سلطانہ یعنی حکومت اور رعیت سے تعلق رکھنے والے احکام بھی آئے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے نظام حکومت کے احکام بھی نازل فرمائے ہیں۔ اجتماعی احکام کے سلسلے میں جہاد کا تذکرہ ہے اور پھر مسلمانوں کے تین حریف گروہوں یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ بحث و تمحیص کا ذکر بھی ہے۔ منافقین کی منافقت کی تفصیلات بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ اور ان سے بچاؤ کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کی تفصیلات بھی بیان فرمائی ہیں چنانچہ مبادی عبادت سے لے کر تیمم، جنابت، غسل، نماز وغیرہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں

سورۃ بقرہ میں کلام کا زیادہ تر رُخ تقویٰ کے حصول اور یہود کی اصلاح کی طرف تھا۔ پھر سورۃ آل عمران میں اہل ایمان کے لیے ضروری مسائل بیان ہوئے اور روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی اصلاح کی طرف رہا۔ تاہم ضمناً یہودیوں کا تذکرہ بھی تھا۔ اور اب اس سورۃ میں اور اگلی سورۃ مادہ میں اہل عرب کی اصلاح کا پہلو اجاگر ہے۔ اس سے آگے سورۃ انعام میں مجوسیوں کی طرف اشارہ موجود ہے اور شرک کی مختلف قباحتوں کا تذکرہ ہے۔

سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اجتماعی احکام سے کی ہے۔ اور اجتماعی احکام میں اہم ترین حکم تقویٰ ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ لَعَلَّكُمْ تُرْجَوْنَ** پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا۔ تقویٰ کے مسئلے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کے مختلف مقامات پر بیان ہو چکے ہیں۔ تقویٰ اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور اس کے ساتھ عدل، احسان، تعظیم شعائر اللہ اور تعظیم شعائر اللہ بھی آتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان سالقہ سورۃ کے آخر میں ہو چکا ہے۔ سورۃ کا اختتام ہی اس پر ہوتا ہے **وَالْتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْجَوْنَ**

تخوف خدا

تَقْلَحُونَ“ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرجاؤ تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ تقویٰ اختیار کرنے سے تمہارے اندر حقوق کی ادائیگی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اور پھر تم عدل و احسان پر کاربند ہو جاؤ گے۔ شرعی حدود کی پابندی کرنے لگو گے اور یہ سب کچھ خوفِ خدا کا ثمرہ ہو گا جس کے متعلق فرمایا کہ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرجاؤ

تخلیق انسانی

فرمایا اُس رب سے ڈرجاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ ایک جان یا نفس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ تقریباً چار ہزار زبانیں بولنے والے کالے گوسے، شرقی مغربی، مہرخ، گندمی غرضیکہ اس دنیا میں جتنے بھی انسان موجود ہیں۔ ان سب کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ سورۃ حجرات میں بھی آتا۔ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰی ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت اور فلسفے کے مطابق آدم علیہ السلام انسانِ کامل کا مظہر ہیں اور انسانِ کامل خظیرۃ القدس میں متم انسانیت کا مجموعہ اور نمونہ ہے۔ اس کو روحِ اعظم بھی کہا جاتا ہے، انسانِ کبر اور امام نوعِ انسانی بھی اسی کے نام ہیں۔ انسانی روح اسی انسانِ کامل کا عکس ہوتی ہے اور اسی کے واسطے سے تمام نوعِ انسانی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی سبحانی اعظم کے ساتھ ہوتا ہے گویا عرض الہی کے نیچے امام نوعِ انسان موجود ہے جس کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آدم علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ چنانچہ پورے انسانِ انسانی میں سے سعادت مند وہی شخص ہو گا جو اس نمونہ کے مطابق ہو گا۔ جو شخص اس نمونہ سے جس قدر ہٹ جائے گا، اسی قدر وہ شقاوت میں حصے دار بن جائیگا۔

خاص رضی

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مٹے زمین کی مٹی سے پیدا کیا۔ فرشتے کو حکم ہوا کہ مٹے زمین کی مٹی کو سمیٹ لو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر اُس سے خمیر بنایا گیا، اُسے گوندھا گیا اور اس سے آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار کیا گیا۔ پھر اُس میں اللہ نے روح پھونچی جس کی تفصیل قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ جس طرح زمین

کے مختلف حصوں کی مٹی مختلف ہے، کوئی سخت، کوئی نرم، کوئی سُرخ، کوئی سفید، کوئی ریتیلی اور کوئی چینی اسی طرح نسل انسانی کے افراد کے مزاج بھی مختلف ہیں، کوئی نرم مزاج، کوئی سخت مزاج، کوئی طیب اور کوئی خبیث غرضیکہ مٹی کا اثر کسی نہ کسی صورت میں ہر انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔

فرمایا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور اُس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا۔ حضرت عمرؓ کی پیدائش
 میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا جوڑا حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا۔
 آدم علیہ السلام کی ایک پسلی کو ان سے الگ کیا گیا جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک پسلی کم ہو گئی یا ویسی کی ویسی ہی رہی پسلی کا بالکل علیحدہ ہو جانا بھی ضروری نہیں کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کی مٹی لے کر آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور زمین میں کوئی چیز کم نہیں ہوئی، اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے نکالنے کے باوجود اُس پسلی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جان یعنی آدم علیہ السلام سے اُن کا جوڑا یعنی حوا کو تیار کر کے اُن میں خاوند بیوی کا رشتہ قائم کر دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان کی پسلیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً بالائی حصے کی پسلیاں زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہیں۔ چونکہ حضرت حوا نے پسلی سے نکالی گئیں اس لیے ہر عورت میں ایک قسم کی فطری کجی پائی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا اس ٹیڑھا پن کو ذہن میں رکھتے ہوئے عورت کے ساتھ نباہ کر دو۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ عورت کے اس ٹیڑھا پن کو کسی حد تک برداشت کرو فرمایا کسی ہا صلا فقہا اگر تم اس کے ٹیڑھا پن کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائیگی یعنی تم اسے طلاق دے کر علیحدہ کر دو گے، لہذا اُس کی کجی کو برداشت کرتے ہوئے اس سے نباہ کر دو۔

کیا پھر اسی سے اسی کا جوڑا پیدا کیا وَبِئْتِ مِنْهُمَا رَجُلًا كَثِيفًا وَاُنْسَاءً
 اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ آج دنیا کی آبادی
 کم و بیش پانچ ارب ہے مگر ان کی پوری پوری اقدار سوائے اللہ کے کوئی
 نہیں جانتا۔ اور ان میں سے کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں، یہ بھی رب ذوالجلال
 ہی جانتا ہے۔ اور پھر آگے قیامت تک مزید کتنی تعداد میں پیدا ہونے والے
 ہیں، صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وہ خلاق عظیم ہے۔

چونکہ پوری بنی نوع انسان ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں
 لہذا ایک دوسرے کے حقوق کی پہچان بھی ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ
 نے ڈرتے رہنے کی تلقین کی۔ تخلیق کا مسئلہ بیان کیا تاکہ باہمی حقوق کا مسئلہ
 سمجھ میں آجائے۔ سب سے پہلے اللہ کا حق ہے۔ ہم سب کے سب اللہ
 ہی کی طرف محتاج ہیں کیونکہ خلاق عظیم وہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہماری
 سب کی تخلیق ایک جوڑے سے ہوئی ہے اس لیے ایک دوسرے کے
 حقوق کی پاسداری ضروری ہے۔ قریبی عزیزوں کے حقوق کو اولیت حاصل
 ہوگی اور پھر درجہ بدرجہ تمام بنی نوع انسان کا حق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
 سے مروی ہے الناس من جهة الشمال اکفاء ابوہم
ادم والام حواء۔ یعنی ہم کھو ہونے کی وجہ سے تمام انسان ایک جیسے
 ہیں۔ سب آدم اور حوا کی اولاد ہیں اور آدم ہی سب کا ماجا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
 نے اس ایک ذات سے تمام مردوں اور عورتوں کو پھیلا یا ہے۔

فَرَمَا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ
 اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو
 نیز ارحام یعنی رشتوں اور قرابتوں سے ڈرتے رہو۔ رشتہ داری کا پاس نہایت
 ضروری ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے
فَرَمَا الرَّحِمُ شَجَعَةً مِّنَ الرَّحِمِ قُرَابَتِ دَارِي رَحِمَانِ كِي

صلہ رحمی

رحمت کی ایک شاخ ہے۔ رشتے نے پیدا ہونے پر رحمان کا پہلو پھڑپھڑایا اور
 عرض کیا اے پروردگار یہ تیری پناہ پھڑپھڑانے والا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 مَنْ وَصَلْتُكَ وَصَلْتُهُ جَوْجُورًا وَمَنْ لَمْ يَصِلْهُ لَمْ يَصِلْهُ جَوْجُورًا
 وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُكَ اور جو تجھے جوڑے گا میں اُسے جوڑوں گا۔

فرمایا مسئلہ انفرادی ہو یا اجتماعی احکام کا ہو، عبادت یا معاشرت کا
 معاملہ ہو، ہر صورت میں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُمْ رَقِیْبًا بَشِیْكًا
 اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ کوئی اچھا کام کرو
 یا برا اُسکی نگرانی ہر حالت میں قائم ہے۔ لہذا محتاط رہو۔ حقوق کو ادا کرتے
 رہو۔ تقویٰ اختیار اور برائی سے بچتے رہو تاکہ آخرت کی ندامت سے
 بچ جاؤ۔

النِّسَاءِ
آیت ۲

لَنْ تَنَالُوا
درس دوم ۲

وَأَنْتُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْحَبِيثَ
بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ
إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ②

ترجمہ :- اور تم سے اور یتیموں کو اُن کے مال اور نہ قبیل کرو
خبیث مال کو طیب مال کے ساتھ اور نہ کھاؤ اُن کے مالوں کو اپنے
مالوں کے ساتھ بیشک یہ بڑا گناہ ہے ②

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا کہ اُس اللہ سے
ڈر جاؤ جس کے واسطے سے تم سوال کرتے ہو۔ اُس نے تمہیں ایک جان سے
پیدا کیا، پھر جوڑے جوڑے بنا کر لاتعداد مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، نیز یہ بھی تاکید
فرمائی کہ قربت داروں کے حقوق سے متعلق ڈر جاؤ۔ انسانی حقوق کی ادائیگی میں رشتہ داروں
کے حقوق کو اولیت حاصل ہے۔ انہیں لازم طور پر ادا کرنا و غرضیکہ اجتماعی حقوق کے
سلسلے میں اللہ نے تقویٰ کو سب سے پہلے بیان فرمایا۔

اب حقوق کی تفصیل بیان ہو رہی ہے، اور حقوق کے سلسلے میں یتیموں کے
حقوق کو مقدم رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اگلی دس آیتوں تک یتیمی کے حقوق کی بات ہی
ہے۔ یتیم چونکہ بے بس اور کمزور ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انہی کا
تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَنْتُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِهِمْ یتیموں کو اُن کے
مال سے دو۔ یتیمی یتیم کی جمع ہے۔ اور اس کا معنی ہے الگ ہونے والا حصہ روح المعانی
فرماتے ہیں کہ عربی محاورہ ہے، اصطلاح اور زبان کے مطابق جس کا باپ مر جائے وہ
سن بلوغت تک یتیم کہلاتا ہے۔ جب لڑکا، لڑکی یا بالغ ہو جائیں تو وہ یتیم کی فہرست سے

نکل جاتے ہیں۔ بالغ ہونے پر وہ مکلف یا ذمہ دار ہو جاتے ہیں اور ان پر قانون کی پابندی لازم آجاتی ہے۔ حدیث شریفین میں آتا ہے لَا يُسْمَعُ بَعْدَ إِحْتِلَامٍ یعنی احتلام وارد ہونے کے بعد۔ یتیمی وارد نہیں رہتی۔ لَا يُسْمَعُ بَعْدَ بُلُوغٍ یہ بھی فرمایا کہ بالغ ہونے پر یتیمی زائل ہو جاتی ہے یہ ہر حال یتیم وہ ہے جس کا باپ اس کی کم سنی میں فوت ہو جائے۔ البتہ دیگر انواع یعنی حیوانات، پرندوں وغیرہ میں یتیم بچہ وہ سمجھا جاتا ہے جس کی ماں اس کی کم سنی میں فوت ہو جائے۔ عام اصول یہی ہے۔

البتہ جو شخص بالغ ہو جائے وہ بلوغت کے ابتدائی زمانے میں بھی یتیم ہی کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے وَالْوَالِدَاتُ الَّتِي أَيْتِمْنَ كَوْنَهُنَّ دُونََ اس سے مراد وہ یتیم ہیں جو نئے نئے سن بلوغت کو پہنچے ہوں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جب یتیم سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ اب وہ سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ اچھے برے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ لہذا ان کے حقوق ان کو لوٹا دو۔ اس سورۃ کی چھٹی آیت میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ "حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ" یعنی جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کو لوٹا دو۔

جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے نزول قرآن کے زمانے میں عورتوں کے ساتھ بڑی زیادتی ہوتی تھی۔ ان کی حق تلفی ہوتی تھی اسلام نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ قانون کی نگاہ میں مرد و زن یکساں ہیں البتہ مردوں کو ایک درجہ عورتوں پر فوقیت حاصل ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد عورتوں کو ذلیل سمجھنے لگیں، ان کے حقوق ضائع کریں یا ان پر کسی قسم کی زیادتی کریں۔ عرب لوگ عورتوں کی طرح یتیموں کے ساتھ بھی بڑی زیادتی کرتے تھے۔ یتیم کو وراثت کا جائزہ حصہ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ان کا حصہ ان کے متولی کھا جاتے تھے۔ یتیموں کے سرپرست عام طور پر بھائی

بچا، یا تباہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے تھے اور وہ بچاے درود کی ٹھوکریں کھانے کے لیے رہ چکے تھے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور کے صحابی حضرت سعدؓ جنگ احد میں شریک ہو کر شہید ہوئے اس کی بچیاں یتیم رہ گئی ہیں۔ مگر مہرم کے مال پر اس کے بھائی نے قبضہ کر لیا ہے۔ اب ان بچیوں کی گذر و قفا اور ان کے نکاح کا بندوبست کیسے ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہذا کی آیت **يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ**... نازل فرمائی۔

چنانچہ یتیموں کی حقاری کے متعلق سورۃ بقرہ، سورۃ ہذا اور دیگر بہت سے مقامات پر سخت تاکید آئی ہے۔ یہاں پر بھی آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کی حفاظت، نگرانی، تربیت، اور ان کے مال کی حفاظت کے متعلق بڑی سخت تاکید کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے **اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ** یعنی میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا قیامت کے دن اس طرح ہوں گے جس طرح انکشت شہادت اور درمیانی انگلی قریب قریب ہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا! حضور! میرا خاندان فوت ہو گیا ہے میں اس کی بہن، یتیم بچیوں کی پرورش کر رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا **لَقَدْ حَظَرْتِ بِحَظْرٍ سَدِيْدٍ دُونَ النَّارِ** تو نے دوزخ کی آگ کے سامنے بڑی سخت باڑھ لگا دی ہے، وہ باڑھ تھجے جہنم میں جاتے سے روک دے گی۔

بہر حال یتیموں کی پرورش شخصی فرض بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ معاشرے کے کمزور طبقات اسی میں آتے ہیں۔ غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں کو ان کا حق ادا کرنا اجتماعی ذمہ داری ہے۔ کسی مزدور یا کسان کا حق غصب کرنا قطعاً حرام ہے۔ ہر کارخانے دار اور زمیندار پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنے کارندوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

أَعْطِ كُلَّ ذِي حَقِّ حَقَّهُ هَرَقْدَارِ كُوَاْسُ كَا حَقِّ اِدَا كَرُو۔ یہ ہمارے
 دین کا اہم اصول ہے۔ آج کل بڑے بڑے ادارے یتیموں اور مسکینوں
 کے نام پر فنڈ اکٹھا کر کے کھا جاتے ہیں الا ماشاء اللہ ایسا ہرگز نہیں ہونا
 چاہیے۔ ہر قردار کو اس کا حق ملنا چاہیے، جو رقم جس مقصد کے لیے اکٹھی
 ہوئی ہے۔ اسی پر خرچ ہونی چاہیے۔

حلال میں حرام
 کی ملاوٹ

اَكَّ فَرَمَا وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَاتِ بِالطَّيِّبِ نَزِيدِ كَرُو كَفْدِ
 مال کو پاک مال کے ساتھ، یہاں پر خبیث و طیب سے مراد حلال و حرام
 ہیں یتیم کا مال تمہارے حق میں خبیث ہے اسے اپنے پاک مال کے
 ساتھ مت تبدیل کرو۔ یتیم کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانے کی کوشش کر کے
 تو تمہارے پاک مال میں خباثت کی ملاوٹ ہو جائے گی۔ ایسا نہ کرو۔ سو وابقہ
 میں اللہ نے عام قانون کے طور پر فرمایا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
 بِالْبَاطِلِ اِيك دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ فَرَمَا
 لَا يَحِلُّ لِمَرْءٍ مَسْلُومٍ أَنْ يَأْكُلَ مَالَ أَخِيهِ
 اَلَا بِطَيِّبٍ نَفْسِهِ كَسِي مُسْلِمَانِ كِي لِي حَلَالٍ نِيَسِي كَرُو كَسِي دُوسَرِ
 مسلمان کا مال ناجائز طریقے سے کھائے سو اے خوشی اور رضا کے بغیر
 تمہارے حق میں یتیم کا مال حرام ہے۔ اسے پاک مال کے ساتھ مت ملاؤ۔
 غضب شدہ مال پوری اور دھوکہ فریب سے حاصل کردہ مال حرام ہے،
 اس سے بچو۔

حرمیت کی حکمت

اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کے
 لیے حرام قرار دی ہے وہ لازماً تمہارے حق میں مضر ہے۔ اسی طرح جس
 چیز کو خبیث فرمایا ہے۔ وہ بھی انسانی جسم کے لیے ہلک ہو سکتی ہے
 جیسے دھلی عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ حَضْرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نِي خَبِيثِ
 دوائی استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ زہر خبیث ہے اور یہ لازماً ہلک ہے

اسی طرح دم مسفوح میں خیانت ہے اور اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ نذر غیر اللہ میں روحانی خیانت پائی جاتی ہے اس لیے یہ بھی حرام ہے۔ اہل ربہ بغیر اللہ کے سخت حرام ہے۔ مردار اسی لیے حرام ہے کہ وہ مضر صحت ہے۔ سور کا گوشت بھی اسی قبیل سے ہے اور حرام ہے۔ غرضیکہ ہر حرام چیز میں کوئی نہ کوئی ظاہری یا باطنی خیانت ہے جسکی بنا پر وہ چیز ممنوع قرار دی گئی ہے۔ پوری، جوئے، رشوت یا غبن کا مال بظاہر تو ایسے ہی ہے جیسا حلال مال ہوتا ہے مگر غیبت ہونے کی بنا پر ناپاک ہے اس کے استعمال سے انسان میں سنجاست ہی پیدا ہوگی۔ جو جسمانی اور روحانی ہر دو لحاظ سے مضر ہے۔

اکل حرام

اَكْ فَرَمَاوَا لَا تَاكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلَى اَمْوَالِكُمْ
 اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ اس لیے ملاتے ہو تاکہ مشترک کھانے میں یتیم کا حصہ نسبتاً کم آئے گا اور اس طرح اس کا مال محفوظ رہے گا، پھر تو یہ درست ہے کیونکہ تمہاری نیت صحیح ہے۔ تم یتیم کے مال کی زیادہ سے زیادہ حفاظت کرنا چاہتے ہو۔ اسی طرح اگر تم یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مشترک کاروبار کرتے ہو، کسی صنعت میں لگاتے ہو مشترک کھیتی باڑی کرتے ہو تاکہ یتیم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے تو اس میں کوئی عرج نہیں بلکہ یہ بہتر ہے۔ برخلاف اس کے اگر تم اپنا مال اور یتیم کا مال اس لیے ملاتے ہو، کہ بدبیتی سے اس کا مال مضمم کیا جائے۔ کھانے میں شامل کر کے اس کے حصہ میں زیادہ خرچہ ڈال دیا یا تجارت میں لگایا جائے تو اس کو نفع تھوڑا دیا خود حصہ سب سے زیادہ لے لیا جائے تو یہ اشتراک جائز نہیں ہوگا، اسی کے متعلق فرمایا لَا تَاكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلَى اَمْوَالِكُمْ بِحُوبٍ بَدِیْتِی سے اس کا مال کھانے کی کوشش نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون ہے۔ سورۃ بقرہ میں اسی بات کے متعلق فرمایا کہ اگر تم یتیموں کو اپنے ساتھ ملا لو، تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بشرطیکہ نیک نیت ہو کیونکہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمَفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ

فرمایا اگر ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاؤ گے تو رائے کا كَانَ حُوبًا كَبِيرًا بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے لفظ حُوب اور حُوب دونوں گناہ کے معنی میں آتے ہیں۔ اور یہ الفاظ ظلم کا معنی بھی دیتے ہیں۔ جیسے عربی شاعر نے کہا ہے

انی و ما کلفتون من امر کو

لیعلم من امسی و اعق و احوبا

یعنی تم نے جو مجھے تکلیف دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے گنوار جان لے کہ تم نافرمان اور ظالم قوم ہو۔ دُعا میں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں۔ اللھم اقبل توبتی و اغفر حوبتی اے اللہ میری توبہ قبول کر لے اور میرے گناہ معاف فرمائے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اپنی بیوی کے طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس کا تذکرہ حضور علیہ السلام کے سامنے بھی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان طلاق ام ایوب لحوب ام ایوب کو طلاق دینا بڑے ہی گناہ کی بات ہے یا ظلم کی بات ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ایوب نے اپنا ارادہ پورا نہ کیا بلکہ طلاق دینے سے باز ہے۔

الغرض! فرمایا یتیموں کے مال کو یہ یتیمی سے کھانا بہت بڑا گناہ ہے تمہارے لیے یہ خبیث مال ہے اور قطعی حرام ہے یتیموں کے مال کی نجات کا قانون بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کا تذکرہ آ رہا ہے۔ دس آیات تک یتیموں کے مال اور نئے متعلق دیگر مسائل آئیں گے

النِّسَاءُ ۴
آیت ۳

لَنْ تَنَالُوا
دس سوم ۳

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا
مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا مَثَىٰ وَثَلْتُمْ وَرُبَعًا
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝۳

ترجمہ :- اور اگر تم خوف کھاؤ کہ تم انصاف نہ کر سکو گے یتیم
لڑکیوں کے بارے میں تو نکاح کر لو جو پسند ہو تم کو ان کے علاوہ عورتوں
میں سے دو، دو، تین تین، چار چار۔ پس اگر تم خوف کھاؤ کہ ان میں انصاف
نہ کر سکو گے، پس ایک عورت ہی کافی ہے یا ان لوگوں سے
فائدہ اٹھاؤ جن کے تمہارے دلہنے ہاتھ مالک ہیں۔ یہ بات زیادہ
قریب ہے کہ تم ایک طرف نہ جھک پڑو گے ۝۳

ربط آیات
سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا، اور تمام انسانوں
کا ایک ہی نفس سے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا۔ پھر اسی ایک نفس سے اُس کا جوڑا پیدا
کیا اور پھر تمام نسل انسانی کو پھیلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے اور قربتِ اِرحم
سے حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ انسانی حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا، اور خاص طور پر یتیموں
کے حقوق کی حفاظت کی تلقین کی کہ ان کے مال خیلے بہلنے سے مت کھاؤ بلکہ بائع
ہونے پر ان کے مال ان کو واپس کر دو۔

یتیموں کے مالی حق کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کے نکاح
کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ بخاری، مسلم، نسائی، مستدرک حاکم و حلیث کی بعض دوسری کتابوں
سے نکاح

میں یہ روایت آتی ہے کہ اسم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے ان کے بھانجے عمرو بن زبیرؓ نے اس آیت وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ کے متعلق دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا یا ابنِ اخیختی یعنی اے میرے بھانجے! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل فرمائی ہے۔ اور اس کے ذریعے اُنکے حقوق کو محفوظ دیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں بعض اوقات ایسا ہوتا تھا۔ کہ کوئی لڑکی یتیم ہو گئی ہے، وہ خود بھی صاحبِ جمال ہے اور تر کے میں مال بھی ملا ہے۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ اُس لڑکی کا سر پررت یا تھوٹی اُس کا قریبی رشتہ دار چچا زاد یا تایا زاد وغیرہ بن گیا ہے۔ تو ایسی صورت میں سر پرست کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ یتیم لڑکی سے خود ہی نکاح کر لے تاکہ خوبصورت لڑکی بھی حاصل ہو جائے اور اس کا مال بھی قبضے میں ہے۔ وہ لوگ ان چیزوں کو کالچ کر کے لیتے تھے مگر نہ تو وہ اُن کی حیثیت کے مطابق مہر دیتے تھے اور نہ اُن سے حسن معاشرت رکھتے تھے۔ اس قباحت کے سدباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ اگر تم ایسی لڑکیوں کو لو لہا داد نہیں کر سکتے اور ان سے بہتر سلوک کے روادار نہیں ہو سکتے تو پھر اُن سے نکاح بھی نہ کرو۔ یہ ناجائز ہے اس زمانے میں یتیم لڑکیوں سے ایک دوسری زیادتی بھی لبا اوقات کی جاتی تھی۔ لڑکی اگرچہ صاحبِ مال ہے مگر صاحبِ جمال نہیں۔ سر پرست خود تو اس سے نکاح کی خواہش نہیں رکھتا۔ مگر دوسری جگہ بھی نکاح کرنے سے پس و پیش کرتا ہے کہ لڑکی کے ساتھ اُسے مال سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی قبیح حرکت سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس سے یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔

چار عورتوں
سے نکاح

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ
اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف
کے تقاضے پورے نہیں کر سکو گے۔ یعنی تم ان کو لو لہا داد نہیں کر سکو گے یا

اُن سے حسن سلوک نہیں رکھو گے تو پھر اُن سے خود نکاح مت کرو۔ بلکہ دستور کے مطابق ان کے نکاح دوسری جگہ کرو اور اُن کا مال بھی اُنکی تحویل میں دے دو۔ اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرو۔ اور اگر تم خود نکاح کرنا ہی چاہتے ہو تو اُن یتیم لڑکیوں کی بجائے فَاِنْ كَحَوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنْ النِّسَاءِ نکاح کرو۔ وَجِئِیْ بِمِثْلِ عَمْرَتُوْنَ سے جو تم کو پسند ہوں۔ اور پھر یہ بھی کہ تمہیں صرف ایک عورت کے لیے پابند نہیں کیا گیا بلکہ تمہیں تو فیق ہے تو مَثَلًا وَثَلَاثَ وَرُبْعَ دَوْرٍ تین تین اور چار چار عورتوں سے بھی بیک وقت نکاح کر سکتے ہو۔ مقصد یہ کہ یتیم لڑکیوں سے زیادتی نہ کرو بلکہ اس کے بدلے میں اگر تم مالی اور جسمانی لحاظ سے مضبوط ہو تو چار عورتوں تک نکاح میں رکھ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت فرمادی ہے۔

فَطَرَتْ کے اعتبار سے انسان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اور فی الجسے کے لوگ جن کی قوت باہ معمولی قسم کی ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہیں۔ درمیانی قوت کے مالک لوگ دوسری بیوی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اگر وہ دوسرا نکاح نہ کریں تو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لہذا ایسے لوگوں کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر کوئی شخص جسمانی اور مالی اعلیٰ جسے کی طاقت رکھتا ہے۔ حق و انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے تو پھر اسے چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت ہے۔ تاکہ وہ اپنی فطری خواہش کی تکمیل شریعت کی حدود میں ہتے ہوئے کر سکے۔

بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت کو اللہ تعالیٰ نے انصاف کے ساتھ مشروط فرمادیا ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی صورت میں تم تمام بیویوں سے انصاف نہ کر سکو گے، فَوَاحِدَةً تو پھر تمہارے لیے ایک بیوی ہی کافی ہے، دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر

نکاح کی شرط

نکاح کرنا ہے تو پھر اس کے تمام تقاضے مجملہ انصاف، مہر اور حسن معاشرت وغیرہ پورے کرنا ہوں گے۔ اور ایک بیوی کی صورت میں تم بیوی کے علاوہ اپنی نفسانی خواہش أَوْهَا صَاحِبَاتُ أَيِّ مَنَّا نَكِّهْنَ ان لونڈیوں سے بھی پوری کر سکتے ہو جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ لونڈیوں سے نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری ملکیت ہونا ضروری ہے۔ اگر ایسا ہے تو تم ان سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہو اور اگر اس کا نکاح دوسری جگہ کہ دو تو خود بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ صرف خدمت لینے کے مجاز ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان امتی کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت فرمادی بشرطیکہ ایسا شخص بیویوں کے درمیان انصاف کر سکے۔ انصاف کی تفصیل آگے آئے گی اور اس سے مراد مکان، لباس، خوراک، مہر، لین دین، شب باشی وغیرہ میں مساوات کا قیام ضروری ہے۔ البتہ دلی رغبت کسی ایک طرف ہونا، یہ غیر اختیاری چیز ہے اور مباح ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویاں رکھے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن ایسے شخص کا آدھا جسم فالج زدہ ہوگا، اور وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

تجدید نکاح

اسلام نے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے مگر اس اباحت کو چار تک گویا محدود کر دیا ہے۔ کوئی مومن بیک وقت چار سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی بیوی فوت ہوگئی یا طلاق واقع ہوگئی، تو اس کی بجائے اور نکاح کر سکتا ہے مگر بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا، یہ حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تو بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی، ہر شخص جتنی چاہتا بیاہ لاتا مگر اسلام نے اس کو چار تک محدود کر دیا۔ قبیلہ ثقیف کا عیخان ثقفی نے جب مسلمان ہوا تو اس کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ان میں سے اپنی پسند کی چار عورتیں رکھ لو اور باقیوں کو آزاد کر دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی طرح قبیلہ اسد کے عمیر اسدیؓ اسلام لائے

تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔ انہوں نے بھی چار کو فارغ کر دیا اور چار اپنے پاس رکھ لیں۔ اسی طرح ایک اور صحابی کے متعلق آتا ہے کہ ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اِحْتَرَارِ بَعَا مَنَّهُنَّ ان میں سے چار کو اختیار کر لو اور ایک کو چھوڑ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ کہ چار تک تحدید نکاح صرف امتی مسلمانی کے لیے ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی ذات اس تحدید سے مستثنیٰ ہے۔ یہ نبی کی خصوصیت ہے جسے اللہ نے سورۃ احزاب میں واضح فرما دیا ہے۔ نبی ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اور یہ اجازت ہر نبی کی شریعت میں موجود رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام وغیرہم کی متعدد بیویاں تھیں اور اسی طرح نبی آخر الزمان نے اپنی زندگی میں کل پندرہ نکاح کیے۔ ان میں سے تیرہ بیویوں کے ساتھ آپ کی مقاربت بھی ہوئی اور دو ایسے ہی الگ ہو گئیں۔ تاہم ایک وقت میں آپ کی زیادہ سے زیادہ نو بیویاں تھیں۔ مقصد یہ کہ نبی پر چار نکاح کی پابندی نہیں ہے۔

مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈا کے ہتھیار کو مؤثر طور پر استعمال کیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی ترقی کو روکنے کے لیے اور حربہ کارگرم ثابت نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے اسلام کے مختلف مسائل کو بہانہ بنا کر اس کے خلاف پراپیگنڈا کی مہم کو تیز کر دیا اور دو سو سال تک مسلسل پراپیگنڈا کرنے کے بعد مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اسلام کے مسئلہ تعدد ازواج کو سب سے زیادہ اچھالا۔ اور یہ پراپیگنڈا کیا کہ مسلمان عیاش ہیں، شہوت پرست ہیں ان کا اسلام ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ بات سیدھی سادھی

اسلام کے
خلاف پراپیگنڈا

ہے۔ اسلام نے تعدد ازواج کو کوئی فرض واجب قرار نہیں دیا بلکہ محض اجازت دی ہے اور وہ بھی مشروط یعنی اگر کوئی شخص جسمانی اور مالی لحاظ سے اس قدر مضبوط ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے اور پھر ان کے درمیان انصاف بھی کر سکتا ہے تو اسے اجازت ہے، لازم نہیں ہے۔ انگریز، جرمن، اور فرانسیسی اور دنیا بھر کے یہودیوں نے تعدد ازواج کے مسئلہ میں پیغمبر آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو خاص طور پر اپنے طعن کا نشانہ بنایا۔ اور یہاں تک پراپیگنڈا کیا کہ مسلمانوں کا پیغمبر (نعموز باللہ) عیاش تھا۔ اس نے اپنے صرم میں بہت سی بیویاں رکھی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام سابقہ انبیاء کی شرائع میں تعدد ازواج رواج تھا۔ اور ہمارے نبی اکرم کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں تحدید نکاح سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ جہاں تک (نعموز باللہ) عیاشی کا تعلق ہے آپ کی پوری زندگی اس الزام کے خلاف بطور شہادت موجود ہے آپ علیہ السلام کی تمام بیویوں میں سے ایک کے سوا کوئی بھی دویشیزہ نہیں تھی۔ ساری بیویاں معمر اور بیوہ تھیں۔ کسی کا ایک خاوند فوت ہو چکا تھا اور کسی کے دو خاوند۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا پچیس سالہ دور جو شباب کا دور کہلاتا ہے اپنے سے پندرہ سال بڑی ایک بیوہ عورت کے ساتھ گزار دیا۔ جب تک آپ کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ زنده رہیں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ تو کیا آپ کو بڑھاپے میں زیادہ بیویاں کر کے نفسانی خواہش کی تکمیل مقصود تھی؟ ہرگز نہیں۔ آپ کا تعدد ازواج محض اسلام کی ترویج و ترقی کی خاطر تھا۔ اسلام کو گھر گھر پہنچانا تھا۔ لہذا آپ نے مختلف قبائل سے رشتہ دار ازواج قائم کر کے تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ادا کیا۔

قرآن پر حملہ

مولانا سندی فرماتے ہیں۔ کہ غیر مسلم اقوام نے پراپیگنڈا کے طور پر دوسرا حملہ اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک پر کیا اور یہ مشہور کیا۔ کہ قرآن پاک اپنے ماننے والوں کو غیر مہذب بنانا ہے۔ چنانچہ وزیر اعظم برطانیہ گلڈسٹون

نے برطانوی پارلیمنٹ میں قرآن پڑھنے میں لے کر کہا تھا۔ کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے، انسان مذہب اور شائستگی نہیں بن سکتا۔ فحاشی، عیاشی، زنا، شراب نوشی ان کے فیشن میں داخل ہے مگر قرآن ان چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے لہذا یہ کتاب دنیا کو تہذیب یافتہ بنانے میں رکاوٹ ہے۔ اُدھر ہندوستان میں یوپی کے انگریز گورنر سر ولیم مور نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات LIFE OF M H MUHAMMAD لکھی جسے سر سید جیسا جت پسنڈ بھی پڑھ کر تڑپ اٹھا۔ اس کتاب میں مصنف نے لکھا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں اور وہ ہیں محمد کا قرآن اور اسی تلوار۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اسلام کا تیسرا مسئلہ جسے ان لوگوں نے سختہ و سختی سے مقابلاً دیا وہ یہ تھا۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اس دین میں لوگوں کو جبراً مسلمان بنانا روا ہے۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جسے کوئی سلیم الفطرت آدمی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن پاک میں موجود آیت "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ" دین میں کوئی جبر نہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ دنیا کے بڑے حصے میں مسلمان ایک عرصہ تک غالب رہے مگر کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ ہمیشہ اسلام کی تعلیم اور اپنا اخلاق و کردار پیش کر کے اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ مگر کسی کو مجبور نہیں کیا گیا۔ برصغیر میں کابل سے لے کر برہماپتک مسلمانوں کو آٹھ سو سال تک اقتدار حاصل رہا مگر تاریخ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا کوئی ایک شخص بھی جبر واکراہ کی بنا، پر حلقہ بگوش اسلام ہوا ہو۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک، خلافت راشدہ اور عالم اسلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے مسلمانوں کی طرف سے جبر کا شائبہ تک نہیں ملے گا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے سپین، روس، چین اور دیگر بہت سے ممالک میں مسلمانوں کو یا تو بالکل ختم کر دیا یا انہیں اپنا

جبر مسلمان

دین چھوٹنے پر مجبور کیا گیا

لونڈی غلام
کا مسئلہ

اسلام میں لونڈی غلام کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے غیر مسلم اقوام کی طعن و تشنیع کا ہدف رہا ہے۔ اور پراپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس کو اسلام نے جائزہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے دور میں لونڈی غلام پوری دنیا میں موجود تھے۔ یہ ایک بین الاقوامی رواج تھا، جو ساری دنیا میں پایا جاتا تھا، مسلمانوں نے تو اسے ایجاد نہیں کیا۔ جنگ ہوتی، امر دوزن قیدی بنا لیے جاتے، پھر یا تو انہیں قتل کر دیا جاتا یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا یا پھر غلام اور لونڈی بنا لیے جاتے۔ ان سے مشقت لی جاتی اور حسب ضرورت ان کی خرید و فروخت بھی ہوتی۔ اسلام نے لونڈی غلام کو فرض واجب قرار نہیں دیا بلکہ اس کی اجازت جاری رکھی، اگر دنیا بھر کے لوگ اس کا بار بار کو ترک کر دیں تو اسلام کو اس پر کوئی اصرار نہیں۔ چنانچہ آج پوری دنیا میں لونڈی غلام کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ اب اہل اسلام بھی اسے ترک کر چکے ہیں۔ روم اور ایران میں ہزاروں سال تک لونڈی غلام کی خرید و فروخت ہوتی رہی تاہم اسلام نے اس رواج کو ختم کرنے کی مقدر بھر کوشش کی۔ لونڈی غلام کو آزاد کرنے والے کو بہت بڑے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ کتنے ہی صحابہ کرام نے کتنی بڑی تعداد میں غلام خرید کر آزاد کیے۔ اس کے علاوہ اسلام نے لونڈی غلام کی آزادی کو تعزیرات میں شامل کر دیا۔ چنانچہ بلا عذر فرض روزہ توڑنے کا کفارہ دوسری تعزیرات کے ساتھ ایک غلام کی آزادی بھی رکھا۔ اسی طرح ظہار کے مسئلہ میں بھی اس کا کفارہ غلام کی آزادی ہے تو بہر حال مقصد یہ کہ اسلام نے لونڈی غلام کو دنیا میں ختم کرنے کیلئے عملی قدم اٹھایا، اور آج یہ بات بلا خوف و تردید کہی جاسکتی ہے۔ کہ اس قبیح رواج کے خاتمے کی ابتداء اسلام نے ہی کی۔

بہر حال فرمایا کہ اگر تم زیادہ بیولویں میں انصاف قائم رکھنے کی پوزیشن
 میں نہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرو یا اپنی مملوکہ لونڈیوں سے استفادہ حاصل
 کرو۔ ذلک اَوْحٰی اِلَیْہِمْ اَلَّا تَعۡوَلُوۡا۟ یہ چیز زیادہ قریب ہے کہ تم ایک طرف نہ جھک پڑو گے
 بلکہ انصاف پر قائم رہو۔ یتیم لڑکیوں سے یا ایک سے زیادہ نکاح کر کے
 اُن سے نا انصافی نہ کرو۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک بیوی اور اگر میسر ہے
 تو لونڈی پر اکتفا کرو۔

النِّسَاءُ ۴
آیت ۴

لن تنالوا
درس چہارم ۴

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ
عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿۴﴾

ترجمہ :- اور بے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوشی خاطر سے
اور اگر وہ خوش کر لیں تمہارے لیے دل کو اس میں سے کھی چیز سے ابھر

تم اس کو کھاؤ خوش گواری اور خوش ہضم ﴿۴﴾

رہنمائی

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے انسانی حقوق خصوصاً رشتہ داروں کے حقوق کی حفاظت کا حکم
دیا۔ پھر یتیموں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کے مال مت کھاؤ۔ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف
سے منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر نیکی صورت میں ان سے
حق و انصاف نہ کر سکو، تو پھر ان کی بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کرو۔ اس کے بعد
اللہ تعالیٰ نے کسی ایک مرد کے لیے نکاح کی چار عورتوں تک تحدید کر دی اور وہ بھی اس
شرط کے ساتھ کہ تم سب بیویوں سے یکساں سلوک کر سکو۔ تعدد ازواج کی محض اجازت دی ہے
اُسے لازم قرار نہیں دیا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر انصاف کو قائم نہ کر سکو تو پھر صرف ایک نکاح
پر اکتفا کرو۔ البتہ لونڈیوں سے بغیر نکاح کے مستفید ہونے کا تذکرہ فرمایا۔

مہر کی اہمیت

آج کی آیت بھی نکاح ہی سے متعلق ایک اہم مسئلہ مہر کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ
نے نکاح میں مقرر کردہ مہر کو خوش دلی سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حکم ہر نکاح کے
ضمن میں ہے۔ خواہ وہ یتیم لڑکی سے ہوا ہو یا عام عورت سے۔ مہر سے متعلق بعض مسائل
سورۃ بقرہ میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔ اور کچھ ارشادات سورۃ احزاب میں بھی آئیں گے۔
اس سورۃ میں اس آیت کے علاوہ آگے جہاں محرمات نکاح کا ذکر آتا ہے۔ وہاں بھی مہر
کا تذکرہ ہے۔ محرمات میں ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالوں، بھتیجیوں، اور

بھائیوں وغیرہ کا ذکر کر نیچے بعد فرمایا کہ ان کے علاوہ تمہیں دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے مگر اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ یعنی نکاح میں مال ضرور خرچ کرنا ہوگا اور اس سے مراد خاص طور پر حق نہر کی ادائیگی ہے ایک اور جگہ پر فرمایا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْكُمْ هُمْ جَانِتِينَ ہیں وہ چیزیں جو ہم نے مردوں پر فرض قرار دی ہیں۔ اور فرالض میں سے مہر بھی ایک فرض ہے۔

مہر کے نصاب کے متعلق فقہائے کرام میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعیؒ بعض دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ قلیل تر چیز بھی مہر بن سکتی ہے۔ حتیٰ کہ مسمیٰ بھیر کھجوریں، لودہ ہے کی انگوٹھی، ایک آنہ، دو پیسے وغیرہ بھی مہر مقرر ہو سکتا ہے بشرطیکہ عورت اس پر رضامند ہو تاہم اہم البتہ حلیفہ فرماتے ہیں کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم کے برابر ہونی چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مہر کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے مال کا ذکر کیا ہے اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ اور مال میں کچھ تو ہونا چاہیے۔ کم از کم دس درہم کی چوری ہو تو چور کو قطع یہ کی سزا دی جاتی ہے۔ نیز ایک روایت میں صراحتاً بھی آتا ہے لا مہرا اقل من عشیة دراهم یعنی دس درہم سے کم مہر نہیں۔ لہذا مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔

نکاح میں مہر اگرچہ فرض ہے۔ مگر بوقت نکاح اس کا تذکرہ ضروری نہیں۔ نکاح ایجاب و قبول کا نام ہے، لہذا جانتین کی رضامندی سے مہر کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے، تاہم اسے یہاں میاں بیوی بعد میں بھی مقرر کر کے لے لے سکتے ہیں۔ مقررہ مہر میں کمی بیشی کی بھی اجازت ہے، اگر زیادہ مقرر کیا ہے تو باہمی رضامندی سے کم بھی کیا جاسکتا۔ یا کم ہے تو اسے زیادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اخاف کے مطابق مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہونی چاہیے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ زنان کے حساب

مہر کا نصاب

سے ایک درہم تین ماشہ ایک رتی کے برابر ہونا، اس لحاظ سے دس درہم ساڑھے اکتیس ماشہ بنتے ہیں۔ ایک تولہ بارہ ماشہ کا ہے۔ لہذا مہر کی کم از کم مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشہ چاندی کے برابر ہوتی۔ چاندی کے موجودہ بازاری نرخ کے مطابق اتنی چاندی کی قیمت ایک سو ساٹھ پینسٹھ روپے بنتی ہے۔ لہذا فقہ حنفی کے مطابق کم از کم مہر کی مقدار یہ ہے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اس زمانے میں تیس روپے کو شرعی حق مہر سمجھا جاتا ہے جو کہ درست نہیں۔ ہر زمانے میں چاندی کے نرخ میں کئی بیشی سے مہر کا تعین سکھ راج الوقت کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔ جو کہ ساڑھے اکتیس ماشہ چاندی کی قیمت کے برابر ہونا چاہیے۔ اگر کسی نکاح میں اس سے کم مہر مقرر ہو رہا ہو تو اسے بعد میں پورا کر لینا چاہیے۔

صدقہ کا معنی

اس آیت کریمہ میں مہر کے لیے **صَدَقْتِهِنَّ** کا لفظ استعمال ہوا ہے **صَدَقَات** جمع کا صیغہ ہے اور اس کا واحد **صَدَقَةٌ** ہے جس کا معنی حق مہر ہے۔ محض اعراب کے فرق سے ایک لفظ **صَدَقَةٌ** ہے جس کا معنی صدقہ خیرات ہے۔ اس کی جمع **صَدَقَات** آتی ہے جو شخص صدقہ خیرات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بُری موت سے بچاتا ہے۔ صدقہ سے اچھی عاقبت کی امید ہوتی ہے اگر **صَدَقَةٌ** کی دال پر سکون آجائے تو اس کا معنی سنجی ہوتا ہے۔ عربی شاعر نے اپنے شعر میں اس لفظ کو یوں استعمال کیا ہے

وَلَنَا قَنَاةٌ مِنْ رَدِيئَةِ صَدَقَةٍ

زوراً كَذَلِكَ حَامِلَهَا اِزْوَاراً

ہمارے روپیہ نیزے بڑے مضبوط اور ٹیڑھے ہیں جو کسی کے قابو میں نہیں آتے۔ ان کے اٹھانے والے بھی بڑے ٹیڑھے لوگ ہیں۔

نخلہ کا معنی

یہاں پر نخلہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کا لغوی معنی عطیہ ہے۔ عطیہ چونکہ اپنی خوشی سے دیا جاتا ہے، اس لیے اس آیت میں انہی معنوں

میں استعمال ہوا ہے۔ کہ عورتوں کے مہر خوشی خاطر سے ادا کر دو حدیث شریف
میں آتا ہے مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَوَلَدُهُ كَسَى بَابِ تَنَاوَلَتْ بِمَنْعَةٍ لِّمَنْ
اچھا عطیہ نہیں دیا کہ وہ اسے اچھا ادب سمجھا ہے۔ حضرت نعمان بن بشر رضی
کی روایت میں آتا ہے کہ بشرؓ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں سے الگ الگ
اولاد تھی۔ ان میں سے نعمان کی ماں نے اپنے خاوند سے فرمائش کی کہ وہ
فدال غلام اس کے بیٹے نعمان کو دے۔ اور اس ہبہ کا گواہ حضور علیہ السلام
کو بنائے۔ پھر بشرؓ نے یہ قصہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں بیان کیا اور کہا
کہ میں نے یہ غلام نعمان کو دے دیا ہے آپ گواہ بن جائیں تاکہ میری بیوی کو
اطمینان حاصل ہو جائے۔ آپ نے پوچھا آگے وَلَدُكَ تَحَلَّتْ، مَثَلُ
هَذَا كَيْفَ تَوَدُّ بَاقِيَ اَوْلَادِكَ كَيْفَ اِيَسَا هِي عَطِيَّةٌ دِيَا هِي۔ جیسا کہ نعمان کو دیا ہے
تو اس نے عرض کیا، حضور! ایسا تو نہیں ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا، جاؤ کسی اور کو گواہ بناؤ، میں اس ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔ آپ نے
مزید فرمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری ساری اولاد نیچی میں برابر ہے، عرض کیا
ہاں۔ فرمایا ساری اولاد میں سے صرف ایک بیٹے کو دینا زیادتی ہے، یا تو
دونوں بیویوں کی ساری اولاد کو ایسا غلام دو یا اس کو بھی واپس لے لو۔
عرض کیاں پر نخلہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالْوَالِدَاتُ لِرَبِّهِنَّ رَحْمَةً مِّمَّنْ لَدُنَّ ۗ وَالرَّحْمَةُ كَثِيرَةٌ ۙ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۗ وَرَبُّكَ عَلِيمٌ ۙ
مے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوشی خاطر سے۔ یعنی جو مہر مقرر ہو گیا ہے اسے
خوش دلی سے ادا کرو، اسے بوجھ نہ سمجھو۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے زکوٰۃ اور
قربانی کے متعلق بھی فرمایا کہ ان کو تاوان نہ سمجھو۔ یہ عبادت ہے اور قرب الہی
کا ذریعہ ہے لَئِنَّا طَيِّبُوْا بِهَا نَفْسًا يَّهْتَمُّ بِهَا لَدُنْكُمْ ۚ وَرَبُّكَ عَلِيمٌ ۙ
خوشی سے ادا کیا کرو۔ مہر بھی ایک قسم کا عطیہ ہے جو کسی چیز کا مواضع
نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ کسی چیز کی بیخ ہے بلکہ بیوی کے ساتھ دیکھنی اور احسان

مہر کی
ادائیگی

کا معاملہ ہے۔ مہر ادا کرنے سے انسان عورت کے اعضاءے مستورہ کا مالک نہیں بن جاتا، البتہ عقد نکاح کی وجہ سے اُسے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ نے عورتوں کے حق میں یہ مہر مقرر کیا ہے، اُسے خوش دلی سے ادا کرنا چاہیے۔ یہ معاشرت کے اعتبار سے بھی ضروری ہے مہر کی ادائیگی کے لیے مجل اور مؤجل دونوں صورتیں روا ہیں۔ یہ فوراً بھی ادا ہو سکتا ہے اور مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مہر کا کچھ حصہ فوری اور کچھ حصہ بعد میں عند الطلب بھی ادا ہو سکتا ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ پورا مہر فوراً ادا کر دیا جائے۔ بہت بڑا مہر مقرر کر کے زندگی بھر ادا نہ کرنا بڑی غلط بات ہے۔ یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے اور مقررہ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت کے دن مؤاخذہ ہوگا۔

مہر مطابق
حیثیت

مہر کے تقرر میں مبالغہ آرائی سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے لا تغالوا فی الصدقات لوگو! مہر کے معاملہ میں مبالغہ آرائی نہ کرو۔ اگر مہر کی زیادتی عزت کا باعث ہوتی تو اللہ تعالیٰ یقیناً پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیتا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کریں۔ مگر صورتحال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا، ماسوائے ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے کہ ان کا نکاح جشنہ میں نجاشی نے کر لیا تھا اور چار ہزار درہم مہر اپنی طرف سے ادا کیا تھا۔ بہر حال اگرچہ شریعت میں اس کی تحدید نہیں کی گئی، مگر خدا سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ جانیں کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ مہر زیادہ مقرر کر کے ادا نہ کرنا قیامت کو قابل مؤاخذہ ہے۔ مہر بھی ایک قرض ہے لہذا اگر کوئی شخص بغیر ادا کیے مر گیا تو اس کے ترکہ میں سے دیگر قرض کی طرح ادا کیا جائیگا، وصیت پوری کی جائیگی اور پھر باقی مال حصہ داروں میں تقسیم ہوگا۔ مہر عورت کا مالی حق ہے اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ

اگر عورت مہر کی وصولی سے قبل مرد کی قربت سے انکار کر دے، تو اس کو اختیار ہے۔ بہر حال مہر حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ دس، بیس یا پچاس ہزار روپے مہر مقرر کرنا جب کہ خاوند کی حیثیت دو ہزار روپے کی بھی نہ ہو، مناسب نہیں۔ اور مرد پر خواہ مخواہ بوجھ ڈالنے والی بات ہے۔ اس سے اعراض کرنا چاہیے۔

ہاں! اگر عورت خود برضا و رغبت معاف کر دے تو اس کو اجازت ہے مہر کی معافی

فرمایا فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ لَفَسْخًا یعنی اگر عورتیں تمہیں کسی چیز سے خوش کر دیں۔ اپنی خوشی سے مقرر مہر میں سے آدھا، چوتھائی دو تہائی یا کم و بیش معاف دیں، تو یہ تمہارے لیے جائز ہے۔ عورت کو حقی حاصل ہے کہ چاہے تو سارے کا سارا مہر بھی خاوند کو ہبہ کر دے اسکو ابراؤ کہتے ہیں۔ مگر عورت کو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا اس طرح آپ دنیوی قانون سے تونج سکتے ہیں مگر اللہ کے ہاں معاف نہیں ہوگا اس معاملہ میں عورت پر نہ دیا وڈا لانا چاہیے اور نہ اسے اکھانا چاہیے، وہ از خود سارا یا کچھ حصہ معاف کر دے تو اس صورت میں فرمایا كَلَّوْا وَاِسْ كُوْكُمْ كَمَا كَلَّوْا۔ کھانے سے مراد محض کھانا ہی نہیں بلکہ استعمال کرنا ہے۔

کیونکہ عورت نے جو چیز معاف کی ہے وہ ضروری نہیں کہ کھانی والی چیز ہی ہو۔ مثلاً، زیور، مکان، زمین یا کارخانہ ہے تو وہ استعمال میں ہی آئیگا۔ اکل کا لفظ ان معنوں میں بیشتر مقامات پر استعمال ہوا ہے جیسے لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفًا كَلَّوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ الغرض فرمایا کہ اگر عورت مہر معاف کر دے تو پھر تم وہ چیز اپنے تصرف میں لاسکتے ہو۔ ہمارے ملک میں بعض احکام شریعت رواج کی نذر ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر عورتوں کو مکان یا زمین میں سے وراثت کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ ان سے

رسمی طور پر کہ دیا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ باپ کی وراثت کے مکان یا زمین وغیرہ سے حصہ لینا چاہیں تو لے سکتی ہیں۔ وہ بھی رولج کے مطابق کہتی ہیں۔ کہ نہیں، بھائیوں کے پاس رہنے دو۔ مہر کا مسئلہ کچھ ایسا ہی ہے۔ عورت سے کہ دیا لینا ہے یا معاف کرنا ہے، وہ بھی خاندان کے روبرو کہہ دیتی ہے کہ معاف کیا، اگرچہ وہ دل سے راضی نہ ہو۔ یہ درست نہیں ہے۔ عورت کا حصہ وراثت سے ہو یا مہر ہو، اُسے پہلے ادا کرنا چاہیے، اگر کوئی غیر منقولہ جائیداد ہے اُس کے نام رجسٹری کرانا چاہیے۔ وہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اگر خوشی سے واپس کرنا چاہے تو کرے۔ مگر بغیر ادا کیے ہی معاف کر لینا اس پر دباؤ ڈالنے کے مترادف ہے۔

جب مہر ادا کر دیا جائے تو عورت اُسکی مالک بن جاتی ہے۔ لہذا اُسے مہر کا تصرف اُس مال میں مکمل تصرف حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر اس کے سر پرست بھی تصرف نہیں کر سکتے بعض ائمہ کو لازم تو یہ فرماتے ہیں کہ کم سن یا دو ٹیڑھ لڑکی کا ولی اس کی ملکیت میں تصرف کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں۔ مہر کی مالکہ خواہ باکرمہ ہو تبیہ کم سن ہو یا عمر رسیدہ اُسے مہر پر مکمل تصرف حاصل ہے اور اس کا یہ حق ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ عورت مہر کی رقم کسی دوسرے رشتہ دار کو دے سکتی ہے۔ صدقہ خیرات کر سکتی، اپنی ذات پر استعمال کر سکتی ہے اور اس کا کل یا جزو معاف بھی کر سکتی ہے۔

فرمایا پس کھاؤ **هَذِيئًا** خوشخوار مہر یا خوش ہضم مقصد یہ ہے۔ کہ جو چیز تمہیں معاف کر دی گئی ہے۔ اُسے تم خوب مزے سے کھا سکتے ہو یا بلا جھجک استعمال کر سکتے ہو۔ چونکہ پہلے **فَكُلُوا** آیا ہے لہذا اہل نسبت سے **هَذِيئًا** مہر یا خوشخوار ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اُس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ کھاؤ اس کو رچا پچتا عربی میں سرو الطعام اُس کھانے کو کہتے ہیں جو ہضم ہو کر جزو بدن بن جائے۔ خوراک بننے اور ہضم ہونے میں

خوشخوار
خوش ہضم

کسی قسم کی دقت نہ ہو۔ الغرض فرمایا کہ معافی کی صورت میں تم مہر کا مال استعمال کر سکتے ہو۔

النِّسَاءُ ۴
آیت ۵

لَنْ تَنَالُوا
رِسْ بِخَيْمِ ۵

وَلَا تُوْتُوا السَّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ
قِيَامًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوفًا ⑤

ترجمہ :- اور نہ دو بیوقوفوں کو اپنے مال جو کہ اللہ نے
تہائے لیے قیام اور گزاران کا ذریعہ بنائے ہیں اور اُن کو
کھلاتے رہو ان مالوں سے اور پہناتے رہو اور کہو ان سے

معقول بات ⑤

رِطَائَات

انسان کی تخلیق اور اُس کے اجتماعی حقوق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے
یتیموں کے مال کھانے سے منع فرمایا، نیز یہ کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ نا انصافی مت کرو
اگر تم ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتے، مقررہ مہر نہیں دے سکتے اور ان کیساتھ معاشرتی
سلوک بھی نہیں کر پاتے تو پھر ان کے ساتھ نکاح نہ کرو، بلکہ ان کی بجائے دوسری
عورتوں سے نکاح کرو جو تم کو پسند ہوں۔ اس کے بعد تعدد ازواج کا مسئلہ بھی بیان
فرمادیا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ زیادہ عورتوں کی صورت میں اگر تم ان کے درمیان انصاف
نہ کر سکو، تو پھر ایک ہی نکاح کافی ہے، اس سے زیادہ مت کرو۔ البتہ تم اپنی مملوکہ
لوٹڑیوں سے بغیر نکاح کے استفادہ حاصل کر سکتے ہو۔ اگلی آیت میں اللہ نے یہ
تلقین فرمائی کہ عورتوں کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔ یہ تمہارے ذمہ ان کا حق ہے۔
اگر وہ اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ یا پورے کا پورا معاف کر دیں یا عطیہ دے دیں یا وصول
ہی نہ کریں تو وہ تمہارے لیے حلال طیب ہے۔ اُسے کھاسکتے ہو یا استعمال میں لا
سکتے ہو۔ ابتدائے سورۃ سے لے کر دس آیتوں تک یتیموں کے متعلق ہی احکام

آہے ہیں۔ اس کے بعد وراثت کے مسائل بیان ہوں گے۔

یتیموں کے اموال اور عورتوں کے مهر کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا یہ رقوم ہر حالت میں متعلقین کی تحویل میں دے دی جائیں خواہ وہ اس کی حفاظت کے اہل ہوں یا نہ ہوں؟ یتیموں کے مال کی ادائیگی کی وقت کا بیان تو اگلی آیت میں آرہا ہے، تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً مال کے متعلق فرمایا وَلَوْ لَوَّآ السُّفَهَاءُ اَمْوَالَكُم بِيَوْقُوفِكُمْ لَافْتَرَكُم بِسُوءِ مَا كَانَتِ سَفَهًا جَمَعَ بَعْدَ سَفِيهِ كِي اَوْ سَفِيهِ بَعْدَ عَقْلِ يَابِ يَوْقُوفِ شَخْصٍ كُو كَمَا جَاتَا هُو۔ ایسا انسان جو اپنے نفع نقصان کو نہیں سمجھ سکتا پہلے پائے کے آخری رکوع میں آتا ہے۔ "وَمَنْ يَرْعَبْ عَن حِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ اَلَا هُنَّ سَفِيَهٌ لِّنَفْسِهٖۙ لَعِيْنٌ مَّا لَت اِبْرَاهِيْمَ سِے وہی شخص اعراض کر گیا جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنا لیا۔ کوئی دانا اور سمجھدار آدمی ایسی غلط بات نہیں کر سکتا اور اب اس آیت میں ارشاد ہے کہ اپنے مال بے عقلوں یا بے وقوفوں کے سپرد نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ یہاں پر بیوقوفوں سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ اور منٹائے ایندڑی یہ ہے۔ کہ لوگو! اپنی موجودگی میں اپنا مال و متاع اپنے بیوی بچوں کے سپرد نہ کر بیٹھو۔ عورتیں فطرتاً کم عقل ہوتی ہیں اور بچے نادان ہوتے ہیں اگر تم اپنی زندگی میں مال تقسیم کر کے خود فارغ ہو کر بیٹھ جاؤ گے تو یہ تمہارے لیے نقصان کا باعث ہو گا۔ تم خود مالک تھے، عورتوں اور بچوں کے کھیل تھے مگر اب مال تقسیم کر کے خود ان پر بوجھ بن جاؤ گے۔ اسی لیے وراثت یا مال کی تقسیم زندگی میں کر دینا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ فقہائے کرام، محدثین اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کی تقسیم انسان کے مرنے کے بعد ہی ہونی چاہیے۔ اور اس کا مفصل ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے۔

غرضیکہ فرمایا بیوقوفوں کو اپنے مال نہ دو اَلَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

قَالَ وَهَذَا مَالٌ جَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى لِيَلِيَهُ قِيَامٌ أَوْ كُفْرَانٌ كَمَا ذَرَعْتُمْ بِنَائِهِ
مَقْصُودِي هُوَ - کہ جو مال تمہارے پاس جائز ذرائع سے پہنچا ہے، وراثت سے
حصہ ملا ہے، تجارت کی ہے، مزدوری وغیرہ کی ہے اور تمہارے گزراؤقت
کا انحصار اسی پر ہے تو اسے بیوقوفوں کے سپرد کر کے ضائع نہ کرو۔ وہ اپنی
کم عقلی کی وجہ سے اس مال کی حفاظت نہیں کر سکتے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ
تم مال سے محروم ہو کر مشکلات کا شکار ہو جاؤ گے۔

مال کا
حسن و قبح

قرآن پاک میں اس بات کا کثرت سے تذکرہ آتا ہے کہ اکثر مالدار لوگ
مشرقی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔
اور لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ جب مال کی محبت حد سے بڑھ جاتی
ہے تو حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور پھر انسان "وَجَمَعَ فَنَآوَعًا"
کا مصداق بن جاتا ہے۔ وہ ہر وقت مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے
اور پھر جب بہت سا مال جمع ہو جاتا ہے تو اس پر فخر کرنے لگتا ہے۔
مشرکین اور دیگر نافرمان لوگ یہی کہتے تھے۔ "مَنْ أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا"
ہمارے پاس مال بھی بہت ہے اور ہمارے نوجوان پیٹے بھی ہیں، ہمیں کس بات
کی پروا ہے۔ اللہ کے باغی یہاں تک کہ دیتے ہیں وَهَذَا مَالٌ بَعْدَ بَيْنٍ
ہم کچھ بھی کہتے رہیں ہم عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ ہمیں کوئی پوچھنے
والا نہیں۔ مقصد یہ کہ مال کی وجہ سے ہی بعض اوقات انسان خدا تعالیٰ کا
باغی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مال کے ایک دو سر پہلو کی طرف بھی اشارہ
فرمایا ہے "إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لَّكُمْ لِيَعْلَمَ
تَمَّامًا مَالٌ أَوْ أَوْلَادُكُمْ تَمَّامًا مَالٌ أَوْ أَوْلَادُكُمْ ذَرِيَعَةٌ
انسان تقرب الہی حاصل نہیں کر سکتا، اُس کے لیے تو ایمان اور عمل صالح

کی ضرورت ہے۔ مگر مال و اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آزمائش کرتا ہے کہ ان نعمتوں کے حاصل ہونے پر وہ اللہ کا مزید شکر گزار بندہ بنتا ہے یا اس کا باغی بن جاتا ہے۔ جائز طریقے سے کمایا ہوا مال تو بلاشبہ نعمتِ الہی ہے مگر ناجائز طریقے سے حاصل کردہ یہی مال انسان کے لیے وبالِ جان ہے اگلے جہان میں اُسے اس کا حساب چکانا ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے نَعْمَ الْمَالُ لِلرَّجُلِ الْمَصَالِحِ مَا لَمْ يَجْعَلْ مِنْهُ شَيْئًا يَسْتَكْبِرُ بِهِ لَيْكِن نِيكَ النَّاسُ كَيْلِيهِ۔ اور نیک وہی ہوگا۔ جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوئے سب سے پہلے اللہ کا حق ادا کرے اور پھر اس کے عطا کردہ مال میں سے مخلوق کا حق ادا کرے، وہی اچھا ساتھی ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ مال اُس شخص کے لیے اچھا ہے لِمَنْ آدَى حَقَّ اللَّهِ جَوَّالِ اللَّهِ كَأَقْرَبِ مَا لَمْ يَجْعَلْ مِنْهُ شَيْئًا يَسْتَكْبِرُ بِهِ۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو وہی مال انسان کے لیے سرکشی اور اکڑ کا باعث بنے گا۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ انہیں بیت المال سے کچھ وظیفہ ملتا ہے، کیا وہ قبول کر لیں؟ سائل کو شبہ تھا کہ بیت المال کے مال میں ایسا مال نہ ہو کہ کسی کے ساتھ زیادتی کر کے حاصل کیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مال لے لیا کرو۔ جب کہ یہ تمہارے لیے زندگی میں باعثِ اعانت ہو۔ البتہ یاد رکھو! إِذَا كَانَ تَحْتًا لِدِينِكَ جَبَّ يَمِي مَالٌ تَهَائِي دِينَ كَيْ قِيمَتِ بِن جَائِي۔ یعنی بیت المال کے عمال اس وظیفے کے بدلے تم سے کوئی خلافِ شرع کام لینا چاہیں فَادَعِيهِمْ بِمَالِهِمْ كَمَا يَحِبُّونَ۔ یہ حکم ہے۔

ملکیت اور تصرف
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ارشاد ہے کہ عورتیں اور بچے بے سمجھ ہوتے ہیں اس لیے مال ان کے سپرد مت کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں، کہ انہیں مال کی ملکیت حاصل ہونے سے روک رکھو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ

مال کے مالک تو وہی ہوں گے مگر انہیں اس میں تصرف سے روکو کہ کہیں غلط تصرف سے مال کو ضائع نہ کر دیں۔ اگر سورتوں کو مال پر مکمل تصرف حاصل ہوگا تو وہ اسے فیشن اور دیگر فضول کاموں پر خرچ کر دیں گی۔ اور اگر مال بچوں کے ہاتھ میں آ گیا تو وہ کھیل تماشے پتنگ بازی، آتش بازی وغیرہ میں اڑا دیں گے لہذا انہیں بھی مال پر مکمل کنٹرول نہ دو۔ بعض لوگ قیمتی مال کو رسومات باطلہ پر ضائع کر دیتے ہیں یا پھر بدعات پر خرچ کر ڈالتے ہیں، قبروں کی بچھڑی، اُن پر گنبدوں کی تعمیر، چادر پوشی، قولی اور چڑھا سنے کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ سب بے سمجھی کی باتیں ہیں۔ شادی اور عہمی کی فضول رسومات مال کا خواہ مخواہ ضیاع ہے۔ اور یہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں آنا چاہیے جو اسراف کے مرتکب ہوں۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت موجود ہے الحلال لا یحتمل سیفاً یعنی حلال مال اسراف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی لَا تَنْسُوا فُؤَادَ فُضُولٍ خَرَجَ مِنْكُمْ۔ دو سکر مقام پر فرمایا اِنَّ اَلْمُبَدِّرِيْنَ كَالْوَالِدِ الَّذِيْ اٰخُوَانُ الشَّيْطٰنِ فُضُولٍ خَرَجَ شَيْطٰنِ كَسَبَتْ اِيْهِمْ۔ بلا وجہ تقریبات کا اہتمام، چراغاں، قمقمہ بازی، جھنڈیا بے تحاشا کھانے، سب فضول خرچی میں داخل ہیں۔ جو کوئی مال کو غلط مقام پر خرچ کر گیا قیامت کے دن براؤں لے لے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ مال کو بیوقوفوں کے حوالے نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے ذریعہ گمراہی ہے، غلط ہاتھوں میں دے کر اسے ضائع نہ کرو۔

فرمایا مال کو اپنے پاس رکھو، اُس پر اپنا تصرف قائم رکھو مگر کبھی کا حق ضائع نہ کرو۔ بیوی بچے تمہاری کفالت میں ہیں تو اُن کی جائز ضروریات پوری کرو وَ اَنْزَلْنَا قُوْمَهُمْ فِيْهَا اس مال میں سے اُن کی خوراک کا بندوبست کرو۔ وَ اَكْسَوْهُمْ انہیں لباس بھی پہناؤ۔ مگر فضول کاموں کے لیے مال مت دو۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا فرمان

مبارک ہے نہی عن اضاعتہ المال حضور نے مال کے ضیاع سے منع فرمایا ہے۔ لہذا مال کو ضائع نہ کرو بلکہ اس کی حفاظت کرو اور جائز امور پر خرچ کرو۔

امام شافعیؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت بیان کی ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ فرمایا پہلی قسم کا شخص وہ ہے جس کی عورت بدکار ہے نہ وہ اسے بھائی سے روک سکتا ہے اور نہ علیحدہ کرتا ہے۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ ایسی عورت کو اپنے پاس نہ رکھے۔ اگر عورت تائب ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے طلاق دے۔ فرمایا جو ایسا نہیں کرتا وہ دیوث ہے اور اس کی دعا مستجاب نہیں ہوتی۔

دعا کی
نا مقبولیت

حضور علیہ السلام نے فرمایا دوسرا شخص جس کی دعا قبول نہیں ہوتی، وہ ہے جو اپنا مال بیوقوف کے سپرد کر دیتا ہے۔ جو اسے ضائع کر دیتا ہے یہ شخص گنہگار ہوگا اور اس کی دعا بھی قبول نہیں ہوگی۔ فرمایا تیسرا آدمی وہ ہے جو قرض دیتا ہے مگر اس پر گواہ نہیں بناتا۔ اسی کوتاہی کی وجہ سے اکثر جھگڑے پیدا ہوتے ہیں جن کی نوبت قتل و غارتگری تک پہنچتی ہے۔ مقدمات قائم ہوتے ہیں۔ اور لوگ سخت پریشان ہوتے ہیں۔ فرمایا ایسے شخص کی دعا بھی مستجاب نہیں ہوتی۔

فرمایا عورتوں اور بچوں کو کھلاؤ اور پناؤ، ان کی ضروریات زندگی پوری کرو، انہیں تنگ نہ کرو۔ ضرورت کے مطابق خرچہ بھی ادا کرو مگر مال ان کے تصرف میں نہ دو کہ ضائع کر دیں گے، البتہ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا انہیں دستور کے مطابق اچھی بات کہو۔ ان کو سمجھا دو کہ یہ مال تمہارا ہی ہے مگر تم اس کی حفاظت کر سکتے ہو، اسے ضیاع سے بچائیں گے، تجارت میں لگا کر منافع حاصل کر سکتے ہو اور تمہیں اس سے فائدہ ہوگا۔ اگر تم مال کو کھیل تماشے میں ضائع کر دو گے

خوش کلامی

تو خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔ غرضیکہ اُن سے اچھی بات کہو کہ اُن کی دلِ شکنی بھی نہ ہو اور مال بھی نیک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ مدت بیان فرمائی ہے جب یتامیٰ اس عمر کو پہنچ جائیں کہ اُن کا مال اُن کے حوالے کیا جاسکے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سورہ النساء ۴
آیت ۶

لَنْ تَنَالُوا
دَرْسِ ششم ۶

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ
أَنْتُمْ مِنْهُمْ رَشَدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ
وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ
غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ
بِالسُّعْرَةِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا
عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾

ترجمہ:- اور یتیموں کو آزما تے رہو۔ یہاں تک کہ جب وہ نکاح
کی عمر کو پہنچ جائیں، پس اگر تم ان سے سمجھ معلوم کرو تو ان کے
مال انکو دے دو اور نہ کھاؤ یتیموں کے مالوں کو حد سے بڑھتے
ہوئے اور جلدی کرتے ہوئے کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔
اور جو شخص غنی ہو اس کو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال سے بچتا
ہے، اور جو شخص فقیر ہو وہ دستور کے مطابق کھائے۔ پس
جب تم ان کے مال ان کو دے دو پس ان پر گواہ بناؤ اور اللہ

کافی ہے حساب لینے والا ﴿٦﴾

گزشتہ درس میں یہ بیان تھا کہ بے عقلوں کو مال کی سپرداری مت کرو، کہیں
وہ نا سچی میں نقصان نہ کر بیٹھیں۔ مال کی نگرانی خود کرو، اور انہیں حسب ضرورت کھلاتے
پلاتے رہو، اور انہیں سمجھاتے بھی رہو کہ تم ان کے خیر خواہ ہو اور جو کچھ کہہ رہے ہو ان کے
بہترین مفاد میں ہے۔ اب آج کی آیت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ نا سچیوں کو

یتیموں کی تربیت
اور امتحان

اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کر کے ان کی تربیت کرو، اور گلہ ہے گا ہے ان کا امتحان بھی لیتے رہو، جب وہ اہل ہو جائیں تو ان کے مال ان کے حوالے کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **وَابْتَئُوا الْيَتَامَىٰ** اور یتیموں کو آزماتے رہو۔ ان کا امتحان لیتے رہو۔ اور امتحان اسی صورت میں ہو گا جب ان کی تربیت کی جائیگی۔ تو مقصد یہ ہے کہ جب تک یتیم اپنی جائداد کا انتظام خود چلانے کے قابل نہیں ہو جاتے۔ تم خود موتولی کی حیثیت سے کام کرتے رہو اور ساتھ ساتھ ان کی مناسب تربیت بھی کرو تاکہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنا کاروبار خود سنبھال سکیں۔

فرمایا انہیں آزماتے رہو حتیٰ **إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں۔ **فَإِن آتَيْتُم مِّنْهُم دَسَدًا** اور پھر تم معلوم کرو کہ اب وہ سمجھ بوجھ سے کام لینے لگے ہیں۔ ان میں اچھے بُرے اور نفع نقصان کی تمیز پیدا ہو گئی ہے وہ کاروبار چلا سکتے، دکان چلا سکتے ہیں یا کارخانے کا انتظام لینے پانچ میں لے سکتے ہیں یا جھینتی باٹری کر سکتے ہیں تو **فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُم** ان کے مال ان کے سپرد کرو۔ تاکہ وہ اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اپنا کام آپ سنبھالیں۔

سن بلوغت

اس آیت کریمہ میں سن بلوغت کے لیے نکاح کی عمر کے الفاظ لائے ہیں تاہم مراد بلوغت ہی ہے۔ اس ضمن میں فقہائے کرام میں معمولی سا اختلاف ہے کہ سن بلوغت کس عمر میں شروع ہوتا ہے۔ اکثر فقہاء کرام جن میں امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ، شامل ہیں نیز امام ابو حنیفہؒ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ان سب کا قول ہے کہ نکاح کی عمر یا سن بلوغت پندرہ سال ہے تاہم حقیقی بلوغ لڑکے کے لیے جب احتلام آجائے اور لڑکی کے لیے جب حیض آجائے بلوغت کے لیے یہ قطعی علامات ہیں مگر ان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے بعض اوقات لڑکے کو عرصہ تک احتلام نہیں آتا یا لڑکی کو حیض

نہیں آتا تو اس صورت میں بلوغ پندرہ سال سے شمار ہوگا۔ اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کی دو روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سن بلوغت میں آپ بھی باقی آئمہ کے ساتھ متفق ہیں۔ اور دوسری مشہور روایت کے مطابق آپ لڑکے کا بلوغ اٹھارہ سال سے اور لڑکی کا ستروہ سال سے شمار کرتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ جب وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں اور ان میں مناسب ہو جو بوجھ بوجھ پیدا ہو جائے تو انہیں ان کے مال کی سپرداری دے دو۔ اب انہیں شرعی بالغ سمجھا جائے گا۔

ناجاہز تصرف کی ممانعت

یتیموں کے متولیوں کو خاص طور پر ہدایت فرمائی۔ کہ وہ سپرداری کے مال کو ناجاہز طور پر استعمال نہ کریں۔ فرمایا وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ اَوْرَنَ كَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اور نہ کھاؤ یتیموں کے مال کو اسراف کرتے ہوئے۔ اسراف حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں اور یہاں مقصد یہ ہے کہ جس مال کے متولی ہو اُس کو ناجاہز طریقے سے استعمال نہ کرے، ایسے ناجاہز طریقے استعمال نہ کرے جو جن یتیم کا مال ضائع ہوتا ہو۔ یہ اسراف ہے ویداداً اور جلدی کرتے ہوئے بھی مال کو خرچ نہ کرے اور اس خیال سے اَن يَكْفُرُوا کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ لہذا یتیموں کے سن بلوغت سے پہلے پہلے خوب خرچ کر لو، اس کے بعد تو مال ان کو واپس کرنا ہی ہے اور پھر ہمارا تصرف ختم ہو جائے گا۔ مبادرت جلدی کو کہتے ہیں اور انسان سے جو کام جلدی میں سرزد ہو جاتا ہے اُسے بھی مبادرت کہتے ہیں فرمایا اس قسم کا غلط خیال دل میں لا کر یتیم کے مال کو بے دریغ اڑانا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام بھی یہی فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اور صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا یتیم کا متولی اس کے مال میں سے

معاوضہ بمطابق حیثیت و ضرورت

اپنی ذات کے لیے کچھ لے سکتا ہے یا نہیں۔ جو شخص یتیم کے مال کی حفاظت کرتا ہے، اسے کاروبار میں لگانا ہے اُس کی جائداد کی دیکھ بھال کرتا ہے، اپنا وقت اور استعداد لگاتا ہے، اُسے کس حد تک معاوضہ حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اس سوال کے جواب میں اللہ رب العزت نے فرمایا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ جو کوئی غنی یعنی مالدار ہے، وہ یتیم کے مال سے اجتناب کرنے، اپنی پیش کردہ خدمات کا کچھ معاوضہ نہ لے۔ شرعی معیار کے مطابق یعنی وہ شخص ہے جو صاحب نصاب ہے اور نہ کوآۃ ادا کرتا ہے، قربانی دیتا ہے اور صدقہ فطر بھی ادا کرنے کا پابند ہے۔ مقصد یہ کہ اگر ایسا شخص اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی جائز ضرورت اپنے مال سے پوری کر سکتا ہے تو پھر وہ یتیم کی سرپرستی کا معاوضہ وصول نہ کرے۔ البتہ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا جو کوئی فقیر ہے۔ اس کا ذاتی اثاثہ اتنا نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر کے اخراجات برداشت کر سکے اور اُسے اپنا وقت اور استعداد یتیم کے مال کے انصرام میں لگانا پڑتا ہے۔ تو اُس کو اجازت ہے قَلْبًا كُلِّ بِالْمَعْرُوفِ کہ وہ دستور کے مطابق یتیم کے مال سے اپنا معاوضہ لے سکتا ہے۔ بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی خدمات کا جائز اور بقدر ضرورت معاوضہ لے۔ محض یتیم کا مال سمجھ کر اُسے ناجائز طور پر ہضم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اکابر علماء اور ہمارے اساتذہ میں سے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں ہم نے اُن سے طحاوی شریف پڑھی تھی اپنے زمانے کے فقہ تھے، اللہ تعالیٰ نے فقہت میں وافر حصہ عطا فرمایا تھا آپ نے معارف القرآن کے نام سے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی جو آجکل بہت متداول ہے۔ یہ تفسیر دراصل حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی

تفسیر بیان القرآن کو سہل کرنے کی ایک کوشش ہے اور عام اردو دواؤں کے استفادہ کے لیے بڑی مفید ہے۔ صحت کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر اعلیٰ درجے کی ہے کیونکہ اس میں غلطیاں بہت نادر ہیں۔ تو صاحب تفسیر مولانا مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت سے یہ عام قانون بھی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ یہ حکم صرف یتیم کے مال کے سلسلے میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر قومی و ملکی ادارے کی خدمات کے سلسلے میں بھی ہوتا ہے۔ اس حکم کے تحت حکومت کے ادارے خصوصاً محکمہ اوقاف، تعلیمی اور انتظامی دفاتر، مساجد اور مدارس آتے ہیں۔ ان اداروں میں کام کرنے والے لوگوں کو محض جذبہ خدمت کے تحت فرائض انجام دینے چاہئیں۔ جن لوگوں کے پاس اپنا ذاتی اثاثہ موجود ہو، جن سے وہ اپنی اور گھر بار کی جائزہ ضروریات پوری کر سکتے ہو، انہیں ان اداروں میں کام کرنے کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ جن کارکنان کی گزیر اوقات کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو، انہیں بیت المال میں سے مناسب معاوضہ حاصل کرنا جائز ہے اس میں حسب ضرورت کرایہ مکان، سفر خرچ وغیرہ وصول کیا جاسکتا ہے۔ تاہم جائزہ ضرورت سے زیادہ کھیل تماشے، ریڈیو، ٹیلیویشن، فرنیچر، فرج، قالین وغیرہ وصول خرچی میں شامل ہوں گے۔

اسراف کی ممانعت

اسراف کی ممانعت محض یتیم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ فضول خرچی پوری قوم اور ملت کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے۔ اگر اس کا ثبوت دہ دنیا میں نہ بھی ہو سکے تو آخرت میں تو لامحالہ اس کا حساب دینا پڑے گا۔ جس طرح گذشتہ آیت میں بے عقلوں کو مال کی سپرداری سے منع فرمایا گیا ہے کہ وہ اس کے اہل نہیں، اسی طرح یہ آیت کسی شخص کو ایسا عہدہ مہتمب دینے کی ممانعت کرتی ہے، جو اس کام کا اہل نہیں نا اہل کو کسی اسم عہدے پر فائز نہ کرنا قوم و ملت کے ساتھ خیانت ہوگی۔ کیونکہ ایسے شخص

کی نااہلی کا اثر لوہے سے معاشرے پر پڑے گا۔ اور سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا
حضرت مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص مال کے
ضیاع کا سبب بن رہا ہے تو اسے فوراً روک دیا جائے۔ صرف حکومت ہی
کی ذمہ داری نہیں بلکہ جماعتی یا انفرادی ہر سطح پر یہ ذمہ داری محسوس کی جانی
چاہیے۔ جس کسی کے دائرہ اختیار میں کوئی نقصان ہو رہا ہے، اس کا فرض
ہے۔ کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق اس کا سدباب کرے، وگرنہ وہ بھی
اس نقصان کے اسباب بن شمار ہوگا۔ مگر بد قسمتی کی بات یہ ہے۔ کہ خود
حکومت کے نمائندے فضول خرچی پر تلے ہوئے ہیں وہ دوسروں کو کیا
روکیں گے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

مدیرِ حکومت انون بد می دہد

ترا می برد تاہ آتش دہد

(براقانون نافذ کرنے والا بکھے سیدھا جہنم کی طرف لے جاتا ہے)

مگر یہاں تو معاملہ ہی المٹ ہے، ہر حکومتی، اجتماعی اور انفرادی سطح
پر اسراف و تبذیر کا بے دریغ ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ قبر پرستی، عرس
گنبد، چڑھاڑے، پرتکلف، دعوتیں، بلا ضرورت استقبال ایسی چیزیں ہیں
جن پر لاکھوں روپیہ ضائع کیا جا رہا ہے۔ شادی اور عہتی کی رسومات میں کتنا
روپیہ اور المچ ضائع کیا جاتا ہے۔ مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ہر شخص دوسرے سے آگے
بڑھنے کی کوشش میں ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ رسم بد جاری کرنے کے ملک ملت
کا کتنا نقصان کر رہا ہے۔ ہماری ملت جس قدر شدید انحطاط میں اس وقت
ہے، قدیم زمانے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے، میں نے اپنے آپ کو بیت المال

میں یتیم کے متولی کی طرح اتار رکھا ہے۔ جب میرے پاس ضروریات کے
لیے ذاتی اثاثہ ہوتا ہے، تو بیت المال سے کچھ نہیں لیتا۔ اور جب پاس

کچھ نہیں ہونا بیت المال سے قرض لے لیتا ہوں۔ جب کچھ آجاتا ہے تو قرض واپس کمر دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا یہ فعل تو ان کی شانِ عالی پر دلالت کرتا ہے، وگرنہ ضرورت مند کو اپنی خدمات کا معاوضہ لینا بالکل جائز ہے۔

یَتِيمُوں کے مال کی واپسی کے بارے میں فرمایا فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ حَبِيبٌ تَمَّ اُنْ كَے مال واپس کرو فَاَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ تو ان پر گواہ بناؤ۔ مقصد یہ ہے کہ لین دین فریقین صرف اپنے طور پر ہی انجام نہ دے لیں بلکہ ایسا کام گواہوں کے روبرو ہونا چاہیے۔ تاکہ اگر کسی وقت کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس سے نمٹنا آسان ہو۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ کہ اس سے انحصار نہیں رہنا چاہیے۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں جہاں ادھار اور لین دین کے مسائل بیان ہوئے ہیں، وہاں پر بھی گواہ بنانے کی تلقین کی گئی ہے اور یہاں پر بھی فرمایا کہ حَبِيبٌ تَمَّ اُنْ كَے مال واپس کرو، تو اس پر گواہ قائم کرو۔ بلکہ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ جب یتیموں کے متولی کی حیثیت سے اُن کے مال کو قبضہ میں لو، تو اُس وقت بھی یہ لین دین گواہوں کی موجودگی میں کمر و اور پھر اُن کے سن بلوغت کو پہنچنے پر حَبِيبٌ واپس کرنے لگو تب گواہوں کے روبرو ایسا کرو۔ تاکہ سب کو عِلم ہو جائے کہ کسی متولی یا پر سرست نے کس قدر مال حاصل کیا تھا اور اب کتنا واپس کر رہا ہے۔ اس سے واضح ہو جائے گا۔ کہ یتیم کے مال میں کس قدر کمی بیشی ہوئی ہے۔ اور یہی چیز سر پرست کی دیا تمذاری کی ضمانت ہوگی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لین دین گواہوں کی موجودگی میں کیا کرو۔

لین دین میں دیا تمذاری کا قانون بتلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توہرہ دلائی کہ اگر تم قانون کی پابندی سے گریز کرو گے تو یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ تم کسی نہ کسی طرح دنیا کے قانون کی نظر سے توجیح کر سکتے ہو مگر یاد رکھو! وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا تمہارا حساب لینے کے لیے

لین دین
پر گواہی

محاسبہ الہی

تمہارا اللہ کافی ہے۔ جب اس کے دربار میں حاضر ہو گے تو پھر وہاں کوئی
 حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ وہاں پائی پائی کا حساب دینا ہو گا۔ عام طور پر مال و
 دولت انسان کی کمزوری ہے۔ اس کی چمک دکھ دیکھ کر لوگ جائز و ناجائز
 کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ تنخواہ، وظیفہ، بھتہ، الاؤنس وغیرہ کے مختلف ناموں
 سے روپیہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ معاملہ تعلیم کا ہو یا تبلیغ کا فتویٰ نکاح کا ہو یا طلاق
 کا، جب انسان کے دل میں دولت کی ہلوس پیدا ہو جاتی ہے تو تقویٰ کی
 پونجی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر ایمان کا جنازہ نکل جاتا ہے، دیانت نام کی کوئی چیز
 باقی نہیں رہتی اور انسان لالچ کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس وقت انسان
 بھول جاتا ہے کہ اس کا مؤاخذہ بھی ہونے والا ہے اور کسی نے اس کا حساب
 بھی لینا ہے۔ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا مگر یاد رکھو! اللہ کافی ہے
 حساب لینے والا۔

النِّسَاءُ ۴
آیت ۷

كُنْتُمْ لَوَآءٍ
درم ہضم ۷

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ
وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ⑤

ترجمہ :- مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جیسے والدین
اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے
جسے والدین اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے تھوڑا ہو اس سے
یا زیادہ حصہ مقرر کیا ہوا ⑤

گذشتہ آیت میں یتیم لڑکوں کے بارغ ہونے پر ان کے مال ان کو واپس
لوٹانے کا مسئلہ بیان ہوا۔ گذشتہ سے پیوستہ میں مال کی حفاظت کا قانون تھا اور اس سے
پہلے عورتوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے اور ان کے مہر خوش دلی سے ادا کرنے
کی تلقین تھی، اس سے پہلے یہ مسئلہ بیان ہوا تھا کہ یتیموں کے مال کو ناجائز طریقے سے
کھاجانا سخت گناہ ہے۔ اب یہاں سے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے قوانین کا آغاز فرمایا
ہے۔ آج کی آیت میں تو قانون وراثت کا اجمالی تذکرہ ہے اور زمانہ جاہلیت میں عورتوں
اور چھوٹے بچوں کے ساتھ وراثت کے معاملہ میں جو زیادتی ہوتی تھی، اُس کا رد کیا گیا ہے
ناہم وراثت کے مفصل قوانین آگے آ رہے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں دیگر معاشرتی قوانین کی طرح وراثت کے متعلق بھی کوئی مستقل
قانون نہیں تھا، جو طریقہ رائج ہو گیا، اُسی کے مطابق نسل در نسل عمل ہوتا رہتا تھا۔ وراثت
کے متعلق مرد و بدستور یہ تھا۔ کہ مرنے والے کے بیوی بچوں میں سے نہ تو بیوہ کو کچھ ملتا تھا
اور نہ نابالغ بچوں کو دیا جاتا تھا۔ اگر مرنے والے کا کوئی جوان بیٹا ہوتا تو ساری وراثت کا حقدار

لطو آیات

زمانہ جاہلیت
میں قانون
وراثت

وہی سمجھا جاتا اور باقی بیوی بچے محروم رہ جاتے۔ وہ لوگ باپ کی وراثت کا حق دار اس بیٹے کو سمجھتے تھے جو لڑائی میں حصہ لینے کے قابل ہو، تیرا، تلوار یا نیزہ چلا سکتا ہو دشمن پر حملہ آور ہو سکتا ہو اور اپنا دفاع بھی کر سکتا ہو۔ چھوٹے بچے اس معیار پر پورے نہیں اترتے تھے لہذا انہیں تم کے میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ تقریباً اسی قسم کا قانون ہندوؤں میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ بھی بڑے بیٹے کو ہی وراثت بناتے ہیں۔ انگریزوں میں بھی کم و بیش یہی قانون رائج ہے۔ مگر ایسے تمام قوانین غلط اور ظالمانہ ہیں جن میں ساری اولاد کے ساتھ مساویانہ سلوک نہ کیا گیا ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے وراثت کا وہ قانون نازل فرمایا جو حق و انصاف پر مبنی ہے اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

آج کی آیت کریمہ کا شان نزول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ملتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صحابی اوس بن ثابت فوت ہو گئے، صاحب جائداد تھے، اپنے پیچھے بیوی، دو بیٹیاں اور ایک کمن بیٹا چھوڑا۔ مر جبہ قانون وراثت کے مطابق ان میں سے کوئی بھی وراثت کا حق دار نہیں تھا۔ چنانچہ مرنے والے کے بھائیوں سوید اور عوف نے ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ حقیقی اولاد کے وراثت سے محروم ہونے کی بنا پر بطور عصبہ وہی مالک تھے۔ اس صورت حال میں حضرت اوسؓ کی بیوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! اوس کے پس ماندگان میں سے ہم چار موجود ہیں مگر وراثت میں سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا اس لیے ہماری گزراوقات کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت کی یہ آیت نازل فرمائی۔

وراثت کے تفصیلی احکام تو آگے آئے ہیں تاہم یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر یہ بات سمجھائی ہے کہ وراثت کا جاہلانہ دستور جس میں وراثت کا اجمالی قانون

مرد و جوان بیٹوں کو ہی ملتی تھی اور عورتیں اور بچے محروم رہ جاتے تھے یہ بالکل غلط تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مرنے کے بعد والدین اور دیگر قرابت دار جو کچھ چھوڑ جائیں اُس میں مردوں کا حصہ ہے۔ اور اسی طرح وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ والدین اور اقربا کے ترکہ میں سے عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ جہالت کے قانون کے تحت عورتوں کو محروم رکھنا ہرگز قرین انصاف نہیں، بلکہ اُن کے ساتھ صریحاً ظلم ہے۔ اور پھر اس میں چھوٹے بڑے کا بھی کوئی فرق نہیں۔ بیوی کا حصہ موجود ہے۔ بیٹا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا برابر کا حصہ دار ہے۔ اسی طرح ہر عمر کی بیٹیاں بھی اپنا حصہ وصول کرنے کی حقدار ہیں۔ عمر میں چھوٹا بڑا ہونے کی بنا پر وراثت کے حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باپ کی وفات کے وقت ایک دن کے بچے کو بھی برابر کا حصہ ملے گا، بلکہ جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہے وہ بھی وراثت میں برابر کا شریک ہے۔ شریعت اسلامیہ نے عورت مرد یا چھوٹے بڑے کی تمام تفریق ختم کر دی ہے۔ ہر وراث اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حصہ وصول کرنے کا حقدار ہے۔

البتہ بعض استثناء ہیں جن میں حقیقی اولاد بھی وراثت سے حصہ نہیں لے سکتی۔ سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ یَحْنُ مَعَاشِيَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكَنَا صدقہ یعنی ہم انبیاء کی جماعت مورث (جن کی وراثت تقسیم کی جائے) نہیں بنا کرتے، یعنی ہماری وراثت کسی کو نہیں ملتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ غربا اور مساکین کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ گویا ایک تو پیغمبر کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ ہاں پیغمبر اپنے باپ کی وراثت سے حصہ لے سکتا ہے بشرطیکہ باپ خود پیغمبر نہ ہو۔

قانون وراثت
میں استثناء

وراثت میں دوسرا استثناء یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وراثت

تقسیم نہیں ہوتی۔ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُونَ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ
 یعنی نہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کی وراثت میں سے
 حصہ لے سکتا ہے۔ اگر باپ مسلمان ہے اور بیٹا عیسائی، مرزائی یا کسی طرح
 مرتد ہو گیا ہے تو وہ باپ کی وراثت سے محروم ہو گیا ہے اسی طرح بیٹا مسلمان ہے اور باپ کافر ہے
 تو پھر بھی بیٹا کافر باپ کی وراثت نہیں لے سکتا۔ حضرت علیؑ اور حضرت جعفرؑ مسلمان
 تھے مگر ان کے دو دوسرے بھائی کافر تھے۔ باپ کی وفات پر حضرت علیؑ
 نے فرمایا کہ ہم کافر باپ کی جائیداد سے حصہ لینے کے مجاز نہیں لہذا باپ
 کا مکان کافر بھائیوں طالب اور عقیل نے لے لیا۔ اگرچہ بعد میں فتح مکہ کے
 موقع پچھیل بھی مسلمان ہو گئے تھے تاہم یہ طے شدہ قانون شریعت ہے کہ
 مومن اور کافر کے درمیان وراثت نہیں چلتی۔ یہ دوسری استثناء ہے۔

فرمایا تیسری استثناء یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔ بیٹا
 باپ کو قتل کر دے یا بھتیجا ایسے چچا کو قتل کر دے جس کی وراثت اُس کو پہنچ
 سکتی تھی، تو اس قتل کی وجہ سے وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہو جائے گا
 اسی طرح آزاد اور غلام کے درمیان بھی وراثت نہیں چلتی۔ باپ بیٹے میں
 سے کوئی بھی غلام ہے۔ تو اُس کی وراثت آزاد بیٹے یا آزاد باپ کو نہیں
 ملے گی۔ آزاد آدمی کی وراثت کا حقدار اُس کا آزاد وارث ہی ہو سکتا ہے۔

ارتکاز دوت

اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے۔ کہ ترکہ کا مال بہر حال
 تقسیم ہونا چاہیے۔ مَا قُلْنَا مِنْهُ اَوْ كَثُرَ سَوَءًا اَوْ يَزِيدُهُ سَبَّ
 کا سبب تقسیم ہو جانا چاہیے۔ ترکہ میں نقدی ہو یا سامان، مکان ہو یا زمین،
 برتن ہوں یا کپڑے، کسی کمپنی کے حصص (SHARES) ہوں یا کارخانہ ہر چیز
 ورثا میں بانٹ دینی چاہیے۔ اگر وراثت تمام وارثان میں بقدر حصہ تقسیم نہیں
 ہوگی، تو ارتکاز دولت پیدا ہو جائیگی اور یہ چیز اسلام کی روح کے منافی ہے
 سورۃ حشر میں جہاں مال فتنے کی تقسیم کا تذکرہ ہے وہاں فرمایا کہ اس

میں قلالِ فلاں کا حصہ ہے کئی نہ کیوں دولتِ باین الاعدیاء منکم“ تاکہ دولت صرف دو ہمتدوں میں ہی مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ اسے غریبوں میں سب تک پہنچانا چاہیے۔ معاشرے میں مال و زر کی مثال ایسے ہی ہے جیسے انسانی جسم میں خون ہے۔ جسم کے جس حصے میں خون کی گردش رک جائیگی وہ حصہ مردہ ہو جائے گا۔ اسی طرح معاشرے کے جس طبقہ میں مال کی گردش نہیں پہنچتی وہ حصہ بھی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ دولت کو پورے معاشرے میں گردش کرنا چاہیے، کسی حصے میں بھی اس کی رکاوٹ پسندیدہ نہیں وراثت کی تقسیم بھی گردش زر کا ایک ذریعہ ہے لہذا وراثت تمام حقداروں میں تقسیم ہونی چاہئے۔ فرمایا اگر ایک گنزر کھڑا دس وارثوں میں قابل تقسیم ہے تو اسے تقسیم کرنا چاہیے۔ ہاں اگر وراثت آپس میں طے کر لیں تو کوئی بھی ناقابل تقسیم چیز کسی ایک کے سپرد کر کے اس حصہ دار سے اپنے حصہ کے مطابق نقدی وصول کی جا سکتی ہے۔ کارخانہ یا مکان ہے جسے عملی طور پر کئی حصے داروں میں تقسیم کرنے سے نقصان ہونے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں اس چیز کی قیمت مقرر کرو۔ پھر وہ چیز کوئی ایک حصہ دار اپنے ذمے لے کر باقیوں کو بقدر حصہ روپیہ ادا کرے یا پوری کی پوری جائداد فروخت کر کے تمام حصہ دار اپنا اپنا حصہ نقدی کی صورت میں وصول کر لیں۔ بہر حال فرمایا ارتکاز دولت (CONCENTRATION OF WEALTH) نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں یہ چیز بھی یاد ہے کہ تقسیم وراثت صرف والدین اور اولاد کے درمیان ہی ضروری نہیں بلکہ شریعت کے مطابق جسے بھی حصہ پہنچتا ہے خواہ وہ چچا ہو یا تایا یا اس کے بیٹے یا بھائی یا دادا یا پوتا ترکہ کامل لازماً تقسیم ہونا چاہیے کسی حصہ دار کا حصہ ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

وراثت کے حقدار وراثت کا مفصل قانون آگے آرہا ہے۔ تاہم اجمالاً یوں کہا جا سکتا ہے۔ میریت کا ترکہ اس شخص کو پہنچے گا جو رشتہ میں باپ کی طرف سے

اُس کے زیادہ قریب کا۔ پھر اُس سے دُور والا اور اُس کے بعد اُس سے دُور کے رشتہ دار وراثت کے ہتھار ہوئے ہیں قرآن و سنت کی رُو سے تین قسم کے رشتہ دار وراثت کے ہتھار ہوئے ہیں یعنی ذوی الفروض ، عصبیات ، اور ذوی الارحام ، ذی الفروض وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے حصص قرآن پاک نے مقرر فرمائیلے ہیں اور تین مختلف صورتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں کل وراثت کا آٹھواں ، چوتھا ، نصف یا کل حصہ قابل تقسیم ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ اقربا آتے ہیں جو میرت کے زیادہ قریب ہوں ، ان میں بیٹا ، چچا ، تایا ان کے بیٹے وغیرہ آتے ہیں۔ یہ عصبیات کہلاتے ہیں۔ اور تیسرے نمبر کے رشتہ دار ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔ جب باپ کی طرف سے میرت کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر ماں کی طرف سے رشتہ دار بھی وراثت میں شامل ہوتے ہیں جیسے ماموں ، بھانجی وغیرہ۔

اس مسئلہ میں فقہائے کرام میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اہم شافعی صرف دو قسم کے اقربا یعنی ذوی الفروض اور عصبیات کی وراثت کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں۔ اگر ان دو اقسام میں سے کوئی وارث نہ ہو، تو ترکہ بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ ذوی الارحام کو بھی وراثت میں حصہ دیتے ہیں بشرطیکہ پہلی دو اقسام یعنی ذوی الفروض اور عصبیات میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا اپنا فرمان بھی ہے الخال وارث من لا وارث له جب اور کوئی وارث نہ ہو تو ماموں بھی وارث ہے فرمایا وراثت کا مال تھوڑا ہو یا زیادہ اُس کی تقسیم بہر حال ہوتی چاہیے اور کم سے کم حصے دار کو بھی محروم نہیں کرنا چاہیے۔ منشاء ایزدی یہی ہے۔ آگے فرمایا فیصیباً مفسر و ضاً اللہ تعالیٰ نے یہ حصے اپنی حکمت نامہ سے مقرر فرمائیلے ہیں۔ ان میں نہ تو کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو باکھل محروم کیا جاسکتا ہے۔ آگے صراحتاً یہ بیان آتا ہے۔ کہ وراثت کا قانون کسی انسان یا اولاد مخلوق کا قانون نہیں بلکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے وضع

مقررہ حصص

فرمایا ہے اس میں تمہیں و تینخ کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہیے، نیز یہ کہ تمہارے حق میں کون سی چیز بہتر ہے۔ بہر حال اس آیت میں اللہ نے وارث کا اجمالی قانون بیان فرما دیا ہے، آگے تفصیلات آ رہی ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا ۲
درس ہفتم

النِّسَاءِ ۲
آیت ۸ تا ۱۰

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ
فَارزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ⑧
وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً
ضَعِيفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا
قَوْلًا سَدِيدًا ⑨ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ
ظُلْمًا إِنَّهُمْ يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ⑩

ترجمہ :- اور جب وراثت کی تقسیم کے وقت قرابت دار یتیم
اور مسکین حاضر ہوں ، تو اس میں سے ان کو بھی کھلا دو اور
ان کو دستور کے مطابق معقول بات کہو ⑧ اور ان لوگوں کو ڈرنا
چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ جاتے ، تو ان
کا کتنا خوف کھاتے۔ پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور
سیدھی بات کہیں ⑨ بیشک وہ لوگ جو یتیموں کا مال زیادتی سے
کھاتے ہیں ، بیشک وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ⑩

رابط آیت

سورۃ النساء کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر یتیموں کے حقوق بیان
فرمائے ہیں۔ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک ، ان کی رہائش کا بندوبست ، ان کے مال کی
حفاظت وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف کرنے

کی خاص طور پر تلقین فرمائی ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ نے زمانہ جاہلیت کے اُس دستور کا رد فرمایا جس کے ذریعے وہ لوگ عورتوں اور نابالغ بچوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے۔ اور اسلام کے قانون وراثت کا اجمالی تذکرہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ہر مرد و زنان، چھوٹے بڑے، جوان اور بوڑھے کے لیے وراثت میں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ کسی شخص کی موت کے وقت اس کے جو قرابت دار موجود ہوں گے وہ اپنا حصہ حاصل کرنے کے حقدار ہوں گے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ وراثت کی ہر چیز تقسیم ہونی چاہیے اور کسی حقدار کا حق ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ اگر میت نے کسی سے قرضہ لینا ہے تو وصولی پر وہ بھی حصہ رسد ہی تقسیم ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ اُس کا مقرر کردہ قانون وراثت ہے آج کے درس میں اللہ جل شانہ نے اُن غیر وراثت اقربا اور دیگر غریب ممالکین سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے جو تقسیم وراثت کے وقت موجود ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ تَقِيمُوا وراثت کے موقع پر اگر قریب تار آجائیں۔ یعنی وہ عزیز واقارب جو شرعاً اس وراثت کے حقدار نہیں۔ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ یا کوئی دیگر یتیم مسکین وغیرہ جمع ہو جائیں۔ جیسا کہ ایسے مواقع پر اکثر ہوتا ہے تو فرمایا فَادْرُؤْهُمْ مِمَّنْ دُونِ اُس میں سے یعنی وراثت کے مال میں ایسے حاضر آمدہ لوگوں کو بھی کھلا پلا دو۔ مفسرین کو لگم فرماتے ہیں۔ کہ یہ حکم مشترک مال میں سے کھلانے پلانے کا نہیں، بلکہ یہ خطاب اُن بالغ اور حاضر وارثوں سے ہے جو وراثت کا مال حاصل کیا اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد اُن کے لیے حکم ہے کہ وہ اپنے حصہ میں سے غیر وراثت اقربا یا غریب غرا کو بھی کچھ دے دیں یہ حکم نابالغ وارثوں کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ سن بلوغت تک انہیں مال میں تصرف حاصل نہیں اور غیر حاضر وارثان کے حصہ سے کوئی دوسرا حصے دار کوئی چیز اور نہیں لے سکتا کیونکہ یہ اصل حصے دار کا ہی حق ہے۔ لہذا یہ حکم حاضر اور بالغ وارثان کے لیے ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں

غیر وراثت سے
حسن سلوک

کہ یہ حکم ابتدا میں اُس وقت تک کے لیے تھا جب تک وراثت کے مفصل احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ جب یہ احکام نازل ہو گئے وراثت کے حصے اللہ نے مقرر کر دیے تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تاہم امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی رو سے یہ حکم بطور استحباب اب بھی موجود ہے اگرچہ فرض واجب نہیں۔ لہذا اگر تقسیم وراثت کے وقت ایسے لوگ آجائیں تو انہیں بے دلا دینا مستحب ہوگا۔

نیز فرمایا وَقَوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ان سے معقول بات کہو تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ مقصد یہ کہ کچھ تھوڑا بہت بڑے کر انہیں نرمی سے بات سمجھاؤ کہ بھئی! اس میں دوسروں کا بھی حق ہے اس لیے ہم زیادہ تو نہیں بڑے سکتے، جو خدمت کر سکتے ہیں اس کو خوش دل سے قبول کر لو۔ اس قسم کے اُمیدواروں کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آنا ہرگز درست نہیں۔ وہ اگرچہ وراثت میں حصے دار نہیں مگر امداد کے مستحق ہیں۔ اللہ نے تمہیں کچھ مال بغیر محنت کے دیا ہے تو اس میں سے غریب مسکین کی مدد بھی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

مشترک مال کے مسائل

فقہائے کرام نے مشترک مال کے بہت سے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جس مال کے کسی حصہ دار ہوں وہ مال تمام حصہ داروں کی رضامندی کے بغیر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ کسی حصہ دار کی غیر حاضری میں کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کی ادنیٰ سے ادنیٰ مقدار میں بھی تصرف کر سکے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مشترک مال میں سے صدقہ خیرات بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح چھوٹے بچے جنہیں اپنے مال پر ابھی تصرف حاصل نہیں، ان کے مال کو کسی کے حوالے کر دینا خواہ صدقہ خیرات ہی ہو جائز نہیں کیونکہ جس طرح یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے، کسی دوسرے کو کھلانا بھی حرام ہے۔ لہذا صدقہ خیرات کیسے ہو سکتا ہے، فوتیگی کی رسومات منجملہ قتل

اور چالیسواں وغیرہ جو مرنے والے کے مشترکہ مال سے ادا کی جاتی ہیں بالکل جائز نہیں۔ اس میں بیٹیوں، میٹھیوں اور غیر حاضر ورثان کا حصہ ہے لہذا کبھی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ تمام حقداران کی اجازت کے بغیر اس میں سے خرچ کرے خواہ وہ ایصال ثواب کے لیے کیوں نہ ہو۔ البتہ بائع وراثان اپنے حصے کا سارا مال بھی صدقہ خیرات کر دیں تو درست ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ میریت کا کفن و دفن تو اسکے ترکہ سے ہو سکتا ہے۔ مگر میریت کی چار پائی کے اوپر ڈالی جانے والی چادر اس مال سے نہیں خریدی جاسکتی کیونکہ یہ کفن کا حصہ نہیں بعض اوقات میریت کو غسل دینے کے لیے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔ ترکہ کا مال اس پر بھی خرچ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ترکہ کا مال تمام ورثان کا مشترک مال ہے۔ اول تو نئے برتن خریدنے ہی نہیں چاہئیں، پرانے برتنوں میں غسل جائز ہے اور اگر ضرور خریدنا ہے تو کوئی وارث اپنے ذاتی مال سے خریدے، مشترک مال استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ میریت کے جسم پر جو کپڑے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی کو اختیار نہیں کہ وہ ان کپڑوں کو از خود صدقہ کرے کیونکہ وہ ترکہ کے مشترک مال کا حصہ ہیں۔ جننے کے لیے سوا گز کپڑے کا جائے نماز بنایا جاتا ہے جو یا تو صدقہ کر دیا جاتا ہے یا امام کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ کپڑا بھی نراید ہے، میریت کے مال سے نہیں خرید جاسکتا کیونکہ یہ بھی مشترک مال کے حکم میں آتا ہے۔

یتیم بچوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ خیر خواہی کے سلسلہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ذرا غور کرو اگر تمہارے بچے یتیم ہو جائیں تو تم ان کی خاطر جس قدر فکر مند ہو گے اسی قدر دیگر یتیم بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، وہ بھی تمہاری بہرہ رومی کے مستحق ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضَعُفًا

بچوں کے ساتھ
خیر خواہی

حَاقُوا عَلَيْهِمْ اور چاہیے کہ وہ لوگ اس بات سے ڈرجائیں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے گمزدار اولاد چھوڑ جائے، تو انہیں کتنا خوف ہوتا۔ وہ فکر مند ہو جاتے کہ ان کے بعد ان کے بچوں کے ساتھ لوگ کیسا سلوک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات سمجھا ہے ہیں بلکہ جو چیز تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بعد تمہارے چھوٹے بچوں کے ساتھ بہتر سلوک ہو، تو تم خود بھی یتیموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ سلوک کرو۔ یہ اہل اسلام کا اخلاق ہے جس کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے ان تخب لآخریک ما تخب لنفسک یعنی تم اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اگر تم اپنے لیے آرام و راحت کے خواہشمند ہو، اپنے بچوں کے ساتھ ہمدردی چاہتے ہو تو دوسروں کے ساتھ تم خود ایسا کر کے اپنے ایمان کی تکمیل کرو۔ اگر مسلمان میں یہ چیز پیدا نہیں ہوتی تو وہ اپنے دعویٰ ایمان میں سچا نہیں ہے۔ اگر نظام سرمایہ داری کی طرح لوٹ کھسوٹ ہی کرنا ہے تو دین سے کیا سیکھا۔ وہاں تو امیروں کے بچوں کے لیے تعلیم و تربیت کے اعلیٰ ادارے قائم ہیں مگر غریب کے بچے کو کسی اور فی اسکول میں بھی داخلہ نہیں ملتا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، وہی اپنے بھائی کے لیے بھی خواہش کرو۔

معیار تقویٰ

القرض! فرمایا اپنے بچوں کی طرف دھیان کر کے دوسرے یتیم اور بیس بچوں کا خیال کرو۔ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ پس چاہیے کہ وہ لوگ اللہ سے ڈرجائیں تقویٰ کا معیار ہی یہ ہے خوف خدا اور حدود شریعت کی پابندی۔ اگر یہ معیار پیدا ہو جائے تو انسان کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا، کسی کا حق نہیں کھائے گا۔ بلکہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی سے

پیش آئے گا۔

اور اگر تقویٰ کا عنصر ہی موجود نہیں ہے۔ خدا کا خوف نہیں آتا ظلم و جور کر کے پشیمان نہیں ہوتا۔ کفر، شرک اور معاصی کو ترک نہیں کرتا، تو وہ جو چاہے کرتا پھرے، کون پوچھنے والا ہے اس کا حساب تو قیامت کو رب العزت کی بارگاہ میں ہی ہوگا۔ اسی لیے فرمایا اللہ سے ڈر جاؤ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور سیدھی بات کرو۔ زیادتی والی کوئی بات نہ کرو، خاص طور پر ضعیفوں کے ساتھ تند و تیز باتیں نہ کرو، بلکہ معقول بات کرو۔ ان کے ساتھ ہمدردی اور خیر سگالی کی بات کرو، ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ اس سے تمہیں بھی فائدہ ہوگا اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی دنیا اور عاقبت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اکل حرام کی سزا

آگے اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے والوں کے لیے سزا کا تذکرہ کیا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں۔ ان کے کم خرچہ کو زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے کاروبار میں ڈنڈی مانتے ہیں یا ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر ہیرا پھیری کرتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق سزا رَأْسًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ ڈال رہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن بعض لوگ قبروں سے اس حالت میں نکلیں گے، کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔ آپ نے یہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پڑھا رَأْسًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا۔ یہ لوگ دنیا میں لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھا کر اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اب وہ ظاہر ہو رہی ہے۔

اس آیت سے مفسرین کرام یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ یتیموں کے

مافی نقصان

ساتھ ظلم و زیادتی، ان کے حقوق کا ضیاع اور ان کی حفاظت و سرپرستی سے دست کشی ان کے لیے تو تکلیف دہ ضرور ہے مگر ایسا کرنا قومی اور ملی نقصان بھی ہے۔ اگر قوم کے یتیم بچوں کی حفاظت کا انتظام نہیں ہوگا تو لوگ اس خوف سے جہاد میں شریک نہیں ہوں گے کہ شہادت کی صورت میں ان کے بچے یتیم ہو کر در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوگا۔ جب جذبہ جہاد ختم ہو جائیگا تو قوم غیروں کی مغلوب ہو جائیگی۔ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہیگی۔ اس طرح قوم کے نوجوان لوگ بزدلی کا شکار ہو جائیں گے۔ جو کہ ایک بہت بڑا قومی نقصان ہوگا۔

فرمایا جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈال رہے ہیں۔ آج تو خوب مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن یہی مال آگ کی صورت میں ان کے پیٹوں سے برآمد ہوگا۔ اور پھر وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا وہ لوگ جہنم میں داخل ہو جائیں۔ انہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں آرام کی خاطر انہوں نے یتیم کا حق غصب کیا۔ اور اب ہمیشہ کے لیے جہنم رسید ہو کر دائمی سزا میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

پہلی دس آیات میں یتیموں سے حسن سلوک کا تذکرہ کرنے کے بعد آگے وراثت کے تفصیلی قوانین آ رہے ہیں۔

النِّسَاءِ ۴
آیت النصف اول

لَنْ تَنَالُوا
دس نم ۹

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْأُنثَىٰ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط

ترجمہ :- اللہ تم کو تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور اگر وہ عورتیں ہوں دو یا دو سے زیادہ، پس ان کے لیے دو تہائی ہے۔ اور اگر ایک ہی ہو تو اُس کے لیے آدھا حصہ ہے۔

رب آیات گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون اجمالی طور پر بیان فرمایا تھا۔ اُس کی تشریح میں عرض کیا گیا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں وراثت کے معاملہ میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو محروم رکھا جاتا تھا اور وراثت کا حقدار صرف اُن جوان مردوں کو سمجھا جاتا تھا جو دشمن کا مقابلہ کر سکیں یعنی ہر وقت لڑائی بھڑائی کے لیے تیار رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط تقسیم کی تردید فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑ جائے، اس میں سے ہر چھوٹی بڑی، منقولہ، غیر منقولہ چیز تقسیم ہونی چاہیے۔ اور وراثت میں مردوں اور عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں سب کا حصہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے ہیں۔ ان میں ردوبدل کرنے کا کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا۔ اب آج کے درس سے قانون وراثت کی تفصیلات تشریح ہو رہی ہیں۔

دور جاہلیت میں وراثت کی بنیاد تین چیزیں تھیں۔ ایک تو نسب تھا۔ جس کی بنا پر وہ صرف جوان بیٹے کو باپ کی وراثت کا حقدار سمجھتے تھے، اور باقی عورتیں اور بچے محروم ہو جاتے تھے۔ اُن کے نزدیک وراثت کا دوسرا سبب بتنی تھا، وہ لوگ جس

وراثت دور
جاہلیت میں

کسی کو منہ بولا بٹایا لیتے تھے کسے وراثت میں سے حصہ دیتے تھے۔ اُس زمانے میں وراثت کی تیسری بنیاد ولادت تھی۔ ولاء کا معنی آپس میں نچتہ دوستی کہ لینا ہے۔ جو دو شخص آپس میں حلیفہ قسم کی نچتہ دوستی کر لیتے تھے وہ بھی ایک دوسرے کی وراثت کے مستحق ہوتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں وراثت ان بنیادوں پر تقسیم ہوتی تھی جب پیغمبرِ آخر الزماں علیہ السلام کی بعثت ہوئی، قرآن پاک کا نزول شروع ہوا اور اسلام آیا، تو اس کے ابتدائی دور میں زمانہ جاہلیت کی بعض چیزوں کو بھی ہم وراثت کیا گیا۔ چنانچہ ابتدائی دور اسلام میں وراثت کے لیے ولاء کو روا رکھا گیا۔ اس کے علاوہ ہجرت کو بھی وراثت کا سبب قبول کیا گیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد بعض مہاجرین اور انصارِ رشتہ موخات میں منسلک ہوئے حضور علیہ السلام نے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ چنانچہ ابتدائی دور میں یہ بھائی بھائی ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار ہوتے تھے۔ بخاری شریف میں روایت موجود ہے۔ یرث المہاجر الی انصاری و یرث الانصاری الی مہاجر یعنی مہاجر انصاری کا وارث ہے اور انصاری مہاجر کی وراثت میں حقدار ہے۔ ابتدائے اسلام میں ایسا بھی ہوتا رہا۔

ابتدائے
اسلام میں
وراثت

مستقل قانون
وراثت

اس کے بعد جب وراثت کے مستقل قوانین نازل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سبب کو وراثت سے خارج کر دیا۔ اور سورۃ انفال میں واضح فرمایا **وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** کہ وراثت کے معاملہ میں اللہ کا قانون یہ ہے کہ قرابت کے رشتہ کو ہی اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ وراثت کا سب سے پہلا سبب نسب ہی قرار پایا۔ اس طرح گویا خدائی قانون کے مطابق ولاء، موخات اور تہنی کے ذرائع وراثت کو ختم کر دیا گیا، اب دوستوں، اسلامی بھائیوں اور متبنی وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک تو کیا جاسکتا ہے۔ ان کے حق میں مقررہ حد تک وصیت کی جاسکتی ہے۔ مگر وراثت میں حصہ نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ

نے اسے ختم کر دیا۔ اب اسلام میں وراثت کا انحصار تین چیزوں پر ہے۔ پہلا نسب، دوسرا نکاح اور تیسرا ولاد جو کہ ولاد کی پہلی قسم سے مختلف ہے نسب کا قانون یہ ہے کہ جو رشتہ دار میت کے زیادہ قریب ہوگا، وراثت پر اس کا حق فائق ہوگا۔ قریبی عزیز کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو حصہ نہیں ملتا۔ مثلاً اگر مرنے والے کا باپ موجود ہے تو وراثت کا حق دار وہ ہوگا، دادا نہیں ہوگا۔ اگر باپ فوت ہو چکا ہے اور دادا زندہ ہو تو اس صورت میں دادا حقدار ہوگا۔ اسی طرح اگر میت کا بیٹا موجود ہے تو پوتے کو وراثت نہیں پہنچتی ہے بیٹے کی غیر موجودگی میں پوتا وارث ہوگا۔

وراثت کا دوسرا سبب نکاح ہے، جب ایک مرد اور ایک عورت رشتہ ازواج میں منسلک ہو جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار بن جاتے ہیں تا وقتیکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار نہ کر لیں۔ اگر میت فوت ہو جائے تو بیوی کو حصہ ملتا ہے اور اگر بیوی فوت ہو جائے تو خاوند وراثت میں حق رکھتا ہے۔ گویا وراثت کا مدار نکاح پر بھی ہے۔

وراثت کا تیسرا سبب ولاد ہے اور یہ دو قسم سے ہے۔ پہلی قسم ولاد اعتناق ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے۔ اور غلام کی وفات کے وقت اس کا کوئی حقیقی رشتہ دار موجود نہ ہو تو غلام کی وراثت اس آزاد کرنے والے شخص کو پہنچتی ہے، مسلم اور ترمذی شریعت میں روایت موجود ہے أَوْلَادُ لِمَنْ أَعْتَقَ وراثت اس شخص کے لیے ہے جس نے اسے آزاد کیا یعنی جو اسکی آزادی کا ولی نعمت اور مولیٰ بنا، وہی وراثت کا حقدار ہے۔ اسی طرح اگر آزاد کرنے والا شخص خود مر گیا اور اس کا کوئی حقیقی رشتہ دار موجود نہیں ہے تو اس کی وراثت آزاد کردہ غلام کو ملے گی۔ یہ ولاد اعتناق ہے۔ آزاد کرنے والا اور آزاد ہونے والا ایک دوسرے کے مولیٰ بن گئے ہیں۔

دلا کی دوسری قسم ولاد مولات ہے جو کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک

درست ہے۔ اس کا ذکر بھی حدیث شریف میں موجود ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں جب کوئی شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے اُس کے ساتھ دوستانہ قائم کر لیتا تھا تو وہ آپس میں مولیٰ بن جلتے تھے، اور اس خصوصی تعلق کو موالات کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں لوگ دور دور سے گھر بار، شتے دار، جاؤاد وغیرہ چھوڑ چھا کر دارالاسلام میں آجاتے تھے اور اسلام قبول کر لیتے تھے اور اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ موالات بھی قائم کر لیتے تھے۔ ترسانوں سے اکثر لوگ عرب پہنچے اور اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں کے حقیقی رشتہ دار نامعلوم ہوتے تھے یا غیر مسلم، ایسی حالت میں اگر نو مسلم فوت ہو جاتا تو اس کی وراثت اس کے مولیٰ کے حق میں چلی جاتی تھی۔ یہ دلاء موالات کہلاتی ہے۔ یہ صورت آج بھی روا ہے اگر کوئی شخص افریقہ یا کسی دیگر دور دراز علاقے سے پاکستان میں آکر کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اُس سے دلاء یعنی دوستانہ قائم کر لیتا ہے اُس کے حقیقی رشتہ داروں کا علم نہیں یا معلوم ہے کہ وہ غیر مسلم ہیں اور انہیں وراثت نہیں مل سکتی تو پھر ایسے شخص کی موت پر اس کی جاؤاد کا وارث اس کا مولیٰ ہوگا، یعنی وہ شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر اُس نے مسلمان ہو کر دلاء موالات قائم کیا۔

موجودہ زمانے میں دلاء کی دو صورتوں میں سے دلاء استحقاق تو ختم ہو چکی ہے۔ اب نہ کوئی غلام ہے اور نہ اس کی آزادی کی نوبت آتی ہے لہذا یہ سبب اب بالکل بند ہو چکا ہے البتہ دوسری قسم دلاء موالات کی اب بھی گنجائش ہے۔ اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اور اس کا مولیٰ بن جائے۔ پھر اس کی وفات کے وقت اُس کا کوئی حقیقی مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہو تو اس کی وراثت اس کے مولیٰ کو ملے گی۔ گویا اس وقت وراثت کے تین سبب نسبت

نکاح اور موالات ہیں۔

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام کو اس ترتیب سے بیان فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اولاد کا تذکرہ ہے کیونکہ اس کا تعلق وراثت کے پہلے سبب سبب کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد نسب ہی کے سبب کے تحت ماں باپ کی وراثت کا ذکر ہے اور پھر مرنے والے کے بھائیوں کا ممبر ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے چوتھے نمبر پر نکاح کے سبب کے تحت خاوند اور بیوی کی وراثت کا ذکر فرمایا ہے۔

شانِ نزول

ان آیات کی شانِ نزول کے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت موجود ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔ میرا گھر حضور علیہ السلام کے گھر سے کم و بیش دو میل دور تھا۔ آپ علیہ السلام میری بیمار پرسی کے لیے میرے گھر تشریف لائے۔ آپ کے پاس سولاری بھی نہ تھی، پیدل ہی آئے۔ آپ پر گھردو بختار کے آثار نمایاں تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو مجھ پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ آپ نے وضو کیا اور وضو کا باقی ماندہ پانی مجھے پلایا اور مجھ پر چھینٹے ڈیے۔ اتنے میں مجھے ہوش آ گیا۔ کہتے ہیں کہ چونکہ میں اولاد سے محروم تھا اس لیے مجھے اپنی وراثت کے متعلق تشویش تھی۔ اپنی اولاد تو نہ تھی البتہ نو بہنیں تھیں جن میں تین شادی شدہ اور باقی غیر شادی شدہ تھیں۔ ان کے علاوہ ایک بھائی بھی تھا۔ حضرت جابرؓ کے باپ حضرت عبداللہ انصاریؓ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اوپٹے درجے کے شہداء میں سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ بہر حال روایت میں آتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضور سے دریافت کیا کہ میرے بعد میری وراثت کس طرح تقسیم ہوگی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اس سلسلہ میں حضرت جابرؓ ہی سے ایک دوسری روایت بھی ترمذی شریف میں موجود ہے۔ حضرت سعد بن ربیعؓ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے

دو لڑکیاں چھوڑ گئے۔ ان کی بیوی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، حضور! میرا خاندان آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گیا ہے اور پرانے دستور کے مطابق اس کے مال پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کر لیا ہے اب یہ دو بچیاں ہیں ولا تنکحان الا وکھنہما مال کے بغیر تو ان کے نکاح بھی نہیں ہو سکتے۔ اب کیا صورت ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تم صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور کوئی فیصلہ فرمائے گا۔

روایت میں آتا ہے کہ جب وہ عورت دوبارہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وراثت کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ بنی علیہ السلام نے اس عورت کو اور سعد بن کے بھائیوں کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ دیکھو بھائی! سعد بن کے جس مال پر تم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس میں سے آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کا ہے اور دو تہائی ان بچیوں کو دے دو۔ باقی جو بچ جائے وہ حصہ کی حیثیت سے تم لے لو۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جو کسی کی وراثت تقسیم کرنے سے قبل کمزور ضروری ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں قانون یہ ہے کہ سب سے پہلے مرنے والے کے مال میں سے اس کے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے۔ اس کام پر اخراجات احتیال کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ میت کا مال سمجھ کر فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے۔ کفن کے لیے مناسب کپڑا اور دوسری اشیائے ضرورت خریدی جائیں۔ قبر کھودنے کا انتظام ہو چکی ضروری میت کے مال سے ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر مرنے والے کے قرض کوئی قرض ہے تو ادا کیا جائے۔ تیسرے نمبر پر اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے تو اسے پورا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہر مسلمان کو کل مال کے ایک تہائی کے برابر وصیت کرنے کی اجازت دی ہے، اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی وصیت کی گئی ہے تو اسے پورا کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد باقی ماندہ مال وراثت حصہ بندی حقداران میں تقسیم کیا جائے گا۔

قبل از تقسیم
وراثت

ارشاد باری تعالیٰ ہے يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ النِّسَاءِ ایک مرد مساوی دو عورتیں
 حکم دیتا ہے تمہاری اولادوں کے متعلق۔ یہاں پر ایصا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں تاکید پائی جاتی ہے، اس لحاظ سے وصیت تاکید ہی حکم کو کہتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قانون وراثت کے آغاز میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ احکام تاکید ہی ہیں اور ان میں اپنی مرضی سے نہ کسی کو روک دیا جائے اور نہ ہی ٹالے جاسکتے ہیں بلکہ ان پر عمل درآمد لازمی ہے کہ بیٹی اجازت ہے اور نہ ہی ٹالے جاسکتے ہیں بلکہ ان پر عمل درآمد لازمی ہے اس قانون کا پہلا حکم یہ ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّاتِ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ دو کے لفظوں میں ایک عورت کو ایک مرد کی نسبت حصہ ملے گا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کسی مرنے والے کے پاس ماندگان میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔ تو کل مال آدھا آدھا حصے کے ایک حصہ لڑکے کو مل جائے گا اور باقی آدھا دو لڑکیوں میں برابر بانٹ دیا جائے گا۔ بعض لوگ اس قسم پر اعتراض کرتے ہیں ان کا مقولہ یہ ہے کہ عورت چونکہ مرد کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہے۔ لہذا عورت کو زیادہ حصہ ملنا چاہیے تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو دگنا حصہ دلایا ہے۔ اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہیے کہ انسان ناقص العقل ہے اس کی سوچ غلط بھی ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ حکیم ہے، اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون وراثت بھی فطرت کے عین مطابق ہے، اس میں کسی فریق کے ساتھ زیادتی نہیں۔ غور فرمائیں کہ لڑکے کی بالآخر سیاہی جائیگی اور اس کا نان نفقہ اور رہائش وغیرہ اس کے خاوند کے ذمہ ہوگا حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی موجود ہے کہ بیوی کا مکان، خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی مرد کے ذمہ ہیں وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق عورت کی ضروریات ہمہ پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ اسی نسبت سے عورت کی ذمہ داریاں کم ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ رکھا ہے اور عورت کا کم۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کا حصہ اس کے خاوند کی وراثت میں بھی رکھا ہے۔ اس طرح عورت مال باپ اور خاوند دونوں طرف سے وراثت کی حقدار ہے۔ برخلاف اس کے مرد کو صرف باپ کی وراثت ملتی ہے۔ بالعموم مرد کو بیوی کی وراثت عملی طور پر نہیں پہنچتی، کیونکہ کبھی کبھی عورت کی جائیداد ہوتی ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی شخص عمر بھر نکاح ہی نہیں کرتا تو نہ اس کی بیوی ہوتی ہے اور نہ اس کی طرف سے کسی وراثت کی امید۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ قانون پر اعتراض محض بے سمجھی کی وجہ سے ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کا قانون کمال حکمت پر مبنی ہے اور انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔

آگے فرمایا کہ اگر کسی مرنے والے نے کوئی بیٹا نہ چھوڑا ہو بلکہ صرف بیٹیاں ہوں۔ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ اور وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ تو ان سب کو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا باقی ایک تہائی دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر بقایا ایک تہائی بھی ان لڑکیوں کی طرف ہی لوٹ آئے گا فرمایا وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً اور اگر سپانڈگان میں صرف ایک لڑکی ہو یعنی نہ کوئی لڑکا ہو اور نہ دوسری لڑکی تو ایسی صورت میں فَلَهَا النِّصْفُ اس لڑکی کو کل مال میں سے نصف مل جائے گا۔ اور باقی نصف باپ، بھائی، چچا، چچا زاد اگر کوئی ہوں تو ان کو ملے گا۔ اگر بالکل کوئی رشتہ دار نہیں ہے تو بقیہ نصف مال بھی لڑکی ہی کو مل جائیگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسب کی بنیاد پر سب سے پہلے اولاد کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔ اب آگے دوسرے نمبر پر ماں باپ کے حقوق کا ذکر آ رہا ہے۔

صرف لڑکیوں کی صورت میں وراثت

النِّسَاءُ ۴
آیت نصف ثانی و نصف اول

لَنْ تَنَالُوا
دس دہم ۱۰

وَلَا بَوِيءَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ
إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ
أَبُوهُ فَلِإِمَّةِ الثَّلَاثِ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِإِمَّةِ
السُّدُسِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ
أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ
لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا حَكِيمًا ① وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ
لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ
مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا
أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ
يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ
فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ

ترجمہ :- اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک
کے لیے چھٹا حصہ ہے اس میں سے جو اس نے
چھوڑا ہے، اگر اس کی اولاد ہے۔ پس اگر

اُنکی اولاد نہیں ہے اور اُسکے وارث ماں باپ ہیں، تو اُسکی ماں کے لیے ایک تہائی ہے پس اگر اُسکے بھائی ہیں تو اُسکی ماں کیلئے چھٹا حصہ ہے بعد وصیت کے جو وہ کرتا ہے یا قرضہ ادا کرنے کے بعد۔ تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ کون زیادہ قریب ہے تمہارے لیے نفع پہنچانے کے اعتبار سے یہ اللہ کی جانب سے مقرر کیا ہوا فریضہ ہے، بینک اللہ تعالیٰ عليم ہے اور حکیم ہے (۱۱) اور تمہارے لیے آدھا ہے جو چھوٹا تمہاری بیویوں نے اگر ان کی اولاد نہیں ہے، پس اگر ان کی اولاد ہے تو تمہارے لیے چوتھا حصہ ہے اس میں سے جو انہوں نے چھوٹا وصیت کے بعد جو وہ کرتی ہیں یا قرضہ ادا کرنے کے بعد اور ان عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے جو تم نے چھوٹا اگر تمہاری اولاد نہیں ہے۔ پس اگر تمہاری اولاد ہے تو ان عورتوں کے لیے اٹھواں حصہ ہے جو تم نے چھوٹا وصیت کے بعد کہ تم وصیت کرتے ہو یا قرضہ ادا کرنے کے بعد

والدین کا حصہ

کل کے دس میں وراثت سے متعلق مرد و زنان کے حصوں کا ذکر تھا کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اگر وصیت نے صرف ایک لڑکی چھوڑی ہے تو وہ کل ماں کے نصف کی وارث ہوتی ہے اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں کل وراثت کا دو تہائی ملتا ہے۔ وراثت کی یہ تقسیم تو نسب کے اعتبار سے تھی۔ اب آج کی آیت میں نسب ہی کے اعتبار سے والدین کا حصہ اور پھر وراثت کے دو سبب نکاح کے اعتبار سے بیوی اور خاوند کے حصص کا تذکرہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا بَوَّيْهٖ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَّا ارْتَدَسَ يَعْنِي مَاں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے مِمَّا تَرَكَ جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہے۔ اس صورت میں کہ ان کا

لے، وگرنہ مرنے والے کی اولاد بھی موجود ہو۔ اولاد میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں
 ایک ہو یا زیادہ، اگر والدین زندہ ہیں اور مرنے والی کی اولاد بھی ہے، تو
 اس کے باپ کو بھی چھٹا حصہ ملیگا اور ماں کو بھی چھٹا حصہ وراثت ملیگا۔ اسکے
 برخلاف اگر دوسری صورت ہو یعنی مرنے والے کی اولاد نہ ہو، فَإِنْ لَمْ
يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَوْلَاهُ اور اس کے وارث صرف والدین
 ہوں، تو فرمایا فَإِذَا مَلَكَتُ السَّاعَةَ ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ گویا اولاد کی غیر
 موجودگی میں میت کی ماں کا حصہ چھٹے سے بڑھ کر تیسرا یعنی دوگنا ہو گیا۔ اس
 صورت میں وراثت کا باقی دو تہائی حصہ مرنے والے کے باپ کو مل جائے گا۔
 یہاں پر بھی وہی قانون ہے کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔

جب ماں کو ایک تہائی ملا تو باپ دو تہائی کا مستحق ٹھہرا۔ اس آیت میں بھی
هَسْبُكَ کا لفظ آیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے جو کچھ
 بھی چھوڑا ہے نقدی، سونا، چاندی، مکان، زمین، اوزار وغرضیکہ منقولہ اور
 غیر منقولہ ہر چیز میں وراثہ کے مقررہ حصے ان کو پہنچنے چاہئیں۔

اب ایک تیسری صورت کا ذکر ہے۔ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ
 یعنی مرنے والے کی اولاد تو نہیں ہے مگر اس کے بھائی زندہ ہیں بھائیوں
 میں حقیقی (ماں باپ کی طرف سے) علاقہ (صرف باپ کی طرف سے)
 اور خیالی (صرف ماں کی طرف سے) سب شامل ہیں۔ اگر میت کے
 کوئی بھی بھائی ہوں، ایک ہو یا زیادہ، اس حالت میں فَإِذَا مَلَكَتُ
 میت کی ماں کا پھر چھٹا حصہ رہ جائیگا۔ گویا بھائیوں نے ماں کو تیسرے
 حصے سے نکال کر چھٹے حصے میں شامل کر دیا۔ مگر یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہیے
 کہ اس طرح ماں کے حصے سے جو چھٹا حصہ بچ گیا وہ ان بھائیوں کو نہیں
 ملیگا جن کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوا، بلکہ یہ چھٹا حصہ بھی باپ ہی کو مل جائیگا
 کیونکہ باپ بھائیوں کی نسبت زیادہ قریبی ہے اور یہ وراثت کا بنیادی قانون

بھائیوں کی
 موجودگی میں

ہے کہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں بعید رشتہ دار کو وراثت نہیں پہنچتی۔ مذکورہ صورت میں گویا باپ کو اپنے دو تہائی کے علاوہ ماں کا کم کیا جانے والا چھٹا حصہ مزید مل جائے گا۔ جمہور علماء فقہاء اور ائمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے ماں کے حصہ سے بچ جائے والا چھٹا حصہ ان بھائیوں کو ملیگا، جن کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوا۔

فرمایا یہ مقرر کردہ حصے قابل تقسیم ہیں مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا اس وصیت کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہے۔ اَوْ ذِينَ يَأْتِي قَرْضًا کسی ادائیگی کے بعد جس کا مرنے والا مقروض ہے۔ بمقصد یہ ہے کہ اگر مرنے والا کوئی وصیت کر گیا ہے یا اس نے کوئی قرض دینا ہے، تو پہلے ان چیزوں کی ادائیگی ہوگی، اس کے بعد باقی ماندہ مال کو وراثت میں حصہ رسیدی تقسیم کیا جائے گا۔

یہاں پر وصیت اور قرض کے تقدم اور تاخر کو سمجھ لینا چاہیے، اس آیت میں اور اگلی آیات میں بھی وصیت کا ذکر پہلے ہے اور قرض کا بعد میں۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ میریت کے کفین دفن کے بعد پہلے وصیت پوری کی جائے اور پھر اس کا قرض چکایا جائے اور اس کے بعد باقی مال تقسیم ہو۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ تمام فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ وصیت اور قرض کے معاملہ میں قرض کو اولیت حاصل ہے۔ پہلے قرض ادا ہوگا اور اس کے بعد وصیت پوری کی جائیگی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، لوگو! غلط فہمی میں مبتلا نہ رہنا، مرنے والے کے قرض کی ادائیگی وصیت سے پہلے ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض بندوں کا حق ہے اور اس کا مطالبہ کرنے والے موجود ہوں گے جو قرض طلب کرنے کے اپنے حق کی حفاظت کریں گے۔ برخلاف اس کے

وصیت
اور قرض

وصیت اللہ کا حق ہے اور اس کا مطالبہ کرنے والا بظاہر کوئی موجود نہیں ہوتا۔ تو اس خیال سے کہ کہیں لوگ اللہ کا حق بھول نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وصیت کا پہلے تذکرہ کیا۔ وگرنہ وراثت کا صحیح تعین ہی اُس وقت ہوتا ہے جب اُس کے ذمہ واجب الادا قرضہ ادا کر دیا جائے۔ لہذا قرضہ کی ادائیگی، وصیت کی تکمیل سے پہلے ہوگی۔

وصیت
کے حقدار

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ لوگو! اللہ نے تم پر مہربانی فرما کر تمہیں ایک تہائی مال کے تصدق کی اجازت دے دی ہے تاکہ تمہیں آخرت میں بہتری نصیب ہو سکے۔ اور بہتری جہی حاصل ہوگی جب مال کو کسی کا رخیہ کے لیے وقف کیا جائے گا۔ کسی مدرسہ یا مسجد کے لیے وصیت کر دی جائے۔ کسی یتیم، مسکین یا بیوہ کے حق میں یا کھبی اور رفاہ عامہ کے لیے مخصوص کیا سکتا ہے، تاہم اس کی مقدار کل مال کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

ہاں ضروری بات یہ ہے۔ کہ کسی ایسے شخص کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی جس کو وراثت میں حصہ ملتا ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا وَصِيَّةَ لِّلْغَارِثِ وَارِثِ كَيْلِے وَصِيَّةَ كَرْنِے كِی اجازت نہیں کیونکہ اللہ نے وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور اس میں کسی بیٹی کو نہ مال اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ البتہ الیادارث جس کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، اس کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے۔ جیسے یتیم پوتا ہو، کوئی بیوہ بہن ہو، کوئی نادر بھائی ہو، وغیرہ وغیرہ۔ مگر جو شخص وراثت کا حقدار ہے، وہ وصیت کا حقدار نہیں ہو سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ مختلف حصے مقرر کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے انسان اپنی ناقص عقل کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ فلاں حصہ کم ہے۔ اسے زیادہ ہونا چاہیے تھا یا فلاں کو زیادہ دے دیا گیا، وہ کم ہونا چاہیے مگر اللہ تعالیٰ

تقریر
تخصص
کی حکمت

نے ارشاد فرمایا ہے اَبَاءُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ اِيْتَهُمْ
 اَقْرَبَ لَكُمْ نَفْعًا ط تم نہیں جانتے کہ تمہارے حق میں تمہارے
 والدین نفع بخش ہیں یا تمہاری اولاد۔ یہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ تمہارے
 لیے کون سود مند ہے۔ تم اپنی دانستہ کے مطابق سمجھتے ہو کہ فلاں شتر در
 میری خدمت کریگا اور اُسے زیادہ مینے کی کوشش کرتے ہو مگر حقیقت
 اس کے برعکس ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عین ضرورت کے وقت تمہارے
 کام وہ شخص آجائے جس سے تمہیں کوئی امید نہ ہو۔ لہذا ہر چیز کی حکمت وہ
 مالک الملک ہی جانتا ہے جو خالق ہے اور جو علیم کل بھی ہے اور حکیم بھی۔
 اسی نے یہ حصہ اپنی حکمت تامہ کے ساتھ مقرر کیے ہیں یعنی یہ فَرَضَ
 حِنَّ اللّٰہِ ہِیْ اور اِن کو مقرر کرنے والا اِنَّ اللّٰہَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا
 بیشک ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز میں اسکی حکمت پوشیدہ ہے
 جسے تم نہیں جانتے۔

نسب کے اعتبار سے وراثت کے حصص بیان کرنے کے بعد
 اللہ تعالیٰ نے وراثت کے دو سبب نکاح کا ذکر فرمایا ہے اور
 اس اعتبار سے بیوی اور خاوند کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔ زوجین میں
 تقسیم وراثت کے لیے دو صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ میاں بیوی میں سے کسی
 ایک کی وفات کے وقت یا تو مرنے والے کے زوج کے علاوہ اسکی
 کوئی اولاد نہ ہوگی یا اولاد بھی ہوگی۔ دونوں صورتوں میں ایک دو سبب
 کے حصے کی مقدار مختلف ہوگی ارشاد ہے وَ لَكُمْ نَصَبٌ مِّنْ
 مَا تَرَكَ اَزْوَاجِكُمْ اِن لَّمْ یَكُنْ لَّہُنَّ وِلْدٌ اِذَا
 تمہاری بیوی کی وفات کے وقت اس کی اولاد نہیں ہے تو اس سے
 جو کچھ چھوڑا ہے اس میں سے تمہارا نصف حصہ ہے۔ فَاِن كَانَ
 لَّہُنَّ وِلْدٌ اور اگر بیوی اولاد بھی چھوڑ گئی ہے۔ یہ اولاد خواہ موجودہ

زوجین کا
 حصہ

خاندان سے ہو یا کسی دوسرے خاندان سے اسے وراثت میں حصہ ملے گا۔
لِذَا قُلِّعُ الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ تَمَّارَ حَصَّة نَصْفَ كِي بَجَانُ
 چوتھا ہوگا ہر اس چیز سے جو انہوں نے چھوڑی۔ اور یہ حصے بخرے
 کب ہوں گے؟ مَنْ اَبْعَدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّيْنَ بِهَا اَوْ دِيْنِ
 اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو وصیت نے کی ہے یا اس قرضہ کی ادائیگی
 کے بعد جو وصیت کے ذمہ واجب الادا ہے۔ کفن و دفن کے اخراجات،
 قرضہ کی ادائیگی اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا، اس میں سے
 تمہارے لیے نصف یا چوتھا حصہ ہے۔ باقی جائداد دوسرے قریبی رشتہ داروں
 کو ملے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر خاندان فوت ہو جائے وَلَهْنٌ
الرِّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَكَلْدٌ
 اگر بوقت وفات پس ماندگان میں صرف تمہاری بیویاں ہیں،
 اولاد نہیں ہے تو انہیں تمہاری جائیداد میں سے چوتھا حصہ ملیگا۔ اگر ایک
 بیوی ہے تو چوتھے حصے کی واحد مالکہ ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ بیویاں
 ہیں تو کل جائیداد کا چوتھا حصہ سب میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ ہاں!
فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَكَلْدٌ اِغْرَقْتُمْ بِمَنْ يَبِيْءُ لِيُوَلِّوْا
 علاوہ اولاد بھی چھوڑ گئے ہوں تو تمہاری جائیداد میں ان کا بھی حق ہے۔
 ایسی صورت میں فَلَهْنٌ اَلشَّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ بیویوں
 کا حصہ چوتھے حصے سے کم ہو کر آٹھواں ہو جائے گا۔ اگر ایک ہی بیوی ہے
 تو آٹھویں حصے کی واحد مالکہ ہوگی اور زیادہ بیویاں ہونے کی صورت
 میں یہ آٹھواں حصہ سب میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ مَنْ اَبْعَدِ
وَصِيَّةٍ تُوَصِّيْنَ بِهَا اَوْ دِيْنِ بنیادی اصول وہی رہے گا
 کہ کل جائیداد میں سے پہلے قرض ادا کیا جائے اگر کوئی ہے۔ اور وصیت

پوری کی جائیگی اگر مکے والے نے کی ہے اور اس کے بعد باقی مال حصہ رسد ہی تقسیم ہوگا۔ ہر حصہ کے تقدر کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بار بار تاکید فرمائی ہے۔ کہ میریت کا قرضہ لازماً ادا کیا جائے اور اس کی وصیت بھی پوری کی جائے۔ ان دونوں چیزوں کو تقسیم وراثت پر اولیت حاصل ہے۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَّهُ أَخٌ أَوْ
أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا
كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصَىٰ بِهَا أَوْلَادٍ غَيْرِ مُضَارٍّ
وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ
حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّتِ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ
حُدُودَهُ يَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور اگر مرد نے طے مرد کی وراثت کلامہ کی شکل میں ہے
یا وہ عورت ہے، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہے، تو
ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہو گا۔ اور اگر بہن بھائی
اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے
اُس وصیت کے بعد جو کوئی گئی یا قرضہ کے بعد، اس حال میں کہ
وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو یہ اللہ کی جانب سے وصیت ہے
اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور ہر ذیابہ ہے ﴿۱۲﴾ یہ اللہ کی
حدیں ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کمریگا اور اس کے رسول

کی اللہ تعالیٰ اُس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی اُن میں ہمیشہ بہنے والے ہوں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص ناقربانی کرے اللہ اہد اس کے رسول کی اور اس کی باز بھی ہوتی عدوں سے تجاوز کرے گا اور اللہ تعالیٰ اُس میں داخل کرے گا اس میں ہمیشہ رہنے والا ہو گا اور اس کے لیے ذلت ناک عذاب ہو گا ﴿۱۴﴾

کلالہ کی دراشت

اس رکوع میں دراشت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اولاً اولاد کے حصص کا ذکر ہوا پھر والدین کا اور اس کے بعد زوجین کے حصوں کے احکام بیان ہو چکے ہیں۔ اب کلالہ کی دراشت کا مسئلہ آ رہا ہے۔ کلالہ اس شخص (مرد یا عورت) کو کہتے ہیں جس کے اصول اور فروغ نہ ہوں۔ یعنی نہ تو اوپر کی طرف یعنی باپ دادا میں سے کوئی رشتہ دار موجود ہو اور نہ ہی نیچے کی طرف یعنی بیٹے اور پوتے میں سے کوئی وارث ہو۔ کلالہ کل سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی عاجز بنی یا درمانگی ہوتا ہے۔ چونکہ مذکورہ شخص کے اوپر اور نیچے کی طرف کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہوتا۔ اور اس لحاظ سے وہ عاجز و درمانہ ہوتا ہے، اس لیے اُسے کلالہ کہتے ہیں۔ بہر حال آیت کریمہ میں کلالہ کی دراشت کی تقسیم کا قانون بتایا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْتَىٰ كَلَالَةً أَوَّلًا كَوْنِي أَيْسًا أَوْ مِي
کہ اُس کی دراشت کلالہ کی شکل میں حاصل کی گئی ہے اَوَّلًا كَوْنِي أَيْسًا أَوْ مِي
کی صورت میں ہے وَكَلَالَةً أَوْ مِي اور ایلے کلالہ مرد یا عورت کا ایک بھائی ہے اَوَّلًا كَوْنِي
یا ایک بہن ہے۔ ظاہر ہے کہ مرتبے والے کے والدین یا اولاد میں سے تو کوئی باقی نہیں
البتہ اُس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہے۔ اس بات پر مفسرین کا محل اتفاق ہے کہ
یہاں پر بھائی بہن سے مراد میت کے اخیانی بھائی بہن ہیں جو صرف اس کی مال کی طرف
سے ہیں۔ گویا نہ تو وہ حقیقی ہیں کہ مال اور باپ دونوں کے مشترک ہوں اور نہ صرف باپ

کی طرف سے ہیں جنہیں علاتی کہا جاتا ہے بلکہ ایسے بھائی بہن مراد ہیں جو صرف ماں کی طرف سے سگے ہوں۔ فرمایا ایک اخیا فی بھائی یا ایک اخیا فی بہن کی صورت میں فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ اُن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ اور اگر وہ بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں۔ یعنی دو بھائی یا دو بہنیں یا ایک بھائی اور ایک بہن یا اس سے زیادہ ہوں تو پھر فَهُمْ شَرَسُ كَأَوْ فِي التُّلُثِ وہ سب تیسرے حصہ میں شریک ہوں گے۔ یعنی ایک سے زیادہ بھائی بہن ہونے کی صورت میں مرنے والے کا ایک تنائی مال سب میں برابر تقسیم ہوگا اور مرد و زن کے حصص میں کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کلالہ کے پس ماندگان میں اس کے حقیقی بھائی بہن یا علاتی بھائی بہن ہوں تو ان کے درمیان حصص اسی طرح تقسیم ہوں گے جس طرح اولاد کے درمیان ہوتے ہیں یعنی لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّاتِ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ یہ احکام اسی سورۃ مبارکہ میں آئیں گے۔

داخل ہو کہ اس آیت مبارکہ میں بھائی اور بہن کے اخیا فی مراد لینے کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ حقیقی بھائیوں اور بہنوں کا تذکرہ سورۃ ہذا کی آخری آیت میں موجود ہے جس کے احکام اس آیت سے مختلف ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت میں مِنَ الْهُمِّ کا لفظ بھی قرأت میں آتا ہے۔ وہاں پر لِوَالِدَيْهِ اور لِوَالِدَتَيْهِ میں آتا ہے وَلَهُ آخٍ أَوْ أُخْتٌ مِّنَ الْهُمِّ یعنی میت کا بھائی یا بہن ماں کی طرف سے ہو۔ بہر حال یہاں پر بھائی بہن سے اخیا فی مراد ہیں۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

آگے فرمایا مذکورہ حصص کی تقسیم مِنْ أَعْدٍ وَوَصِيَّةٍ يُّوَصَّىٰ بِهَا اور وَصِيَّةٍ ہوگی۔ وصیت اور قرضہ کا قانون کلالہ کے معاملہ میں بھی ویسا ہی ہے

جیسے دوست مرنے والوں کے متعلق کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے مرنے والے کا کفن و دفن کا انتظام کیا جائیگا، پھر قرضہ کی ادائیگی ہوگی، اگر کوئی واجب الادا ہے اور اس کے بعد وصیت پوری کی جائیگی اگر مرنے والے نے کی ہے اور اس کے بعد وراثت حاضر وارثوں میں حصہ بردی تقسیم ہوگی۔

وصیت کی
دو اقسام

وصیت دو قسم سے ہے یعنی فرض اور مستحب۔ اگر کسی شخص کے ذمہ قرض واجب الادا ہے یا کوئی اور لین دین کا معاملہ ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ وصیت کر جائے کہ اس کا قرضہ اس کے مال سے ادا کیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی کی نمازیں رہ گئیں ہیں۔ زکوٰۃ بقایا ہے، کچھ روزے رہ گئے ہیں تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ وصیت کرے کہ اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا نمازوں کا قریہ دے دیا جائے۔ ایسی صورت میں وصیت کما فرض ہوتا ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

وصیت کی دوسری قسم مستحب ہے، جو کہ مرنے والا اپنے کل مال کے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کے برابر کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق حدیث گذشتہ درس میں بھی بیان ہو چکی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اپنی آخرت کی بہتری کے لیے امور خیر میں ایک تہائی مال تک وصیت کر سکتے ہو۔ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ورثا کا حق ہے۔ اگر کوئی شخص ورثان کی رضامندی کے بغیر ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے گا تو وہ نافذ العمل نہیں ہوگی۔ بلکہ عدالت کے ذریعے اُسے منسوخ کر لیا جاسکتا ہے۔ اس آیت پاک میں بھی وصیت اور قرضہ کی تاکید میں وصیت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس تقدم و تاخر کے متعلق بھی گذشتہ درس میں حدیث بیان ہو چکی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا لوگو! دھوکا نہ کھانا، قرض پہلے ہے اور وصیت بعد میں۔ اللہ تعالیٰ نے وصیت کو اس لیے مقدم فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور بظاہر اس کا طالب

کوئی نہیں ہوتا۔ اس کو تاکید اپنے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی اہمیت کو پہچان سکیں۔

تاہم وصیت کے متعلق فرمایا کہ یہ ایسی ہونی چاہیے جو غینِ مَضَارِّ ہو۔ یعنی اس کے ذریعے کسی وارث کو تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو۔ کوئی ایسی وصیت نہ کی جائے جس سے کسی دوسرے شخص کا حق ضائع ہو۔ مثلاً اس قسم کی وصیت کی جائے کہ اس کا مال دو ور کے رشتہ داروں کو نہ پہنچنے پائے تو یہ وصیت ضار ہوگی، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص ساٹھ یا ستر سال تک اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر وصیت میں ضار کرتا ہے، وارث کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ جہنم کا مستحق بن جاتا ہے وارث کے نقصان کی صورت یہ ہے کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرتا ہے۔ ہاں اگر تمام وارث کی رضامندی سے ایسا کرے تو اجازت ہے بغیر اجازت ایسا کرنا خود کو جہنم کے سپرد کرنا ہے۔ فرمایا یہ احکام و وصیۃ صَنِ اللّٰهِ التَّعَالٰی کی طرف سے وصیت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس پر سختی سے عمل ہونا چاہیے۔

اور یاد رکھو! وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ اللّٰهُ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہ تمہاری نیت تک کو جانتا ہے کہ تم اُس کے حکم میں کس طرح کوتاہی کر رہے ہو یا کسی خوش دلی سے تمہیں کر رہے ہو۔ نیز وہ حلیم یعنی بردبار بھی ہے۔ لہذا اوقات وہ جلد گرفت نہیں کرتا بلکہ ہلکت دیتا ہے تاکہ گنہگار اب بھی توبہ کر لیں۔ اور بالآخر وہ اپنے وقت پر بھرپور کو بچھڑاتا ہے۔ اور اسکی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وراثت کے احکام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يَه اللّٰہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ مثلاً وراثت ہی کے متعلق اللہ نے یہ حدیں مقرر کی ہیں۔ کہ مرنے والے کے بعض اقربا ذوی الفروض

ضرر رسال
وصیت

حدود اللہ
کی پابندی

کہلاتے ہیں۔ اور وہ ایسے رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائیے ہیں جیسے آٹھوال، چھٹا، چوتھا، دو تہائی، ایک تہائی وغیرہ ان کا ذکر مختلف آیات میں آگیا ہے اس کے علاوہ دوسرے رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں جو عصبہ کہلاتے ہیں ان میں بیٹا، پوتا یا باپ دادا وغیرہ جن کا تعلق میریت کے باب کی طرف ہو۔ چچا یا اُس کی اولاد بھی اسی میں آتے ہیں۔ ذوی الفروض کے بعد جو مال بچتا ہے وہ عصبہ میں تقسیم ہوتا ہے

اور اگر عصبہ موجود نہ ہوں تو بقیہ مال ذوی الارحام کو مل جاتا ہے جو میریت کی ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوں جیسے ماموں یا اس کی اولاد وغیرہ۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ حدیث شریف میں بھی آتا ہے الخصال وارث من لا وارث له جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا وارث ماموں ہے۔ تاہم امام شافعی کے مطابق اگر ذوی الفروض اور عصبہ موجود نہ ہوں تو ترکہ میریت المال میں جمع ہو جاتا ہے۔ وراثت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام نکاح طلاق وغیرہ میں بھی حدیں مقرر کر دی ہیں اسی لیے فرمایا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔

وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ جَاءَ كَوْنِي اللَّهِ أَوْ اس کے رسول کی فرمانبرداری حقیقی فلاح کہے گا۔ اللہ کی مقرر کی گئی حدوں کی حفاظت کرے گا يَدْخُلُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اللہ اُسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ ان کا جنتوں میں داخلہ کسی خاص مدت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ خَالِدِينَ فِيهَا ان میں ہمیشہ رہنا ہوگا، جو ایک دفعہ جنت میں داخل ہو گیا پھر اس کی نعمتوں سے کبھی محروم نہیں ہوگا۔ فرمایا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ جسے یہ یہ مقام حاصل ہو گیا وہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں چلا گیا سورۃ آل عمران

کے آخر میں گنہگار چکا ہے "مَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْحِلَ
 الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ" جو دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل
 کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ سب سے بڑی اور حقیقی کامیابی ہے۔ کہ
 انسان حظیرۃ القدس، علین اور بہشت کا ممبر بن جائے۔ اس کے علاوہ
 جو بھی کامیابی ہے وہ عارضی ہے۔ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ انسان جنت
 میں داخل ہو جائے۔

برخلاف اس کے فرمایا وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَسِبَ
 اللَّهُ أَنَّهُ سَمِعَ حُدُودَهُ اور اس کی مقررہ
 حدود سے تجاوز کیا۔ يَدْخُلْهُ نَارًا اللَّهُ تَعَالَى اس کو جہنم میں داخل کرے گا
 اور وہاں کی زندگی عارضی نہیں ہوگی بلکہ خَالِدًا فِيهَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ
 رہنا ہوگا۔ وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ اور ایسے شخص کے لیے ذلت ناک
 عذاب ہوگا۔ طرح طرح کی پریشانیاں ہوں گی۔

نافرمانی
 کی سزا

امام ترمذی نے ترمذی شریفین میں بیان کیا ہے کہ تمام صحابہ کرام المؤمنین
 اور اہل حق کا اتفاق ہے کہ جس شخص کے دل میں نور ایمان اور نور توحید ہوگا
 اُس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رکھا جائے گا ایسے شخص کو فاسق،
 گنہگار یا عملی منافق کہہ سکتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کی قائم کردہ
 حدود کو تسلیم کرتا ہے محکم ان کا حق ادا نہیں کرتا۔ وہ شخص اپنے گناہوں کی
 سزا پا کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ جہنم میں ابھی طور پر وہ لوگ جائیں گے
 جو کافر مشرک یا منافق ہوں گے، نور ایمان اور نور توحید سے خالی لوگ
 دائمی طور پر دوزخ میں رہیں گے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتے
 ہیں اور آخرت میں بھی۔ صورت ہر حد کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ پانچ
 چھ مربع میل زمین کا مالک اور بڑا سردار تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو ورثت
 سے محروم کرنے کے لیے اپنی ساری جائیداد لڑکیوں کے نام لگوا دی۔

وہ شخص دنیا میں ہی سزا کا مستحق ہوا۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ خود لقمے کی بیماری کا شکار ہو گیا۔ ایک لڑکے نے خود کشتی کھدائی اور دوسرا گولی لگنے سے شدید زخمی ہو گیا۔ اللہ نے دنیا میں ہی اُسے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ تاہم ضروری نہیں کہ ہر نافرمان کو دنیا میں ہی سزا ملے مگر کہیں کہیں تمسک نے نظر آجاتے ہیں۔ نافرمان لوگ دوسروں کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اللہ ان کی رسی دراز کرنا ہے۔ اور پھر وہ وقت بھی آجائے گا جب ان کی رسی کھینچ لی جائیگی اور وہ ذلت ناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

النِّسَاءُ ۴
آیت ۱۵ تا ۱۶

کَنْ تَنَالُوا ۴
درس روز دہم ۱۲

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا
عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسَكُوهُنَّ
فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ
لَهُنَّ سَبِيلًا ⑮ وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَادْوَاهِمَا ج
فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا
رَّحِيمًا ⑯

ترجمہ :- اور وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں تمہاری
عورتوں میں سے پس چار گواہ لاؤ اُن پر تم میں سے پس اگر وہ
گواہی دیں تو اُن عورتوں کو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ دُعا
میں سے اُن کو موت یا بنا کے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راستہ ⑮
اور وہ دو مرد جو بے حیائی کا کام کرتے ہیں تم میں سے پس ان کو ایذا
پہنچاؤ پس اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اعراض کرو اُن سے
بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے ⑯

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا۔ ان کے ساتھ جو
زیادتی زمانہ جاہلیت میں روا رکھی جاتی تھی اُس کے متعلق قانونِ تبلیا ایتیم پجیوں پر ظلم کیا
جاتا تھا۔ یتیموں کے ساتھ نا انصافی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں بھی احکام صادر
فرمائے۔ پھر وراثت کا قانون سکھایا۔ اس میں بھی عورتوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ
زیادتی کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے وراثت کا مکمل قانون اور ضابطہ عطا کیا۔ وراثت میں تمام

رہنمائی

اقربا کے حصے مقرر فرمائے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی کچھ ذمہ داریوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان کو حقوق تو حاصل ہو گئے اب ان کی تادیب کی جا رہی ہے اور خلافت و رزق کی صورت میں تعزیر لگانے کا بیان ہے۔

انسانی سوسائٹی
کی بنیاد

انسانی سوسائٹی کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک چیز مال ہے اور دوسری ربط۔ مال کے متعلق بہت سے احکام پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے کے متعلق وعید آچکی ہے۔ وراثت کا مسئلہ بھی مال ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے قوانین بھی بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں کسی کا مال غصب کرنے سے یا کسی کی وراثت کو ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی وجہ سے انسانی سوسائٹی تباہ ہو جاتی ہے۔

انسانی سوسائٹی کی دوسری بنیاد ربط ہے۔ معاشرہ اسی ربط سے ہی قائم ہوتا ہے اور سوسائٹی کا اولین ربط ارباب و عیال و النساء ہے۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان ربط ہی معاشرے کی بنیاد بنتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس ابتدائی ربط کو قانون کا پابند فرما دیا ہے۔ اگر مرد و زن کا یہ ربط قانون کے تابع عقد نکاح کے ذریعے قائم ہو گا تو آگے نسل بھی ٹھیک ہوگی، انسانی اخلاق درست ہوگا، انسانی سوسائٹی پاکیزہ ہوگی اور سوسائٹی کے تمام افراد اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ اور اگر یہ اولین ربط ہی قائم نہ ہوگا تو شکار ہو گیا۔ ربط کی ابتدا حاج کی بجائے غمائی سے شروع ہوئی، تو پھر انسانی سوسائٹی تباہ و برباد ہو جائیگی، نسل بگڑ جائیگی، انسان کا اخلاق تباہ ہو جائے گا، دنیا میں ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور آخرت میں سخت رسوائی ہوگی۔ چنانچہ اس ربط کو خراب کرنے والا عمل قابل تعزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سوسائٹی سے عیاشی اور زنا جیسے قبیح فعل کے خاتمے کے لیے ابتدائی طور پر یہ تعزیر لگائی جو آج کے دروس کا موضوع ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی آیات کے ذریعہ اس معاشرتی اور اخلاقی

برائی کے متعلق متقلّ تغزیر کا اعلان فرمایا۔ مرد و زن کے اس جائز ربط کی حفاظت کے لیے قانون سازی ضروری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ربط کو قضاے شہوت اور نسل انسانی کی بقا کے لیے نکاح کی صورت دی ہے۔ مگر اس کے برعکس مِّنْ اِبْتِغَاءِ وَرَاءِ ذٰلِكَ فَاولٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ جو کوئی اس کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہی زیادتی کرنے والا ہوگا۔ ایسا شخص انسانی سوسائٹی کا برباد کنندہ اور دشمن ہوگا۔

بے حیائی کی تعزیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّتِيْ وَه عَمْرَتَيْنِ يٰۤاٰتِسَيْنِ الْفٰحِشٰةِ جو بے حیائی کا ارتکاب کرتی ہیں مِنْ نِّسَابِكُمْ تمہاری عورتوں میں سے۔ اس مقام پر شخص سے مرد زنا ہے۔ قرآن پاک میں محش کا اطلاق زنا لواطت، بخل اور عریانی وغیرہ پر ہوتا ہے۔ تاہم یہاں پر زنا ہی مراد ہے اور تمہاری عورتوں سے مراد منکوحہ عورتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر شادی شدہ عورتیں زنا جیسے فعل شنیع کا ارتکاب کریں فَاَسْتَشْهَدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ تو اپنے میں سے اُن پر چار گواہ لاءے۔ گویا فعل زنا کے ثبوت کے لیے چار علینی گواہوں کی ضرورت ہے اس سے کم درجہ کی شہادت سزا کے لیے ناکافی ہے۔ جرم زنا کی نوعیت کے اعتبار سے اسکی سزا بھی سخت ہے۔ اس لیے شریعت نے عاقل، بالغ ایسے چار مرد گواہوں کی شہادت کو لازمی قرار دیا ہے جنہوں نے اس فعل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ علینی گواہ کیسے مہیا ہو سکتے ہیں جب کہ کسی دو سے کہ شخص کو بے پردگی میں دیکھنا ویسے ہی گناہ ہے۔ تو اس معاملے میں شریعت نے گواہی کی خاطر اس فعل کا مشاہدہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ لہذا اس فعل کے ارتکاب کا مشاہدہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ منکر پر تعزیر عابدہ کرنے کا دروہ اس گواہی پر ہوگا۔

فرمایا فَإِنْ شَهِدُوا لَيْسَ اگر چار مرد فعل زنا کے ارتکاب کی گواہی دے
 دیں فَأَمْسِكُوهُمْ فِي الْبُيُوتِ تو ان عورتوں کو جن کے خلاف شرعی
 شہادت مل گئی ہے اپنے گھروں میں قید کر دو۔ انہیں باہر جانے کی اجازت
 نہیں ہوگی۔ ابتدائی زمانہ اسلام میں بیکار عورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہی
 تعزیر مقرر کی تھی کہ فعل زنا ثابت ہونے پر انہیں گھروں میں نظر بند کر دو اور
 اُس وقت تک قید رکھو حتیٰ يَتَوَقَّهِنَّ الْمَوْتُ بیان تک کہ انہیں
 موت آجائے۔ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا یا اللہ تعالیٰ
 اُن کے لیے کوئی اور راستہ بنا دے۔ بہر حال عمر قید کی سزا کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ
 نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ اس سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا بھی آمدہ دور میں
 مقرر کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں بعد میں سورۃ نور کی یہ آیت نازل ہوئی۔
الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً
جَلْدَةً یعنی زانی عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔
 قرآن پاک میں یہ سزا غیر شادی شدہ مرد و زن کے لیے ہے۔ محسن یعنی شادی شدہ
 مرد اور عورت کی سزا سنت کے مطابق رجم ہے۔ مجرم کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا
 جائیگا۔ البتہ غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کے علاوہ اگر حاکم مجاز متناہک
 سمجھے تو ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کر سکتا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے
 امام شافعی شہر بدری کی سزا کو سو کوڑوں کے ساتھ لازم قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ
 بات قابل ذکر ہے۔ کہ فعل زنا کے متعلق اگر چار علی گواہ نہ مل سکیں تو ملزم
 کے اقرار پر بھی مقررہ سزا دی جاسکتی ہے۔ اس قسم کی مثال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے اپنے زمانہ مبارک میں ملتی ہے۔ ماعز بن مالک سلمی نے حضور علیہ السلام
 کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم زنا کا چار دفعہ اقرار کیا تو آپ نے اُسے
 رجم کی سزا دی۔ قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت نے بھی استترف جرم کیا تو اس
 کو بھی رجم کیا گیا۔

ہم جنسی اور
اس کی سزا

پہلی آیت میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا تھا اور یہ صرف عورتوں کی سزا کے متعلق تھی۔ اب اگلی آیت میں فرمایا وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَكَ کا صیغہ ہے اور مراد ہے دو مرد۔ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ جو تم میں سے بے حیائی کا کام کرتے ہیں یعنی زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں پر تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے مگر یہ واحد اور جمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور مراد ہر صورت میں زنا ہی ہے۔ گذشتہ آیت میں ایسی عورتوں کی سزا آزاریت قید مقرر کی اب مردوں کے متعلق فرمایا فَإِذَا ذُوقُوا عَذَابَ کو ایذا پہنچاؤ، مارو پٹو، توڑیں و تزیل کرو۔ عورتوں کی سزا کی طرح یہ مردوں کی سزا بھی ابتدائے زمانہ میں تھی، بعد میں سورۃ نور میں مذکورہ سزا نازل فرمائی جس سے یہ محض ایذا رسانی کی سزا موقوف ہو گئی۔

بعض فرماتے ہیں کہ تثنیہ مذکورہ کا صیغہ استعمال کرنے سے مراد دو مردوں کی آپس میں ہم جنسی یعنی لواطت ہے جس کی سزا مار پیٹ وغیرہ مقرر کی گئی اور جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔ البتہ فقہائے کرام کا ہم جنسی کی سزا کے متعلق اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ کرام امام مالک، امام شافعی کی ایک روایت امام احمد، امام محمد اور امام ابو یوسف وغیرہم فرماتے ہیں کہ دو مردوں پر بھی وہی حد جاری ہونی چاہیے جو ایک مرد اور ایک عورت کی صورت میں جاری کی جاتی ہے۔ اگر وہ شادی شدہ نہیں تو انہیں سو سو کوڑے لگانے چاہئیں اور سال بھر کے لیے جلا وطن بھی کیا جائے۔ اور اگر شادی شدہ ہیں تو انہیں سنگسار کر دیا جائے۔ امام شافعی کی ایک دوسری رائے یہ ہے کہ ایسے مردوں کو ہر حالت میں رجم کر دیا جائے۔ البتہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم جنسی کے جرم پر زنا کی حد نہیں لگے گی بلکہ ان کے لیے قاضی کی صوابدید کے مطابق تعزیر ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ ہم جنسی کو زنا کا مصداق نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ زنا ایسا فعل ہے جو کسی مقام پر جا کر ترک جاتا ہے۔ مثلاً

اگر زانی مرد اور زانیہ عورت اس فعل کے ارتکاب کے بعد آپس میں یا کسی دوسری جگہ نکاح کر لیں تو یہ فعل رک جائے گا مگر لواطت ایسا فعل ہے جس کی حرمت ہمیشہ قائم رہتی ہے اس لیے ہم جنسی زنا سے زیادہ شدید مجرم ہے اور اس پر سخت تعزیر ہونی چاہیے۔ اگر کوئی عادی مجرم ہے۔ تو اسے کسی اونچے عینار سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے یا اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے اسے قید میں ڈالا جاسکتا ہے یا کوڑے لگائے جاسکتے ہیں۔ بہر حال یہ حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کیا سزا تجویز کرنا ہے۔

ہم جنسی کی لعنت سب سے پہلے قوم لوط میں آئی۔ اس سے پہلے یہ قباحت کسی سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر اس زمانے میں صورت حال یہ ہے کہ شیطان کا یہ جال پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ اور کوئی ملک اس بیماری سے محفوظ نہیں رہا۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ انگریزوں نے ہم جنسی کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا ہے ان کی اسمبلی میں پاس ہو چکا ہے کہ اگر دوسرے باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کریں تو قابل گرفت نہیں ہیں۔ یہ نہایت ہی قابل مذمت بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ بہر حال قرآن پاک اس فعل شنیع کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرتا خواہ باہمی رضامندی کے ساتھ یا زبردستی کیا گیا ہو یہ فعل سوسائٹی کے ربط اور اجتماعیت کو باطل کرنے والا ہے۔

توبہ کا دروازہ

اس فعل بد کے مرتکب دو افراد کے متعلق فرمایا کہ انہیں ایذا پہنچاؤ
فَإِنْ تَابَا فَسَوْغَاتُ اللَّهِ وَأَصْلَحَا أُولَٰئِكَ يُرْسِلُ اللَّهُ أَجْرَهُمْ كَثِيرًا
مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ
اس غلط کام کی قباحت کو سمجھ کر اپنے فعل پر نادم ہوں اور پھر آئندہ کے لیے
اس فعل سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لیں۔ تو فرمایا فَاَعْرَضُوا عَنْهَا
تَوَابًا سے اعراض کر دو، درگزر کرو اور آئندہ انہیں کوئی ایذا نہ دو جب
کوئی شخص بدمعاش سے باز آجائے تو پھر اس کو یاد کر کے عار نہیں دلانا

چاہیے اور نہ آئذہ ایسی بات کا تذکرہ ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اُسے
 کو فتنہ ہو۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا بیشک اللہ تعالیٰ
 توبہ قبول کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔ جب انسان سے کوئی کوتاہی یا
 لغزش ہو جاتی ہے اور وہ سچے دل سے تائب ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ
 کی مہربانی اُس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما
 دیتا ہے اور اُس سے درگزر کرتا ہے اس کے بعد توبہ کا قانون بیان ہو رہا ہے۔

النِّسَاءُ ۴

آیت ۱۷ تا ۱۸

لَنْ تَنَالُوا ۴

درس سیزدہم ۱۳

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
 ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۸﴾
 لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمْ
 الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِثْمَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ
 مِنْهُمْ كُفَّارًا ۖ أُولَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ :- بیش توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمے اُن لوگوں کے لیے ہے جو بُرائی نادانی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ پھر توبہ کر لیتے ہیں جلدی، یہی لوگ ہیں جن کے اُپر اللہ تعالیٰ (مہربانی) سے رجوع فرماتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۷﴾ اور اُن لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے جو برائیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں سے کبھی کے سامنے موت آجاتی ہے، تو کہتا ہے کہ بیشک میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن لوگوں کے لیے توبہ ہوتی ہے جو اس حالت میں مر جاتے ہیں کہ وہ کفر کرنے طے ہوتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے درد ناک عذاب تیار کیا ہے ﴿۱۸﴾

پہلے وراثت کے مسائل بیان ہوئے۔ اس کے بعد معاشرے کی درستگی اور اسکی

پاکیزگی کے احکام کا تذکرہ ہوا۔ اور زنا اور لواطت جیسی قبیح بیماری کی مذمت کی گئی۔ اور

۱۷ آیت

بدکار عورتوں کو تازیست مجبوس رکھنے اور مردوں کو اذیت پہنچانے کا حکم دیا گیا۔
 البتہ اگر ایسے لوگ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں، تو فرمایا کہ پھر انہیں ایذا نہ پہنچاؤ۔
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہوئیں کہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان
 ہے۔ اب یہاں درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر توبہ کی شرائط کا ذکر آ گیا ہے
 اور اس بات کی وضاحت فرمادی گئی ہے۔ کہ زنا اور لواطت جیسے کبیرہ گناہ
 سے بھی توبہ کمر لی جائے، انسان سچے دل سے نادم ہو جائے تو اس کیلئے
 بھی قبولیت کا موقع موجود ہوتا ہے۔ معافی مل سکتی ہے مگر بعض بشرائط کے
 ساتھ اس کے بعد پھر وہی معاشرتی احکام آ رہے ہیں۔ نکاح اور عورتوں کے
 حقوق کا تذکرہ آئیگا۔ اور جیسا کہ یہ سلسلہ پیچھے سے چلا آ رہا ہے، بعض دیگر
 معاشرتی مسائل بھی بیان ہوں گے۔

گناہ
 بالجہالت

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ التَّوْبَةَ عَلَى اللَّهِ بِشَاكٍ تَوْبَةً قَبُولَ كَرِيمٍ اللہ تعالیٰ
 کے ذمے اُن لوگوں کے لیے ہے لِلَّذِينَ يَكْمُلُونَ الشُّوْبَ وَجِبَالًا
 جو برائی جہالت اور نادانی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے
 محسوس ہوتا ہے کہ صرف اسی گناہ کی توبہ قابل قبول ہے جو بے سمجھی کی وجہ سے
 سرزد ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو برائی جان بوجھ کر نہ کرے اس کے
 لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ ایسا نہیں ہے بلکہ
 ہر گناہ خواہ وہ عمداً سرزد ہوا ہو یا خطاً ہر حالت میں قابل معافی ہے۔ کیونکہ یہاں
 پر جہالت سے مراد حماقت اور بیوقوفی ہے۔ اور گناہ جب بھی کیا جائے وہ
 حماقت ہی کا نتیجہ ہوتا ہے اور حماقت اس لیے کہ گناہ کرنے والے کی نظر
 گناہ کے انجام تک نہیں پہنچتی جس کی وجہ سے وہ گناہ کا اقدام کرتا ہے۔
 اگر گناہ کا انجام اس کے سامنے ہو تو کبھی گناہ پر اقدام نہ کرے مگر حقیقت
 یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص برائی کا ارتکاب کرتا ہے اس پر غفلت
 کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال جہالت سے مراد یہ ہے۔ کہ گناہ

کرتے وقت انسان کے ذہن و فہم پر پڑے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہ عمداً ہو یا بھول کر انسان اس کے انجام سے غافل ہوتا ہے اسی لیے فرمایا کہ توبہ ان لوگوں کے لیے ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اقدام گناہ کے درجات

امام غزالیؒ اپنی کتاب احوال العلوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ گناہ پر اقدام کا پہلا درجہ محسوسین کا ہے۔ اور یہ گنہگار وہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ جو گناہ پر اقدام کرتے ہی نہیں۔ انبیاء بڑے اعلیٰ مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں ان سے جو معمولی سے معمولی لغزش بھی ہو جاتی ہے وہ اگرچہ عام لوگوں کے لیے گناہ بھی شمار نہیں ہوتا مگر انبیاء کے لیے قابل مواخذہ ہوتی ہے درحقیقت گناہ کا اقدام نہ ملائکہ سے سرزد ہوتا ہے۔ اور نہ انبیاء کریم سے۔

گناہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی انسان سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد اس کے دل میں ندامت بھی پیدا نہ ہو بلکہ وہ اس پر اصرار کرتا ہے۔ یہ شیاطین کا درجہ ہے۔ دنیا میں ایسے انسان موجود ہیں جو اس روش پر چل رہے ہیں۔ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور پھر کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے قلب و ذہن میں کبھی ندامت پیدا نہیں ہوتی۔ گناہ کا تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ بنی آدم گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر جلدی ہی اس پر نادم ہو جاتے ہیں اور گناہ کو ترک کر دیتے ہیں یہ انسانوں کا درجہ ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جہالت کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں جب ان کی جہالت دور ہوتی ہے، وہ نادم ہو کر گناہ ترک کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں اور پھر ایسے لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول بھی فرما لیتے ہیں۔

توبہ کا دروازہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے النَّارُ بِحَبِيبِ اللّٰهِ یعنی گناہ سے صحیح طور پر توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا النَّارُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ گناہ لے ابن ماجہ ۳۳۱۳ (فیاض)

سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اور توبہ کس وقت تک قبول ہوتی ہے فرمایا هَذَا كُمْ يَغْفِرُ عَنْ جب تک انسان پر غرغره واقع نہ ہو جائے۔ جب اُس پر حالت نزع طاری ہو جاتی ہے، پردہ اٹھ جاتا ہے اور فرشتے نظر آنے لگتے ہیں اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم رہتے ہیں توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ انسانوں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ قیامت آجائے یعنی پورے عالم پر حالت نزع طاری ہو جائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مغرب کی جانب ایک بڑا دروازہ ہے۔ جب وہ دروازہ بند ہو گیا تو پھر کسی شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ مندا احمد شریفین کی روایت میں یوں آتا ہے کہ انسان کی توبہ اُس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے حالہ یکن حجاب جب تک کہ حجاب نہ واقع ہو جائے۔ اور حجاب کی تفسیر آپ نے یہ فرمائی کہ انسان کی جان اس حالت میں مکل جائے کہ وہ شرک میں مبتلا ہو۔ ایسے شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حجاب پڑ گیا۔ ایسی ہی حالت کے متعلق فرمایا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ لَمَّحْجُوبُونَ ان پر ان کے اللہ کی طرف سے حجاب پڑ چکا ہے۔

گناہ کے بعد توبہ کرنے کے انسان بنندہ مقام حاصل کر لیتا ہے۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے دو کرا لوگوں کے ساتھ الَّذِي يَتُوبُ یعنی توبہ کرنے والوں کو بھی خوشخبری سنائی ہے۔ سورۃ نور میں فرمایا وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا اِنَّهُ السَّمُوعُونَ لَمَّا كُنْتُمْ تَفْلِحُونَ۔ اے ایمان والو! تم سارے کے سارے اللہ سے توبہ کرو تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ غرضیکہ قرآن میں توبہ کی فضیلت کثرت سے آئی ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ہر گناہ نادانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اُس پر غفلت کا پردہ ہوتا ہے اور وہ گناہ کے انجام سے لے کر مذمت (فیاض)

ناداقت ہوتا ہے۔ آگے فرمایا ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ گناہ کے سرزد ہونے کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ کتنی جلدی؟ اسکی تفصیل بھی احادیث میں موجود ہے۔ بعض روایات میں موت سے ایک سال پہلے یا ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یا ایک دن یا ایک گھنٹی بھر پہلے بھی انسان توبہ کر لے تو وہ قابل قبول ہوتی ہے یہاں تک کہ جب غرغزہ کی حالت طاری ہو جاتی تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے چونکہ انسان کی زندگی بالکل قلیل مدت کے لیے ہے اس لیے مذکورہ تمام حالتوں پر قریب ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی میں بقائمی ہوش و حواس تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ تائب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا معنی رجوع کننا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربانی سے رجوع فرماتا ہے اور بندہ گناہ ترک کر کے خدا کی طرف انابت کے ساتھ رجوع کرتا ہے اَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ اپنے رب کی طرف فرمانبرداری، اطاعت اور انابت کے ساتھ رجوع کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا اور ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ حَكِيمًا اور بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے وہ ہر انسان کی ہر بات کو جانتا ہے۔ اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہے اور وہ انہیں معاف کر دینا چاہتا ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انسان اس کی طرف رجوع کرے۔

آگے ان لوگوں کا ذکر فرمایا جن کی توبہ قبول نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ اور ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے۔
لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ جو برائیاں کرتے رہتے ہیں۔
 توبہ کی عدم قبولیت

حَتَّىٰ إِذَا حَضَىٰ أَحَدُهُمُ الْمَوْتَ بَيَّانًا تَبَيَّنَ لِكُلِّ مَوْتٍ حَاضِرٌ هُوَ جَاتِي هِيَ - قَالَ رَأَيْتُ تَبَيَّنْتُ الْكُلَّ تَوَكَّيْتُ هِيَ كَمِيسِ نِي
 اَب تَوْبَةٍ كِي - مَكْرُ اُسْ وَقْتِ تَوْبَةٍ كِي قَبُولِيَّتِ كَا دَرُوَزَهٗ بِنْدِ هُوَ چَا هُو تَا هِيَ -
 فَرَعُوْنِ نِي بِي غَرَقِ هُوْنِي وَقْتِ هِي كَمَا تَحَا "قَالَ اَمَنْتُ اَسَلَهُ"
 لَا رَالَهٗ اِلَّا الَّذِي اَمَنْتُ بِهٖ بِنَعْوَا اِسْمِ اَيْبِلَ يَعْنِي مِي بِي
 اَمْسِي الْبَدْرُ مِي اِيْمَانِ اِيْمَانِ لِي اِيْمَانِ اِيْمَانِ كَمَكْتَهِي هِي وَاِلٰى يَه لَفْظِ هِيَ
 اَلْكُلَّ تَوَابِ اِيْمَانِ لَاتَا هِيَ مَكْرُ تَوْبَةٍ كَا وَقْتِ كَمْرُ چَا تَحَا - اَللّٰهُ نِي فَرَسَا يَا
 تَوْبَتْرَا نَعْمَتْرَا تَحَا - مَفْسَدِ تَحَا، زَمِيْنِ مِي فَنَادِ بَحِيْلَا رَكْحَا تَحَا - اَب تَوْبَةٍ اِنْجَامِ
 كُو پِيْنِچِ چَا هِيَ - بِي هِرْجَالِ نَزْعِ كِي حَالَتِ سِي پِيْلِي تَوْبَةٍ قَبُولِ هُو سَكْتِي
 هِيَ اَسِ كِي بَعْدِ اَسِ كَا دَرُوَزَهٗ بِنْدِ هُو جَاتِي هِيَ -

مفسرین نے توبہ کی تین شرائط کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے -
 کہ گناہ میں آلودہ ہونے کے بعد انسان ندامت محسوس کرے کہ اُس نے یہ
 بُرا کام کیا ہے۔ ایک حدیث میں اَلتَّوْبَةُ اَلتَّامَّةُ اَلَّتِي كَانَتْ
 مِيْنِ يَعْنِي تَوْبَةٍ نِزَامَتِ هِي كُو كَمَا جَاتِي هِيَ - جِبِ اِنْسَانِ كِسِي بُرِي فَعْلِ بِرِشْرَمَنْدِ
 مَحْسُوْسِ كَرِي تُو تَوْبَةٍ كِي پِيْلِي شَرْطِ پُوْرِي هُوْتِي هِيَ اُوْرِ دُوْسَرِي شَرْطِ يَه هِيَ
 كِي جُو عِلْطِ كَامِ اِيْكِ دَفْعَتْرَا بَارِ بَا كِيَا جَارِ بَا هِيَ اَسِ كُو تَرْكِ كَرِي - اَكْرَمِ تَوْبَةٍ بِي
 كَمْتَا هِيَ اُوْرِ كِنَا هِي پَرَا صُرْ رَجِي جَارِي سَكْتِي تُو اِيْسِي تَوْبَةٍ كَا كَمْچَا اَعْتَبَارِ نِيْسِ جِيْسَا كَمْتَا بَلِ
 نِي كَمَا هِيَ -

توبہ کی
تین شرائط

مے بھی پٹے جاتے ہیں، توبہ بھی کرتے جاتے ہیں

یہ بھی جاری، وہ بھی جاری - ایسی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں اور توبہ کی تیسری شرط یہ
 ہے کہ جو غلط کام کیا ہے اس کی تلافی بھی کرے۔ کسی کا حق منحوس کیا ہے
 اس کو ادا کرے یا اس سے معافی چاہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی حق ضائع کیا
 ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ میں کوتاہی ہوئی ہے اُس کو پورا کرے۔

نماز و روزہ کی قضا دے۔ اگر معذور ہو گیا ہے تو اس کے بدلے ذریعہ ادا کرے۔
 قرآن پاک میں موجود ہے إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا یہاں پر اصلاح کا لفظ
 تلافی ہی کے معنی میں آیا ہے۔ بہر حال توبہ کی تین شرائط ہیں۔ پہلی ندامت،
 دوسری ترک گناہ اور تیسری تلافی جب ان شرائط کے ساتھ توبہ کی جائیگی تو اللہ تعالیٰ
 قبول فرمائیں گے۔

کفار کی
 توبہ نہیں

فرمایا ایک توفیق کی حالت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اور دوسرے
وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ایسے لوگوں کی توبہ بھی
 ناقبول ہے جو کفر کی حالت میں ہی مر جائیں۔ ان پر حجاب پڑ گیا۔ کفر کی
 حالت میں ہی خاتمہ ہو گیا۔ وہ ابدی طور پر توبہ سے محروم ہو گئے ایسے لوگوں
 کے متعلق فرمایا أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔
 ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ ہماری گرفت
 سے بچ نہیں سکتے۔

النساء ۴
آیت ۱۹ تا ۲۱

لن تنالوا ۴
درس چار دہم ۱۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجِدُ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ
كِرْهًا وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذَهَبُوا بِبَعْضِ مَآ
اتِيَتْموهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ
وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى
أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
كَثِيرًا ①۹ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ وَأْتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ
شَيْئًا إِنْ آتَا خُدُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ②۰
وَكَيفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ
وَأَخَذَنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ②۱

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ رد کرو ان کو تاکہ تم بعض وہ چیزیں لے جاؤ جو تم نے ان کو دی ہیں سوائے اس کے کہ وہ بیچائی کی کھلی بات کریں اور ان عورتوں سے میل جول رکھو دستور کے مطابق۔ پس اگر تم ان کو ناپسند کرو اور شاید کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بہتری بنا دے ①۹ اور اگر تم تبدیل کرنا چاہتے ہو

ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور تم نے اُن میں سے ایک کو ڈھیر مال دیا ہے تو اس میں سے کوئی چیز بھی نہ لو کیا تم لیتے ہو اُس کو بہتان اور صریح گناہ کی شکل میں (۴) اور تم اُس کو کیسے لو گے حالانکہ پہنچ چکے ہیں تمہارے بعض بعض کی طرف اور لیا ہے اُن عورتوں نے تم سے پختہ عہد (۵)

گذشتہ سے پیوستہ درس میں مردوں اور عورتوں کی اخلاقی بے حیائی کا ذکر تھا، اور

رابطیات

اس کی سزا کا تعین بھی تھا۔ پھر درمیان میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت اور اپنی صفاتِ قَوَاب اور رحیم کا تذکرہ فرمایا۔ توبہ کی شرائط کا بیان آیا۔ نیز یہ بھی کہ توبہ کی قبولیت کا وقت نزع کی حالت شروع ہونے سے پہلے پہلے ہے۔ جب دو سر جہان کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ انسان قریب المرگ ہو جائے تو اس وقت کی توبہ قابل قبول نہیں، اسی طرح جو لوگ کفر کی حالت پر ہی مرجائیں اُن کی توبہ بھی قبول نہیں۔ البتہ ان حالات سے پہلے پہلے جو شخص سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں مندرجہ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اے ایس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا تھا۔ کہ اے پروردگار! میں انسانوں کو اُس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا، جب تک اُن کے جسموں میں جان باقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جب تک میرے بندے مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے۔ میں اُن کو معاف کرتا رہوں گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو بندے کے لیے آخری وقت تک ذریعہ نجات بنا دیا ہے۔

اب اگلی آیات میں پھر عورتوں کے مسائل آئے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ جو بد سلوکی اور نا انصافی ہوتی تھی، اُس کا دوبارہ تذکرہ آ رہا ہے۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے وقت مروجہ رسم و رواج کی تردید فرمائی ہے اور صحیح راستے کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اُس کے بعد نکاح کے ضمن میں اُن عورتوں کا ذکر ہے جو محرمات نکاح میں شمار ہوتی ہیں اور جن کے ساتھ کسی شخص کا نکاح جائز نہیں ہوتا۔

صحیح احادیث میں آتا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت میں فوت شدہ شخص کے پیچھے اگر اُس کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا تو وہ اپنے باپ کی بیوہ یعنی سوتیلی ماں پر قبضہ کر لیتا تھا۔ بیوہ عورت کو بھی مرنے والے کا ترکہ سمجھ کر اُس کے ساتھ وراثت حاصل ہو سکے ہی کیا جاتا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اُس زمانے میں وراثت کا کلی حقدار مرنے والے کا بڑا بیٹا یا بھائی یا بھتیجا وغیرہ ہوتے تھے۔ چھوٹے بچوں اور عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ چونکہ بیوہ کو بھی وراثت ہی کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا۔ لہذا مرنے والے کا وارث یا تو اُس عورت سے خود نکاح کر لیتا تھا یا ہر مال وغیرہ چاہل کر کے اُس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیتا تھا۔ اور اس کی بدترین صورت یہ تھی۔ کہ اگر وارث مرنے والے کا دوسری بیوی سے سوتیلے بیٹے ہے تو وہ خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا۔ ایسی عورتوں کے ساتھ آیب اور بدترین سلوک یہ کیا جاتا تھا۔ کہ بعض اوقات اگر بوجہ وارث اُس عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا تھا، تو اُسے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ اگر عورت نے دوسرا نکاح کر لیا تو وہ اپنے ساتھ اپنا مال بھی لے جائیگی اور مرنے والے کا وارث اُس عورت کے علاوہ اُس کے مال سے بھی محروم ہو جائیگا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں ایک ایسا واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! میرا خاوند مر چکا ہے۔ اور دوسری بیوی سے اُس کا جو بیٹا ہے اُس نے مجھے گھر میں ڈال رکھا ہے۔ نہ وہ مجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے اور نہ مجھے آزاد کرتا ہے کہ دوسری جگہ نکاح کر لوں۔ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ تم گھر میں بیٹھو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں یقیناً کوئی حکم نازل فرمائیں گے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیات اسی ضمن میں نازل ہوئیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو۔
لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کچھ ہا تھا ہے لیے یہ
 حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو۔ جس بیچاری کا خاندان
 ہو گیا ہے تم اس کو بھی مال وراثت کا حصہ سمجھ کر اس پر قبضہ کر لو۔ اور ان سے من مانا
 سلوک کرو۔ یہ بھی فرمایا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اور نہ روک رکھو ان عورتوں کو لے ڈھبوا
بِبَعْضِ مَا اتَّيَسَّرَ لَهُنَّ محض اس لیے کہ تم انہیں جو چیزیں بطور
 مال یا عطیہ دی تھیں ان میں سے کچھ چیزیں واپس لے سکو۔ فرمایا یہ بھی تھا کہ
 لیے روانہ نہیں۔ کہ محض اس وجہ سے انہیں دوسرا نکاح کر نہ گی اجازت نہ دو
 کہ ان کے ساتھ ان کا مال بھی جائے گا۔ فرمایا یہ بیوہ عورتوں کے ساتھ سخت
 نا انصافی ہے۔ ایسا مت کرو۔

ہاں ان کو روک رکھنے کی صورت اس صورت میں اجازت ہے إِلَّا
أَنْ يَأْتِيَنَّ بِعَاقِبَةٍ کہ وہ کسی صورت میں بیچائی کا
 ارتکاب کر بیٹھیں۔ اس کے متعلق گذشتہ دروس میں ذکر آچکا ہے۔ کہ
 اگر کوئی عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے گھر
 میں تازلیست قید کر دو یہ ابتدائی حکم تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے سو کوڑوں
 اور رجم کی سزائیں نافذ کر کے قید و بند والا حکم منسوخ فرما دیا، تو فرمایا ایسی صورت
 میں تم عورتوں کو روک سکتے ہو۔ وگرنہ عدت کے بعد عورت آزاد ہے وہ جہاں
 چاہے نکل کر سکتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی یہ احکام گزر چکے ہیں کہ ایسی
 عورتیں اپنے متعلق بہتر رائے قائم کرنے کی مجازت ہیں۔ اگر وہ نکاح کرنا
 چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ غرضیکہ فرمایا بیوہ عورتوں پر
 کسی قسم کا جبر نہیں ہونا چاہیے۔

ہاں ایسی عورتوں سے بھگوان غلامی کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ ان
 کے لیے خلع کا موقع پیدا کر دو۔ اگر کوئی عورت بیچائی کا ارتکاب

عورت بطور
مال وراثت

بیچائی کی
صورت میں

کرتی ہے تو ایک نیک اور متدین آدمی کے لیے اس سے نیاہ مشکل ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں عورت کو خلع کے ذریعہ علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ خلع کے لیے تم ان کو ادا کر دو مہر و مال یا اس سے زیادہ کا مطالبہ بھی کر سکتے ہو کیونکہ قصور عورت کا ہے۔ البتہ یاد رکھو! وَ عَاشِي وَ هُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ان عورتوں کے ساتھ دستور کے مطابق گزارا کرو۔ ان سے بہتر طریقہ پریمل جمل رکھو۔ کسی قسم کی زیادتی نہ کرو۔ ان کے حقوق ان کو ادا کرو۔ ان کی کسی بھی صورت میں حق تلفی نہیں ہونی چاہئے۔

فَرِيَا فَاِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ اگر تم ان عورتوں کو ناپسند کرتے ہو فَعَسَىٰ اَنْ تَكُوْنُوْا سٰئِيْنَ پس ہو سکتا ہے کہ تم کبھی چید کو ناپسند کرتے ہو وَيَجْعَلُ اللّٰهُ فِيْكُمْ حَيٰٓةً كَثِيْرًا اور اللہ تعالیٰ اس (ناپسندیدہ چیز) میں بہت سی بہتری رکھ دے۔ ظاہر ہے کہ انسان

پسند اور ناپسند

خوبیوں اور خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ اگر کسی عورت میں کوئی خامی ہے جس کی وجہ سے تم اُسے ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض خوبیاں بھی ہوں۔ اگر عورت شکل و صورت کے لحاظ سے اچھی نہیں ہے تو ہو سکتا ہے اس کا اخلاق بہت اچھا ہو یا وہ ہنرمند اور سلیقہ شعار ہو۔ بعض اوقات عورتیں خود تو بظاہر کسی خوبی کی مالک نہیں ہوتیں مگر ان سے پیدا ہونے والی اولاد اعلیٰ اقدار کی حامل ہوتی ہے جو مرد کے لیے بیش قیمت سرمایہ بن جاتی ہے۔ بعض عورتیں صابر و شاکر اور دین دار ہوتی ہیں اور بعض خوبصورت مگر جھگڑالو قسم کی ہوتی ہیں اس لیے فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں کوئی فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو مگر اللہ نے اسی میں تمہارے لیے خیر کثیر کا پلو رکھا ہو ایک شاعر نے خوب کہا ہے کہ

نَعْمُ الْاِلٰهَ عَلَى الْعِبَادِ كَثِيْرَةٌ وَ اَجْلُهِنَّ نَجَابَةُ الْاَوْلَادِ

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں اُس کے بندوں پر ہیں مگر اُس کے لیے رُس کے اعلیٰ نعمت یہ ہے کہ اُسے اچھی اولاد میسر آجائے۔ بد شکل عورت سے خوبصورت اولاد کا پیدا ہو جانا بعد از قیاس نہیں۔ ان پڑھ اور بے سلیقہ عورت سے سلیقہ شعار اور ہنرمند اولاد بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ عورت میں اگر کوئی خامی ہے تو اس میں کوئی دوسری خوبی بھی موجود ہوگی۔ لہذا پسند اور ناپسند کا فیصلہ اُس کے تمام قبائح اور محاسن کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے۔

عورت کی
تبدیلی

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق کے متعلق یہ بھی فرمایا وَإِنْ أَرَدْتُمْ
اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ اگر تم ایک عورت کی جگہ پر دوسری عورت تبدیل کرنا چاہتے ہو۔ یعنی تمہارا پہلی بیوی کے ساتھ بطریق احسن نباہ نہیں ہو سکتا۔ اور تم اُسے طلاق دینا چاہتے ہو۔ وَالْيَتِيمَ إِحْدًا لَّهُنَّ
قِضًا اور تم اُسے ڈھیر مال بطور وصریہ عطا کرنا چاہتے ہو۔ یعنی نہر کی رقم ہی بہت زیادہ تھی یا اس کے علاوہ کوئی عطا کیے چکے ہو اور اس کے بعد عطا کی کی صورت پیدا ہو گئی ہے تو فرمایا فَلَا تَأْخُذْ وَهِنَّ شَيْئًا
اس ادا شدہ مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو قنطار بہت سے مال کو کہتے ہیں۔ اُس زمانہ میں دس ہزار درہم یا دینار کو ڈھیر مال تصور کیا جاتا تھا۔ قنطار کا لفظ سورۃ آل عمران میں بھی گزر چکا ہے النَّانِ كِي مَرْغُوبٍ چیزوں کی فہرست میں القَنَاطِينِ الْمُقَدَّطَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی سونے چاندی پر مشتمل ڈھیروں مال انسان کی مرغوب و مقصود اشیاء میں سے ہے۔
تو یہاں بھی فرمایا کہ اگر تم اپنی عورتوں کو بہت زیادہ مال بھی دے چکے ہو تو بوقت طلاق ان سے کوئی چیز واپس نہ لو۔ یہ اخلاقی لحاظ سے نہایت بُری بات ہے۔

طلاق کے مسائل سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ

بعض مسائل سورۃ احزاب اور سورۃ طلاق میں بھی آئیں گے حضور علیہ السلام نے طلاق کو بغض المباحات، الی اللہ فرمایا ہے یعنی جائز چیزوں میں اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ چیز ہے۔ لہذا اس سے سختی الامکان بچنا چاہیے اور زیادہ کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اگر ایسی کوئی صورت باقی نہ ہے تو پھر علیحدگی کی بھی اجازت ہے۔ ہندو ازم اور عیسائیت میں ایسی کوئی گنجائش نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے لیے یہ صورت بھی پیدا فرمادی۔ کہ ساری عمر گھٹن کی زندگی بسر کرنے کی بجائے میاں بیوی میں علیحدگی کی صورت ہو تو اس کے لیے طلاق کی گنجائش بھی ہے جس کے اپنے احکام اور شرائط میں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔

الغرض! فرمایا کہ طلاق لینے کی صورت میں عورتوں کو ادا کردہ مال واپس مت لو۔ آگے تاکیداً فرمایا اتَّخِذْ وَدَّعَ بَهْتَانًا وَارْتِمَا صَبِيْنَا کیا تم بہ مال ان پر بہتان لگا کر اور صریح گناہ کی شکل میں لینا چاہتے ہو۔ فرمایا: محض چلے بہانے سے ان کو ادا کردہ مال واپس لینے کی اجازت نہیں ہے یہ سخت گناہ کی بات ہے۔ مال کی واپسی کی ایک ہی جائز صورت خلع ہے اگر میاں بیوی میں نباہ نہیں ہو سکتا اور خاوند طلاق بھی نہیں دینا چاہتا تو ایسی صورت میں عورت خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس کے لیے وہ خاوند کے مطالبہ پر مہربان دیکھ مال واپس کر سکتی ہے جو دونوں کے درمیان طے پا جائے اس کے علاوہ عورت پر جھوٹا الزام لگا کر اس سے مال کا مطالبہ کرنا بہت بری بات ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مہر کی ادائیگی سے متعلق ایک ضروری قانون بتایا ہے۔ اور وہ یہ کہ زوجین کی خلوت صحیح کے بعد پوسے کا پورا مہر ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ فرمایا وَكَيْفَ تَأْخُذْ وَدَّعَ اور تم اسے کیسے واپس لے سکتے ہو وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ جب تم میں

مہر اور
خلوت صحیح

سے بعض بعض کے ساتھ مل چکے ہیں۔ یعنی میاں بیوی مباشرت کر چکے ہیں۔
 وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا اور عورتیں تم سے پختہ عہد
 لے چکی ہیں۔ مقصد یہ کہ جب ایجاب و تسبیل کے ذریعے تمہارا نکاح ہو
 چکا ہے، مہر مقرر ہوا ہے۔ تم نے ایک دوسرے سے فائدہ بھی اٹھالیا
 ہے یعنی ہم بستری کر لی ہے تو اب مہر کو روکنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔
 یہ تمہیں پوسے کا پورا ادا کرنا ہوگا اب اگر تم بیوی کو طلاق دینا چاہو تو پورا
 مہر ادا کرو۔ کسی جیلے بہانے سے اسے مکمل طور پر روکنے یا اس میں کمی کرنے
 کی کوشش نہ کرو۔

اکثر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ مہر کی مکمل ادائیگی کے لیے میاں بیوی کے
 درمیان ہم بستری ضروری ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم بستری
 ضروری نہیں۔ اگر زوجین کو خلوت صحیحہ حاصل ہوگئی ہے تو مہر کی ادائیگی لازم
 ہو جاتی ہے۔ اور خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی کسی ایسی جگہ اٹھے
 ہو جائیں کہ ان کے درمیان کوئی چیز ہم بستری میں بائع نہ ہے، اگرچہ فی الحقیقت
 ہم بستری واقع نہ ہوئی ہو۔ ميثاق غلیظہ کے متعلق حضور علیہ السلام نے خطبہ
 حجۃ الوداع میں فرمایا تھا وَأَسْتَحْلِكُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ
 یعنی اللہ کے حکم اور قانون سے عورتیں تم پر حلال ہوئی ہیں۔ تمہارے ساتھ
 ان کا عہدہ نکاح ہوا ہے لہذا تم عورتوں کے حقوق سے متعلق اللہ سے ڈرتے
 رہو اور ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ ان پر بہتان لگا کر ان کی حق تلفی نہ کرو
 جب وہ تمہارے عہدہ میں آچکیں اور تم نے ان سے پورا فائدہ اٹھالیا تو
 اب ان کے مہر ان کو لوٹا دو۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو کسی شاعر نے
 بھی اسے یوں بیان کیا ہے۔

بِتَنَا وَمَا بَيْنِي وَبَيْنِكَ ثَالِث

کزواج حمام او کفصینا ہکذا

دہم آپس میں اکٹھے رہ چکے ہیں۔ جب کہ درمیان میں کوئی چیز باعث رکاوٹ نہ تھی۔ ہمارے درمیان ایسی محبت تھی جیسے کبوتر اور کبوتری کے درمیان ہوتی ہے، عرب شعراء کے نزدیک کبوتر کے جوڑے کی محبت ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے جس کا ذکر ان کے اشعار میں اکثر ملتا ہے۔ متنبی نے اس محبت کو درخت کی دو ٹہنیوں سے بھی تشبیہ دی ہے جو آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں وہ کہتا ہے۔

يُجِدُ الْحَمَامَ وَلَوْ كَوَّجِدِي

شَجْرِ الْأَرَاكِ مَعَ الْحَمَامِ تَنُوجِ

میرا غم اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اگر کبوتر بھی میرے جتنا غم کرنے لگے جس درخت پر وہ بیٹھا ہے کبوتر کے ساتھ وہ درخت بھی رونے لگے، پھر کہتا ہے۔

فَمَنْ يَعِدُ هَذَا الْوَصْلَ وَالْوَدَّ كَلِمَةً

إِذَا كَانَ جَمِيلًا مِمَّنْكَ تَحْجُرُ هَكَذَا

اس محبت اور میل ملاقات کے بعد تمہارے لیے یہ کس طرح روا ہو گا کہ تم اس طریقے سے قطع تعلق کر لو، جس میں ظلم اور زیادتی ہو اور دیا ہوا مال چھین لو، یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات فرمائی ہے کہ كَيْفَ تَأْخُذُونَہُ، تم اسے کیسے واپس لو گے جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ خلوت صحیح میں مل چکے ہو۔ ایک دوسرے سے واقف ہو چکے ہو اور پختہ عہد یعنی ایجاب و قبول بھی ہو چکا ہے تم ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کر چکے ہو، اب کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔

نہر کا لنگہ اس سورۃ کی ابتدا میں بھی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

مقدار مہر

اس آیت میں آمدہ لفظ قنطار سے مفسرین نے یہ بات اخذ کی ہے کہ عورت کے مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار پندرہ کواہی پابندی نہیں۔ البتہ مہر

کی کم از کم مقدار میں ائمہ کرام کا اختلاف رائے سے امام شافعیؒ کو ہے کی ایک
 انگوٹھی یا سہمی بھڑ بھڑ کو بھی مہر تسلیم کرتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے
 نزدیک دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا امام صاحب کا استدلال حضرت
 عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کی روایت سے ہے **لَا مَهْرَ أَقْلٍ مِّنْ**
عَشْرِي دِرَاهِمٍ اور ہائی تولد یا کچھ زیادہ چاندی کے برابر
 ہوتے ہیں اور موجودہ زمانے میں اتنی چاندی کی قیمت ڈیڑھ پونے دو سو
 روپے بنتی ہے۔ لہذا اس رقم سے کم مہر نہیں ہونا چاہیے۔ لوگ پرانے
 اور ستے زمانے کی چاندی کے حساب سے ۲۲ روپے مہر مقرر کرتے
 ہیں جو درست نہیں۔ البتہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہزاروں
 اور لاکھوں روپے نقد یا جائیداد کی صورت میں مہر مقرر ہو سکتا ہے۔ البتہ
 مہر میں مبالغہ کرنا پسندیدہ نہیں۔ یعنی بہت زیادہ مہر لکھ کر پھیرا دینا۔
 یہ درست نہیں۔ مہر ہمیشہ حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ حضور علیہ السلام
 کی اکثر بیات اور ازواج کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ نہیں تھا۔ البتہ
 ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا جو نجاشی بادشاہ حبشہ نے ادا کیا تھا حضرت خدیجہؓ
 کا مہر بھی اسی مقدار کا تھا، باقی سب بیویوں اور بیٹیوں کے مہر ۵۰۰ درہم
 تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگو! مہر میں مبالغہ نہ کیا کرو، اگر یہ پسندیدہ
 فعل ہوتا تو اللہ کا نبی ایسا کرنا مگر آپ نے نہیں کیا مہر جتنا کم رکھو گے اور اللہ کی
 میں اتنی ہی آسانی ہوگی۔ بہر حال اگر علیؓ کی تک نوبت پہنچ جائے تو علیؓ کی
 خوش اسلوبی سے انجام دو۔ دیا ہوا مال واپس نہ لو۔ اگلی آیات میں محرمات
 کا تذکرہ ہے۔ سوتیلی ماں کے علاوہ باقی محرمات کا بیان بھی آ رہا ہے۔

النِّسَاءُ ۴
آیت ۲۲ تا ۲۳ ٹکٹ اول

لَنْ تَنَالُوا ۴
درس پانزدہم ۱۵

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۴
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ
وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأَخْتِ

۴
۲۲

ترجمہ: اور نہ نکاح میں لاؤ اُن عورتوں کو جن کے ساتھ نکاح
کیا ہے تمہارے باپوں نے مگر وہ بات جو پہلے ہو چکی۔ بیشک یہ
بات بے حیائی اور غضب کی ہے۔ اور بڑا راستہ ہے ۴ حرام
قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری
بنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں
اور بہن کی بیٹیاں

گزشتہ دروس میں عورتوں کے ساتھ اس نا انصافی کا تذکرہ ہو چکا ہے جو زمانہ جاہلیت
میں اُن سے روا رکھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فحیح رسم و رواج کی اصلاح کا قانون بیان
فرمایا، اور حکم دیا کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور جبراً اُن کو وراثت کا حصہ نہ
بنالو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علیحدگی کی صورت میں عورتوں کے مقررہ مہر ہر حالت
میں ادا کر دینا خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور چیلے ہانسنے سے انہیں واپس لینے کی
کوشش مت کرو۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نکاح ہی کے متعلق بعض دیگر
قیاحات کا تذکرہ فرمایا ہے، جو نزول قرآن کے زمانہ میں عربوں میں اکثر پائی جاتی تھیں۔
قبل از اسلام عرب معاشرے میں ایک بڑی خرابی یہ پائی جاتی تھی کہ جن عورتوں سے

ربط آیات

تحریر نکاح

نکاح حلال نہیں، وہ لوگ اکثر اُن سے نکاح کر لیتے تھے اور جو عورتیں اُن کے لیے حلال تھیں اُن میں سے بعض پر انہوں نے از خود بایندی لگا رکھی تھی۔ جیسے بے پاک بیٹے کی مطلقہ۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اُس کا بیٹا بیٹا دیکھ کر مال وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں پر بھی قابض ہو جاتا اور اس سے نکاح بھی کر لیتا۔ چنانچہ آج کے درس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی مسئلہ کو واضح کیا ہے۔ اور اس کے بعد دیگر محرمات نکاح کا ذکر ہے اور بالوضاحت فرمادیا ہے۔ کہ کسی مسلمان کے لیے کون کونسی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے رشتوں کا ذکر کیا ہے جو مانع نکاح ہیں۔ ان میں سے پہلا رشتہ نسبی ہے۔ یعنی اُن رشتوں کا ذکر ہے جو کہ نسب کے لحاظ سے نکاح میں رکاوٹ ہیں دوسری قسم رضاعی رشتوں کی ہے جو ایک ماں کا دودھ پینے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور تیسری قسم کے مانع نکاح رشتے مصاہرت کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

سوتیلی ماں

سب سے پہلے سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِنَّ عَوْرَتَكُمْ فِي مَمْنِ
 لَادُوْحِنِ كَعِ مَا نَكَحَ تَمَا سَے باپ نکاح کر چکے ہیں۔ ایسی عورتیں تمہارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہیں۔ مفسرین کرام اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مطلقاً نکاح کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ سوتیلی ماں کے حرام ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ باپ نے اُس عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ حرمت نکاح کے لیے باپ کی طرف سے مباشرت ضروری نہیں۔ جب کسی شخص کے باپ نے کسی عورت سے نکاح کر لیا۔ تو وہ عورت اُس شخص کے بیٹے کے لیے ابدی حرام ہوگی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شامی میں یہ مسئلہ بالوضاحت موجود ہے۔ کہ یہ حرمت اصول اور فروع دونوں طرف

سکھان طور پر نافذ ہے۔ یعنی جس عورت سے باپ نے نکاح کیا ہے وہ بیٹے کے لیے حرام ہے اور جس عورت سے بیٹے نے نکاح کیا ہے وہ باپ کے لیے قطعاً حرام ہے۔ اور پھر مجاہد بھی ضروری نہیں۔ فقط نکاح ہی حرمت کے لیے کافی ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ کہ آیت کہ میں اباء و کھن یعنی باپ کا ذکر ہے۔ مگر باپ سے مراد اوپر تک پوری نسل ہے۔ یعنی نہ صرف باپ کی منکوحہ حرام ہے بلکہ دادا اور پردادا کی منکوحہ بھی اگر ہو تو اس کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ اسی طرح نیچے کی طرف بیٹے کے حکم میں پوتا اور پڑپوتا بھی شامل ہیں۔ جو عورت بیٹے کے لیے حرام ہے وہ پوتے اور پڑپوتے کے لیے بھی ویسے ہی حرام ہے۔ یاد رہے کہ سوتیلی ماں حقیقی ماں کی ہی طرح محرم ہے۔ بیٹیا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے، اُس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اور ماں کو اُس سے پردہ کو نبی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حقیقی ماں ہی کی قائم مقام ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے۔ اَلَا مَا قَدْ سَلَفَ البتہ جو پچھلے ہو چکا وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا، اب آئندہ کے لیے ایسی عورتیں تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی وہ تین ضربیاں بیان فرمائی ہیں جن کی وجہ سے یہ ابدی حرمت قائم کی گئی ہے۔ فَنَرَمَايَا لَشَهْوَاكَ كَانَ فَا حِسْهَةً یعنی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح سخت لے جیالی کی بات ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ الیہ میں لکھتے ہیں کہ اگر انسان کی فطرت سلیم ہو تو نہ تو وہ اپنی بہن کی طرف رغبت کرے گا اور نہ ماں کی طرف۔ فرماتے ہیں اس چیز کا شعور تو جانوروں

تین ضربیاں

میں بھی پایا جاتا ہے چہ جائیکہ اشرف المخلوقات انسان اس امر سے لاپرواہ ہو جائے
 موجودہ زمانے میں یورپ کی بے حیائی اسی قبیل سے ہے۔ جرمنی والوں
 نے تو ایوانِ فطرت تک بنا رکھی ہیں۔ ان کلبوں میں ممبران صرف برہمنہ
 شکل میں ہی شرکت کر سکتے ہیں۔ وہاں مرد و زن کی کوئی تخصیص نہیں، سب
 برہمنہ ہوتے ہیں۔ مگر جس شخص کی فطرت سلیم ہوگی وہ کبھی برہمنی کو پسند نہیں
 کرے گا۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ کہ جب ایک لغزش کی وجہ سے حضرت
 آدم اور حوا کا لباسِ جنت میں اُتر گیا تو وہ درخت کے پتے توڑ کر اپنے
 ستر کو ڈھانپنے لگے، کیونکہ برہمنی اُن کی فطرتِ سلیمہ کے خلاف تھی۔ البتہ جو
 لوگ اصلاح میں آجائیں یعنی فطرت سے باہر نکل آئیں برائیاں کرتے کرتے
 OUT OF NATURE ہو جائیں اُن کی الگ بات ہے۔ وہ ہر قسم کی
 اخلاقی اور قانونی پابندیوں سے آزاد ہو چاہیں کرتے پھریں۔ مگر فطرتِ سلیمہ کا
 تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی بہن، بیٹی یا ماں کے ساتھ بیچاری کمرے پر تیار نہ ہو۔
 اللہ تعالیٰ نے اس قبیح فعل کی دوسری بُرائی کے متعلق فرمایا وَهَفَّتَا
 کہ بے حیائی کے علاوہ یہ فعل ذریعہ غضب بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا
 لینے کے مترادف ہے۔ شرع الہیہ یعنی خدا تعالیٰ کی شریعت بھی اس کو بُرا
 کہتی ہے، ہرقت کے لفظ سے یہ چیز واضح ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں
 کہ انسانی عقل بھی اس کام کو تسلیم نہیں کرتی کہ کوئی شخص اپنے باپ کی منکوحہ
 کے ساتھ شادی کرے۔ یہ فحش بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیسری بُرائی کے
 متعلق فرمایا وَسَاءَ سَبِيلًا یہ بہت برا راستہ ہے۔ انسانی سوسائٹی بھی
 اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ انسانوں کا عرف اور رواج بھی اس کے خلاف ہے
 گویا عقل، شریعت اور رواج ہر لحاظ سے یہ فعل ناقابلِ قبول ہے۔

نسبِ محرمات

آگے اللہ تعالیٰ نے اُن رشتوں کا ذکر کیا ہے جو نسبی طور پر کسی شخص کے
 لیے حرام ہیں۔ فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ

مائیں حرام کی گئی ہیں۔ ماں گئی ہو یا سوئی ملی ہر حالت میں حرام ہے اور جو ماں کا حکم ہے وہی ددی اور پڑدای کا حکم ہے۔ اس کے علاوہ انی اور پڑہانی بھی اسی حکم میں آتی ہیں۔ لہذا ان سب کے ساتھ نکاح حرام ہے آگے فن فرمایا وَبَنَاتِ كَعَمُوَّتُمْ پر تمہاری بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ بیٹی میں آگے پوتی، دوتی وغیرہ سب آجاتی ہیں۔ پھر فرمایا وَأَخْوَاتِ كَعَمُوَّتُمْ تمہاری بہنیں تم پر حرام ہیں۔ بہن میں حقیقی، اخیانی (مال کی طرف سے) اور علاقائی (باپ کی طرف سے) تمام بہنیں شامل ہیں۔ ان میں سے کسی کے ساتھ عقد نکاح نہیں ہو سکتا پھر فرمایا وَكَمَاتِ كَعَمُوَّتُمْ تمہاری بھوپھیاں یعنی باپ کی بہنیں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اس میں بھی وہی قانون ہے۔ باپ کی بہن حرام ہے خواہ وہ حقیقی بہن ہو۔ اخیانی یا علاقائی ہو۔ آگے فرمایا وَخَالَاتِ كَعَمُوَّتُمْ تمہاری خالائیں یعنی ماں کی بہنیں بھی تم پر حرام ہیں۔ ماں کے ساتھ ان کا تعلق حقیقی ہو یا صرف مادری یا صرف پدری، ہر حالت میں حرام ہیں وَبَنَاتِ الْأَخِ بھائی کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ ان کے ساتھ بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ بھائی حقیقی ہو یا پدری یا مادری ہر حالت میں بیٹیوں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ اسی طرح وَبَنَاتِ الْأَخْتِ بہن کی بیٹیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہاں بھی بہن سے مراد ہر سہ اقسام کی بہنیں ہیں یعنی خواہ وہ حقیقی ہو، صرف ماں کی طرف سے ہو یا صرف باپ کی طرف سے، ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے اس کے بعد رضاعت اور مصاہرت کی بنا پر حرام ہونے والے رشتوں کا تذکرہ اگلے درس میں آئے گا انشاء اللہ۔

النساء ۴
آیت ۲۳ بقیہ حصہ

لَنْ تَنَالُوا
درس شانزہم ۱۶

وَأُمَّهَاتِكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتِكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ
وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبِكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ
مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا
دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ
الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْاِخْتَيْنِ
إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اور حلیم قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری وہ مائیں اور
جنموں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ کی بہنیں اور
تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری وہ پروردہ بچیاں جو تمہاری پرورش
میں ہیں تمہاری عورتوں میں سے جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہے
اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے (کہ
تم ان کی لڑکیوں سے نکاح کرو) اور (تم پر حلیم قرار دی گئی ہیں) تمہارے
ان بیٹوں کی عورتیں جو تمہاری پشت سے ہیں۔ اور (تم پر حلیم قرار دی
گئی ہے یہ بات کہ تم اکٹھا کرو دو بہنوں کو۔) (بیک وقت) مجھ وہ جو
پہلے بات ہو چکی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ﴿۲۳﴾

نسب کے لحاظ سے حلیم عورتوں کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ اب
آج کے درس میں رضاعت اور مصاہرت کی بنا پر حلیم ہونے والی عورتوں کا تذکرہ آئیگا
تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَأُمَّهَاتِكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ اور تمہاری

وہ بائیں تم پر حرام قرار دی گئی ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وَاَخْوَاتُكُمْ
 مِنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں بھی تم پر حرام ہیں۔ آیت کریمہ
 میں رضاعت کے اعتبار سے صرف دو رشتوں یعنی ماں اور بہن کا ذکر کیا گیا
 ہے۔ تاہم حضور نبی کریم علیہ السلام نے اس کی وضاحت میں فرمایا حُرْمٌ
 مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَحْرَمُ مِنَ النِّسَابِ یعنی جو شے نسب
 کی وجہ سے حرام ہے وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہے بخاری شریف کی
 روایت میں ہے۔ کہ جس بچے نے جس عورت کا دودھ پیا وہ عورت
 بچے کی رضاعی ماں بن گئی۔ اس عورت کی بیٹیاں اس کی بہنیں ہو گئیں اور
 عورت کے بیٹے اس بچے کے رضاعی بھائی بن گئے۔ اسی طرح عورت
 کا خاوند دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ٹھہرا۔ اور اس رضاعی باپ
 کا بھائی بچے کا رضاعی چچا ہوا۔ لہذا جس طرح رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے
 ساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی چھٹی، رضاعی بھانجی، رضاعی بھوپھی اور
 رضاعی خالہ کے ساتھ بھی نکاح حرام ہو گیا۔ غرضیکہ جو رشتے نسب کے اعتبار
 سے حرام ہیں، وہ رضاعت کے اعتبار سے بھی حرام ہیں۔ اور جب ماں
 حرام ہو گئی تو نانی، پڑنانی وغیرہ بھی حرام ٹھہریں۔

رضاعت کی مدت کے تعیین کے سلسلے میں فقہائے کرام کے دو
 گروہ ہیں۔ اہم شافعی، اہم مالکی، اہم احمدی، اہم محمدی اور اہم ابو یوسف
 فرماتے ہیں کہ رضاعت کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔ اگر کسی
 بچے نے دو سال کے دوران کسی عورت کا دودھ پیا ہے تو وہ عورت
 اس کی رضاعی ماں بن گئی اور اس لحاظ سے باقی تمام رضاعتی رشتے بھی وجود
 میں آئے۔ اور ان رشتوں پر وہ تمام احکام نافذ ہوں گے جو حقیقی ماں کے
 رشتہ داروں پر عائد ہوتے ہیں۔ البتہ اہم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ رضاعت
 کی مدت اڑھائی سال ہے۔ اڑھائی سال کے اندر اندر دودھ پینے سے

ت عبت
 مرضا

رضاعت کے تمام احکام نافذ العمل ہوں گے۔ مدت رضاعت کے بعد اگر کسی بچے یا بڑے نے کسی عورت کا دودھ پیا تو اس کی رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے انما الرضاعة من الجماعة یعنی رضاعت کا اعتبار اس مدت تک کے لیے ہے جب تک بچے کو بھوک لگتی ہے مگر وہ کھانا نہیں کھا سکتا اور صرف دودھ ہی اس کی خوراک ہوتا ہے

رضاعی ماں حقیقی ماں کی مانند ہی ہوتی ہے۔ اس سے پردہ نہیں ہوتا۔ انسان اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ سکتا ہے۔ البتہ بعض احکام حقیقی ماں سے مختلف بھی ہوتے ہیں مثلاً حقیقی ماں اگر محتاج ہے تو اس کا حشر پر بیٹے کے ذمہ ہے مگر رضاعی ماں کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ حقیقی ماں کی وراثت بیٹے کو اور بیٹے کی ماں کو پہنچتی ہے مگر رضاعی ماں بیٹے کے درمیان وراثت نہیں چلتی۔

رضاعت ثابت ہونے کے لیے دودھ کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ اہم احمد فرماتے ہیں۔ کہ بچہ کم از کم تین گھونٹ دودھ پئے تو رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ امام شافعی پانچ گھونٹ کے قابل ہیں۔ البتہ اہم ابو حنیفہ اور اہم مالک فرماتے ہیں کہ اگر بچہ اتنی مقدار میں دودھ پی لے جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور روزہ ٹوٹنے کے لیے ایک قطرہ کی مقدار بھی کافی ہے اگر حلق سے نیچے اُتر گیا تو روزہ فاسد ہو گیا۔ اس لحاظ سے رضاعت ثابت ہونے کے لیے ایک قطرہ دودھ پی لینا بھی کافی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ رضاعت کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ دودھ حلق یا ناک کے ذریعے سے جسم میں داخل ہوا ہو۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی دیگر ذرائع مثلاً انجکشن وغیرہ کے ذریعے دودھ داخل

رضاعت کے
دیگر مسائل

ہوا تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ رضاعت صرف عورت کا دودھ پینے سے بنتی ہے۔ اگر دو بچے کسی ایک بھری یا گائے یا بھینس کا دودھ پی لیں تو وہ رضاعی بہن بھائی نہیں بنتے۔ البتہ اگر جانور کا دودھ ملا کر پیا جائے تو مرکب میں جس دودھ کا غلبہ ہوگا اس کے مطابق حکم نافذ ہوگا۔ اگر عورت کا دودھ دو چھٹانک ہے اور بھری وغیرہ کا ایک چھٹانک تو رضاعت ثابت ہو جائے گی کیونکہ غلبہ عورت کے دودھ کو حاصل ہے اس کے برخلاف اگر گائے کا دودھ دو چھٹانک اور عورت کا ایک چھٹانک تو رضاعت قائم نہیں ہوگی۔ فقہائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے مرد کو دودھ اتمہ اور کوئی بچہ وہ دودھ پی لے تو اس سے بھی رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ رضاعت صرف عورت کا دودھ پینے سے بنتی ہے۔

رضاعت کے متعلق گواہی کا ایک قانونی مسئلہ بھی ہے۔ اور وہ یہ

ہے کہ اگر دو مرد اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں فلاں نے فلاں عورت

کا دودھ پیا تو رضاعت ثابت ہوگی۔ بعض اوقات نکاح ہو جاتا ہے مگر

بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی دودھ شریک ہیں تو ایسی صورت میں

کم از کم دو مردوں کی گواہی ہونی چاہیے۔ البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ

اگر ایک مرد اور ایک عورت بھی گواہی دے دیں تو مرد کو چاہیے کہ بیوی

کو علیحدہ کر دے۔ بہر حال قانونی لحاظ سے شہادت کی تکمیل لازم ہے بخاری شریف

کی روایت میں ہے کہ ایک جوڑے کا نکاح ہو گیا۔ بعد میں ایک عورت

نے انکشاف کیا کہ اُس نے اُن دونوں میاں بیوی کو دودھ پلایا تھا۔ جب

حضور علیہ السلام کے سامنے مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ

بات کم دی گئی ہے۔ تو بہتر ہے کہ ان میں تفریق کر دو۔

فہم نے کرام فرماتے ہیں۔ کہ رضائی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح حقیقی بہن کی رضائی ماں سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ رضاعی بہن کی نسبی بہن کے ساتھ بھی نکاح درست ہے۔ یہ بعض استناد میں اس کے علاوہ رضائی بھتیجی یا بھانجی یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ وہ حقیقی رشتوں کی طرح ہی حرام ہیں۔ اسی طرح رضاعی چچا حقیقی چچا کی طرح ہی ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ کی روایت میں موجود ہے۔ کہ ان کے رضاعی چچا ملنے کے لیے آئے تو ام المؤمنین نے انہیں کی اجازت نہ دی۔ جب حضور علیہ السلام سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ تمہارے حقیقی چچا کی طرح ہے اس سے کوئی پردہ نہیں۔

رضاعت
کی حکمت

رضاعت کی بنا پر حرمت پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی مصلحت رکھی ہے۔ اور اس میں شریعت کی بہت بڑی حکمت ہے۔ یورپ اور دہریہ جمالک میں نامعلوم عورتیں نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلا دیتی ہیں مگر بعد میں ان کی کوئی شناخت نہیں رہتی۔ بعض اوقات ہسپتالوں میں پیدا ہونے والے بچوں کو نرسیں دودھ پلا دیتی ہیں مگر کون جانتا ہے کہ اُسے کس نے دودھ پلایا تھا اور کون کون اُس کا رضاعی بھائی یا رضاعی بہن ہے۔ خود دودھ پلانے والی عورت نہ ماں بنتی ہے اور نہ دودھ پینے والا اُس کا بیٹا بنتا ہے۔ یہ نہایت ہی قبیح چیز ہے۔ دودھ میں شکرکت کی وجہ سے رضاعی بہن بھائیوں کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور پینے اور پلانے والی کی حیثیت بیٹے اور ماں کی ہوتی ہے اور ان کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام نے رضاعت کا ایسا اصول قائم کر دیا ہے جس سے انسانی

سوسائٹی میں اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ایک امیر کبیر آدمی حتیٰ کہ شاہ
 کلبلی بھی اگر کسی غریب عورت کا دودھ پیتا ہے۔ تو اس عورت کے بچے
 بڑے آدمی جیسے کے بھائی بہن بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون
 نافذ کر کے کتنی بڑی مہربانی فرمائی ہے۔ اس طرح سوسائٹی میں محبت اور
 احترام پیدا ہوگا، اور بہت حد تک مساوات قائم ہوگی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام نے جس عورت کا دودھ پیا تھا وہ عورت خود یا اسکی بیٹی وغیرہ جنین
 کے موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے
 اس کے لیے اپنی چادر مبارک اتار کر بچھا دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون
 عورت ہے جس کو اتنا بڑا اعزاز حاصل ہوا ہے تو بتلایا کہ یہ حضور کی رضاعی
 والدہ یا رضاعی بہن ہے۔

دودھ پلانے والی ماں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی حکم ہے۔ حدیث
 شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ کہ جس عورت
 کا دودھ پیانا ہے اس کے ساتھ کیا احسان کیا جائے۔ فرمایا اس کے
 ساتھ کافی احسان کیا جائے کہ یہ دودھ پیتے والے کی ذمہ داری ہے۔
 اپنی رضاعی ماں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کر کے ہی
 بیٹا اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ بہر حال رضاعت میں
 اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے جذبہ احسان
 و مروت پیدا ہوتا ہے اور آپس میں اخوت کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔

نسب کی بنا پر حرام ہونے والی عورتوں کے تذکرے کے بعد
 اللہ تعالیٰ نے مصاہرت کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتوں کے
 متعلق فرمایا وَأَصْحَابُ نِسَاءِكُمْ اور تمہاری عورتوں کی مائیں
 بھی تم پر حرام قرار دی گئی ہیں۔ گویا ساس کے ساتھ نکاح بھی ہمیشہ کے
 لیے حرام ہو گیا۔ اس کے علاوہ فرمایا وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي

حیثیت زوجہ
 مصاہرت

حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اُور تمہاری وہ پروردہ
 بچیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں اور تمہاری اُن عورتوں سے ہیں جن سے تم
 صحبت کر چکے ہو، وہ بھی تمہارے لیے حرام قرار دی گئی ہیں۔ فَاِنَّ
 لَكُمْ تَكْوِيْنًا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنَّ جُنَاحَ عَلَيكُمْ
 البتہ اگر تم نے اپنی منکوحہ عورتوں سے صحبت نہیں کی تو ایسی صورت
 میں اسکی بیٹی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً
 کسی شخص کی بیوی فوت ہوگئی یا اس کو طلاق سے دی گئی تو اب اگر اس
 عورت سے ہم بستری نہیں ہوئی تو اس کی لڑکی سے نکاح درست
 ہے۔ اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہے۔ تو پھر اس کی لڑکی ہمیشہ کے
 لیے حرام ہوگئی۔ یاد ہے کہ صحبت کی شرط کسی عورت کی بیٹی کے ساتھ
 نکاح کے لیے ہے، البتہ اس عورت کی ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے
 حرام ہو جاتی ہے خواہ اس عورت کے ساتھ صحبت ہوئی ہو یا نہ
 ہوئی ہو۔

اَكْ فَرَمَا وَحَلَّ اِلْ اَبْنَاءِكُمْ الَذِيْنَ صِيَتْ
 اَصْلًا بِكُمْ اُور تمہارے صلیبی بیٹوں کی بیویاں بھی تمہارے لیے
 حرام ہیں۔ یعنی حقیقی بیٹے کی بیوی اپنے سر کے نکاح میں نہیں آسکتی
 یہ نکاح بھی ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔ البتہ لے پاک یا منہ
 بولابٹیا اس قانون کی زد میں نہیں آتا۔ اس سلسلہ میں حضور علیہ السلام کا
 کا اپنا عمل موجود ہے۔ آپ کے منہ بولے بیٹے زید نے جب اپنی
 بیوی کو طلاق سے دی تو خود حضور علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا
 منافقوں نے اس سلسلے میں بڑے شور و غل کیا اور معاملے کو اچھا لے
 کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے معاملے کی وحدت
 فرمادی۔ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكُمَا

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَنْوَاجٍ
 أَدْعَايَاهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْآخِرَةِ
 كَمَا كَفَرُوا فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الدُّنْيَا نِسَاءٌ كَثِيرَةٌ مِمَّا
 كَفَرُوا فَهُمْ لَهُمْ حَرَجٌ كَمَا كَانَ فِي الدُّنْيَا لَعْنَةُ اللَّهِ
 عَلَى الْكٰفِرِينَ ۚ

اس کے بعد فرمایا وَأَنْ تَجْعَلُوا بَيْنَ الْأَخْتَيْنِ اور
 اور تم پر یہ چیز بھی حرام قرار دی گئی ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت اکٹھا
 کر دو یعنی ان سے نکاح کرو۔ ایک وقت میں ایک ہی بہن سے نکاح ہو
 سکتا ہے۔ البتہ اَلَا مَا قَدْ سَلَفَتْ جو اس سے پہلے ہو چکا وہ جہالت
 اور نادانی کی وجہ سے تھا۔ اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ اور اگر اس حکم کے نزول
 کے وقت کسی کے نکاح میں دو سگی بہنیں موجود تھیں تو ان میں سے ایک
 کو الگ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت ضحاکؓ ابن فیروز صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کا واقعہ ہے۔ آپ دایم کے رہنے والے تھے اس لیے فیروز دایمؓ کہلاتے
 تھے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں آپ
 نے فرمایا کہ ایک کو طلاق دے دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی طرح
 خیلان بن سلمہ ثقفی کے نکاح میں دس عورتیں تھیں جنہوں نے علیہ السلام نے
 حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو باقیوں کو الگ کر دو۔

اس مقام پر یہ مسئلہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے۔ کہ جس طرح دو بہنوں
 کے ساتھ بیک وقت نکاح نہیں ہو سکتا، اسی طرح ایک عورت اور اسکی
 چھوٹی یا اس کی خالہ یا اسکی بھتیجی یا اس کی بھانجی بھی ایک وقت میں نہیں
 رکھی جا سکتیں۔ بل ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے یا طلاق واقع
 ہو جائے تو دوسری کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ اسی لیے یہ حرمت
 ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ ایک کے بعد دوسری کے ساتھ نکاح درست ہے
 فرمایا تیچھے جو کچھ ہو چکا، سو ہو چکا، اس کی باز پرس نہیں، کیونکہ

دو بہنوں
 کا اجتماع

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا خدا تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے اُس نے نادانی کی بنا پر ہونے والی خطا کو معاف فرمایا ہے۔ اب آئندہ اُسکی اجازت نہیں۔ کل کے درس میں مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ آیا تھا۔ یعنی تم پر تمہاری سوتیلی مائیں حرام ہیں وہاں پر بھی إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کے الفاظ آئے کہ جو کچھ پہلے ہو چکا، اُس سے درگزر کیا گیا ہے، اب آئندہ اس فعل کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔ مندرجہ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ اس کو سمجھایا گیا مگر وہ باز نہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تجھڑا بانڈھ کر دیا اور فرمایا کہ فلاں شخص کا سر قلم کر دو یعنی اس کو تعزیراً قتل کر دو کہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر رکھا ہے اور کہنے سے بھلی باز نہیں آتا۔ یہ شخص انسانیت کا دشمن ہے۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔

محرمات کا تذکرہ ہو چکا۔ اب اگلی آیت میں کسی دوسرے شخص کی منکوحہ عورت سے نکاح کی حرمت کا بیان آئے گا۔

والمحصنته

دریس ہفتہ نمبر ۱۰

النساء ۴

آیت ۲۴

وَالْمَحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
 كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَإِجْلًا لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ
 تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ
 فَمَا اسْتَعْتَمْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
 فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ
 مِنْ بَدْلِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ :- اور (علم قرار دی گئی ہیں تم پر) خاوند والی عورتیں عورتوں میں سے مگر وہ کہ جن کے مالک ہوں تمہارے دانہنے ہاتھ پر یہ تم پر اللہ کی طرف سے حکم ہے اور حلال قرار دی گئی ہیں تمہارے لیے ان سب عورتوں کے علاوہ یہ کہ تلاش کرو تم اپنے مالوں کے ساتھ، قید میں لانے والے ہو، نہ شہوت رانی کہنے والے پس تم نے ان میں سے جس سے فائدہ اٹھایا تو جسے دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور تم پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں کہ تم آپس میں راضی ہو جاؤ مقررہ مہر کے بعد بیشک اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے ﴿۲۴﴾

گذشتہ دروس میں تین قسم کے محرمات نکاح کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ محرمات کی پہلی قسم نسبی اعتبار سے ہے جیسے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ دوسری قسم رضاعی ہے اور اس میں وہ رشتے آتے ہیں جو دودھ میں شرکت کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ تیسری

قسم مصاہرت کی ہے یعنی وہ رشتے جو دامادی اور سسرالی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں آج کے درس میں محرمات کی چوتھی اور آخری قسم کا بیان ہے اور اس میں منکوحہ عورتیں آتی ہیں۔ ارشاد ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اور خاوند والی یعنی منکوحہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو عورت کسی شخص کے نکاح میں ہے اُس کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نکاح نہیں کر سکتا۔ نکاح ثانی کے لیے پہلے نکاح کا فسخ ہونا ضروری ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا اُس منکوحہ عورت کا خاوند خود طلاق ٹے ٹے یا وہ فوت ہو جائے تو عدت گزارنے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں جسکی رو سے کسی ایسی عورت کے نکاح کیا جاسکے جس کا نکاح پہلے کسی کے ساتھ ہو چکا ہے۔

مُحْصَنَةٌ کا ایک معنی تو خاوند والی عورت ہے۔ اور اس کا دوسرا معنی پاکدامنہ بھی ہوتا ہے۔ گویا محصنہ عفت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ نور میں موجود ہے وَالَّذِينَ فِيهِمْ حُرُوفٌ الْمُحْصَنَاتُ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ اور پھر اُس پر چار گواہ پیش نہیں کر سکتے انہیں اسنی کوڑے لگانے کا حکم ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ وہ اکبر الکبائر یعنی سات بڑے گناہوں میں سے ایک میں شامل ہوتے ہیں۔ بہر حال بیباں پر محصنہ کا معنی منکوحہ یعنی خاوند والی عورت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عورت بھی اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے حرام ہے۔ تاہم یہ قسم وقتی محرمات میں سے ہے، ابدی نہیں۔ کوئی منکوحہ عورت طلاق یا بیوگی کے بعد دوسرے شخص کے نکاح میں جا سکتی ہے اب تک جتنی عورتوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

پر عطف آ رہا ہے یعنی فلاں فلاں عورت تم پر حرام ہے۔ اب آگے استثناء کے طور پر فرمایا إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ سو اُن عورتوں کے کہ جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ پر۔ یعنی جو عورتیں لُونڈی بن کر تمہاری ملکیت میں آجائیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ وہ پہلے سے منکوحہ ہوں۔ جب کوئی عورت جنگی قیدی بن کر لُونڈی میں تبدیل ہو جائے تو اُس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ مسلمان مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ جنگی قیدیوں کی مختلف صورتیں قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں۔ فریقین جنگ کی رضامندی سے یا تو قیدیوں کا آپس میں تبادلہ کر لیا جاتا ہے۔ یا کسی مصلحت کے تحت فیسے ہی انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے یا فدیہ وصول کر کے آزاد کر دیا جاتا ہے یا قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی صورت بھی مناسب نہ سمجھی جاتی تو پھر انہیں گذشتہ زمانے میں غلام اور لُونڈی بنا لیا جاتا۔ اس آخری صورت پر بھی عمل در آمد حکومت ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیدیوں کو غلام اور لُونڈی میں تبدیل کرے اور پھر انہیں مسلمانوں میں تقسیم بھی کرے۔ یہ کسی فرد واحد کے اختیار میں نہیں ہے کہ از خود کسی کو لُونڈی یا غلام بنائے بلکہ جس عورت کو حاکم وقت لُونڈی بنائے گا وہی لُونڈی سمجھی جائیگی اور جس آدمی کے سپرد کر دیا وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا مجاز ہوگا۔

غلام اور لُونڈی بنانے کا ذکر بیشک قرآن پاک میں موجود ہے مگر اس کی حیثیت محض اباحت کی ہے، یہ نہ فرض ہے، نہ واجب اور نہ سنت بلکہ جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک کا ایک ذریعہ ہے جس پر پُرانے زمانہ میں ساری دنیا میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اسلام نے بھی اسے کسی حد تک قبول کیا، مگر اس نظام کی برائی قرآن میں جگہ جگہ مذکور ہے، اسی لیے قرآن پاک نے غلاموں کی آزادی کی بار بار ترغیب دی ہے۔ اور بعض جنایات میں غلام کی آزادی

بطور تعزیر نافذ کی ہے۔

لوٹدی سے فائدہ اٹھانے سے پہلے عدت گزارنا بھی ضروری ہے۔ اسے
عدت استبراء کہتے ہیں اور یہ ایک حیض پر مشتمل ہے۔ اگر کوئی منکوحہ عورت قیدی
ہو کر لوٹدی بن جائے تو لازم ہے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ مباشرت سے پہلے
کم از کم ایک حیض کا توقف کرے۔ اس کے بعد اس کا مالک اس سے فائدہ
حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ اس میں نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عورت کا ملکیت میں
آجانا ہی نکاح کا ہی نام مقام ہوتا ہے اگر ملکیت میں آنے کے وقت لوٹدی حاملہ
ہو تو پھر اسے وضع حمل تک عدت پوری کرنا ہوگی، اس کے بعد وہ صنفی تعلقات
قائم کر سکتی ہے۔ اس معاملہ میں مسلمانوں نے حرج محسوس کیا کہ جن عورتوں کے پہلے
خاندان موجود ہیں وہ کیسے مباح ہو سکتی ہیں تو اللہ نے فرمایا **اَلْمَمْلُکَاتُ اَیَّ حَیْضٍ کَمِ**
تمہاری ملکیت میں آنے کے بعد ان کے سابقہ نکاح ختم ہو چکے ہیں۔ اب اللہ نے
انہیں تمہارے لیے مباح کر دیا ہے۔ البتہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ مشرکہ لوٹدی
کے ساتھ صنفی تعلقات قائم نہیں کرتے چاہئیں۔ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں یا پھر
کتابی ہوں تو ان کے ساتھ یہ تعلق قائم کیا جائے۔

زمانہ قدیم میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں موجود تھا جو اب ختم ہو چکا ہے۔ ایک
زمانے سے مسلمانوں میں بھی اس خطا پیدا ہو گیا ہے۔ دوسری اقوام عالم نے بھی غلامی
کی لعنت کو ترک کر دیا ہے۔ اب اسلام میں بھی اس کا کوئی نشان باقی نہیں۔ نزول
قرآن کے زمانے میں غلاموں اور لوٹدیوں کے ساتھ بہت بڑا سلوک کیا جاتا تھا۔
حضور علیہ السلام نے ان کے حقوق بیان فرما کر ان کو رعایتیں دیں۔ البتہ اس رواج
کو یکھم ختم نہ کیا کیونکہ یہ ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ اب بھی اصول یہی ہے کہ اگر ساری
دنیا اس رواج کو برداشت کرتی ہے تو اسلام بھی کرے گا اور اگر دنیا اس کو ترک کر دے
تو اسلام پر کوئی حروف نہیں آتا۔ خود قرآن پاک اشارہ کرتا ہے کہ غلامی ایک غیر فطری
چیز ہے جو انسانوں پر سزا کے طور پر مسلط ہوتی ہے۔ یہ اچھی چیز نہیں ہے تو بہر حال

غلامی کا
بین الاقوامی
رد راج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عورتیں تم پر حلال ہیں کَتَبَ اللہُ عَلَیْکُمْ حَیَہِ اللہِ
کا نوشتہ اور قانون ہے جو اُس نے تم پر مقرر کیا ہے لہذا اس کے مطابق
عمل کرو۔

حجرت نکاح کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا وَاحِلٌ
لَکُمْ مِمَّا وَرَاکُمْ ذَٰلِکُمْ ان کے علاوہ باقی تمام عورتیں تم پر
حلال ہیں یعنی چار قسم کی محرمات کو چھوڑ کر تم باقی خورتوں سے نکاح کر سکتے ہو
تاہم اس کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں۔ اُن میں سے پہلی شرط یہ ہے اَنْ
تَبْتَغُوْا کہ تم تلاش کرو۔ یہ مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنے لیے عورت
تلاش کرے، طلب یا PROPOSE کرے۔ اور دوسری شرط یہ ہے
بِاَمْوَالِکُمْ ہر اپنے مالوں کے ساتھ طلب کرو یعنی اس کے لیے مال بھی خرچ
کرنا پڑے گا، عورت کو مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

شرائط

امام ابو حنیفہؒ اسی لفظ مال سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ مہر میں مال کا
ہونا لازم ہے یا مہر میں ایسی چیز مقرر کی جائے جو مال کا معاوضہ بن سکتی ہے
حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول روایت مسک حنفی کی دلیل ہے، کہ
لا مہر اقل من عتشی وراہم دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔
مال کی کم از کم مقدار دس درہم ہو تو وہ مال کی تعریف میں آتا ہے اسی لیے ہاتھ
کاٹنے کی سزا کے لیے کم از کم دس درہم چوری ضروری ہے ورنہ قطع ید نہیں
ہوگا۔ حدیث میں تین درہم اور پانچ درہم کا جو ذکر آتا ہے وہ تعزیری ہے
مگر قطع ید کی حد جاری کرنے کے لیے دس درہم کے برابر ہونا چاہیے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ چونکہ نکاح کے لیے ہر ضروری
ہے اس لیے اگر کوئی شخص مہر کی ادائیگی سے انکار کرے تو اہم مالک
کے نزدیک ایسا نکاح ہی نہیں ہوتا۔ البتہ اہم عظیم کے نزدیک نکاح تو ہو جائیگا
البتہ مہر کی عدم ادائیگی کی شرط باطل سمجھی جائیگی اور مہر مثلی دینا پڑے گا۔ مہر مثلی

کی مقدار وہ تصور ہوتی ہے جو اس کے خاندان کی اکثر عورتوں مثلاً چھوٹے بھتیوں یا بہنوں وغیرہ کا مقرر ہونا ہے۔ اسی طرح وٹے کے نکاح کے متعلق بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح تو ہو جائیگا مگر وٹے کی شرط باطل ہوگی۔ بہر حال نکاح کے لیے مال خرچ کرنا نکاح کی دوسری شرط ہے۔

نکاح کی تیسری شرط کے متعلق فرمایا مُحْضَبِينَ عَدِيمٍ مُّسَلِّفِيْنَ عورتوں کو عقد نکاح میں لانا مقصود ہو، محض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو۔

احصان کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو قید نکاح میں لاکر بیچائی سے بچایا جائے تاکہ صنفی تقاضے صحیح طور پر پورے ہو سکیں۔ نکاح کی چوتھی شرط آگے آرہی ہے وَلَا مُتَّخِذِيْ اٰخِذًا یہ الفاظ سورۃ ماڈہ میں بھی آئیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد و زن کا ایجاب و قبول کھٹے علی الاعلان ہو، نہ کہ چوری چھپے، اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بغیر گواہوں کے نکاح درست نہیں۔ نکاح عورت اور مرد کے درمیان ایک نہایت اہم نوعیت کا معاہدہ (AGREEMENT) ہوتا ہے، جسے عام مجلس میں گواہوں کے رو بروٹے پانا چاہیے۔ گویا عورت کے حلال ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ چار شرائط مقرر فرمائی ہیں۔

ادائیگی اور

مہر کی اہمیت اور اس کی ادائیگی کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقد نکاح کے بعد فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهَا یا مِنْهَا پس جو تم نے ان عورتوں سے فائدہ اٹھالیا فَاتُؤْتُوهُنَّ

اُجْرَتَهُنَّ پس ان کا مقرر کیا ہوا مہر ان کو دے دو میاں بیوی کے درمیان خلوت صحیح ہونے یا ہم بستری ہونے کے بعد مہر تولد ہو جاتا ہے اور پورا مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، کوئی شخص بغیر مہر ادا کیے فوت ہو گیا، تو مہر کی ادائیگی بطور واجب الادا قرضہ متوفی کے ترکہ سے کیا جائیگا، ہاں! اگر نکاح کے بعد خلوت صحیح نہیں ہوئی اور عورت کو طلاق دیدی تو اس صورت میں نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔

یہ بابت قابل ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے اسی لفظ فَمَا سَمَّيْتُمْ سے متنہ کا جواز نکالا ہے حالانکہ متنہ ہماری شریعت میں مہرگز جائز نہیں۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے اس کو روا رکھا گیا تھا، پھر جب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا اور وہ مجبوریاں رفع ہو گئیں تو متنہ یعنی قتی نکاح کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدیا گیا۔ ظاہر ہے کہ کسی خاص مدت کے لیے نکاح کرنے سے نہ تو حقوق کا حقد ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی اولاد صحیح ثابت ہوتی ہے۔ زوجین کے دیگر حقوق کا بھی تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دو چار ماہ یا جو بھی مدت مقرر ہوئی، اس کے ختم ہونے پر نکاح خود بخود ختم ہو گیا، لہذا اس قسم کا نکاح جائز نہیں ہے مسلم شریف اور احادیث کی دیگر کتب میں خود حضرت علیؑ سے حدیث منقول ہے جس کی رو سے متنہ کو ابدی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہذا عورتوں سے استفادہ حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو باقاعدہ عقد نکاح ہو یا پھر لونڈی ہو۔ اس کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا کرے گا تو وہ باطل ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی ترمذی شریف میں منقول ہے کہ پہلے وہ متنہ کے قائل تھے مگر بعد میں انہوں نے رجوع کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی یہی قول ہے کہ نکاح اور لونڈی کے علاوہ كُلِّ فَرْجٍ سِوَاهُ مَا حَرَّمَ ہر ذریعہ شہوت رانی حرام ہے۔

مقررہ مہر کی ادائیگی کو لازم قرار دینے کے بعد فرمایا کہ صرف ایک صورت میں مہر کی کلی یا جزوی ادائیگی سے بچت ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَضَيْتُمْ بِهِ مِنَ الْفُرْصَاتِ تم میاں بیوی آپس میں راضی ہو جاؤ مہر مقرر ہونے کے بعد آپس کی رضامندی سے اگر عورت مہر کلی یا جزوی طور پر معاف کر دیتی ہے۔ تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس کے مطابق عمل کر سکتے ہو۔ پھر پورا مہر ادا کرنا لازم نہیں رہیگا۔ اسی

مہر میں
کمی بیشی

طرح اگر مرد در ضامنہ سے مقررہ مہر سے زیادہ ادا کرنے تو بھی اس میں کوئی
 عرج نہیں۔ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ نکاح کے وقت مالی حالت اچھی
 نہ تھی، بعد میں بہتر ہو گئی۔ اب اگر خاوند مقرر مہر سے زیادہ ادا کرنا چاہے تو اسے
 اجازت ہے۔ اور اگر نکاح کے وقت مہر بالکل مقرر ہی نہ کیا گیا ہو تو مہر کی
 ادائیگی پھر بھی لازم ہے اور اسکی مقدار وہ ہوگی جو میاں بیوی بعد میں طے کر لیں۔
 جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بعض صورتوں میں مہر مثلی بھی ادا کرنا پڑتا ہے
 بہر حال فرمایا کہ جس عورت سے فائدہ اٹھایا ہے اس کا مقررہ مہر ادا کرنا
 ضروری ہے۔ اللہ نے جو بھی احکام نازل فرمائے ہیں ان میں ہر لحاظ سے
 بہتری ہے اور جن عورتوں سے نکاح حرام ٹھہرایا ہے اس میں بھی مصلحت
 ہے۔ جائز نکاح کے ساتھ جو شرائط اور پابندیاں عاید کی ہیں ان میں بھی حکمت
 پوشیدہ ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین پر
 صدق دل سے یقین رکھے اور ان پر عمل پیرا رہے۔ کیوں؟ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلِيمًا حَكِيمًا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز حقیقہ سے ہر ضعف، کمزوری
 حاجت اور پریشانی کو جانتا ہے اور اس کی ہر بات اور ہر حکم حکمت پر
 مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت پوشیدہ ہے۔ لہذا انسان
 کے لیے لازم ہے کہ اسکی تعمیل کرے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ
 الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
 مِّنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ
 بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ
 وَأُوهُنَّ أَوْ جُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ
 مُسَفَّحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّ
 أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ
 مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَدَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ
 تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۵)

ترجمہ :- اور جو شخص تم میں سے طاقت نہیں رکھتا کہ وہ نکاح کرے مومن آزاد عورتوں کے ساتھ، پس اُن سے نکاح کر لے جن کے تہلے رہنے ہاتھ مالک ہیں تمہاری نوجوان مومنہ لوزنیوں میں سے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمانوں کو۔ بعض تم میں سے بعض ہیں۔ پس اُن سے نکاح کرو اُن کے مالکوں کی اجازت سے اور اُن کو مہر ادا کرو دستور کے مطابق۔ وہ قید نکاح میں آئزالی ہوں، نہ محض شہوت رانی کرنیوالی اور نہ پورے طور پر دوستی اختیار کرنیوالی پس جب وہ قید نکاح میں لائی جائیں اگر وہ کوئی بے حیائی کا کام کریں، پس اُن پر نصف ہے وہ سزا جو آزاد

عورتوں پر ہے۔ یہ (لوڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت) اُس شخص کے لیے ہے جو تم میں سے مشقت میں پڑنے سے ڈرتا ہے اور یہ کہ تم صبر کرو، تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا

مہربان ہے (۲۵)

لوڈیوں کے
ساتھ نکاح

محرمات نکاح کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باقی سب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ پھر مہر کی ادائیگی کی بھی تاکید فرمائی۔ اب آج کی آیت میں لوڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا بیان ہے اور یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔ کہ لوڈیوں اور آزاد عورتوں کے احکام مختلف ہیں۔ اگر کوئی لوڈی بے حیائی کا ارتکاب کرے تو وہ آزاد عورت کی نسبت نصف سزا کی مستحق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اور جو شخص تم میں سے طاقت نہیں رکھتا۔ طَوْلاً کا معنی طاقت، قدرت مقدرت وغیرہ ہے، أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ یہ کہ نکاح کرے پاکدامن مؤمن عورتوں سے۔ یعنی اگر کوئی شخص مالی لحاظ سے اتنا کمزور ہے کہ وہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسی عورتوں کے حقوق زیادہ ہوتے ہیں۔ انہیں مہر بھی زیادہ ادا کرنا پڑتا ہے اور ان کے نان نفقہ کے اخراجات بھی زیادہ ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مَنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ اپنی مومنہ نوجوان لوڈیوں کے ساتھ نکاح کر لو۔ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کا لغوی معنی دہنے ہاتھ کی ملکیت ہے، مگر مراد لوڈیاں ہیں۔ لوڈی سے نکاح کرنے کی صورت یہ ہے کہ اُس لوڈی کا مالک اُسے دو سے شخص سے نکاح کرینی اجازت دے۔ ایسا کرنے سے لوڈی بیوی تو دو سے شخص کی بن جاتی ہے مگر ملکیت مالک ہی کی ہوتی ہے، مالک اس سے حسبِ نسا، خدمت تو لے سکتا ہے مگر نکاح کر لینے کے بعد اُس سے مجامعت نہیں کر سکتا۔ تو فرمایا کہ اگر آزاد عورت کو نکاح میں لانے کی استطاعت

نہ ہو تو پھر اگر لوٹدی مل جائے تو اُس کے ساتھ ہی نکاح کر لو۔

آزاد عورت جب کسی شخص کے نکاح میں چلی جاتی ہے۔ تو پھر اُس کے حقوق و فرائض خاوند کے ساتھ و البتہ ہو جاتے ہیں اور میکے کے ساتھ اُس کا تعلق محض باہمی رضامندی تک ہی محدود ہوتا ہے۔ جب کہ لوٹدی اگر نکاح میں بھی مے ذی جائے تو مالک کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اُس سے خدمت لے سکے اور اُسے اپنے گھر میں رکھے۔ ایسی حالت میں لوٹدی کا نان نفقہ بھی مالک کے ذمہ ہوگا اور اگر وہ لوٹدی اس کے شوہر کو سونپ مے تو پھر اس کے اخراجات بھی خاوند کے ذمہ ہوں گے، البتہ آزاد عورت اپنے خاوند کے گھر میں رہنے کی پابند ہوتی ہے۔ اور اُس کے اخراجات کی ذمہ داری بھی خاوند پر ہی ہوتی ہے۔ عام طور پر لوٹدیلوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں تسلیم کیے جاتے۔ اُن کے حقوق بھی کم ہوتے ہیں مگر بھی نسبتاً کم مقرر ہوتا ہے۔ اور نان و نفقہ کے اخراجات بھی کم ہوتے ہیں، مگر بھی معمولی ہوتے ہیں، لہذا لوٹدی کے ساتھ نکاح کرنے میں یہ سہولت ہے۔ پر خلاف اس کے لوٹدی سے نکاح کرنے میں یہ قباحت

بھی ہے۔ کہ وہ اپنے اصل مالک کی ملکیت میں رہے گی اور اس سے پیدا ہونے والے اولاد بھی غلام اور لوٹدیاں تصور ہوں گے۔ خاوند لوٹدی کے مالک کی مرضی کے خلاف اس سے خدمت نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ مالک کی خدمت کرنے کی پابند ہے۔ پھر یہ بھی ہے۔ کہ لوٹدی پر مے کی پابند نہیں۔ اگر اس کا مالک اُسے سودا لینے کے لیے بازار بھیجے تو وہ بے پردہ کھلے سر جائی جو کہ ایک غیرت مند خاوند کے لیے روح فرسا معاملہ ہوگا۔ آزاد عورت کے حق میں بہ ہنہ سر ہونا موت کے مترادف ہے، حتیٰ کہ آزاد عورت ننگے سر تنائی میں بھی نماز ادا نہیں کر سکتی وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ جسم کا تمام حصہ ڈھانپنے کی پابند ہے مگر لوٹدی پر یہ پابندی عاید نہیں

لوٹدی اور
آزاد عورت
میں تقابل

اسی لیے فرمایا کہ لوڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور ساتھ ہی حکم دیا وَأَنْتُمْ أَجْمَعُونَ ان کے ہر بھی ان کو ادا کرو۔ بِالْمَعْرُوفِ دستور کے مطابق۔ یعنی جو ہر مقرر ہوا ہے اُسے جیلے ہانے سے لے کر کی کوشش نہ کرو، بلکہ دے دو۔ البتہ اُس ہر کا مالک لوڈی کا مالک ہوگا، کیونکہ لوڈی خود کسی چیز کی مالک نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ ہر کا ادا کرنا ضروری ہے۔

آگے فرمایا کہ جن لوڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا چاہا ہو ان میں بِشْرَاطِ ہونی چاہئیں کہ وہ مُحَصَّنَاتٌ قید نکاح میں آنے والی ہوں غیر مُسْفَحَاتٌ محض شہوت رانی کے لیے نہیں بلکہ عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر نکاح پر آمادہ ہوں وَلَا مُسْتَحْدَاتٌ اور نہ وہ پوشیدہ طور پر دعویٰ کی خواہشمند ہوں۔ بِطَلَبِ یہ ہے کہ نکاح کا انعقاد علی الاعلان ہو۔ اور اس امر کا چرچا ہو جانا چاہیے کہ فلاں لوڈی فلاں شخص کے نکاح میں آگئی ہے۔ اور عقدہ نکلنے کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی عنصر پوشیدہ نہ رہے کیونکہ ایسا کام چوری چھپے کرنا بد اخلاقی تصور ہوگا۔

فرمایا فَإِذَا أَحْصَيْتُمْ پس جب وہ قید نکاح میں لائی جائیں یعنی جب کوئی لوڈی کسی شخص کی بیوی بن جائے اور اُس کے تمام متعلقہ حقوق ثابت ہو جائیں۔ اس کے بعد فَإِنْ اسْتَبَانَ بِفَاحِشَةٍ وہ بے حیائی کا ارتکاب کرے فَعَلَيْهَا نِصْفٌ نِصْفٌ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنْ الْعَدَاتِ تو پھر ان پر آزاد عورتوں کی نسبت، آدھی سزا ہوگی۔ جس طرح غلام اور لوڈی کے حقوق آزاد کی نسبت کم ہیں، اسی طرح کسی گناہ کے ارتکاب پر ان کی سزا بھی نصف ہے۔ بدکاری کی صورت میں غلام یا لوڈی کو رجم کی سزا تو دی نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا نصف ممکن نہیں۔ البتہ غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کی بجائے پچاس کوڑے سزا ہوگی اور ایک سال کی جلاوطنی کی جگہ صرف پچھ ماہ کی شہر بدری کافی ہوگی۔ ثُمَّ شریف

بے حیائی
کی سزا

کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کسی کی لونڈی برائی کا ارتکاب کر نیٹھے تو اس پر حد جاری نہ ہو اور اس کو ملامت نہ کرو۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھ ماہ کی جلاوطنی حد کا جزو نہیں جبکہ امام شافعیؒ اسے حد ہی کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ اور کڑیوں کی سزا کے ساتھ جلاوطنی بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حد جاری کرنے کے لیے لونڈی کا موٹہ ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ فَلَيْسَ لِمُحْصَنِينَ جَنِّ نَعْمَ اللّٰهُ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہو سکتا۔ بہر حال سزائے کے راستے میں اس قدر پابندیاں ہیں۔ اور جب یہ تمام شرائط پوری ہو جائیں تو پھر غلام اور لونڈی کے لیے آزاد کی نسبت آدھی سزا ہے۔

فرمایا لونڈی کے ساتھ نکاح کی اجازت صرف اس شخص کے لیے ہے ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ جو تم میں سے مشقت میں پڑنے سے ڈرتا ہے۔ مقصد یہ کہ جو شخص مجبور ہو گیا۔ مالی حالت آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دیتی اور نفسانی خواہش برائی پر آمادہ کرتی ہے۔ اُسے خوف ہے کہ کہیں گناہ میں ملوث نہ ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں لونڈی کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے فَرَمَا وَانْ تَصَبَّحُوا اگر تم سخت ضرورت کے باوجود صبر کرنا چاہو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں کسی طرح کی پریشانیاں بھی لاحق ہونگی لہذا صبر بہتر ہے وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ اور انسان اس پر اصرار نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔

مختصر
اجازت

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ
وَيُرِيدَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا
عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ
الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کرے
اور تمہاری ان لوگوں کے راستوں کی طرف راہنمائی کرے جو تم سے
پہلے گزرے ہیں اور تم پر (مہربانی سے) رجوع فرمائے اور اللہ
جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۲۶﴾ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ
وہ تم پر رجوع فرمائے۔ اور وہ لوگ چاہتے ہیں جو خواہشات کے
پیچھے لگتے ہیں کہ تم پھر جاؤ، پھر جانا بہت بڑا ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے
کہ تم سے تخفیف کر دے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿۲۸﴾

گزشتہ دروس میں محرمات نکاح کا ذکر ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کے
ساتھ نکاح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس کی حکمت بھی بیان فرمادی۔ اس
کے بعد اللہ نے مخلوق پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا، اور حلال و حرام سے متعلقہ احکام
کی حکمت بیان فرمائی ہے۔

ربطیات

ارشاد ہوتا ہے يُرِيدُ اللَّهُ اللّٰهُ التّٰلّٰی چاہتا ہے لِيُبَيِّنَ لَكُمْ مَا كَرِهَ

کر دے تمہارے لیے وہ چیزیں جو تمہارے لیے حلال ہیں اور جو حرام ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں وہ باتیں بھی بتانا چاہتا ہے جو تمہارے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور جن میں تمہارا فائدہ ہے۔ اور وہ باتیں بھی جن سے بچنا بھی تمہارے لیے ضروری ہے یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اور اس کی مہربانی ہے۔ کہ وہ تمہارے فائدے کی باتیں بیان کرتا ہے تاکہ ہم انہیں اختیار کر لیں اور نقصان دہ امور سے بچ جائیں۔

مفسر قرآن امام ابو بکر جصاص فرماتے کہ بیانِ دو قسم کا ہوتا ہے۔ بیان کی پہلی قسم نص ہے اور اس سے مراد وہ احکام و فرامین ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بالکل صراحت کے ساتھ بیان کر دیے ہیں ان میں حلال و حرام بالکل واضح الفاظ میں بتلا دیے ہیں۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے صریح الفاظ میں وضاحت فرمادی گئی ہے، یہ بھی نص ہے۔

بیان کی دوسری قسم وہ ہے جو دلالت کے ساتھ اخذ ہو۔ یہ احکام صراحتاً تو بیان نہیں کیے گئے مگر ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے اہل علم و فہم مجتہدین اور علماء غور و فکر کر کے ایسے احکام کو اخذ کرتے ہیں۔ امام جصاص فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں جو چھوٹا بڑا حادثہ ہوتا ہے یا کوئی نئی چیز پیدا ہوتی ہے اس میں اللہ کا حکم ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ حکم صراحتاً ہو گا یا دلالتاً۔ ایسے حکم کو معلوم کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" اگر تم کسی بات کو نہیں سمجھ پائے تو اسے اُسکے جاننے والوں یا دیکھنے والوں سے دریافت کر لو۔ وہ تم کو بتائیں گے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے۔ بیان کی دوسری قسم یہی ہے۔

فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہر چیز کو بیان کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ "وَيَهْدِيَكُمْ سَبِيلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ تَمَّارِي رَاهِغَانِي كَرْنَا" چاہتا ہے۔ ان لوگوں کے راستوں کی طرف جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ ان

پہلے لوگوں سے مراد اللہ کے وہ نبی ہیں اور وہ نیک لوگ ہیں جو تم سے پہلے
 گزر چکے ہیں۔ مقصد یہ ہے ہم بھی ان صاحبین کے نقش قدم پر چل کر منزل مقصود
 کو پالیں۔ انبیاء میں سے حضرات ابراہیم علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، ہود علیہ السلام
 نوح علیہ السلام وغیرہم کے راستے مقصود ہیں جن کو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ اس
 کے علاوہ صاحبین مقررین اور کامل الایمان لوگوں کے راستے بھی بتلانے
 مردوں کا ذکر بھی کیا اور عورتوں کا بھی۔ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے صاحبین
 کا تذکرہ بھی فرمایا جو دنیا میں صاحب اقتدار بھی تھے۔ ذوالقرنین ایک بڑا
 بادشاہ تھا۔ زمین کا بیشتر حصہ اُس کے زیرِ نگیں تھا، مگر وہ ایماندار اور عادل بادشاہ
 تھا، ہمارے لیے اُس کا راستہ بھی قابل اتباع ہے۔ پھر لقمان جیسے عقلمند اور حکیم
 کا تذکرہ فرمایا تاکہ دنیا کے اہل دانش اور سمجھدار لوگ اُن کی پیروی کر سکیں۔ مطالعہ
 سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس اعلیٰ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بطور نمونہ ذکر کیا ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صاحبین کے ساتھ ساتھ سرکش، نافرمان، ظالم، مشرک،
 کافر، متکبر لوگوں کا تذکرہ بھی فرمایا تاکہ ایسے لوگوں کے غلط طریقے سے بچا جا
 سکے۔ وہ ایسے لوگ تھے الَّذِينَ طَفَقُوا فِي السَّلٰوٰتِ جَنٰوٰتِ
 زمین کو شر و فساد سے بھر دیا۔ اُن کا حال بیان کر کے اللہ نے ہمیں تعلیم دی
 کہ ایسے نافرمان اور باغی لوگوں کا راستہ اختیار نہیں کرنا۔

یہاں اصول فقہ کا یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ
 انبیاء کے کلام کا تذکرہ قرآن پاک میں کیا ہے اور پھر اگر اُن سے منسوب
 احکام کی تردید نہیں فرمائی تو ایسے احکام امتِ آخر الزمان کے لیے بھی
 دستور العمل ہوں گے۔ گویا ایسے حکم کو اللہ نے ہمارے لیے بھی مقرر فرمایا
 دیا ہے اور وہ ہمارے واسطے قابل عمل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
 فرماتے ہیں۔ کہ سابقہ ادوار میں نکاح کی چار صورتیں رائج تھیں حضور علیہ السلام

انبیاء سابقین
 سے مطابقت

نے ان چار میں سے موجودہ صورت کو برقرار رکھا اور باقی تین کو منسوخ فرمادیا
لہذا اب یہی صورت ہمارے لیے قابل عمل ہے۔ حدیث شریف میں آیا
ہے کہ مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ بیع سلم کیا کرتے تھے یعنی رقم پیشگی ادا کر دیتے
تھے اور جنس اس کے بچنے پر وصول کرتے تھے اس میں کچھ باطل
شرطیں بھی موجود تھیں جنہیں اللہ کے نبی نے منسوخ کر دیا اور جائزہ طریقہ کو جاری
رکھا۔ اسی طرح اگر سابقہ کتب آسمانی تورات یا انجیل وغیرہ میں کوئی ایسے
احکام موجود ہوں جن کی تردید نہیں کی گئی تو وہ بھی ہمارے لیے قابل قبول
ہوں گے۔

رجوع
من اللہ

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سابقہ لوگوں کے راستوں کی نشاندہی
فرماتا ہے اور اس کے ساتھ **وَيَتُوبُ عَلَيْكُمْ** تمہاری طرف
رجوع فرماتا ہے۔ توبہ کا معنی رجوع ہے جیسا کہ کسی گذشتہ درس میں بیان ہو
چکا ہے۔ بندے کا رجوع یہ ہے کہ وہ معاصی کو ترک کرے کہ اللہ تعالیٰ
سے معافی طلب کرے۔ اور اگر یہ رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو
وہ تواب ہے، وہ اپنے بندے پر مہربانی اور شفقت کے ساتھ رجوع
کرتا ہے جب بندہ اس سے معافی مانگتا ہے، تو وہ اس کو قبول کرتا
ہے۔ اسی کو فرمایا **وَيَتُوبُ عَلَيْكُمْ** وہ تمہاری طرف مہربانی اور
شفقت سے رجوع کرتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے **فَأَوْلِيكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ**
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایسا مہربان ہوتا ہے کہ معافی مانگنے والوں کو معاف
کرنے کے علاوہ **يَبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ بِحَسَنَاتٍ** ان کی
برائیاں نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ بندے کی توبہ جس قدر علم و حسن نیت
کے ساتھ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا صلہ بھی اسی قدر بہتر عطا کرتا ہے
بندے کے نام نہ اعمال سے غلطیاں کو تائبیاں وغیرہ دور کر کے ان کی جگہ

نیکیاں لکھ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رجوع فرماتا ہے معاف کرنے اور بخشش کرنے کے ساتھ۔

فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اُس نے حلال حرام نکاح، طلاق، وغیرہ کے متعلق جو بھی احکام دیے ہیں، اُن میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور اُس کے تمام اوامر و نواہی ہماری ہی بہتری کے لیے ہیں۔ جن عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے اُس میں لازماً ہماری مصلحت اور انسانیت کا بھلا ہے۔ انسان کا علم ناقص اور محدود ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی علیم یعنی ہر چیز کو جاننے والی ہے۔ اور وہ حکیم ہے کہ اُس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ تاکید کے طور پر فرمایا وَاللّٰهُ يَسِيْدُ الْاَسْتِغْوَابِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور اپنی بخشش اور مہربانی سے تم پر رجوع کرنا چاہتا ہے۔ برخلاف اس کے وَيَسِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهْوَاتِ وہ لوگ جو خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں اَنْ تَكْفُرُوْا بِمَا عَظِيْمًا کہ تم کو راہِ راست سے ہٹا کر پھر گمراہی کی طرف پھیر دیں۔

خواہشات
پرست لوگ

اس ضمن میں مجوسیوں کا حال دیکھ لیں کہ وہ اپنی غلیظ خواہشات کے پیش نظر اپنی حقیقی مال اور بہن سے بھی نکاح کے لیے تیار ہو جاتے ہیں یہ کس قدر بیجانی کی بات اور شہوت پرستی ہے۔ اس سلسلہ میں یہودیوں کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ وہ بھی باطل پرست لوگ ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُن کے ہاں پھوپھی اور ماموں کی بیٹی سے نکاح تو جائز ہے مگر کھتیجی اور بھانجی سے کیوں جائز نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں میں شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہنود کا مذہب بھی

باطل ہے۔ اُن کے ہاں چچا کی بیٹی سے نکاح درست نہیں اور نہ وہ ماموں کی بیٹی سے نکاح کرتے ہیں حالانکہ اسلام نے چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کی بیٹی سے نکاح کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں اجنبیت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کے علاوہ بھانجی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے کیونکہ اس میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔

۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے۔ کہ سیالکوٹ کے ایک وکیل کا گھر بجا ایٹ

بیا گوری شہزادہ اپنی پھوپھی یا ماموں کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ مگر مذہب ان مذہب اسکی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لڑکی بھی رضا مند تھی مگر باطل مذہب ان کے راستے میں رکاوٹ تھا۔ معاملے نے بڑا طول بچھا، آخر لڑکی کی شادی کسی دوسری جگہ کر دی گئی وہ بیماری کی حالت میں گھل گھل کر مر گئی۔ اُدھر لڑکے پر بھی دلوانچ کے دورے پڑنے لگے۔ اُس پر مجنوں جیسی کیفیت طاری ہو گئی۔ تاہم الحمد للہ اُسے ایمان کی دولت نصیب ہو گئی، محمد غوری نام رکھا تقسیم ہند کے وقت ہندو خاندان تو ترک وطن کر گیا مگر وہ لڑکا پاکستان میں ہی حرک گیا، ابھی دس بارہ سال پہلے فوت ہوا ہے۔ اُس کے اسلام لانیچی وہ یہ بتی کہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس مذہب میں اس قسم کے غلط احکام ہوں۔ وہ مذہب صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہذا اُس نے ہندو ازم کو ترک کر دیا۔

پرانے زمانے میں ایران کے سہنے والے سزدک اور مانی لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ عورت ایک مشترکہ متاع ہے لہذا ہر عورت کو ہر شخص استعمال کر سکتا ہے، اس میں نکاح کی حدود و قیود کی ضرورت نہیں۔ ان میں مال بس بیٹی وغیرہ کا بھی کوئی امتیاز نہیں، عورت عورت عورت ہے اور ہر آدمی کی شہوت رانی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ دورِ جبر میں اشتراکیت بھی اپنی راستوں پر چل رہی ہے۔ اشتراکیت کے غلط نظریات سے متاثرہ لوگ بھی عورت کے متعلق اسی قسم کے خیالات اپنانے لگے ہیں۔ باڈرن قسم کے لوگ

بھی عورت کو مشترکہ کھاتے میں رکھنے کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ نکاح کی بندشوں کو توڑ دیا جائے۔

یورپ اور فرانس میں گذشتہ تیس چالیس سال سے اویسب اسی قسم کا پریگنڈا کر رہے ہیں جس سے نکاح کا بندھن ختم ہو جائے اور حلال و حرام کی تمیز اٹھ جائے تاکہ کوئی کسی کو حلالی یا حرامی کہنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ اس قسم کا پریگنڈا فرانس کی ادبی کتابوں میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی توجہ اسی بے حیائی، عیاشی اور فحاشی کی طرف دلانا چاہتا ہے۔ کہ دیکھو! اس قسم کے خواہشات کے پرستار لوگ تمہیں تمہارے راستے سے پھیر دینا چاہتے ہیں تم ان کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ اللہ احکم الحاکمین کی طرف آؤ جو تم پر اپنی بخشش اور مہربانی سے رجوع کرنا چاہتا ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں نے بعض رسومات باطلہ یہاں کے قدیم ہندوؤں سے اخذ کی ہیں۔ ہندو کسی شخص کے مرنے کے بعد اس کی لاش کو جلادیتے ہیں۔ پھر تیسرے دن بقیہ ہڈیوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور ان پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے قبروں پر پھول اور چادریں چڑھانا شروع کر دیں اور اسے بڑائی کا کام سمجھنے لگے۔ حالانکہ اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ مٹی کے ڈھیر پر پھول ڈالنے اور چادر چڑھانے کا کیا فائدہ۔ اگر ایصالِ ثواب ہی مقصود ہے تو یہ پیسے کسی محتاج کو دے دو اس کے کام بھی آئیں گے اور مرنے والے کا بھی فائدہ ہوگا۔ الغرض! اس قسم کی رسومات باطلہ مسلمانوں میں کچھ یہود کے راستے سے آئی ہیں اور کچھ یہود کے راستے سے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر باطل راستوں پر ڈال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذموم ارادے کی نشاندہی فرما کر اہل اسلام کو آگاہ کر دیا ہے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں یا خواہشات

پرستوں کے پیچھے۔

جہنم اور
جنت کی بارگاہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ لوگوں کی خواہشات کی طرف بڑی رغبت ہوتی ہے اور فرمایا حَقَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ جہنم کی بارگاہ خواہشات ہی سے لگائی ہے۔ نفسانی خواہشات سے مراد آجکل کی آزادی، فحاشی، عریانی، زنا، جوا، شراب نوشی، بد معاشی، راگ رنگ اور ناچ گانے ہیں۔ ہر ناقص الایمان آدمی کی خواہش انہی چیزوں میں جا کر اٹکتی ہے۔ لوگ بڑی رغبت کے ساتھ اس طرف جاتے ہیں مگر جب خواہشات کی اس بارگاہ کو عبور کرتے ہیں تو آگے جہنم سے جس میں جا گرتے ہیں۔ اسی لیے حضور نے فرمایا کہ خواہشات جہنم کی بارگاہ ہیں۔ دوسری طرف جنت کی بارگاہ عبادت، تقویٰ، نیکی، ایمان، تزکیہ، قوانین کی پابندی، حلال و حرام کی تمیز اور اولاد کو اپنی کی پابندی سے موموم ہے۔ جو شخص جنت میں جانے کا خواہشمند ہے اسے یہ مشکل گھٹایاں عبور کرنا ہونگی۔ جب وہ اس معیار پر پورا اترے گا تو آگے جنت اس کا استقبال کرے گی، وہ کامیاب و کامران ہوگا۔

راہ اعتدال

فرمایا اگرچہ خواہشات کے پیروکار تمہیں راہ راست سے دور ہٹانا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رکھو اَللّٰهُ اَنْ يَّخَفِّفَ عَنْكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی تم سے تخفیف کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمہاری خواہشات کو مکمل طور پر دبانا نہیں چاہتا بلکہ انہیں جائز حد تک پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر خواہشات کو بالکل مٹا دیا جائے تو اسلخ ہو جائے گا، مہابت پیدا ہوگی۔ جوگی پنا ہوگا، جو فطرتِ انسانی کے خلاف ہے۔ اللہ نے نکاح کی اجازت دیکر تم پر بعض پابندیاں عاید کر دیں کہ ان کے اندر وہ کہ خواہشات کو پورا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا طریقہ کار اختیار کرنے کی ترغیب دی جس کے ذریعے ہمہمیت کی اصلاح کی جاسکے اور انسان

میں اعتدال پیدا ہو۔

تو اللہ نے فرمایا کہ تم پر صرف تخفیف کی گئی ہے۔ خواہشات کو مکمل طور پر مٹانا مقصود نہیں۔ جائزہ طریقے سے انہیں بھی پورا کرو۔ حلال حرام کی پابندی کرو۔ اس سے انسان ترقی کرتا ہے۔ انار کی ہمیشہ انسانی تنزل کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا اس کے احکام کے تابع رہ کر اپنی ضروریات کی تکمیل کرو

فَرَمَا يَا وَحْدَلِقَ الْاِنْسَانَ ضِعِيفًا جِسْمَانِي طُورًا بِالنَّاسِ كَمُزُورٍ پيدا
 کیا گیا ہے۔ اسکی کمزوری کو ملحوظ رکھ کر اُسے خواہشات سے مکمل دست برداری کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اُس کے لیے جائزہ صورتیں وضع کر دی گئی ہیں تاکہ وہ اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اس دُنیا میں بھی خوش و خرم زندگی بسر کرے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو جائے۔ بہر حال اللہ نے نکاح کی حلت و حرمت کے بعد اسکی حکمت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا ہے۔

والصحنۃ ۵

درس بستم ۲۰

النساء ۴

آیت ۲۹، ۳۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ قَدْ
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۹﴾
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ
نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال آپس میں
باطل طریقے سے مت کھاؤ، سوائے اس کے کہ آپس میں رضامندی
سے تجارت ہو۔ اور نہ قتل کرو ایک دوسرے کو، بیشک اللہ تعالیٰ
تمہارے ساتھ مہربان ہے ﴿۲۹﴾ اور جو شخص یہ کام کرے گا تعزی
کرتے ہوئے اور ظلم سے پس عنقریب ہم اُس کو آگ میں داخل
کریں گے، اور یہ بات اللہ پر آسان ہے ﴿۳۰﴾

رُطَبِ آیات گذشتہ دروس میں محرمات نکاح اور ان محرمات کی حکمت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔
اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے پرانے لوگوں کے حالات اور دستور کی طرف بھی اشارہ کیا،
تاکہ ہمیں موجودہ شرائع الہیہ سے تقابل اور ترجیح کا موقع مل سکے اور معاملے کو سمجھنے میں
آسانی ہو۔ خداوند قدوس نے اس معاملہ میں انسان کی طبعی خواہشات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اُس
کے لیے آسانی پیدا فرمادی ہے۔ اور انہیں پورا کرنے کا بہتر طریق کار بھی سمجھا دیا ہے۔
چونکہ انسان فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے تخفیف
فرمادی ہے۔

محرمات نکاح کے مسئلہ میں غمور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی نفس میں ناحق طریقے سے تصرف کرتا حلال نہیں ہے، لہذا جن غمورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے ان میں تصرف باطل ہے۔ تو جس طرح کسی جان میں ناحق تصرف جائز نہیں اسی طرح مال میں بھی شرعی احکام کے خلاف تصرف روا نہیں۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی جانی اور مالی حقوق کا تذکرہ آچکا ہے۔ تخلیق انسانی کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے حق میں مال الصافی کرنے سے منع فرمایا۔ پھر غمورتوں کے مہر کا ذکر کیا۔ وراثت کے احکام بیان ہوئے کہ یہ بھی مالی احکام ہیں۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے مالی اور جانی حقوق کا ذکر کیا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ شرعی حکم کے بغیر نہ مال میں تصرف روا ہے اور نہ جان میں۔

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُؤْتِيَكُمْ خطاب خاص طور پر اہل ایمان کے لیے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ نہ کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے درمیان بالباطل باطل طریقے سے، اور اس سے مراد ناجائز اور حرام راستے ہیں۔ ہر وہ ذریعہ آمدنی جو شریعت نے حرام قرار دیا ہے، وہ باطل میں شمار ہوگا۔ اس میں چوری، دیکھتی، خیانت، سود، رشوت، دھوکہ وغیرہ سب آجاتے ہیں۔ بیوع فاسدہ یعنی وہ خرید و فروخت جس سے شریعت نے منع فرمایا وہ بھی باطل میں شامل ہوگی۔ جن اشیاء کی تجارت مثلاً شراب، مردار، تصاویر، مجسمے وغیرہ کی ممانعت آئی ہے ان کے ذریعے مال کا حصول بھی باطل ہے۔ اس کے علاوہ بعض پیشے ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے جیسے گانا بجانا، آلات لہو و لعب، جو وغیرہ سب امور باطلہ کی فہرست میں آتے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کا مال باطل ذرائع سے مت کھاؤ۔ بعض اوقات کسی کا وراثت کا حق مخصب ک-

مال میں
ناجائز
تصرف

لیا جاتا ہے۔ شرکائی کاروبار میں ایک دوسرے کے حق میں خیانت ہو جاتی ہے
 فرمایا اتَّكَلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، ہر حقدار کو اس کا حق ادا کر دو۔ اگر کسی
 طریقے سے دوسرے کے مال میں ناجائز تصرف ہوگا، تو وہ حرام ہوگا۔
 اللہ تعالیٰ نے صریح الفاظ میں منع فرما دیا ہے۔ کہ اے ایمان والو! آپس
 میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

مفسر قرآن امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دوسرے کا مال
 ناجائز طور پر کھانا یا استعمال کرنا روا نہیں، اسی طرح اپنا مال بھی ناجائز اور
 باطل طریقے سے استعمال کرنا حرام ہے۔ اگر اپنا مال بھی کھیل تماشے
 میں لگا دیا یا رسومات باطلہ کی نذر کر دیا، اسراف و تبذیر میں اڑا دیا تو یہ بھی
 ناجائز ہے۔

تجارتی
 منافع

البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں ایک دوسرے کا مال کھایا جا
 سکتا ہے۔ اِلَّا اَنْ تَكُونَ تِجَارَةً اور وہ ہے ذریعہ تجارت۔ تجارت
 کے ذریعے سے ایک فریق کو دوسرے فریق سے جو منافع حاصل ہوتا ہے
 اس کا استعمال جائز ہے اور پھر تجارت بھی ایسی عن تراضٍ مِّنْكُمْ
 جو باہمی رضامندی سے کی جائے۔ اور جو صحیح تجارت ہے وہ رضامندی
 سے ہی ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی فریق تجارتی میں دین میں راضی نہ ہو تو وہ تجارت
 نہیں بلکہ زبردستی ہوگی جو کہ ناجائز ہے۔ تجارت کا مطلب ہی یہ ہے
 مِبَادِلَةَ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالْتِرَاضِ یعنی مال کا بدلہ مال سے باہمی
 رضامندی کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں یقیناً منافع حاصل ہوگا اور وہ مؤمن
 کے لیے شرعاً حلال ہے۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ باہمی رضامندی بھی اسی صورت میں روا
 ہے جب کہ تجارت شرعی حدود کے اندر ہو۔ اگر کوئی شخص سود یا رشوت
 کی رقم دوسرے فریق کی رضامندی سے دیتا ہے یا لیتا ہے، تو وہ کین دین

جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان اشیاء کو تو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ایسی
 رضامندی کا کچھ اعتبار نہیں۔ البتہ تجارت میں منافع لینا جائز ہے، اور
 اس کی کوئی تحدید نہیں۔ منافع کبھی زیادہ بھی ہو سکتا ہے اور کبھی کم۔ کبھی برابر
 سب سے تجارت کم نہ پڑتی ہے اور کبھی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے، ہر حال
 تجارت میں نفع کمانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی کا مال استعمال کرنا
 جائز نہیں۔ ابو داؤد شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے لَا يَحِلُّ
 مَالُ امْرِئٍ مِّنْ اُمَّةٍ بِطَيْبِ نَفْسِهِ كَيْسِي مُسْلِمَانِ كَامَالِ اس
 وقت تک حلال نہیں جب تک وہ خوشی خاطر سے خود اس کی اجازت نہ دے
 یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ تجارت کے علاوہ بعض دیگر ذرائع بھی موجود
 ہیں جن سے کوئی مسلمان مال حاصل کر سکتا ہے۔ ان میں وراثت میں وصول ہونے
 والا مال ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو کوئی مال ہبہ کرنے تو اس کے لیے حلال
 ہو جاتا ہے۔ یا کوئی کسی کو عطیہ دے دے یا صدقہ دے تو وہ مال بھی دوسرے
 کے تصرف میں آسکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت زید درس میں صرف
 تجارت کا ذکر آیا ہے، باقی ذرائع مال کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس کے جواب
 میں مفسرین کو یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تجارت کے علاوہ حصول مال کے دیگر
 ذرائع بھی موجود ہیں مگر یہاں پر تجارت کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ سب سے
 بڑا ذریعہ مال تجارت ہی ہے ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں
 کل مال تصرف کا اسی فیصد حصہ تجارت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور
 باقی بیس فیصد دیگر ذرائع سے۔ تجارت کو دنیا میں بڑی اہمیت حاصل
 ہے۔ انسانی تمدن میں یہ سب سے بڑا ذریعہ مہا دلم ہے۔ تجارتی لین دین
 مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہوتا رہتا ہے ایک
 ملک دوسرے سے تجارت کرتا ہے۔ ایک شہر کا مال دوسرے شہر میں جانا
 ہے، حتیٰ کہ ایک محلے اور علاقے کا سامان دوسرے مقام پر تجارت کے

غیر تجارتی
 ذرائع مال

ذریعے پہنچتا ہے۔ غرضیکہ پوری دنیا کی ضروریات زندگی ایک خطے سے دوسرے خطے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، یہی تجارت ہے اور یہی سب سے بڑا ذریعہ حصول مال ہے، اسی لیے فرمایا کہ ابھی رضامندی کی تجارت کے علاوہ آپس میں باطل طریقے سے مال نہ کھاؤ۔

یہاں پر اکل کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی کھانے کا ہوتا ہے، یعنی باطل طریقے سے مال نہ کھاؤ۔ مگر مال صرف کھایا ہی نہیں جاتا بلکہ یہ دیگر ضروریات یعنی پہننے، رہائش، سواری وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے، تو کیا کھانے کے علاوہ دیگر امور میں باطل طریقے سے مال استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ضروریات زندگی میں انسان کے لیے کھانا سب سے اہم ضرورت ہے۔ باقی ضروریات کو کسی مدت تک ملتوی کیا جاسکتا ہے مگر کھانا ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے، شیخ سعدیؒ بھی گلستان میں کہتے ہیں کہ انسان تیکے کے بغیر سو سکتا ہے، بیوی کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے، پھول اور خوشبو کے بغیر بھی کئی اوقات ہو سکتی ہے، لیکن پیٹ ایسا ظالم ہے کہ جب تک اس میں کوئی چیز داخل نہ کریں، گزارہ نہیں ہوتا، اسی لیے کہتے ہیں کہ دنیا پیٹ پر چلتی ہے۔ پیٹ ہی کی خاطر انسان طرح طرح کے دھندے کرتا ہے۔ لہذا یہاں پر کھانے کا ذکر زندگی کی اہم ترین ضرورت ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے اسی طرح سود کو حرام کرتے وقت بھی فرمایا لا تَأْكُلُوا الرِّبَا یعنی سود مت کھاؤ۔ حالانکہ سود کی رقم دیگر کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ کھانے میں استعمال کی ہر چیز شامل ہے۔

ایک دوسرے کے مال میں عدم تصرف کا اللہ تعالیٰ نے ایسا پاکیزہ گوارا امن اصول بیان کر دیا ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو پوری دنیا گوارا امن بن جائے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ناجائز تصرف سے مشرف و فساد

کا دروازہ کھلتا ہے۔ حرص، لالچ، طمع، خود غرضی، نفس پرستی، اور تعیش وغیرہ سب ناجائز تصرف کا ثمرہ ہیں۔ اگر مسلمان خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ناجائز تصرف سے باز آجائیں تو پوری سوسائٹی میں امن و امان قائم ہو جائے بہر حال فرمایا کہ ناجائز طریقوں سے مال اکٹھا نہ کرو بلکہ اس کے لیے جائز اور پسندیدہ ذرائع تلاش کرو۔ اللہ نے فرمایا **وَاحْتَلِ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** یعنی اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔ لہذا انسان کو لازم ہے کہ وہ معیشت کے لیے حلال ذرائع اختیار کرے اور حرام راستوں سے بچ جائے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ عَلَيَا الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ** نے اعلان کر دیا **إِنَّا اللَّهُ وَرَسُولُهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے مردار، خنزیر، مینہ اور مجسموں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا تجارت بھی ایسی کمزنی چاہیے جس میں حرمت کا پہلو نہ پایا جائے۔

قتل نفس

جس طرح مال میں ناجائز تصرف حرام ہے، اسی طرح جان میں بھی ناجائز تصرف حرام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ** اور نہ قتل کرو اپنی جانوں کو یعنی ایک دوسرے کے قتل کے درپے مرت ہو کہ یہ بھی حرام ہے اور بے گناہوں میں سے ہے۔ اور پھر **أَنْفُسَكُمْ** سے یہ بھی مراد ہے کہ کوئی شخص خود اپنی جان کو بھی تلف نہ کرے، گویا خود کوئی بھی حرام سے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے جو شخص جس آلے کے ساتھ خودکشی کرے گا، اسی آلے کے ذریعے اُس کو جہنم میں سزا دی جائے گی۔ اگر کسی چھری یا دیگر تیز دھار آلے سے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے، تو دوزخ میں اسی سے ہلاک ہوتا ہے گا۔ اگر نہ زہر کھنیا ہے تو وہی زہر اس کو کھانے کو ملے گا، اگر کوئی شخص اپنے مینا یا دیوار سے چھلا تک لگا کر خودکشی کا مرتکب ہوتا ہے تو دوزخ میں اُسے اونچی جگہ سے گرایا جائے

گناہ غرضیکہ دماغ پر مجزا جنسِ عمل سے ملیگی، مقصد یہ ہے کہ خود کشتی نبیِ عظام ہے۔ اور کسی دوسرے آدمی کی جان لینا بھی قطعی عظام ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اہل اسلام بھی مال و جان میں تصرف کی پروا نہیں کرتے۔ صدر ایوب کے زمانے میں اسمبلی میں رپورٹ پیش کی گئی جس کے مطابق صرف ایک صوبے میں تین سال کے عرصہ میں سو لاکھ ہزار قتل ہوئے اور ایک ضلع میں ایک سال میں ایک ہزار قتل ہوئے، حالانکہ کسی ایک مسلمان کی جان کا اطلاق دنیا بھر کے نقصان سے بڑھ کر ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے۔

زوال الدنيا اهون على الله من قتل رحيل مسلم
یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کا قتل پوری دنیا کے زوال سے بھاری ہے۔ مگر آج دنیا میں کیا ہو رہا۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ علاوہ ازیں خود کشتی کے واقعات بھی عام ہو چکے ہیں یہ جہالت اور نادانی کی انتہا ہے کہ انسان اپنی ہی جان کے دریغ سے ہوجاتا ہے بھئی میں میٹرک کے نتیجے کے موقع پر ساحل سمندر پر فوج متعین کر دی جاتی ہے تاکہ قتل ہونے والے طلبہ کو خود کشتی سے روکا جاسکے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، خود کشتی کرنے والا آدمی آخرت میں سزا کا مستحق ہوجاتا ہے اسی لیے فرمایا ایک دوسرے کو ناحق قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ مہربان ہے إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا اللہ تعالیٰ نے تمہیں جان و مال کی حفاظت کے قوانین بتلائے ہیں، ان پر عمل کرنے سے تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن تمام اُمور سے آگاہ کر دیا ہے جو تمہارے لیے دین، دنیا، برزخ اور آخرت کے لیے مفید ہیں اور وہ چیزیں بھی بتا دیں جو تمہارے لیے مضر ہیں۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم ان میں سے کون سی چیز کو اختیار کرتے ہو۔

ناہیا نزلت تصرف
کی سزا

فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ جُوعًا أَوْ حُبًّا لِنَفْسِهِ أُولَٰئِكَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ
لے ابن ماجہ ص ۲۷۲ و ترمذی ص ۲۷۲ (فیاض)

ناجائز تصرف کرے گا عُدْوَانًا تعدی کرتے ہوئے وَظُلْمًا اور زیادتی کرتے ہوئے۔ واضح ہے کہ قتل نفس عدوان میں آتا ہے۔ یہ شرک کے ساتھ اکبر الکبائر میں شمار ہوتا ہے اور مال میں ناجائز تصرف ظلم کہلاتا ہے تو فرمایا کہ جو شخص تعدی اور ظلم سے ناحق مال کھائے گا یا کسی کی جان لیگا۔

فَسَوْفَ نَضِلُّهُ نَارًا تَوْحِنُ قُرْبَيْبٍ ہم اس کو جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔ اگر وہ اس دنیا میں کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ بھی گیا، تو جہنم میں اُس کے لیے ابدی سزا بہر حال اس کے

انتظار میں ہے۔ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا اور دوزخ میں سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہم مسلمان ہیں اور سزا سے بچ جائیں گے بلکہ جرم کی سزا ضرور ملیگی۔ بلکہ اگر کسی شخص سے غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کے لیے بھی کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ توبہ کرنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خون بہا کا حکم دیا ہے۔ لہذا زیادتی کمرے کے پھرنے سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے تمہیں دین حق دیا۔ مغرور ہو کر اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۳۱

ترجمہ :- اگر تم بچتے رہو گے اُن بڑے گناہوں سے جن سے تم کو روکا گیا ہے تو ہم معاف کر دیں گے تم کو تمہارے چھوٹے گناہ، اور ہم داخل کریں گے تم کو بڑی عزت کے مقام میں ۳۱

گذشتہ درس میں محرماتِ نکاح کا بیان ہو چکا ہے اس کے بعد اموال اور نفوس کے متعلق ارشاد ہوا کہ ایک درک کے مال میں ناجائز تصرف مت کرو اور نہ ہی کسی کی جان تلف کرو۔ یہ بھی حرام ہے۔ جو شخص تعدی اور ظلم کا ارتکاب کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ ایسا شخص مجرم تصور ہو کر سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ ان دونوں چیزوں یعنی مال و جان میں ناجائز تصرف کبیرہ گناہ میں شمار ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے آج کے درس کی آیت میں بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جو شخص بڑے گناہوں سے بچتا ہے گا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ہی معاف فرماتا ہے گا اور جنت کے باعزت مقام میں داخل کرے گا۔

سہ ماہی اور
صفائے

کبار اور صفائے کی اصطلاح قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوئی ہے کبار سے مراد وہ بڑے بڑے گناہ ہیں جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اور صفائے وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ از خود ہی معاف فرماتے ہیں۔ بشرطیکہ انسان بڑے گناہوں سے بچتا ہے اور اعمالِ صالحہ انجام دیتا ہے۔ آج کی آیت کرمیہ میں اللہ نے یہی قانون سمجھایا ہے ارشاد ہوتا ہے إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ اگر تم اُن کبار سے اجتناب کرتے رہو گے، جن سے منع کیا گیا ہے نُكْفِرْ عَنْكُمْ

سَيِّئَاتِكَ مَعْرُومَاتٍ كَمَا دَرَسْتَ فِي كِتَابِكَ الْبَشْرِيَّةِ - البشريت ہے
 کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے باز نہ آئے تو پھر نہ صرف کیا نمر کی وجہ سے
 گنہگار ہوگا بلکہ چھوٹے گناہوں پر بھی مؤخذہ ہوگا۔ چھوٹی موٹی خطائیں اور لغزشیں
 تو انسان سے ہر آن صادر ہوتی رہتی ہیں تاہم اگر کبیرہ گناہ سے بچ گیا تو اللہ تعالیٰ
 اس کی کامیابی کی امید ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ اُس نے
 چھوٹے گناہوں کو از خود معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بشرطیکہ انسان
 کبائر سے اجتناب کی شرط کو پورا کرے۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کی بہت
 سی حدیثیں منقول ہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا الْجَمْعَةُ إِلَى الْجَمْعَةِ
 كَقَارَةِ لِحَا بَيْنَهُمَا اَلْجَمْعُ مِنْ جَمْعٍ مِنْ جَمْعٍ كَمَا قَالَ
 كَبَائِرُكَ مِنْ سَجَائِكَ تَوَدُّرُكَ مِنْ جَمْعٍ مِنْ جَمْعٍ كَمَا قَالَ
 ہوتے تھے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ایسے ہی الفاظ ایک نماز سے دوسری
 نماز تک کے درمیانی عرصہ کے متعلق فرمائے کہ اللہ تعالیٰ دو نمازوں کے درمیان
 معمولی لغزشیں ان نمازوں کی برکت سے معاف فرمادیتا ہے سورۃ ہود میں
 بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط
 ذَلِكِ نَكْرَاهِي لِلذِّكْرِ هُنَّ نِيكَيَا بَرَّائِيْنَ كَوَسْمَا تِي رَهْتِي هُنَّ - یہ ایک
 یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو خدا تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں۔
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ
 التَّوَضُّؤَ جَسَدِي طرَحَ وَضَوُّوْكَ يَعْزِيْ فَرَأَيْتَ اَسْنَانَ اَوْ مَسْحَاتٍ
 کی رعایت کرتے ہوئے اور تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اعلیٰ
 درجہ کا وضو کیا، فرمایا خَجَّتْ خَطَايَا هُ مِنْ جَسَدِهِ اس کے
 تمام صغیرے گناہ اُس کے جسم سے نکل جاتے ہیں یعنی اُس کے ہاتھوں
 کے یا آنکھوں کے یا منہ کے چھوٹے چھوٹے گناہ خود بخود وضو کی برکت
 سے دھل جاتے ہیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بندہ نفل نماز پڑھتا ہے

تو اس کے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اجْتَنِبُوا سَبْحَ الْمَوْبِقَاتِ اے لوگو! سات جہنم گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ ان میں سب سے پہلا گناہ اشراک باللہ ہے یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا۔ یہ سب سے زیادہ جہنم گناہ ہے کفر اور شرک انسان کو تباہ کر دیتے ہیں۔ فرمایا دوسرا بڑا گناہ قتل نفس ہے۔ کسی کی جان کو ناحق تلف کرنا۔ اس کے بعد سحر یا جادو کرنا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن دشمن سے بھاگ جانا جب کہ دشمن کی تعداد مسلمانوں سے دگنی سے زیادہ نہ ہو۔ اگر دشمن کی تعداد دگنے سے زیادہ ہے تو پھر پیچھے ہٹ جانے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا بڑا گناہ قذف المحصنات یعنی پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا ہے۔ عورتوں یا مردوں پر بدکاری کی تہمت لگانا اور ساقوال گناہ شہادت الزور یعنی جھوٹی گواہی دینا ہے یہ سب اکبر الکبائر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک یا زیادہ گناہوں کے مرتکب کے لیے معافی نہیں جیسے تک وہ جیسے ہی توبہ نہ کرے۔ اور توبہ کی شرائط گذشتہ دروس میں گذر چکی ہیں۔

ام غزالی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے تاہم اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک نے جہنم کی وعید فرمائی ہے۔ گویا ایسا ہر جرم کبیرہ گناہ میں شامل ہوگا، جس پر جہنم میں جانے کی وعید آئی ہے۔ فرمایا ہر ایسا گناہ بھی کبیرہ شمار ہوتا ہے جس کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا اظہار فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والے پر اللہ غضب اور ناراضگی ہو یا نہ غضب اللہ علیہ کے الفاظ آتے ہوں۔ اس کا معنی ایسی اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی ہے فرماتے

ہیں۔ کہ ہر وہ گناہ بھی کبیرہ ہے۔ جس کے مرتکب پر حد جاری کرنے کا حکم ہو
جیسے چوری۔ زنا۔ قذف، شراب نوشی وغیرہ۔ اہم غزالی فرماتے ہیں کہ ہر ایسا
گناہ جس پر ایسی خرابی مرتب ہو جو کبیرہ گناہ پر مرتب ہوتی ہے، تو وہ بھی کبیرہ گناہ
شمار ہوگا۔ اگرچہ اس کا ذکر قرآن پاک میں موجود نہ ہو۔

کبار کے
تین گروہ

حضرت قاضی شہداء اللہ پانی پتی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے معاصر
اور ان کے شاگرد ہیں۔ بڑے پائے کے عالم، نیک اور صالح آدمی تھے۔
آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے صحبت تھے جو کہ عالمگیر کے خالہ زاد
بھائی اور بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ قاضی صاحب نے دس جلدوں پر محیط
تفسیر مظہری آپ ہی کے نام سے منسوب کی تھی۔ عربی زبان کی یہ نہایت
معتبر تفسیر ہے۔ فارسی زبان میں فقہ کی معتبر کتاب مالا بد منہر بھی آپ
ہی کی تصنیف ہے جو کہ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ زمانے
کے بہت ہی مشہور تھے۔ جس طرح چوتھی صدی ہجری کے امام بیہقی بڑے محدث
ہوئے ہیں، سن کبریٰ جیسی عظیم کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح پانی پتی بھی بہت
بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کبار کو تین گروہوں میں تقسیم
کیا جا سکتا ہے۔ کبار کا پہلا گروہ وہ ہے جس میں فکری خرابی پائی جاتی ہے اور
انسان کا عقیدہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس گروہ میں کفر، شرک، نفاق، اکاد اور
ارتداد وغیرہ جیسے بڑے گناہ شامل ہیں۔ قرآن پاک یا حضور علیہ السلام کے کسی
ثابت شدہ فرمان کو غلط معنی پہنانے والا شخص بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔
مرزا غلام احمد قادیانی اسی قبیل سے ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور
قرآن پاک کے معانی الٹ پلٹ کیے۔ مولانا عبد اللہ چکھڑی نے ہمیشہ
کا انکار کیا۔ سرسید اہلحدیث کہلانے کے باوجود ایسا بگڑا کہ قرآن حکیم کی
غلط تفسیر کی اور بد عقیدگی پھیلانی۔ یہی حال موجودہ زمانے کے پرویز کا ہے
نیاز محمد فتح پوری بنیادی طور پر ادیب تھا مگر عقیدہ اس کا بھی فاسد ہو گیا۔

عنایت اللہ مشرقی کی تنظیم خاکسار تو درست تھی۔ وہ مسلمانوں کے عہدِ رفتہ کو واپس لانا چاہتے تھے مگر عقیدہ صحیح نہیں تھا، سات سو علمائے اس کی گجراتی کافر ہوئی دیا۔ اس نے تذکرہ لکھا جس میں غلط مسائل بیان کیے، ایمان کو کفر اور کفر کو ایمان کا درجہ دیدیا۔ اس قسم کے تمام لوگ کبیرے گناہوں کے پہلے گمراہ سے متعلق ہیں جس میں فخری خرابی پائی جاتی ہے۔

کبار کا دوسرا گمراہ علم و تعدی سے تعلق رکھتا ہے۔ کسی کی جان تلف نہ دی، کسی کی بے عزتی کی، اس کے مال کو ناحق ضائع کیا یا اس پر قبضہ نہ کیا، یہ کبار کے مرتکبین کا دوسرا گمراہ ہے۔ اسی طرح تیسرے گمراہ میں وہ کبار آتے ہیں جن کا تعلق بندے اور خدا دونوں سے ہے۔ ان جرائم میں قتل نفس، زنا، چوری، شراب نوشی ترک نماز و دیگر فرائض شامل ہیں۔ ان گناہوں کا مرتکب انسان بیک وقت اس بندے کا بھی مجرم ہوتا ہے جس کے ساتھ اس نے زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ کا بھی جسکی اس نے صریح حکم میں نافرمانی کی۔

اعتقادی
کبار

اس کے علاوہ بعض اعتقادی کبار بھی ہیں مثلاً کوئی شخص خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے۔ اس کو **الْيَاسُ مِنَ الرَّحْمَةِ** کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیان قرآن کریم میں موجود ہے۔
وَلَا تَأْيِسُوا مِنَ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنَ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ آپ نے اپنے پیٹوں کو فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اسی طرح امن کو بھی کفر سے تعبیر کیا گیا ہے کوئی شخص ایسا لاپرواہ ہو جائے کہ اسے آخرت کی فکر باقی نہ ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ خدا مجھے کوئی سزا نہیں دیگا، وہ جو چاہے کرتا پھرے۔ یہ نظریہ بھی کفر ہے اور اس کا حامل کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔

بہر حال مغفرت نے کبار کی بہت سی اقسام گنوائی ہیں حضور علیہ السلام نے ان گناہوں کی بڑی تشریح فرمائی ہے۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔ اگر انسان کبار سے بچتا ہے تو چھوٹی موٹی خطائیں خود بخود معاف ہوتی رہتی ہیں۔ زنا کبیرہ گناہ ہے مگر نیک عورت کی طرف دانستہ نظر اٹھانا صغیرہ گناہ ہے۔ کبیرہ گناہ میں فساد اور غرابی زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی حاصل ہوتی ہے اور انسانیات یعنی لوگوں کے معاشی طور طریقے سب بگاڑ جاتے ہیں کبار میں بہت زیادہ مضدہ پایا جاتا ہے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بعض کبار مثلاً کفر اور شرک ایسے ہیں کہ اگر زندگی میں توبہ نہیں کرے گا، توبہ معاف نہیں ہوں گے۔ ان کے علاوہ جو باقی کبار ہیں ان کا قانون یہ ہے کہ اگر توبہ کرے گا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر ان کا منکب توبہ نہیں کرتا مگر دل میں ایمان موجود ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ چاہے تو اپنی مہربانی سے معاف کر دے یا کسی نبی یا ولی کی سفارش قبول کرے کہ معافی دے دے۔ البتہ عقیدے کے فساد کے متعلق اس کا واضح اعلان ہے **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** اللہ تعالیٰ شرک جیسے بڑے گناہ کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمائے، یہ اسکی مشیت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیک اور صالح لوگ وہ ہیں **الَّذِينَ يَتَّقُونَ** (سورۃ بقرہ) یعنی نیک اور صالح لوگ وہ ہیں جو کبیرے گناہوں سے بچتے ہیں مگر لمم (یعنی کچھ آلودگی) لمم کا لفظ حدیث شریف میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **اِنَّ**

انسانی عیب
کے گناہ

اللہ کتب علیٰ ابنِ ادمَ حَظَّهُ مِنَ الزَّنا یعنی اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کے لیے زنا میں سے اُس کا حصہ لکھ دیا ہے۔ اور زنا کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ فرمایا فَزنا العین النظر یعنی آنکھ کا زنا یہ ہے کہ وہ غیر محرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔ مرد ہو یا عورت، اجنبی کی طرف نظر اٹھانے کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں فرمایا ہے کہ تم لوگوں سے کہ دو یغضوا من ابصارہم وہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور عورتوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے یغضضن من ابصارہن کہ وہ بھی اپنی نظریں پست رکھیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا علی لا تتبع النظرة النظرة اے علی! پہلی نظر کے بعد دوسری نظر اٹھا کر نہ دیکھو فان لك الاولى وليست لك الاخرة کیونکہ پہلی نظر تو معاف ہوگی، دوسری معاف نہیں ہوگی۔ پہلی نظر اچانک ہوتی ہے مگر دوسری اختیار اور ارادے سے پڑتی ہے اس لیے اس کی معافی نہیں۔ اس کا مواخذہ ہوگا۔

الغرض! آنکھ کا زنا بری نظر سے دیکھنا ہے اور زبان کا زنا اس ضمن میں گفتگو کرنا ہے۔ نفس النان کا زنا یہ ہے کہ وہ اس کی تمنا کرتا ہے اور پھر اعضائے مستورہ کے ذریعے یا اس کی تصدیق کر دیتا ہے یا تکذیب اگر زنا سے بچ گیا تو تکذیب ہوگی وگرنہ حقیقی زنا کا مرتکب ہو گیا۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے لا تقربوا الزنا زنا کے قریب نہ جاؤ۔ چوری نہ کرو کسی کو ناحق قتل نہ کرو کسی پر بہتان نہ باندھو۔ ان سب گناہوں کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمادی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے سباب النہم من فسوق وقد تاملہ کہ جس یعنی ایک مومن کو گالی دینا نافرمانی اور کبیرہ گناہ ہے اور مسلمان کو ناحق قتل کرنا کفر ہے۔ مسلمان تو ایک دوسرے کی جان کے محافظ ہوتے ہیں۔ البتہ کافر مسلمان کی جان کے لیے

ہوتے ہیں یہ سب کبار میں شامل ہیں۔ کل مثال گزیرہ بھی ہے وَلَا تَأْكُلُوا
 أَمْوَالَكُم مِّن بَيْنِكُمْ بِالطَّبَاطُبِ اِذَا تَمَرَّتْ رُءُوسُهَا نَحْوَ طَرَفِ لَيْقِيٍّ
 مرت کھاؤ۔ چوری، خیانت، سود، رشوت، فواحش، کا ارتکاب اور فرائض
 نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ کی عدم ادائیگی سب کبار میں شامل ہیں
 اسی لیے فرمایا کہ اگر کبار سے نپتے رہو گے تو چھوٹے چھوٹے گناہ اللہ تعالیٰ
 اپنی رحمت سے خود ہی معاف فرماتے رہیں گے۔

ایسے مصلحین کے متعلق فرمایا وَفِي ذٰلِكَ لَعَلَّةٌ لِّمَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ
 ہم تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے یعنی پورے اعزاز کے
 ساتھ بڑے اعلیٰ مقام میں داخل کریں گے اور وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا بہشت
 ہی ہو سکتا ہے۔ دو کبار مقام پر توجہ دینا کا لفظ آیا ہے یعنی تمہاری
 بڑی آؤ بھگت ہوگی جو جنت میں پہنچ جائے گا اس کو ابدی فلاح حاصل
 ہو جائے گی عزت کے اس مقام میں جسمانی اور روحانی ہر قسم کی سہولتیں
 حاصل ہونگی، ہر شخص وہاں پہنچ گیا، اس پاک خطے کا ممبر بن گیا اس کو بہت
 بڑی کامیابی حاصل ہوگئی جس کی تفصیلات قرآن پاک میں موجود ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کبار کا حکم بیان کر دیا ہے کہ یہ بڑے مضر ہوتے
 ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان کی سوسائٹی اور روحانیت خراب ہو جاتی ہے۔ خدا
 کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر ان بڑے بڑے گناہوں سے
 نپتے رہو گے تو ہم چھوٹی چھوٹی خطائیں خود بخود معاف کر دیں گے اور تمہیں
 عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔

عزت کا
 مقام

وَلَا تَتَسَوَّأْ مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى
بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا
مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ
عَقَدْتُمْ أَيْمَانَكُمْ فَأَتَوْهُم نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾

۵
۳۲

ترجمہ: اور اس چیز کی تمنا نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے
ساتھ فضیلت بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر۔ مردوں کے
لیے اُس چیز میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کہا اور عورتوں کے
لیے حصہ ہے اُس میں سے جو انہوں نے کہا اور اللہ تعالیٰ سے
اُس کے فضل میں سے مانگو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ﴿۳۲﴾
اور ہر ایک کے ترکے کے لیے ہم نے وارث مقرر کیے ہیں
اُس مال میں سے جن کو چھوڑا ہے والدین اور قرابت داروں نے
اور وہ جن کے ساتھ تمہاری قسمیں پختہ ہوئی ہیں پس اُن کو اُن
کا حصہ دو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۳۳﴾

رہنمائیات

سورۃ کی ابتداء سے اللہ تعالیٰ نے انسانی حقوق کا ذکر فرمایا، اس ضمن میں یتیموں
کے حقوق کا خصوصی تذکرہ ہے جن کے حقوق اکثر غصب کر لیے جاتے تھے۔ عورتوں

کے حقوق بھی بیان ہو چکے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں وراثت کا مسئلہ بڑا الجھا ہوا تھا۔ عورتوں، یتیموں اور یتیموں کو وراثت سے بالکل محروم کر دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا مکمل قانون نازل فرما کر تمام حق داروں کو ان کے حصے دلوائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سوسائٹی کی طہارت کا قانون دیا برائی اور فحاشی کے سدباب کے لیے تعزیرات نافذ کیں۔ پھر محرّمات نکاح کی تفصیلات بیان فرمائیں اور ان محرّمات کی حکمتیں بھی واضح کیں مالی قانون نازل فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مرمت کھاؤ حفاظت مال کے بعد حفاظت جان کا قانون بھی دیا اور متنبہ کیا کہ کسی فرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی جان کو ناحق تلف کرے، حتیٰ کہ خود اپنی جان کو مارنے کی بھی اجازت نہیں بلکہ یہ بھی بہت بڑا جرم ہے جس کا مرتکب سخت سزا کا مستحق ہو جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صفائے اور کبائر گناہوں کا تذکرہ فرمایا اور واضح کیا کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو چھوٹی چھوٹی خطائیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور تمہاری نیکیوں کی برکت سے خود بخود معاف کرتا رہیگا۔ اس کے بعد آمدہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور مردوں سے متعلق بہت سے معاشرتی مسائل بیان فرمائے ہیں اور ان دونوں کے مقامات کا تعین کیا ہے۔

شانِ نزول

آج کی آیت کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بعض عورتوں بلکہ ام المؤمنین ام سلمہؓ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ مرد ہم سے اجرمیں بڑھ جاتے ہیں۔ وہ جہاد میں شریک ہو کر اجر و ثواب کے علاوہ مالِ غنیمت بھی حاصل کرتے ہیں اس کے علاوہ انہیں وراثت میں بھی عورتوں کی نسبت، دگنا حصہ ملتا ہے۔ کاش کہ ہم بھی مرد ہوتیں، تو دنیا اور آخرت میں وافر حصہ پاتیں۔ عورتوں کے اس خیال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس قسم کے خیالات کے اظہار سے

منع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس فرد کو جس جنس میں پیدا کیا اسی حکمت کے مطابق وہی اُس کے لیے بہتر ہے۔

تفریق جنس

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَتَّبِعُوا اٰرْوٰءَ مَا كَرِهْتُمْ اور نہ متنا کرو اور نہ خواہش کرو مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ اس چیز کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت بخش ہے اور جس کا ذکر آگے تفصیلاً آ رہا ہے اُس کے متعلق ایسی خواہش کا اظہار نہ کرو کہ عورتیں بھی مرد ہوتیں بلکہ یہ تفریق جنس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پیدا کی ہے۔ اور اس میں انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں۔ سورۃ کی ابتداء میں یہ اصول بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نسل انسانی کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اُس سے اُس کا جوڑا پیدا کیا وَبَتَّ مِنْهُمْ اَرْجَالَ الْكَثِيْرَاتِ وَنِسَاءً اور پھر اُس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ کسی کو مرد بنا دینا اور کسی کو عورت پیدا کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے کلی اختیار میں ہے۔ سورۃ شوریٰ میں فرمایا لِيَهَبَ لِـمَنْ يَّشَاءُ اَوْ اِنَاثًا وَيُهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذَّكَوْرَ اللّٰهُ تَعَالٰی جِسے چاہے بیٹیاں ے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یہ چیز اس کی کمال حکمت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی الجسم بنایا ہے۔ لہذا مشقت کے کام میں جگہ جہاد وغیرہ اُس کے فرائض میں شامل ہیں۔ اسی طرح وراثت میں اللہ نے مرد کو وگن حصہ دیا ہے لِلذَّكَوْرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰی نِیْنِ قانون شہادت بھی سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ہے اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں فَذَجَلٌ وَاَصْرَاتِنِ تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ گویا دو عورتیں ایک مرد کے برابر ٹھہریں۔ یہ تفریق اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کی استعداد اور دائرہ کار کے مطابق متعین کی ہے۔ لہذا اسمیں کسی کو کلام کر نیکی گنجائش نہیں۔ یہ غیر اختیاری فضیلت ہے اس کی تمنا

نہیں کرنی چاہیے۔ مگر اس کا مطلب نہیں کہ العیاذ باللہ عورتیں ذلیل یا حقیر ہیں۔ البتہ جو چیزیں انسان کے اپنے اختیار میں ہیں مرد فوز و فلاح اپنی پر ہے۔ اس معاملہ میں مرد وزن برابر ہیں۔ ہر کوئی اپنے اختیار کے مطابق زیادہ سے زیادہ محنت کر کے فضیلت حاصل کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَأَسْتَبْتُّوْا الْخَيْرَاتِ یعنی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ اس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں۔ ہر کوئی زیادہ سے زیادہ نیچے حاصل کر سکتا ہے اور نجات کا مدار اسی چیز پر ہے۔ اس آیت میں یہی بات بیان کی گئی ہے لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا مردوں کے لیے اُس چیز میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جو انہوں نے کمایا۔ گویا اس معاملہ میں عورت اور مرد یکساں ہیں۔ جو کوئی جتنی زیادہ نیچے کرے گا اسی کے مطابق اُسے فضیلت اور اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا وَلِلنِّسَاءِ دَرَجَاتٌ مِّمَّا كَسَبْنَ یعنی ہر مرد وزن کو اپنے اعمال کی نسبت سے درجہ حاصل ہوگا۔ لہذا اعمال کا میدان مرد اور عورت ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ جو اس میدان میں جتنا زیادہ عمل کرے گا اتنا ہی خدا تعالیٰ کے ملے بہرگنیدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد وزن کے لیے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار مقرر فرمایا ہے اور اسی کے مطابق اُس سے باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قطرتاً قوی الجسم بنایا ہے تاکہ مشقت کے کام انجام دے سکے مرد یہ کام اپنی ودیعت شدہ طبیعت کے مطابق کرتا ہے۔ دن بھر کی محنت، مزدوری کھینچی باڑی، جنگ و جدال وغیرہ مرد کے ذمہ ہیں۔ برخلاف اُس کے عورت صنفِ نازک ہے۔ وہ محنت اور مشقت کے کام انجام نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی جسمانی ساخت ایسی بنائی ہے کہ وہ نسبتاً کم محنت طلب

کام ہی کر سکتی ہے اس کے علاوہ اللہ نے اُسے بچوں کی پیدائش کا ذریعہ بنایا ہے اور بچوں کی محبت، اُن کی دیکھ بھال، پرورش اور جذبہ خدمت عورت کی فطرت میں داخل کر دیا ہے۔ لہذا وہ یہ امور انجام دے کہ اپنی فطرت کے تقاضے پورے کرتی ہے اور اس میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار متعین کر دیا ہے جس کے اندر وہ کمزورہ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔

موجودہ زمانے میں اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم کار کے برخلاف عورتوں اور مردوں کو برابر ہی کی سطح پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مردوں کے میدانِ عمل میں عورتوں کو گھسیٹنا جا رہا ہے اور یہ عام پراپیگنڈہ ہو رہا ہے کہ مردوں کی ایک ہی گاڑی کے دو برابر پیٹے ہیں لہذا انہیں ہر معاملہ میں برابر ہی حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ آج عورت کو دفاتروں، کارخانوں، ہسپتالوں اور فوج میں لایا جا رہا ہے۔ یہی چیز عورت کی فطرت کے خلاف ہے۔ عورتیں خود بھی مردوں کے شانہ بشانہ چلنے اور دوش بدوش کام کرنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ مولانا عبدالمجید فرماتے ہیں کہ اگر جنطاری حالت میں عورتوں کو بعض کام تفویض کر دیے جائیں تو وہ اپنے دیگر تمام حالات میں اُن کا مردوں کے ساتھ کھلے عام میل ملاپ معاشرتی برائیوں کو جنم دیتا ہے۔

عورت کو گھر سے باہر فرائض انجام دینے میں بعض مالی نقصانات بھی ہیں۔ کسی کارخانے یا دفتر میں ملازمت کی صورت میں اُسے حمل اور زچگی کے دوران رخصت دینا پڑے گی اور اس کے ساتھ تنخواہ اور دیگر واجبات بھی ادا کرنے ہوں گے۔ اس طرح عورت ہر بار تین چار ماہ کے لیے معطل ہو کر رہ جائیگی جب کہ اُسکی تنخواہ وغیرہ کا بار متعلقہ ادارے کے سر پر موجود

سے گا اور اس طرح عورت کی ملازمت مرد کی نسبت ہینچی پڑے گی۔ بہر حال فطرت نے مرد و زن کے لیے دائرہ کار مقرر کیا ہے۔ اُس کے اندر رہ کر ہی چین و سکون کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ یورپی ممالک نے عورت کی مساوات کا سب سے پہلے تجربہ کیا ہے۔ پچانوے دہائی کے بڑے بڑے مذہب اور فلاسفر اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس نظام میں بہت زیادہ خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

کبھی وہ زمانہ تھا جب عیسائیت اپنے غلط تاثر کی بنا پر عورت کو انسان ہی نہیں سمجھتی تھی اور اب یہ حالت ہے کہ عورت کو مردوں سے بھی آگے بڑھا دیا ہے مردوں کے تمام امور عورتوں کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ اس کے اثرات اخلاق نسل اور معاشرت پر پڑے ہیں جسکی وجہ سے ہر جگہ خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ غیر معمولی (ABNORMAL) حالات میں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ تاکنز یہ حالات میں حضور علیہ السلام عورتوں کو جنگ میں بھی ساتھ لے جاتے تھے مگر معمولی (NORMAL) حالات میں عورتوں کے متعلق حکم یہی ہے: «وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ» کہ وہ اپنے گھروں میں رہ کر امور خانہ داری انجام دیں اور زمانہ جاہلیت کی طرح اظہارِ نرمیت نہ کریں۔ اگر مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کریں گی تو یہ خلافتِ فطرت ہو گا اور غیر فطری امور کو جنم دے گا۔

فرمایا: «وَأَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ» ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرتے رہنا چاہیے۔ کہ وہ نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور جو اچھے کام انجام دے ہیں ان کے ثمرات بڑھائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: «وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ» اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ «وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ» اور اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا عظیم ہے لہذا اس سے اس کا فضل طلب کرتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ مانگنے سے ناراض ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: «مَنْ لَّمْ يَسْأَلِ اللَّهَ

فضل
کی طلب

يَغْضَبُ عَلَيْهِ السَّانِ كُوَ اِسْنِ عَاجِزِي بِرِهْمِشَ نَطْرَ كَهْنِي چاہیئے اور اس کے
عجز و انکار کا تقاضا یہ ہے۔ کہ بندہ ہر وقت اپنے رب کے فضل کا طلب گار رہے
فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ رِجْلٌ شَيْءٌ عَلَيْكَ مَا يَشَاكُ اللّٰهُ تَعَالٰى
ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس نے مرد کو مرد اور عورت کو عورت بنا لیا۔
وہ اُن دنوں کی صلاحیتوں کو بھی جانتا ہے اور اُن کی استعداد بھی اُس کے
علم میں ہے۔ اِس مالک الملک نے مرد اور عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ
دائرہ بنائے گا مقرر کر دیے ہیں، انسانوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے دائرہ کا
میں وہ کمزور زندگی بسر کریں اور اسی دائرہ میں محنت و لگن کے ساتھ کمال
حاصل کریں۔ نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی
کوشش کریں۔ اور ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت سے باز
رہیں جو کہ فطرت انسانی کے خلاف ہے۔

موالات
کا قانون

وراثت کے مفصل قوانین اسی سورۃ کے ابتدائی حصہ میں بیان ہو چکے
ہیں۔ جاہلیت کے زمانہ میں یہ ایک رجم تھی۔ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے
کے ساتھ دوستی یا بھائی چارہ کر لیتا تھا تو وہ آپس میں نفع نقصان میں مشترک
سمجھے جاتے تھے ایک شخص کے مرنے پر دوسرا آدمی اُس کی وراثت کا بھی
حقدار ہوتا تھا۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں اس رواج کو اسلام نے بھی روک رکھا
چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد حضور علیہ السلام نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک
انصاری کو آپس میں رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔ چنانچہ یہ بھائی بھائی
ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصے دار ہوتے تھے۔ اس کے بعد جب
اسلام کو تقویت حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کی مشکلات کم ہو گئیں تو یہ قانون
اٹھا دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کی یہ آیت نازل فرمائی
وَالْوَارِثُ مِمَّنْ بَعِثْنَا فِيكَ كِتَابًا
یعنی رشتہ دار اور قرابت دار ہی وراثت کے حقدار ہیں۔ چنانچہ پہلا سلسلہ

ختم کر دیا گیا۔

ولاد کی ایک یہ صورت بھی اسلام میں رواج رکھی گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے عزیز و اقارب کو دور دراز علاقے میں چھوڑ کر مسلمانوں کے پاس آجاتا تھا اور اسلام قبول کر لیتا تھا۔ تو جس شخص کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوتا وہ آدمی اس کا بھائی بن دینا جاتا۔ چونکہ یہ وراثت کا عام قانون ہے لہذا یہ مسلمان اور کافر و لا الکا فیر ولا الکا فیر المسلم یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنتا، لہذا مذکورہ بالا بھائی چاے میں شامل دو مسلمان ایک دوسرے کی وراثت کے ہتھار ہوتے تھے۔ یہ قانون اب بھی جاری ہے۔ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کا کوئی مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہو تو اس کی وراثت کا مال اہم ابو حنیفہ کے نزدیک اہم شخص کو جائیگا جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہو کر اس کا بھائی بن گیا۔ البتہ اہم شافعی کے نزدیک جس شخص کا کوئی حقیقی مسلمان وارث موجود نہ ہو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع ہوگا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي اور ہر شخص کے لیے ہم وارث مقرر کیے ہیں مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اس ترکہ کے لیے جو والدین اور قرابتداروں نے چھوڑا ہے جیسا کہ وراثت کے قانون میں بیان ہو چکا ہے وراثت سے پہلا نمبر ذوی الفروض کا ہے۔ اس سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مقرر فرمائیے ہیں۔ دوسرے نمبر پر عصبیات یعنی وہ قرابتدار ہیں جن کے حصے تو مقرر نہیں مگر ذوی الفروض سے بچ جانے والا مال ان کو مل جاتا ہے۔ اور پھر تیسرے نمبر پر ذوی الاہل ہیں جو دور کے رشتہ دار ہوتے ہیں اگر مال پہلے دو قسم کے عزیزوں سے بچ جائے یعنی وہ دونوں قسم کے وارث موجود نہ ہوں تو تیسرے نمبر والوں کو مل جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں اس مال کے لیے جو والدین یا رشتہ دار

تقرر حصص
وراثت

چھوڑ کر فوت ہو جائیں۔

البتہ فرمایا وَالَّذِينَ عَقَدَتِ اٰیْمَانُكُمْ جُنَّ كَسَا تَحْتِہٖمَ تَمَّارِیْنَ قِسْمِ
 قانون وصیت کا
 پختہ ہو چکی ہیں، یعنی مراثیات اور بھائی چاے کا عہد و پیمانہ ہو چکا۔ قانون ہم نصیب ہوا
 انہیں اُن کا حصہ دے دو۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اب وراثت میں تو اہل حصہ
 نہیں ہے، البتہ وصیت کے طور پر انکی جو صلہ افزائی کر دو۔ وراثت کا یہ
 قانون ہے۔ کہ کوئی شخص کسی غیر وارث کے لیے کل مال کے زیادہ سے
 زیادہ تیسرے حصے کی وصیت کر سکتا ہے۔ اب اگر دو شخصوں کے
 درمیان بھائی بندی کا پختہ عہد ہو چکا ہے۔ تو وہ ایک دوسرے کے لیے
 کچھ مال کی وصیت کر سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوسرے کو کل ترکہ سے
 اتنا حصہ ادا کر دیا جائے۔ اور ایسا کرنا باہل جائز ہوگا، کیونکہ وراثت کی
 تقسیم قرضہ (اگر کوئی ہو) کی ادائیگی اور وصیت (اگر کوئی ہو) کو پورا کرنے کے
 بعد ہوتی ہے۔

فَرَمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا اللّٰہُ تعالیٰ ہر چیز
 پر نگہبان اور محافظ ہے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے ہیں اس لیے وہ سب
 پر گواہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس استعداد کا حامل ہے اور کس کو کس مقام
 پر رکھنا ہے لہذا وہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق ہر ایک کا ڈیڑھ کار
 مقرر کرتا ہے۔ اس لیے اہل ایمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام
 کی تعمیل کریں اور غیر قطری امور سے گریز کریں۔ حتیٰ الامکان نیچے کریں تاکہ انہیں
 فلاح حاصل ہو سکے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ
 عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ
 قَنَاطُتٌ حَافِظَاتٌ لِّلنِّبِيِّ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي
 تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
 وَأَضْرِبُوهُنَّ فَإِنِ اطَّعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: مرد نگران ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ اللہ نے
 فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں)
 پر، اور اس واسطے کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں
 پس نیک عورتیں اطاعت کرنیوالی ہوتی ہیں اور پس پشت حفاظت کرنے
 والی ہوتی ہیں اس چیز کی کہ اللہ نے اس کی حفاظت کا حکم دیا
 ہے (مال و ابرو) اور وہ عورتیں کہ تم ان کی نافرمانی کا خوف کھاتے ہو
 ان کو نصیحت کرو اور جدا کرو ان کو خواب گاہوں میں اور ان
 کو مارو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کھیں پس نہ تلاش کرو ان پر
 کوئی راستہ بیشک اللہ تعالیٰ بلند اور بڑا ہے ﴿۲۲﴾

رابطہ آیت
 گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو منع فرمایا تھا کہ وہ اس قسم کی خواہش
 نہ کریں کہ وہ مرد ہوتیں تو وہ بھی بڑے بڑے کام انجام دیتیں، فرمایا ایسی تمنا کرنا غلط
 ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو بعض دوسروں پر فطری طور پر فضیلت بخشی ہے۔

یہ اُس مالک الملک کی حکمت اور منشاء کے مطابق ہے۔ لہذا کسی انسان کے لیے لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو توڑ کر دوسری طرف جانے کی کوشش کرے۔ یہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ اب آج کے درس کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی فضیلت کی وجوہات اور بعض دوسرے معاشرتی مسائل بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا الرَّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ مرد عورتوں پر حاکم ہیں قرآن
اور قیام کا معنی نگران، محافظ یا کسی کام کو انجام دینے والے کا ہوتا ہے بعض
مفسرین نے جن میں مولانا شیخ الہند بھی ہیں اس لفظ کا ترجمہ حاکم کیا ہے
در اصل حاکم بھی نگران اور محافظ ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مرد عورتوں
پر نگران یا محافظ ہیں۔ یا ان کے حاکم ہیں۔ مردوں کو یہ فضیلت خود اللہ تعالیٰ
نے عطا فرمائی ہے۔ جہاں انسانی سوسائٹی ہوگی وہاں رئیس اور مردوں کا
معاملہ تو ضرور ہوگا، ایک حاکم ہوگا، دوسرا محکوم، ایک نگران ہوگا۔ دوسرا
ماتحت، تو ان میں سے اعلیٰ حیثیت اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے
گویا مرد حاکم ہے اور عورت محکوم۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے مردوں
اور عورتوں دونوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ لَعْنَةُ جِبْنِ طَرِيحِ
مردوں کے حقوق ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ مگر مردوں
کو عورتوں پر ایک خاص فضیلت اور درجہ حاصل ہے۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے دو وجوہات
بیان فرمائی ہیں۔ ایک وجہ فطری ہے اور دوسری اختیاری۔ تو فرمایا
کہ مردوں کو عورتوں کا نگران بنایا گیا ہے، اس وجہ سے بِمَا فَضَّلَ
اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض یعنی

مردوں کو بعض یعنی عورتوں پر فضیلت بخشنی ہے۔ یہ فطری برتری کئی وجوہ سے ہے۔ مثلاً عقل کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی مردوں کو زیادہ سمجھ عطا کی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ عورتیں مردوں کے مقابلہ میں ناقصاتِ عقل اور ناقصاتِ دین ہیں۔ ایک سمجھدار عورت نے حضور نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! ہماری عقلوں میں نقصان کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، عورتوں میں نسیان کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ دیکھتی نہیں، اللہ نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ٹھہرائی ہے۔ کیا یہ عقل کا نقصان نہیں؟ پھر اس عورت نے عرض کیا، حضور! ہمارے دین میں نقصان کی کیا وجہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو عورت ہر ماہ کتنے دن بیٹھی رہتی ہے، روزہ نماز پڑھ سکتی ہے، روزہ رکھ سکتی ہے، قرآن پاک کو چھو سکتی ہے، اگرچہ یہ چیز اس کے لیے غیر اختیاری ہے مگر دین کا نقصان تو ہے۔ اسی طرح زوجگی کے دوران بھی عورت نماز اور روزہ سے محروم رہ جاتی ہے۔ مردوں کے مقابلے میں ان کا یہ نقصان ہی تو ہے۔

شرعی گواہی کے معاملہ میں جہاں بعض معاملات میں عورتوں کا نصاب ایک مرد کے مقابلے میں دو سے رکھا گیا ہے وہاں حدود اور قصاص کے معاملہ میں عورت کی گواہی قابل قبول ہی نہیں۔ اعاقل اور بائع مرد مسلمان گواہی دیں گے تو حد جاری ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس کے علاوہ جماعت اور جمعہ کا قیام عورتوں کے ذمہ نہیں ہے۔ یہ صرف مرد ہی قائم کر سکتے ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا میں گمز چکا ہے۔ کہ مرد بیک وقت چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے مگر کوئی عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتی۔ اس معاملہ میں بھی مردوں کو قدرتی فضیلت حاصل ہے۔ طلاق کا حق بھی مرد کو ہی ہے، عورت کو یہ حق اللہ نے نہیں

دیار سورۃ بقرہ میں گنزر چکا ہے "بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" نکاح کی گمبھہ
 کھولنا مرد کے ہاتھ میں ہے۔ عورت کو طلاق کا حق تفویض نہیں کیا گیا
 وراثت کے حصص کے متعلق اسی سورۃ کی ابتدا میں گنزر چکا ہے۔

لِلَّذِكْرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ" ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر
 ہے۔ مردوں کو اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب

نبوت مردوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ سورۃ انبیاء میں موجود ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ اللَّهُ تَعَالَى نَے

حضور علیہ السلام سے پہلے جتنے بھی نبی مبعوث فرمائے سب مرد تھے کسی

عورت کو کبھی نبی نہیں بنایا گیا۔ اسی طرح ولایت، تولیت یا سرپرستی بھی مردوں

تک محدود ہے، عورت کو تولیت نہیں ملتی۔ جب تک کسی کا باپ، بیٹا

یا بھائی موجود ہے، وہی ولی ہوں گے۔ ہاں! اگر مردوں میں سے کوئی بھی

باقی نہ ہو تو تولیت عورت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں بھی مردوں

کو فوقیت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ تمام اعمال شاقہ یا اجتماعی امور اللہ تعالیٰ نے مردوں

کے سپرد کیے ہیں۔ نظام حکومت و خلافت بڑا محنت طلب اور ذمہ داری

کا کام ہے۔ یہ عورتوں کے بس کا روگ نہیں۔ جب ایہ انہوں نے کھساری

کی بیٹی کو بران کو بادشاہ بنا دیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لَنْ يَفْلِحَ قَوْمٌ

وَلَوْ أَمَّهُمْ إِسْرَاءُ وَهُ قَوْمٌ كَمِثْلِي كَامِيَابِ نَهِيں ہو سکتی جس نے

اپنے اجتماعی معاملات عورت کے ہاتھ میں دے دیے۔ کوئی عورت زبردستی

حاکم بن جائے تو علیحدہ بات ہے ورنہ وہ اس کے لائق نہیں ہے۔

بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عورت قاضی بھی نہیں بن سکتی کیونکہ

ہو سکتا ہے کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اُسکی حالت درست نہ

ہو اور وہ غلطی کر جائے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ اور ابن حزمؒ وغیرہ کہتے ہیں

کہ عورت بعض معاملات میں قاضی بن سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں مستدرتی
(NATURA) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے مقابلہ میں مرد کو برتر بنایا ہے
اب مرد کی فوقیت کی دوسری اور اختیاری فضیلت اس وجہ سے ہے
وَبِمَا أَلْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ
کرتے ہیں عورت کا نان نفقہ، رہائش، لباس وغیرہ مرد کے ذمہ ہے
اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق ضروریات زندگی مہیا کرنے کا پابند ہے جیسے
فَرَمَا عَلَى السَّمُوسِعِ قَدْرَهُ وَعَلَى الْمَقْتِرِ قَدْرَهُ یعنی خوش حال
آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور تنگ دست اپنی مالی حالت
کے مطابق۔ اس کے علاوہ نکاح کا مہر بھی مرد کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ مرد کھانا
سے اور عورت پر خرچ کرتا ہے، لہذا قدرتی طور پر اسے برتری حاصل ہو
جاتی ہے عام حالات میں عورت کے ذمہ لازم نہیں کہ وہ محنت مزدوری
کرے، البتہ مرد کے ساتھ بعض معاملات میں تعاون کر سکتی ہے۔ مگر
اگر کوئی غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں، تو اضطراری صورت میں بعض ناجائز چیزیں
بھی مباح ہو جاتی ہیں مگر نہ نارمل حالات میں عورت گھر کی چادر دلاری میں رہ کر
گھر کا نظم و نسق چلانے اور بچوں کی پرورش کی ذمہ دار ہے۔

اختیاری
فضیلت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اچھی اور نیک عورتوں کی تعریف بھی فرمائی
ہے فَالطَّاهِرَاتُ قَانِتَاتٌ نَبِيَّاتٌ عَوْرَتِينَ وَهِيَ جِوَاظِعَاتٌ كَمَا رُبِّبْنَ
اطاعت سے ملو پہلے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، پھر اپنے
خاوند کی اطاعت ہے۔ مسند امام احمد کی روایت میں موجود ہے جسے امام
اصفہانی نے بھی نقل کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے الْمَرْءُ
إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَحْضَتْ فَرْجَهَا
وَاطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيْ الْبُوابِ الْجَنَّةِ
پنجاه رکعت جو عورت پانچ نمازیں پڑھے۔ رمضان کے روزے رکھے

نیک عورت
کے اوصاف

وَاضِي بُوْهُنٍ اُنہیں مارو۔ معمولی دھپڑ وغیرہ مارو، یہ سزا ادب اور تہنید کے لیے ہے، نہ کہ انتقام کے طور پر۔ لہذا بہت زیادہ نہ مارو، ہو سکتا ہے کہ عورت اس سزائش سے اطاعت پر آمادہ ہو جائے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنی عورتوں کے متعلق شکایت کی کہ وہ ہماری اطاعت نہیں کرتیں۔ آپ نے فرمایا، اُن کی پٹائی کرو۔ اس اجازت پر لوگوں نے نافرمان عورتوں کو بے ستما مارنا شروع کر دیا، سزائش کی حدود کو قائم نہ رکھ سکے۔ اس پر عورتوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں شکایت کی کہ اُن کے خاوند انہیں بہت زیادہ سزا دیتے ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ لَقَدْ طَافَ بِالْمَحْتَمِدِ سَبْحُونَ اِمْرَةٌ یعنی ہمارے گھر میں ستر عورتوں نے آکر شکایت کی ہے اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا، یہ درست نہیں ہے۔ مانے کی اجازت محض تہنید کے لیے دی گئی تھی۔ بہت زیادہ مارنا مقصود نہیں تھا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مانے کی نوبت ہی آجائے وَاضِي بُوْهُنٍ غَيْرِ مَبْرُوحٍ تُوَالِي مَارُو کہ کوئی پٹری پسی ٹوٹ جائے۔ یہ زیادتی ہے۔

حجۃ الوداع والی حدیث میں عورتوں کے متعلق آتا ہے کہ دیکھو! تمہارے اور تمہاری عورتوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسا کام کریں۔ تو انہیں معمولی جسمانی سزا دو۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔ کہ وہ تمہارے پاس قید کیوں کی مانند ہیں۔ تمہارے ماتحت ہیں۔ ان کو کھلاؤ پلاؤ، کپڑا پہناؤ، اُن کی رہائش کا بندوبست کرو۔ اگر وہ نافرمانی کریں۔ تو معمولی ضرب لگاؤ، چہرے پر سمت مارو، اتنا نہ مارو کہ زخمی نہ ہو۔ یا کوئی عضو بیکار ہو جائے۔

فرمایا فَإِنْ أَطَعَتْكُمْ فَمَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَكُونُوا كَمَا كُنْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

فرمایا فَإِنْ أَطَعَتْكُمْ فَمَا عَلَيْكُمْ أَنْ تَكُونُوا كَمَا كُنْتُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

جائیں فَلَا تَبْعُوا عَلَيْهِمْ سَبِيلًا تو ان پر کوئی الزام تراشی نہ کرو، نہ ان کے لیے کوئی راستہ یا حیلہ بہانہ تلاش کرو۔ جب عورت نافرمانی سے باز آگئی، مقصد حاصل ہو گیا، تو اب کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ یاد رکھو اللہ نے تمہیں برتری عطا کی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں ان پر ہر جائز ناجائز کا اختیار حاصل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہ کر معاملات کو طے کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا كَبِيْرًا بِيْنِكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی بلند اور بڑا ہے۔ اُس کے احکام کو مد نظر رکھو۔ اگر خلاف ورزی ہوئی تو پھر اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ بھی حدود کے اندر رہیں۔

النساء ۴

آیت ۳۵

والمحصنت ۵

درس بیست و چہارم

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ
 أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا
 يُوَفِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور اگر تم کو خوف ہو اُن دونوں کی آپس میں

مخالفت کا، پس کھڑا کرو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان

سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے۔ اگر

یہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان

توفیق دے گا بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ﴿۳۵﴾

گذشتہ درس میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت کا ذکر تھا۔ اور مردوں کو عورتوں

رابط آیات

کا نگران، محافظ اور حاکم بنائے جانے کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت

کی اور وجوہات بھی بیان فرمائیں۔ پہلی وجہ تو فطری ہے۔ کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت

اور ارادے سے مرد کو مرد اور عورت کو عورت بنا دیا، اور مرد کے قویٰ میں وہ استعداد

اور اہلیت رکھ دی جس کی وجہ سے عورت پر برتری حاصل ہوئی، اور دوسری اختیاری

ہے کہ مرد محنت مشقت کر کے روزی کھاتا ہے اور پھر عورت پر خرچ کرتا ہے، اس لیے بھی

اس کو فوقیت حاصل ہے۔ پھر فرمایا نیک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو اطاعت گزار ہوں اور مرد کی

غیر حاضری میں اُس کے مال اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہیں۔ البتہ جن عورتوں

کی طرف سے نافرمانی کا خوف ہو، فرمایا کہ اُنکی اصلاح کا طریقہ کاریہ ہے۔ کہ سب سے پہلے انہیں

نصیحت کرو کہ درست ہو جائیں۔ اگر حالات درست نہ ہوں تو فرمایا پھر انہیں اپنی خواب گاہوں

سے علیحدہ کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ سمجھ جائیں کہ تم اُن سے ناراض ہو۔ فرمایا اگر اس کے باوجود

اصلاح نہ ہو تو انہیں مارو یعنی جسمانی سزا دو۔ اور یہ سزا بھی معمولی دُبے کی ہو جس کا مقصد تادیب ہو۔ یہ سزا انتقامی کارروائی کی شکل نہ اختیار کر جائے۔ پھر یہ بھی کہ یہ تینوں طریقے یکے بعد دیگرے استعمال کرو، بیک وقت نہیں۔ اس کے بعد اگر وہ اطاعت پر آمادہ ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ زیادتی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بلکہ اب خوش اسلوبی سے گزر اوقات کرو۔

مصاحبت کی ط

اگر مذکورہ تینوں طریقے ناکام ہو جائیں اور میاں بیوی میں اصلاح نہ ہو سکے تو پھر وہ طریقہ اختیار کرو جو ان کے درس کا موضوع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ غلطی ہمیشہ عورت کی ہو، بعض اوقات مرد کی طرف سے بھی زیادتی کا امکان ہو سکتا ہے۔ لہذا فرمایا وَإِنْ خِفْتُمْ اگر تم میں خوف ہو، سِتْفَاقَ بَيْنِهِمَا دونوں (بیوی خاوند) کے درمیان اختلاف کا، تو پھر وہ کارروائی عمل میں لاؤ جس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہاں پر خِفْتُمْ کے مخاطبین تین قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے نمبر پر مرد اور عورت کے سرپرست، دوسرے نمبر پر جماعت المسلمین اور پھر حاکم وقت جو یہاں بیوی میں تنازعہ طول پکڑ جائے تو عورت اور مرد کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں۔ اگر سرپرست موجود نہیں ہیں تو عامۃ المسلمین یعنی کلی محلے یا گاؤں کے لوگ آگے آئیں اور اگر ایسی بھی صورت نہ ہو تو پھر عمال حکومت کا فرض ہے کہ میاں بیوی میں صلح صفائی کے لیے کارروائی کریں۔

تالیف تالیف
تالیف تالیف

فرمایا میاں بیوی میں ناچاقی کو ختم کرنے کے گزشتہ درس میں مذکورہ تینوں حربے یعنی نیت، بستر سے علیحدگی اور مار پیٹ ناکام ہو جائیں تو پھر فَابْتِغُوا حَكْمًا مِّنْ أَهْلِ مرد کے خاندان میں سے ایک حکم تمہارے، ثالث یا مصاحبت کنندہ کھڑا کرو وَحَكْمًا مِّنْ أَهْلِهَا اور ایسا ہی ایک آدمی لوگ کے خاندان سے مقرر کرو، جو دونوں کے حالات سے واقف ہوں اور میاں بیوی کی ذہنی استعداد اور ان کے عادت و خصائل سے بھی باخبر ہوں۔ یہ دو آدمی سر جوڑ کر مہیض اور باہمی مشاورت سے ہر دو دن کے درمیان مصاحبت کی بنیاد

تلاش کریں اور پھر اُن کے درمیان صلح کرادیں اگر خاندان سے دو مناسب آدمی نہ مل سکیں تو پھر کوئی دوسرا شخص بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔ مقصد وہی ہے کہ میاں بیوی کے حالات سے زیادہ سے زیادہ باخبر ہوں تاکہ انہیں کسی نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہو۔

اس طریقے سے مقرر کیے گئے مصالحت کنندگان کے فیصلے کو شریعت میں معتبر سمجھا جاتا ہے بعض دیگر معاملات میں بھی حکم مقرر کرنے کا حکم موجود ہے۔ اس طرح کی قائم کردہ مصالحتی کمیٹی کو اگرچہ عدالت کا درجہ تو حاصل نہیں ہوتا، تاہم اس کا فیصلہ عدالت کے فیصلہ کی طرح ہی قابل قبول ہوتا ہے۔ فریقین کے لیے لازمی ہے کہ اپنی مقرر کردہ مصالحتی کمیٹی کے فیصلے کو خوش دلی سے مقبول کریں۔ ہاں بعض اوقات فیصلے میں بوجہ غلطی بھی ہو سکتی ہے یا کسی ایک طرف طرفداری محسوس ہوتی ہے تو ایسی صورت میں باقاعدہ عدالت میں اپیل بھی کی جاسکتی ہے۔ اور اگر اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ ہے تو پھر عدالت مجاز ہے کہ فریقین کے درمیان تفریق کر لے۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں حضرت عقیلؓ کا ایک ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ حضرت عقیلؓ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے شامل ہوئے تاہم فتح مکہ یا اُس کے قریبی زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد ایک موقع پر حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر حضرت امیر معاویہؓ سے جا ملے تھے۔ بہر حال حضرت عقیلؓ نے فاطمہ بنت عقبہ سے نکاح کیا تھا۔ عقبہ، ربیعہ اور ولید وغیرہ غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ یہ خاندان تو وہی ہے جو حضور علیہ السلام اور حضرت علیؓ کا یعنی خاندان عبد مناف ہے حضرت عقیلؓ اور فاطمہؓ کے درمیان بعض اوقات مزاح بھی ہوتا تھا اور بات بڑھ بھی جاتی تھی۔ تو ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ فاطمہؓ نے پوچھا اُس کا باپ عقبہ اور ربیعہ وغیرہ کہاں ہیں تو عقیلؓ کہنے لگے، وہ تمہاری

خلافت عثمانؓ
کی ایک مثال

بائیں جانب جہنم میں ہوں گے۔ حضرت فاطمہؑ نے اس بات کا بڑا امتیاز اور حضرت عثمانؓ کی عدالت میں عقیدت کے خلاف شکایت کر دی کہ اُس کے خاوند نے اُسے یہ بات کہ کر فرہنگی کو فت پہنچائی ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ اس قسم کا مذاق نہیں ہونا چاہیے۔ مرنے والے اپنے نتائج کو پہنچ چکے ہیں۔ لہذا اُن کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے اُن کے پس ماندگان کی دل آزاری ہو۔ فاطمہؑ مسلمان ہے اگر اُس کا باپ کفر کی حالت میں مر گیا، تو اب اُس کو جتانے کی کیا ضرورت ہے اس قسم کا مذاق اچھا نہیں ہوتا۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمران ابن حصینؓ کی دو بیویاں تھیں۔ اُن کی آپس میں بڑی کھسٹ پٹ رہتی تھی۔ اسی طرح ایک دوسرے شخص کی بھی دو بیویاں تھیں اور اُن کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہ شخص حضرت عمرانؓ سے مل کر گھڑ آیا تو ایک بیوی نے پوچھا تم کہاں تھے کہنے لگا حضرت عمرانؓ سے مل کر آ رہا ہوں بیوی نے کہا تم غلط بیانی کر رہے ہو، تم تو دوسری بیوی کے بل سے آئے ہو۔ بہر حال اُس نے انکار کیا اور یوں کہا کہ میں نے حضرت عمرانؓ سے ایک حدیث سنی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا اقل ساکن الجنة النساء یعنی جنت میں جانے والی بہت کم عورتیں ہونگی کیونکہ اُن کی اکثریت جہنم میں جائے گی حضور علیہ السلام کا ایک اور فرمان یہ بھی ہے يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ رُبِّتِ كُنَّ اَكْثَرُ اَهْلِ النَّارِ یعنی اے عورتوں کا گروہ! میں نے تمہاری زیادہ تعداد دوزخ میں دیکھی ہے۔ لہذا خدا کا خوف کیا کرو اور صدقہ خیرات وغیرہ کیا کرو۔ ایک عورت نے عرض کیا حضور! عورتوں کی اکثریت کا دوزخ میں جانے کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا تکفرون العشى تم خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہو۔

عورتوں کی
گمخواری

بہر حال جب حضرت فاطمہؑ نے عقیلؑ کی شکایت دربار عثمانؓ میں پیش کی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں ان دو کے بائے میں دو حکم مقرر کرتا ہوں۔ چنانچہ فاطمہؑ کے خاندان سے حضرت معاویہؓ کا حکم مقرر ہونے اور عقیلؑ کے خاندان سے عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عثمانؓ نے دونوں مصاحبت کنندگان کو بلا کر کہا کہ ان میاں بیوی کے درمیان مصاحبت کرادو۔ چنانچہ دونوں نے آپس میں صلح مشورہ کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ بھگڑا اعتنا م پذیر ہوتا نظر نہیں آتا لہذا بہتر ہے کہ میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے۔ امیر معاویہؓ کہنے لگے کہ میں عبدالمناف کے خاندان کے دو شخصوں کے درمیان مفارقت کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ دونوں بیچ حضرات باتیں کرتے ہوئے حضرت عقیلؑ کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ جب یہ ان کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند تھا اور وہ میاں بیوی از خود راضی ہو چکے تھے۔ انہیں بات کرتے کہ موقع بھی نہ ملا اور واپس آ گئے۔ یہ واقعہ امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی مصاحبتی کاروائی کا آغاز حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوا۔ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میاں بیوی کے درمیان تنازعہ کی صورت میں دو ارکان پر مشتمل ایک مصاحبتی کمیٹی بنائی جائے۔ جو دونوں کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کرے، تاہم صلح جوئی کا انحصار کمیٹی کے ارکان کے خلوص پر ہے۔ اگر وہ نیک نیت ہوں گے اِنْ يُّرِيدَا اَصْلَاحًا اگر ان کا ارادہ فی الحقیقت اصلاح احوال کا ہوگا۔ يُوفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا تو اللہ تعالیٰ ان میں ایسی توفیق پیدا کرے گا کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں گے اور مصاحبت کنندگان کی کوشش بار آور ہوگی۔ اگر ان کی نیت میں فسق ہوگا، معاملہ میں جانبداری کا مظاہرہ کریں گے، تو ظاہر ہے کہ صلح صفائی

مصاحبتی کمیٹی
کی ذمہ داری

کی بجائے تنازعہ مزید بڑھے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر منصفان کا ارادہ اصلاح کرنے کا ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا کرے دیگا، جسکی وجہ سے میاں بیوی میں مصاحبت ہو جائیگی۔

مصاحبت
کھینچ کر تینہ

آگے اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَبِيرًا بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے ان صفات کے تذکرے سے مصاحبت کنندگان کو تینہ کرنا مقصود ہے کہ دیکھو! تمہارا فیصلہ حق و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے کسی کی بے جا طرفداری نہ کرنا، اگر تم نے اندرون خانہ کوئی گمراہ کی تو اللہ تعالیٰ عليم ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ ذاتِ خیر بھی ہے۔ تم جو کچھ جس نیت اور ارادے سے کر رہے ہو، اُس کی ہر آن اُسے خبر ہے۔ اگر فیصلے میں کوتاہی کرو گے، جان بوجھ کر انصاف کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کے ہاں مجرم ٹھہرو گے اور اُسکی گرفت میں آ جاؤ گے یہ بالکل ویسی ہی تینہ ہے جیسی گذشتہ درس میں خاوند کو کی گئی ہے۔ کہ دیکھو! تمہیں اللہ نے عورت پر حاکم بنایا ہے تو اُس کے ساتھ کئی قسم کی زیادتی مت کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مجھے عورت پر کھلی اختیار حاصل ہو گئے ہیں جو چاہوں کر تاپھروں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ وہاں فرمایا كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَبِيرًا اللہ تعالیٰ بلند بھی اور عظمت و بڑائی کا مالک بھی ہے اگر تم عورت کے ساتھ کوئی زیادتی کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں تمہیں بہر حال پیش ہونا ہے اس عدالت سے بڑی نہ کوئی عدالت ہے اور نہ اس عدالت کے سامنے کسی کی چرب زبانی کلام آسکتی ہے وہاں تمہیں اپنی زیادتی کا جواب دینا پڑے گا۔ اگر مصاحبت کھینچ بھی ناکام ہو جائے تو پھر آخری صورت عدالتی چارہ جوئی ہے۔ اسلامی عدالت فیصلہ کریگی۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات نکاح کے ساتھ ساتھ یہ معاشرتی مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔

النساء ۴
آیت ۳۶

والمحصنت ۵
درس بست پینچ ۲۵

وَعِبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ
مُخْتَلًا فُحُورًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ :- اور اللہ کی عبادت کرو، اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو
شریک نہ ٹھہرائو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قربانوں
کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور قریب والے
ہمائے کے ساتھ اور اجنبی ہمائے کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے
کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور وہ کہ جن کے تمہارے ہاتھ
ہاتھ مالک ہیں، اُن کے ساتھ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اُس شخص کو پسند
نہیں کرتا جو بڑائی کرنے والا ہے اور فخر کرتا ہے ﴿۳۶﴾

سورۃ کی ابتداء سے یہاں تک حقوق ہی کا بیان آرہا ہے پہلے اللہ تعالیٰ نے
عورتوں کے حقوق بیان فرمائے پھر یتیموں کے حقوق کا تذکرہ کیا۔ مالی حقوق کے طور پر
وراثت کے حقوق اور وراثہ کے حصص بیان کیے۔ نکاح اور محرمات نکاح کا ذکر ہوا۔
پھر معاشرتی مسائل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد و عورتوں پر نگران یا محافظ ہیں، اُن پر
عظیم ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اگر نگران صحیح ہوگا تو اس کے ماتحت بھی درست ہوں
گے اور اگر نگران ہی خرابی کا شکار ہوگا تو زیر دست بھی میلے ہی ہوں گے۔ اس کے

بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ اختلاف ہو جائے تو اُسے کس طرح نیشانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کا طریقہ بتایا اور باقاعدہ قانون مقرر فرمادیا۔

اب آج کے درس کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب کے پہلے اُس بنیادی چیز کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ عبادت صرف اُسی کی کی جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اگر انسان کی یہ بنیاد درست ہو جائے تو اُس کے تمام معاملات درست ہو جائیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا حق بیان کرنے کے بعد باقی حقوق کی تشریح بیان فرمائی ہے۔

عبادت
اللہ کی ہو

ارشاد ہوتا ہے وَاعْبُدُوا اللَّهَ اللہ کی عبادت کرو۔ یہ بنیاد ہے۔ اگر تمام لوگ صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں تو باقی تمام حقوق خود بخود درست ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق، محسن اور مربی ہے۔ اگر اُسی کے حقوق میں کوتاہی روا رکھی گئی تو کچھ باقی مخلوق کا حق کیسے ادا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی کمزور ہوگی تو اس پر مضبوط عمارت کیسے تعمیر ہو سکتی ہے لہذا سب سے پہلے اس بنیادی عنصر کا ذکر کیا، لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔

امام رضی اللہ عنہ اور دیگر مفسرین نے عبادت کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔
اقصی غایۃ التذلل والخصوع یعنی انتہائی درجے کی عاجزی اور نیا ز مندی کے اظہار کا نام عبادت ہے اور یہ عمل کبھی نیت سے ہوتا ہے، کبھی مال سے کبھی قول سے اور کبھی عمل سے۔ یہ انتہائی عاجزی اور نیا ز مندی مافوق الاسباب ہستی کا تصور رکھتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اُس کے علاوہ کسی کے ساتھ روا نہیں۔ جب عبادت صرف اللہ کے لیے خاص ہوگی تو پھر غیر اللہ کے ساتھ ایسا معاملہ کسی طرح بھی روا نہیں۔ اگرچہ یہ بات خود بخود ذہن میں آتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تاکیداً یہ بھی فرمادیا وَالَّذِينَ كَفَرُوا شیڈاً اس مالک الملک کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں، کہ خالق اور واجب الوجود اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور واجب الوجود ہونے میں تو کسی کو شک و شبہ نہیں اور نہ ہی ان دو صفات میں اللہ کے ساتھ کوئی شرک کرتا ہے۔ البتہ شرک ہوتا ہے عبادت میں اور تہمیر میں۔

پوری نوع انسانی میں سے دہریوں کی قبیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ خالق صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔ اُس کے علاوہ اور کوئی خالق نہیں۔ کافر مشرک، یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ، عینی، بدھ، مجوسی کسی سے پوچھ کر دیکھ لو کہ ہر چیز کا خالق کون ہے؟ سب کہیں گے۔ کہ خالق تو صرف اللہ ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اِنْسَانٌ، حَيوانٌ، چرند، پرند، بگڑے، بگڑے سب کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے، زمین آسمان، سیارے، ستارے، چاند، سورج کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ سب کہیں گے اللہ ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں بھی سب لوگ متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود خود بخود ہے، یہ کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ نہیں۔ اُس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کا وجود ضروری ہو اور جو واجب الوجود ہے۔ لفظ اللہ کا معنی یہی ہے واجب الوجود مستجمع لجميع صفات الکمال مبرا عن النقص و الزوال یعنی وہ واجب الوجود ہے اور تمام صفات کمال کا جامع ہے، وہ نقص اور زوال سے پاک ہے۔ جب لفظ اللہ بولا جاتا ہے تو یہ ساری حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔ فارسی میں اللہ کے لیے خدا کا لفظ ہے جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ایسی ہستی جو خود بخود موجود اور قائم ہے، کسی کی محتاج نہیں، بلکہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ لہذا واجب الوجود بھی اللہ ہی کی ذات ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا شرک عبادت اور تہمیر میں ہوتا ہے۔ لوگ اللہ

کے سوا غیر کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ عبادت بھی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے **فَخَصَّكَ بِالْعِبَادَةِ** ہم تیری ہی ذات کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں **إِيَّاكَ نَعْبُدُ** کا بھی یہی مطلب کہ صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا باقی ہر چیز مخلوق ہے اور مخلوق واجب الوجود نہیں ہوتی عبادت کے لائق صرف وہ ذات ہے جو خالق اور واجب الوجود ہے۔ تمام صفات کاملہ کی جامع اور نقص اور زوال سے پاک ہے۔ وہ صرف ذات خداوندی ہے۔ ملاذ اعلیٰ سے لے کر ملاذ سافل تک ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، ہم جس نظام شمسی میں رہتے ہیں اُس کا خالق بھی وہی ہے اور اس کے علاوہ جتنے بھی جہاں ہیں۔ سیارے اور ستارے ہیں اُن سب کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ اسی لیے تو ہر صاحب عقل انسان اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم **فَعْبُدْكَ وَلَا تَعْبُدْ غَيْرِي** اے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔ نہ کوئی اس لائق ہے۔ سب فانی ہیں نہ اُن کا اپنا وجود ہے۔

اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جو عبادت میں شرک کے متحرک ہوتے ہیں۔ غایت درجے کی تعظیم جو صرف خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، وہ غیروں کے سامنے کرتے ہیں کوئی بت کے سامنے گھڑ گھڑاتا ہے، کوئی قبر پر سجدہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ کوئی ستاروں اور سیاروں کی پوجا کرتا ہے۔ انتہائی عجز و انحرار جو خالص اللہ کے لیے روا ہے، وہی نیاز مندی مافوق الاسباب ہستی تصور کرتے ہوئے جب غیر اللہ کے لیے پیش کر دی تو انسان مشرک بن گیا۔ اللہ کے علاوہ اگر کسی کو نافع اور ضرر سمجھ لیا جائے اور پھر اسی خوشنودی کے لیے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے نیاز کے طور پر خرچ کیا جائے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ اگر نیاز نہیں دیں گے تو نقصان ہو جائے گا، یا کم از کم برکت سے محروم ہو جائیں گے، تو یہ مال میں شرک ہو گا۔

مال بھی صرف اسی ذات کی خوشنودی کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے جس نے اُس مال کو اور اُس خرچ کرنے والے کو بھی پیدا کیا پھر جب یہ چیز مخلوق کے لیے روا رکھی گئی، تو ایسا کرنے والا شرک کا مترکیب ہو گیا۔

شرک کا ارتکاب عمل کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ جیسے اللہ کے سوا کسی مخلوق کو سجدہ کر دے۔ اسی طرح کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، اور بگڑی بنا والا سمجھنا یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ صفات کمال کا حامل ہے۔ اُسے ہر چیز کا علم ہے اور وہ محیط کل ہے، یہ سب شرک کی عقیدے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے اور نہ محیط کل، اس معاملہ میں ملا اعلیٰ کے مقررین، انبیاء کرام، شہداء و عظام اور عام صحابین سب برابر ہیں۔ اللہ کی صفات مختصہ میں کسی کا کچھ حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب مخلوق۔ اَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ کیا پیدا کرنے والے اور نہ پیدا کرنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں لہذا عبادت کے لائق صرف ذات الہی ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ وہی عقیدہ رکھے گا جو خدا کے ساتھ روا ہے تو یہی شرک فی العبادت ہے۔

شرک کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے سوا غیروں کو بھی تدبیر کنندہ مانتے ہوئے۔ مَنِ يَدَّبِ الْأَمْسَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک کون تدبیر کرتا ہے؟ جواب یہی آئیگا، کہ وہی وحدہ لا شریک مدبر ہے۔ اس کے ساتھ تدبیر میں بھی کوئی شریک نہیں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا تدبیر کنندہ صرف اللہ ہے۔ مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی لوگ غیر اللہ کو مدبر مانتے ہیں حالانکہ یہ زمانہ جاہلیت کا عقیدہ ہے۔ آج بھی نجومی ستاروں کو مدبر مانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ نفع نقصان، انقلابات اور ماجریات یومیہ ستاروں سے وابستہ کی جاتی ہیں اور یہی شرک فی التدبیر ہے۔

شرک فی التدبیر

مشرکین لات، منات اور عزری وغیرہ کو تہمیر کنندہ جانتے تھے اور آج یہی چیز لوگ اہل قبور کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ سب سے بڑا مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے تاہم ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے چھوٹے چھوٹے آگے مدبر مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں یا حکومتوں پر قیاس کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی حکومت اپنے عمال یا ناظمین مقرر کرتی ہے، ان کا خیال ہے کہ اسی طرح اللہ نے بھی اپنے نابین مقرر کر رکھے ہیں اور ان کے ذمہ بعض امور لگائیے ہیں جنہیں وہ تفویض شدہ اختیارات کے تحت انجام دیتے رہتے ہیں۔ مشرکین بعض نیک اور صالح لوگوں کے متعلق یہ تصور رکھتے ہیں کہ چونکہ وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اس لیے اللہ ان پر الوہیت کی چادر ڈال دیتا ہے اور کچھ اختیارات ان کو تفویض کر دیتا ہے۔ یہ سخت مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی نبی، ولی، شہید، یا صاحبین میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیتا کہ وہ جو چاہے کرے تاہم اسے کسی کی بگڑی بناوے یا کسی کی حاجت روائی کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اور قیوم ہے وہ ہر ایک کی حاجت روائی اور مشکل کشائی براہ راست کرتا ہے وہ قدرت مہر کا مالک ہے۔ ہر ایک کی ضرورت کو جانتا ہے کیونکہ علیم کل ہے۔ ہر ایک کی حاجت روائی بھی کرتا ہے۔

بعض لوگ اللہ کی صفات میں اس کا شریک بناتے ہیں۔ غیر اللہ کو مختار مطلق تصور کر لیا۔ یا فلان حاضر و ناظر ہے، وہ علیم کل ہے فرے ذرے سے واقف ہے۔ یہ سب شریک عقائد ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمادیا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو وَلَا تَشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اگر تمہارا عقیدہ توحید مضبوط رہا اور شرک سے پاک رہا تو تمہارے تمام اعمال کی بنیاد نچتے ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے بعد چہرے تم حقوق العباد بھی ادا کر سکو گے۔ لاجلہ تمہاری نظر قیامت پر

ہوگی اور اُس جہان کی باز پرس پر تمہارا یقین ہوگا۔

حضرت معاذؓ کی حدیث میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا معاذ! کیا جانتے ہو کہ اللہ کا حق مخلوق پر کیا ہے۔ عرض کیا حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے۔

أَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ عِبَادَتَ خَالصِ اللَّهِ كِي كرس اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق کا حق اللہ پر کیا ہے۔ پھر عرض کیا حضور! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب کچھ تمہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے خود یہ حق لے رکھا ہے کہ جب اُس کی مخلوق اس کی عبادت نہ گئی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائے گی تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

والدین کے حقوق

اب حقوق العباد کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَابِلْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ مَا لِبَابِكَ سِوَاكَ إِحْسَانٌ كَرِيمٌ ۚ اُن کے ساتھ حسین سلوک سے پیش آؤ۔ اولاد اور والدین کا سب سے قریبی تعلق ہوتا ہے والدین اولاد کے محسن ہوتے ہیں اور بغیر کسی معاوضہ کے احسان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی فطرت میں اولاد کے لیے محبت ڈال دی ہے۔ اس لیے وہ اولاد کے ساتھ مشفقانہ سلوک کرتے ہیں لہذا اولاد پر لازم ہے کہ وہ والدین کے ساتھ بہترین سلوک کریں۔ اور انہیں قولی یا فعلی طور پر کبھی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں۔ جائز امور میں اُن کی اطاعت کریں، ضرورت کی وقت ان کی مالی مدد کریں جسبانی طور پر انہیں راحت پہنچائیں، حتیٰ کہ والدین اگر کافر بھی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اُن کا عقیدہ تو اختیار نہ کریں البتہ

وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَمَكَرُومًا فِي الْآخِرَةِ ۚ اُن کے ساتھ ہی سلوک

سے پیش آؤ۔

فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ وَيَذِي الْقُرْبَىٰ
قرابتداروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ماں باپ کے بعد بہن، بھائی، چچا
اور دیگر عزیز واقارب ہیں ان کا بھی حق ہے۔ والدین کے واسطے سے ہمتور
کوئی قریبی ہے اسی قدر اس کا حق بھی مقدم ہے۔

آگے فرمایا وَالْيَتَامَىٰ یتیموں کے حقوق ادا کرو۔ ان کے سر پر دست
شفقت رکھو، ان کی ہر ممکن اعانت کرو وَالْمَسْكِينِ اور ایسے نادار
لوگ جو محنت کے باوجود معاشی طور پر لپست ہیں، ان کے جائزہ اخراجات
آمدنی سے کم ہیں، وہ تمہارے حسن سلوک کے مستحق ہیں ان کا بھی خیال رکھو۔
اللہ نے ان کا حق بھی تمہارے ذمہ رکھا ہے۔

طوسی
کے حقوق

حقوق ہی کے ضمن میں فرمایا وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ قرابتدار پر طوسیوں
کا خیال رکھو۔ اگر طوسی رشتہ دار بھی ہے تو اس کا دہرا حق ہے۔
حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا حضور!
طوسی کا حق کہاں تک ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس گھروں تک سب
تمہارے طوسی ہیں ان کا تم پر حق ہے۔ صحیحین کی حدیث میں آتا ہے۔ مَا
زَالَ جَبْرِيلُ يُوصِيَنِ بِالْجَارِ حَتَّىٰ ظَنَنْتَ اَنَّهُ سَيُورِثُهُ
جبریل علیہ السلام نے اللہ کی جانب سے مجھے طوسیوں کے ساتھ حسن سلوک
کی اتنی تاکید کی کہ مجھے خیال ہوا شاید خدا تعالیٰ طوسیوں کو وراثت میں
شریک کرے گا۔

وَالْجَارِ الْجَنَبِ اور اجنبی یا دور کے طوسی کے ساتھ بھی حسن سلوک
کا حکم دیا ہے کہ وہ بھی تمہاری مہربانی کے مستحق ہیں وَالصَّاحِبِ بِالْجَنَاحِ
اور پاس بیٹھے والے بھی اچھے سلوک کا حق رکھتے ہیں۔ ہم جماعت طالب علم
ہیں۔ کسی فیصلی یا دفتر میں اکٹھے کام کرتے ہیں۔ دکان پر بیٹھے ہیں۔

دیگر
مستحقین

کہیں سفر کے دوران ریل گاڑی، ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں ہم سفر ہیں، فرمایا سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حق رکھتے ہیں۔ ہر صاحب استطاعت حسب ضرورت دوسرے کی مدد کرے۔ وَابْنِ السَّبِيلِ اور کوئی مسافر ہو خواہ مہمان ہو یا اجنبی، اُسے بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو اس کا بھی تم پر حق ہے اُس کی مناسب اعانت کرو۔ وَصَامِلِكِ الْيَمَانِكُمْ اور وہ لوگ بھی تمہارے حسن سلوک کے مستحق ہیں جو تمہارے رہنے ہاتھ کی ملکیت یعنی زرضرید غلام ہیں۔ غلام کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس کی طاقت سے زیادہ اُس سے کام نہ لو۔ اور اگر کوئی مشکل کام اُس کے سپرد کر دو تو اُس کا ہاتھ بٹاؤ۔ جو خود کھاتے ہو اُن کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو، اُن کو بھی پہناؤ، ورنہ اگے چل کر مواخذہ ہوگا۔ اب غلامی کا سلسلہ تو نہیں ہے تاہم اس سے بچی نوکر چاکر، ملازم وغیرہ بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ وہ لوگ تمہاری خوش اخلاقی اور حسن سلوک کے حقدار ہیں۔

ذریعہ فلاح

اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام متعلقین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے۔ اگر اس ایک آیت پر ہی اہل اسلام عمل کر لیں تو دنیا سے شرف و فساد ختم ہو جائے اور دین و دنیا میں فلاح نصیب ہو جائے مگر افسوس کا مقام ہے۔ کہ جس طرح لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کیا، شرک کفر اور بدعات جاری کر دی ہیں، اسی طرح حقوق العباد کے معاملہ میں بھی زور چا پڑے ہیں۔ نہ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور نہ پڑوسیوں کا خیال کرتے ہیں اُن کی حوصلہ افزائی کی بجائے دل شکنی کی جاتی ہے۔ اُن کے دروازے پر چاکر گالی گلوچ، اور شور و شر برپا کیا جاتا ہے۔ پٹنگ بازی کے لیے چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں، آجکل ریکارڈنگ کی نئی مصیبت آگئی ہے پڑوس میں کوئی بیمار ہے۔ کوئی طالب علم مطالعہ میں مصروف ہے۔ کوئی عبادت گزار اللہ اللہ کرنا چاہتا ہے، مگر انہیں خدا کا خوف نہیں ہے، دوسرے

کا احساس تک نہیں۔

اب مسجدیں بھی اس شور و غل میں شامل ہو گئی ہیں۔ وقت بے وقت سپیکر کھول کر غزلیں اور نعتیں شروع کر دی جاتی ہیں اور پھر اسے کارنواب سمجھ کر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ مخلوق خدا کو ایذا پہنچائی جا رہی ہے حضور کا فرمان ہے لَا تَوذُوا الْمَوْتِمِينَ ، لَا تَوذُوا الْمُسْلِمِينَ اہل اسلام کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ مگر یہاں کون سمجھائے اور کون سمجھے۔ فرسروں کے حقوق پر چھاپہ مارنا کونسی نیچ ہے۔ اگر کسی کو آرام کے وقت آرام میسر نہیں، عبادت میں انہماک حاصل نہیں ہو رہا، بیمار کی نیند میں خلل آ رہا ہے، تو ایسی نیچی کا کیا فائدہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ اُن کا معمول تھا کہ گھر میں آم کھائے ہیں تو اُن کے چھلکے خود دور جا کر پھینک آتے تھے کہ کہیں پڑوسی کو تکلیف نہ ہو، نامعلوم انہیں یہ چیز میسر ہے یا نہیں۔ صاحب توفیق ہونے کے باوجود آپ کچے مکان میں بہتے تھے لوگ کہتے تھے کہ آپ اچھا مکان تعمیر کر لیں۔ فرمایا اللہ نے توفیق تو بیشک دی ہے مگر میرے پڑوسیوں کے مکان کچے ہیں اگر میں نے پختہ مکان بنا لیا تو محلے والوں کو تکلیف ہوگی۔ پہلے دارالعلوم میں جا کر درس دیتے تھے جب زیادہ ضعیف ہو گئے تو طلبا کو گھر بلانے لگے۔ آپ طلبا کو ایک ایک چھتری بھی خرید کر ملے دیتے تھے کہ انہیں آنے جانے میں تکلیف نہ ہو

غور سے
بیزاری

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُحْتَالًا فَتَنُوْا بَشِيْكَ
اللہ تعالیٰ انہیں پسند کرتا اترا نے والے اور پڑائی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کو مجبور و
مجبور ہے، وہ مغرور آدمی کو پسند نہیں فرماتا۔ جس شخص کے دل میں عاجزی ہوگی اسے
خدا تعالیٰ کی عبادت کا صحیح تصور بھی ہوگا، وہ وحدانیت کا شیدائی اور شرک سے
بیزار ہوگا۔ ایسا شخص اللہ کے حقوق بھی ادا کرے گا اور مخلوق کے حقوق سے
بھی غمزدہ رہے گا۔ جو شخص مال، دولت، جاہ اور اقتدار کی وجہ سے مغرور ہوگا

وہ کسی کا حق ادا نہیں کریگا۔ ایسا ضرور اور سختی بھگائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ
 کو ہرگز پسند نہیں۔ ایسے لوگ انسانیت کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ
 بنیادی مسئلہ سمجھا دیا ہے کہ عاجزی والا شخص ہی حقوق کو ادا کر سکتا ہے۔ اگر
 انسان میں عجز نہیں ضرور و تکبر ہے تو کوئی کام درست نہیں ہوگا۔

اور غلاموں کے حقوق ادا کرو۔ جس مقام پر کوئی جس قدر ضرورت مند ہے، اُسکی حاجت بھاری کر دو۔ ظاہر ہے کہ جس نے بندوں کے یہ حقوق ادا کر لیے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن گیا اور جس نے ان حقوق کی ادائیگی سے روگردانی کی اُس نے غرور اور تکبر کیا، اُس نے سمجھا کہ جو کچھ اُس کے پاس ملے اور دولت ہے وہ اس کی اپنی کمائی ہے اور اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرنے کا مجاز ہے، اس معاملہ میں کسی ترغیب و ترہیب کا پابند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں ایسے فخر کرنے والے اور بڑائی کا اظہار کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

اگر صدق دل سے غرور کیا جائے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ دراصل غرور و تکبر سخی اور ریاکاری کی بنیاد ہوتا ہے۔ اسی غرور کی وجہ سے انسان سخی کا مترکب ہوتا ہے اور جب جائز حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اُس کے پاس مال بچ جاتا ہے، تو پھر وہ محض دکھلائے کے لیے خرچ کرنے لگتا ہے اور اصل نیچی سے دور چلا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں اللہ جل جلالہ نے سخی اور ریاکاری کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ يَبْتَلُونَ وہ لوگ جو سخی کرتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت کو دوسروں تک نہیں پہنچاتے، حالانکہ اللہ نے اُن پر یہ حق عاید کیا ہے کہ اپنی جائز ضرورت سے زائد مال میں ضرورت مندوں اور محتاجوں کو شریک کر لیں۔ ایسے لوگ نہ صرف خود سخیل ہوتے ہیں بلکہ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ دوسروں کو بھی سخی کی ترغیب دیتے ہیں۔ کہ تم بھی غرور و مساکین کے حقوق ادا نہ کرو۔ مدینے کے یہودیوں میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہ خود بھی پرلے درجے کے کجوس تھے اور اہل اسلام کو بھی مختلف جیلوں بہانوں سے خرچ کرتے سے روکتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اگر

سخی کی
بیاری

تم نے گاڑھے پیسے کی کمانی بغیر سوچے سمجھے ضائع کر دی، بہاد میں لگا دی
 صدقہ خیرات کر دیا، غریب مسکین، یا کھسی مسافر اور مہمان کی خاطر مدارت میں
 لگا دیا تو تم فلاں ہو جاؤ گے، پھر بڑے وقت کے لیے تمہارے پاس کچھ
 نہیں بچے گا اور تم خود کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاؤ گے۔ اس طرح وہ بخیل
 کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بخیل ایک قبیح بیماری ہے
 جس قوم میں بخیل پیدا ہو جاتا ہے وہ بد دل ہو جاتی ہے اور آخر کار بخیروں کی
 مغلوب ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ کے لیے مال کو معاشرے کے کمزور
 طبقے تک پہنچانا چاہیے تاکہ وہ لوگ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور
 مسلمان من حیث القوم ایک طاقتور معاشرہ قائم کر سکیں۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے **الْبَخِيلُ يَعْزِيذُ مِنَ
 اللّٰهِ يَعْزِيذُ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ** یعنی بخیل آدمی اللہ
 سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی دور ہوتا
 بلکہ جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اسی طرح سخی کے متعلق فرمایا **قَرِيبٌ مِنَ
 اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ وَقَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ** اللہ سے قریب
 لوگوں سے قریب اور جنت سے بھی قریب ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی
 فرمایا جاہل سخی **اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ** کا زیادہ محبوب ہوتا ہے **مِنْ عَابِدِ
 بَخِيْلٍ** اُس عبادت گزار کو جس سے جو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں
 کرتا یا مقصد یہ کہ محض فرائض کی ادائیگی کے بعد فی سبیل اللہ خرچ کرنے والا
 اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے اُس لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والے اور نفسی
 روزے دار سے جو خرچ نہیں کرتا۔

حضور علیہ السلام کے سامنے بخیل کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا **اِنَّى دَاۤءِ
 اَدْوٰءٍ مِنَ الْبَخْلِ** یعنی کبوتری سے بڑھ کر کون سی بیماری ہے یہ تو انسان
 کے لیے دہلک مرض ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا **لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ**
 لہ مسند احمد ۳/۳۸۵ وکنز العمال ۲۵۴/۳۶ (فیاض)

عجب ولا منان ولا بخیل یعنی دھوکے باز، احسان جتلانے والا اور کجس ہرگز جنت میں نہیں جائیں گے۔ ترمذی شریف میں یہ روایت بھی آتی ہے لا یجتمع حصلتان فی المؤمن سوء الخلق و البخل یعنی کسی مومن میں بڑے اخلاق اور بخل جیسی قبیح بیماریاں جمع نہیں ہو سکتیں یہ مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ بد اخلاقی اور بخل واقع ہو۔

بخیل کی عادت یہ ہے کہ وہ مال کو گن گن کر رکھتا ہے مگر حشر کر کے پورا مادہ نہیں ہوتا۔ حاجت مند موجود ہیں، مال بھی موجود ہے مگر حشر کر نیچی ہمت نہیں پڑتی اسی لیے تو سعودی صاحب نے گلستان میں کہا ہے۔

زر از کان کندن زر از جان کندن

یعنی سونا حاصل کرنے کے لیے کان کو کھودنا پڑتا ہے۔ اور بخیل جب مر جائے تو زر و مال حاصل ہوتا ہے۔ گویا بخیل کی جان کندن حصول زر کا فریو بنتی ہے، وہ خود اپنی زندگی میں اپنے ہاتھوں خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

بخیل کی ترغیب دینا دراصل شیطانی فعل ہے۔ سورۃ بقرہ میں مگر چکا ہے الشَّيْطَانُ يُعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشِ وَالْمُنْكَرِ شَيْطَانُ فَتْرٍ سے ڈرتا ہے۔ کہ خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے۔ اور اسی طرح بے حیائی کے کاموں کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ کھیل تماشے اور ولعب، رسومات اور بدعات میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اس طرح انسان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف لے جاتا ہے۔

آگے فرمایا بخیل کی حالت یہ ہے وَيَكْتُمُونَ مَا أَنْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ مِنَ فَضْلِهِ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے فضل سے مال و دولت

بھی ہے اور علم بھی۔ انسان خود محنت کرتا ہے، تجارت یا ملازمت یا کھیتی باڑی کے ذریعے مال کھاتا ہے۔ بعض اوقات اُسے کچھ مال وراثت اور وصیت کے ذریعے بھی مل جاتا ہے اور یہ سب کچھ من فضلہ ہے اس کے علاوہ جسے اللہ نے علم کی دولت عطا کی ہے وہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ بخل مال میں بھی برا ہے اور علم میں بھی۔ یہودیوں میں ہر دو طرح کا بخل موجود تھا۔ مال کو خرچ کرنے سے بچکھاتے تھے۔ اور اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے انہیں جو علم حاصل تھا اسے بھی چھپا جاتے تھے اور لوگوں پر سچی بات ظاہر نہیں کرتے تھے۔ سنن بیہقی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ بخل فی العلم، بخل فی المال سے زیادہ قبیح ہے۔

فرمایا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مِّمَّا هَيَّأْنَا لَهُمْ لَمْ يَكْفُرُوا
والوں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ نہ خود اچھے کام کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے میتے ہیں۔ اس دنیا میں تو کسی نہ کسی طرح بچ جائیں مگر آخرت میں ذلت ناک عذاب اُن کا ہقدار بن چکا ہے۔

ریکاری

آگے اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو بظاہر مال تو خرچ کرتے ہیں۔ مگر نیک نیتی کے ساتھ نہیں، بلکہ محض دکھاوے کے لیے، تاکہ دنیا میں اُنکی شہرت اور بڑائی ہو۔ فرمایا وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ
اور وہ لوگ جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ انہیں خوف خدا نہیں اور نہ ہی مخلوق کے حقوق کی پاسداری ہے بلکہ وہ تو اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگ انہیں بڑے مخیر سمجھنے لگیں اور اُن کی عزت میں اضافہ ہو یہ خود پسند اور متکبر لوگ ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر بخل مگر ریکاری کے کاموں میں خوب خرچ کرتے ہیں۔ یہ بھی قبیح بیماری ہے۔ حضور نے ریکاری کو شرکِ خفی فرمایا۔ شرکِ جلی تو سابقہ درس میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ کہ

غیر اللہ کی پرستش کی جائے، انہیں حاجت روا اور مشکل کش سمجھا جائے۔ سورۃ کہف میں واضح طور پر آیا ہے "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا" جو اپنے رب کے ساتھ ملاقات چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کہہ رہے ہیں کہ ریاکاری نہ کرے۔ کیونکہ ریا سے عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صدقہ خیرات کرنے کے بعد احسان جملانے سے بھی عمل برباد ہو جاتا ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ریاکاروں سے فرمائیں گے، اس عمل کا بدلہ ان سے وصول کرو جنہیں دکھانے کے لیے یہ کیا تھا۔ آج میں تمہیں اس کا کوئی اجر نہیں دوں گا۔ میں ستر کا کے شرک سے بے نیاز ہوں، میں وہ عمل قبول کر دوں گا۔ جو خالص میری رضا کی خاطر انجام دیا گیا ہو۔

فرمایا جو لوگ دکھلائے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی حقیقت یہ ہے کہ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُوَ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَمْسُكَكُمْ بِالسَّيْرِ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا یعنی عبادت خالص اللہ کی کرو اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ ان لوگوں نے ریاکاری کی اور اس طرح اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آچکا ہے وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا۔ ہم انہیں ذلت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ آخرت میں ان کا حساب ضرور ہو کر رہے گا۔ ہم ہر آدمی سے حساب لیں گے کسی کو چھوڑیں گے نہیں۔ ہر شخص کو جنہم کے پل پر سے گزرنا پڑے گا۔ میزان کے پاس حاضر ہونا ہوگا، اعمال کا وزن

ایمان سے
خالی

کیا جائیگا نیکیاں اور بدیاں سب سامنے آجائیں گی قسمن یَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۚ وہاں پتہ چل جائیگا کہ کس نے نیکی کی تھی اور کس نے ریاکاری کی تھی۔

شیطان
کا چھندا

فرمایا ریاکار لوگ دراصل شیطان کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے وَمَنْ يُكِنِّ الشَّيْطَانَ لَهُ قَسِينًا جس کا ساتھی شیطان بن گیا۔ قَسِينًا تو وہ بُر بُرا ساتھی ہے۔ یہ شیطان ہی ہے جو انسانوں کے دل میں دوسوسہ ڈال کر برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کا جہاں تک بس چلے گا، وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے تو اعلان کر رکھا ہے کہ میں ہر راستے سے گھیر کر انسان کو جہنم میں پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے بھی لوگوں سے وعدہ لے رکھا ہے کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا۔ سورۃ یٰسین میں ہے أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کے پیچھے نہ چلنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور تمہیں ہر جگہ گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

تو فرمایا جس نے شیطان کو اپنا ساتھی بنا لیا، اس کا نتیجہ ظاہر ہے عرب

کہتے ہیں

عَنْ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلُ وَاسْئَلْ عَنْ قَوْمِهِ فَكُلُّ قَوْمٍ بِالْمَقَارِنِ يَهْتَدِي
کسی شخص کی اچھائی برائی معلوم کرنا مقصود ہو تو اس کے ساتھی کو دیکھو۔ کیونکہ
ساتھی دو گھر ساتھی کی اقتدا کرتا ہے انگریزی کا مقولہ بھی ہے۔ کہ آدمی اپنی ساری
سے ہی پیمانہ جاتا ہے۔ جس کو درار کے مالک کسی شخص کے ہم نشین ہوں گے،
وہ خود بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ جس نے اپنا ساتھی شیطان کو بنا لیا، وہ
اُسے جہنم میں ہی لے کے جائیگا۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنفَقُوا
 مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۳۹
 إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً
 يُضَعِفَهَا وِیُوتِ مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۴۰ فَكَيْفَ
 إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ
 عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۴۱ يَوْمَ يَدْعُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 وَعَصَوُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ
 اللَّهُ حَدِيثًا ۴۲

ترجمہ یہ اور کیا حرج اور نقصان تھا اُن کا اگر وہ ایمان لاتے ،
 اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے اُس چیز میں سے
 جو اللہ نے اُن کو رزق دیا ہے اور اللہ اُن کے ساتھ خوب علم
 رکھتا ہے ۳۹ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرتا ایک فرضے کے برابر بھی اور
 اگر وہ نیچے ہو تو اُس کو دگنا کرتا ہے اور اپنی مرضی سے بڑا اجر
 دیتا ہے ۴۰ پس کیا حال ہوگا اُن لوگوں کا جب کہ ہم لائیں گے ہر
 امت سے گواہ اور ہم آپ کو لائیں گے ان لوگوں پر گواہ ۴۱
 اُس دن پند کریں گے یا آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
 اور رسول کی نافرمانی کی ، کاش برابر کہہ دی جائے اُن کے ساتھ زمین اور
 اور وہ نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو ۴۲

دہلی آیات

گذشتہ دروس میں یہ بنیادی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اسی بنیاد پر پھر حقوق العباد کا ذکر کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اور یتیموں، مسکینوں، یتیموں، یتیموں، ہم نشینوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اسی ضمن میں پھر بخل کی ذمہ داری کی گئی کیونکہ بخل آدمی اپنے بخل کی وجہ سے دوسروں کے حقوق اور انہیں کرتا، بلکہ اپنا مال ریاکاری پر خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص دراصل شیطان کا چھندے کا شکار ہوتا ہے، جو کہ اُسے بنیادی عقیدہ توحید سے برگشتہ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو اس کا ایمان اللہ کے ساتھ درست ہوتا ہے اور نہ آخرت کی جواب دہی کا یقین۔ اس لیے وہ حقوق العباد کی پروا نہیں کرتا۔ آج کی آیات اسی تسلسل میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریقے سے ایسے لوگوں کو توحید اور انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ أَنْ كَانُوا نَقِصَانَ هُنَا۔ اُن لوگوں کا کیا جانا تو اُمنوا یا اللہ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اگروہ ایمان لے آتے اللہ پر اور قیامت کے دن پہ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ۔ اور اللہ کے لیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے۔ تبلیغ کے سلسلے میں یہ بھی ایک طرز بیان ہے۔ جب بات عام طرز گفتگو سے دور کی سمجھ میں نہ آئے تو بعض اوقات تاسف کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کو کیا ہو گیا ہے، بات کو کیوں نہیں سمجھتے اگر مان جاتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا اگروہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ ہی کے عطا کردہ مال میں سے اپنے ہی بھائی بندوں پر خرچ کرتے۔ ایسا کرنے سے اللہ کے حکم کی تعمیل بھی ہو جاتی، اسکی وحدانیت پر اور قیامت کے دن پر ایمان چھتہ ہوتا بلکہ اُن کی اپنی سوسائٹی کا معیار بھی بلند ہو جاتا۔ انہیں التسانیت

دعوت
الی التوحید

میں کمال حاصل ہوتا، رذائل سے بچ جاتے۔ کفر شرک، انفاق، بد عہدگی، دور ہو کر ان میں اعلیٰ اوصاف پیدا ہو جاتے۔ ایمانیات کی دعوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کی بری خصالتیں دور ہو جائیں۔ اور اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جائے۔

ایمانیات میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی شامل ہے اس کے علاوہ اللہ کی کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، قیامت پر ایمان، تقدیر پر ایمان، اللہ کی صفات پر ایمان سب ایمان ہی کے اجزا ہیں اگلی آیت میں وَعَصُوا الرَّسُولَ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ جو ایمان بالرسول پر خصوصی طور پر دلالت کرتے ہیں۔ رسولوں کی بعثت اللہ کی صفت ہے جیسے اُس کا فرمان ہے "إِنَّا كُنَّا مِّنْ سَلْبِیْنَ" (الذخاں - ۵) یعنی رسولوں کو ہم ہی بھیجا کرتے ہیں۔ اس آیت میں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالقیامت کا ذکر ہے، تاہم مراد ایمانیات کی تمام جزئیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بعض مقامات پر ایمانیات کا اجمالاً ذکر کیا ہے اور بعض مقامات پر تفصیلاً۔ یہاں پر چونکہ جزائے عمل کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے اس لیے اللہ اور قیامت پر ایمان کا ذکر ہے، تاہم اسی سورۃ میں آگے ایمانیات کا تفصیل کے ساتھ ذکر آئیگا۔ بہر حال یہاں پر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرتے۔

فرمایا وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی ان کے ارادے اور اخلاص تک سے باخبر ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کر رہے ہیں اس نیت کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیا ان کا مقصود واقعی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور تقرب ہے یا محض دکھاوا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کہ کوئی شخص اپنا مال خرچ کر کے اللہ کی عطا کردہ نعمت کا شکر یہ ادا کر رہا ہے، تو یہ انسانی سے ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے یا

محض ریاکاری کے طور پر رسومات کو ادا کر رہا ہے۔ کیا اُس کے پیش نظر آخرت کا اجر و ثواب ہے یا دنیا کی نمود و نمائش۔ جس نیت اور ارادے کے ساتھ کوئی شخص تہی کمر رہا ہے، اُس کے نتائج بھی ایسے ہی ظاہر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ
ظلم نہیں کرتا

فرمایا اور کھو! اللہ کا قانون یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَآ يَظْلِمُ حَشًا قَلًا ذَرَّةً بِشَاكٍ اللّٰهُ تَعَالٰی كِسِي پَر ذَرَّہ بَرَابِر جَہِي ظَلَم نَہِيں كَر تَا۔ ظَلَم يَا زِيَا تِي اس لِحَاظ سے كَر اِن سَان نَے كِسِي جَرَم كَا اِر تَكَا ب تَه كِيَا هُو اُور اللّٰهُ اس كُو سَزَا مَے مَے يَا كِسِي كَا جَرَم كِسِي دُور كَر كَے سَر ڈَا ل مَے يَا كِسِي كِي مَعمُولِي سے مَعمُولِي نِي كُو مَہِي ضَا ئِع كَہِنَے يِه نَہِيں ہُو سَك تَا۔ يِه اللّٰهُ كَے قَا نُون كَے خَلَا ف تَه۔ وَہ مَالِك المَلِك اُور عَلِي الا طْلَاق شَهَن شَا ه تَه وَہ كِسِي كِي حَق تَلْفِي نَہِيں كَر مَے كَا اُور نَه كِسِي كَے پُر خَلُوص عَمَل كِي جَزَا، مِيں كَہِي كَر مَے يَا۔

عربی زبان میں ذرہ کے کئی معنی آتے ہیں۔ ذرہ کا لفظ چھوٹی سی سرخ رنگ کی چوینٹی پر بھی بولا جاتا ہے اس کے علاوہ یہ لفظ رائی کے دانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب کسی روشندان یا کھچر کی سے سورج کی شعائیں اندر آئیں تو ان شعاعوں میں جو چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آتے ہیں اور پکڑے نہیں جاسکتے، وہ یہی ذرہ ہے۔ الغرض! ذرہ کا لفظ چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بولا جاتا ہے اور یہاں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ معمولی سے معمولی جیسے کسی زیادتی بھی نہیں کرے گا۔

ظلم کا معنی

عربی زبان میں ظلم کا معنی وضع الشیء فی غیر محلہ کیا جاتا ہے یعنی کسی چیز کو اس کے موقع و محل کے علاوہ رکھ دینا۔ ظلم کا اطلاق چھوٹی سے چھوٹی کو تا ہی سے لے کر بڑے سے بڑے جرم پر ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا وَ اَلْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کَا فِر مَی ظَا لَم مِیں يَا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شِرْكَ بَہ ت بڑَا ظَلَم تَه۔ اِسی طَرَح ظَلَم كَا ا طْلَاق قَتْل پَر مَہِي ہُو تَا تَه۔ اُور چھوٹی چیز میں یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد

میں داخل ہوتے وقت دائیں کی بجائے پہلے بائیں پاؤں داخل کر لے یا
 مستجد سے باہر آتے وقت بائیں کی بجائے دائیں پاؤں پہلے نکال لے
 تو اس پر بھی ظلم کا اطلاق ہوگا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ظلم کا لفظ اضداد میں سے
 ہے۔ اس میں کمی اور زیادتی دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے منسرایا
 وَكَمْ تَظْلِمٌ مِنْهُ شَدِيدٌ دَلَّاهَا كَيْسِي حَيْزِرِي كَمْ نَهْتِي۔ اور زیادتی
 میں شرک، اسراف، قتل ناحق وغیرہ آتا ہے یہ بڑی بڑی زیادتیاں ہیں۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد
 کہ وہ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا انسانی محاورے کے مطابق ہے، وگرنہ اللہ تعالیٰ
 مالک الملک ہے، وہ جو چاہے کرے، وہ خالق ہے، باقی سب اسکی مخلوق
 ہے۔ ہر جاندار اور بے جان چیز اسی کی پیدا کردہ ہے اور جو کوئی اپنی چیز میں تصرف
 کرتا ہے اُسے ظلم پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابن کثیرؒ نے (ص ۱۵۴) اپنی
 تفسیر میں حدیث بیان کی ہے ان الله لوعذب اهل سماواته
 واهل ارضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم
 اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو بغیر کسی قصور کے
 سزا دینا چاہے تو یہ بھی ظلم میں شمار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔
 اور وہ اپنی چیز میں جیسے چاہے تصرف کرے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کیا نہیں۔ البتہ وَإِنْ تَكَو
 حَسَنَةً يَّضْعِفْهَا أَلَمْ كَيْسِي كَوْمِي نَيْجِي ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل
 سے اُسے دگنا کر دے گا۔ مگر کائنات کا قانون سورۃ النعام کے آخری رکوع میں موجود
 ہے۔ "مَنْ جَارٍ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا" جو کوئی اونی
 سے اونی نیکی بھی کرے یا اس کا کم از کم اجر دس گنا ملے گا اور زیادہ سے زیادہ
 جتنا اللہ چاہے۔ سات سو گنا، سات لاکھ گنا، سات کروڑ گنا یا سات
 ارب گنا اس کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ نیکی کا بدلہ جتنا چاہے عطا کر دے۔ البتہ

نبی کا اجر

جہاں تک جرم اور بُرائی کا تعلق ہے فرمایا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّبِيَةِ فَلَا يَجْزِيهِ إِلَّا مِثْلُهَا أَيْ قَصُورًا كَابَدَلِ أَيْ قَصُورًا كَبْرًا مِثْلُهَا وَهَمْ لَا يَظْلَمُونَ اور کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر مہربانی ہے کہ نیکی کا بدلہ تو ہزاروں لاکھوں گنا عطا کرتا ہے مگر بُرائی کی سزا اُس بُرائی سے زیادہ نہیں دیتا۔

بہر حال فرمایا کہ ایک ذرے کے برابر بھی اگر نیکی ہوگی تو اس کو دگنا کر دیا جائے گا وَيُؤْتِي مَنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ یہ اجر کتنا بڑا ہوگا، اس کا تصور انسان اس دنیا میں نہیں کر سکتا۔ جب نتائج سامنے آئیں گے، اجر تقسیم ہونے لگے تو پھر پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ دلوں پر رائی کا دار نہ بپاڑ بن چکا ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کھجور کا دار نہ احد بپاڑ جتنا بڑا ہو جائیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جو بھی نیکی کی جائے اللہ کے لیے ہوئے مال میں سے خرچ کیا جائے وہ ایمان اور خلوص نیت کے ساتھ کیا گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

اللہ کے
لوں پریشی

نیکی کی ترغیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے منکرین کا تذکرہ من فرمایا ہے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ بِسَيِّئِهَا مَا كَانُوا عَمِلُونَ اور ان کو فرود جرم پڑھ کر سنائی جائے گی، تو اس کے ثبوت کے لیے گواہ ہوں کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ مشہور تفسیر کے مطابق ہر امت کی گواہی اُس امت کا نبی دیکھا۔ اللہ تعالیٰ مجرمین سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس میرا پیغام نہیں آیا تھا۔ وہ انکار کریں گے تو اُس امت کا نبی بطور گواہ پیش ہو کر عرض کرے گا، مولا کریم! میں نے تیرے سامنے احکام ان تک پہنچا دیے تھے۔ وَجِئْنَا بِكَ عَلَمًا

هَهُوَ لَدَى شَهِيدًا اور اے نبی علیہ السلام! آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لایا جائیگا
 جن کا واسطہ آپ سے پڑ رہا ہے گویا جس طرح باقی انبیاء اپنی اپنی امتوں پر گواہ
 ہوں گے اسی طرح آپ بھی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ اس کی تفسیر حضور علیہ السلام
 کے خطبہ حجۃ الوداع میں موجود ہے۔ آپ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا
 وَأَنْتُمْ تَسْأَلُونَ عَنِّي فَمَاذَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ میرے
 بارے میں تم سے قیامت کو سوال ہوگا، اور تم کیا جواب دو گے۔ سب نے
 جواب دیا نَشْهَدُ أَنْكَ قَدْ آدَيْتَ الْأَمَانَةَ وَبَلَّغْتَ
 الرِّسَالَةَ وَنَصَّيْتَ الْأُمَّةَ بِمِ مِ گواہی دینے کے آپ نے حق امانت
 ادا کر دیا۔ اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور امت کو نصیحت فرمادی۔ لہذا حضور علیہ السلام
 بھی اپنی امت کے متعلق گواہی دینگے کہ میں نے حق رسالت ادا کر دیا اور
 مولا کریم! تیرے احکام پورے پورے اپنی امت تک پہنچا دیے۔

اور دوسری گواہی اُس وقت پیش کی جائے گی جب پوری پوری امتیں
 انکار کر دیں گی کہ اُن تک اللہ کا کوئی حکم نہیں پہنچا۔ تو پھر اسی آخری امت
 کے لوگ سابقہ انبیاء کے حق میں گواہی دینگے کہ اُن انبیاء نے اللہ کا پیغام
 اپنی امتوں تک پہنچا دیا۔ سابقہ امتیں اعتراض اٹھائیں گی کہ مولا کریم! یہ
 لوگ تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے، ان کی گواہی کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

تو امت آخر الزمان کے لوگ کہیں گے کہ پروردگار! ہمیں تیرے آخری نبی اور
 آخری کتاب کے ذریعے علم ہوا کہ تمام نبیوں نے اللہ کے احکام اپنی
 اپنی امتوں تک پہنچا دیے لہذا ہماری یہ گواہی متناہدے کی بنا پر نہیں بلکہ
 علم کی بنیاد پر ہے۔ اور پھر اس امت کے حق میں نبی ختم المرسلین کی گواہی
 ہوگی۔ ان دونوں گواہیوں کا ذکر سورۃ بقرہ میں موجود ہے لَنْ كُوَلِّوْا
 شَهِدَاءَ عَلَى السَّائِسِ وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
 یعنی تم دو سر لوگوں پر گواہ بنو گے اور رسول تمہاری صفائی کی شہادت پیش کرے گا۔

اب رہی یہ بات کہ حضور علیہ السلام اُن لوگوں کی گواہی تو مشاہدے کی بنا پر دیکھے جو آپ کے زمانے میں آپ کے سامنے موجود تھے مگر ان لوگوں کی شہادت کیسے دیں گے جو خود آپ کے زمانے میں بھی آپ سے غائب تھے یا جو آپ کے وصال کے بعد آئے۔ اس کا تذکرہ دو سرے مقام پر موجود ہے کہ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا تو آپ فرمائیں گے میں تو وہی بات کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کہیں گے "وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ" میں اس وقت تک کا گواہ ہوں جب تک میں اُن کے درمیان رہا "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي" مولانا کہیم! پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا "كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ" تو پھر تو ہی اُن کا نگران اور محافظ تھا "وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لینی چاہیئے، اہل بدعت اور مشرک کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر شخص کے حالات سے واقف ہیں۔ یہ عقیدہ بھی قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ اگر نبی علیہ السلام ہر امتی کے حالات سے واقفی واقف ہوں تو پھر وہ بارگاہ الہی میں یہ کیوں کہیں گے کہ پروردگار! میں تو وہی بات کہوں گا جو تیرے نیک بندے عیسیٰ علیہ السلام نے کہی کہ میں تو اُن لوگوں کے حالات سے ہی واقف ہوں جن کے درمیان رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو پھر تو خود ہی اُن کا محافظ تھا۔ مسلم شریف کی روایت میں موجود ہے، صحابہؓ نے عرض کیا حضور! قیامت والے دن آپ ہمیں ساری امتوں میں سے کیسے پہچانیں گے۔ تو آپ نے فرمایا میں اپنی امت کو علامتوں اور نشانیوں سے پہچانوں گا۔ اس آخری امت کی خاص نشانی یہ ہوگی کہ اُن کے وضو کے اعضا و قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضور علیہ السلام ہر شخص کے حالات بذاتہ

جانتے ہوں تو پھر علامات سے پہچاننے کا کیا مطلب رہ جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن نافرمانوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اور آپ کو اس امت پر گواہ پیش کیا جائے گا۔

آگے قیامت کا نقشہ پیش کر کے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والوں کی بے بسی کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے يَوْمَئِذٍ يُؤَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَمْسَ دَنَآرُهُمْ گے وہ لوگ جنہوں نے کھڑ کیا

وَعَصَوْا الرَّسُوْلَ اور رسول کی نافرمانی کی۔ یہاں پر کفر سے مراد مطلق کفر ہے کہ کوئی شخص اللہ کی وحدانیت، اس کے رسولوں، فرشتوں، کتابوں، تقدیر اور قیامت کے دن کا انکار کرے۔ اور کفر کا اطلاق محض نافرمانی پر بھی ہوتا ہے

اور عام گناہ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کفر کا اطلاق ناشکرہ پر بھی ہوتا ہے جیسے وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْا میرا شکر ادا کرو اور ناشکرہ نہ کرو۔ عورتوں کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ تم اپنے خاوند کی

ناشکرہ گزار رہی کرتی ہو۔ اسی طرح رسول کی اطاعت فرض ہے مَنْ يُّطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔ چنانچہ فرمایا کہ جس نے کفر کیا اور رسول کی

ناافرمانی کی وہ پسند کریں گے كُوْنُوْا سَوِيْدِيْهِمُ الْاَرْضِ کاش کہ اُن کو برابر کر دیا جائے زمین کے ساتھ یعنی وہ ختم ہو کر مٹی میں مل جائیں تاکہ آخرت کے دائمی عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ سورۃ بنائیں بھی آتا ہے کہ جب کوئی

کافر اپنا اعمال نامہ دیکھے گا تو کہے گا يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرْبًا كَاشِسًا میں مٹی ہوتا۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، دیکھو! کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کیا کرو، قیامت والے دن ہر عقدار کو اُس کا حق ضرور دلایا جائے گا، حتیٰ کہ اس دُنیا میں اگر کسی سینک والی بچی نے بے سینگ

کفار کی
بے بسی

بکری کے ساتھ زیادتی کی ہوگی تو اُس کو بھی قصاص دلایا جائے گا۔ یہ جانور وغیرہ
 مکلف تو نہیں ہیں۔ نہ اُن پر دائمی سزا ہے۔ البتہ ایک دوسرے سے بدلہ
 دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کونو کس جاسا مٹی ہو جاوے اور یہ سب
 مٹی ہو کر ختم ہو جائیں گے فرمایا اسی طرح کفار اور منافقانِ رسول بھی آرزو کریں
 گے کاش وہ مٹی ہو کر دائمی عذاب سے بچ جائیں مگر ان کی یہ حسرت پوری نہیں ہو
 گی کیونکہ وہ شرع الہیہ کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عقل دی، اُن کی راہنمائی کے
 لیے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اب اُن کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ اور
 وہ عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔

ہر چیز
 ظاہر ہوگی

فرمایا ایسے لوگ خواہش کے باوجود وَلَا یَسْتَمِونَ اللہَ حَدِیثًا اللہ تعالیٰ
 سے کسی چیز کو چھپا نہیں سکیں گے۔ سورۃ طارق میں آتا ہے یَوْمَ تُبْلٰی
 السُّوْاۃُ اَیُّ قِیٰمَتِ کے دن تمام اندرونی راز ظاہر کر دیے جائیں گے، دُنیا
 میں انسان ہزاروں بھید چھپاتا ہے۔ یَوْمَ یَذُتَعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی
 مِنْكُمْ خَافِیَةٌ (الحاقہ) اُس دن تم حاضر کے جاؤ گے اور تم سے
 کوئی چیز چھپیں گی قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے کہ ایک موقع
 پر مشرکین اپنے شرک کا انکار کر دیں گے اور کہیں وَاللّٰہِ رَبَّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ
 اللہ تعالیٰ ان کے مونوں پر مہر لگا دیں اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوٰہِہِمۡ
 وَتَلٰکُمۡنَا اَیۡدِیۡہِمۡ وَتَشْہَدُ اَرْجُلُہُمۡ اُوۡرۡجُلُہُمۡنِیۡنِ کے ہاتھ
 اور پاؤں گواہی دیں گے کہ مولا کریم اس نے فلاں فلاں جرم کا ارتکاب کیا
 تھا۔ غرضیکہ اُس دن کوئی چیز چھپا نہیں سکیں گے اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ
سُكْرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا
إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے اس حالت میں کہ تم نشے میں ہو جب تک کہ سمجھ نہ لو جو تم کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) سولے اس کے کہ راستے میں گزرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو

گذشتہ دروس میں وَعَابِدُوا اللَّهَ کا بنیادی عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کمرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اس کے بعد والدین، قرباتداروں اور دیگر ایسے لوگوں کے حقوق کا تذکرہ ہوا جن سے زندگی میں اکثر واسطہ پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے بخل کی مذمت بیان فرمائی۔ اور ریاکاری سے منع کیا۔ گذشتہ درس میں پھر ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کے تذکرہ کے بعد اللہ اور رسول کے اُن نافرمانوں کی حسرت بیان کی گئی کہ قیامت کے دن وہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ مٹی ہو جاتے تو جہنم کے ابدی عذاب سے بچ جاتے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے عبادت ہی کے سلسلے میں نماز کا ذکر کیا ہے۔

رابط آیات

کیونکہ عبادت میں نماز کو اولیت حاصل ہے۔ نماز چونکہ نہایت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے والی بات ہے تو اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو۔ اور اگر یہ چیز پیرا نہ ہو۔ اور انسان کوئی ایسی حرکت کر لیتے جو خشوع کے منافی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نماز کے ذریعے

نماز کی
اہمیت

انسان میں خشوع اور عاجزی پیدا ہوتی ہے، اعضاء کے ساتھ آدمی آداب بجالاتا ہے اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی مناجات کرتا ہے۔ گویا نماز عجم کے منافی ہے جس سے پہلے ہی منع کیا جا چکا ہے۔ اور اگر انسان نشے کی حالت میں ہو گا تو اس کے اندر خشوع نہیں ہو گا، انسان کی عقل کا توازن ہی قائم نہیں رہ سکتا، یہ ہنس گم حرکت کرنے لگتا ہے۔ نشے کی حالت میں انسان کے دل میں عاجزی کا پیدا ہونا ممکن نہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت میں نماز سے روک دیا ہے۔

طہارت شرط
نماز ہے

آج کے درس میں جو دوسری اہم بات بیان کی گئی ہے وہ طہارت ہے اور نماز جیسی اعلیٰ و رفیع عبادت کرنے کے لیے طہارت شرط ہے، انسان کا جسم پاک ہو، لباس پاک ہو اور چہرہ جب پاک ہو جہاں نماز ادا کرنا چاہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بات قانونِ طہارت کے طور پر سمجھا دی لا تقبل صلاة بغیر طہوار یعنی طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ اس آیت کریمہ میں جو جنابت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ غایت درجہ کی ناپاکی ہے۔ لہذا جنابت کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے نماز کے قریب جانے سے منع فرمایا۔

گذشتہ درس میں کفار کی حسرت کا ذکر تھا، کاش وہ سٹی ہو جاتے اور آج کے درس میں طہارت کے لیے سٹی کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ لہذا گذشتہ درس کے ساتھ یہ بھی ایک مناسبت ہے۔

جنابت کی
تعریف

جنابت کا معنی دُوری ہے اس حالت میں انسان فرشتوں اور خدا تعالیٰ کی تجلیات سے دُور ہو جاتا ہے اس لیے ایسے شخص کو جنبی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں قرابت سے دور والے شخص پر بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے عربی شاعر کہتا ہے۔

فلا تحرمی نائلا عن جنابة

فانی امرء وسط القباہ غریب

جہاٹی مجھے اپنے عیٹے سے محض اس لیے محروم نہ کرنا کہ میں تمہارے

لہ مسلمہ ص ۱۱۱ و ۱۱۲ (فاضل)

جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیں کہ ان میں بہت سافقصان ہے
 تاہم لوگوں کے لیے کچھ فوائد بھی ہیں۔ مگر ان میں نقصان کا پہلو زیادہ ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے شراب کی قباحت کے متعلق اس قدر اشارہ فرمادیا۔

آج کی آیت کی شان نزول کے متعلق ترمذی شریف اور مستدرک حاکم میں
 روایت موجود ہے کہ صحابی رسول حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے بعض دوسرے
 صحابہ کو کھانے کی دعوت دی۔ ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ کھانا کھانے
 کے بعد شراب کا دور بھی ہوا، جس سے بعض کو نشہ چڑھ گیا۔ ادھر نماز کا وقت
 بھی ہو گیا۔ حضرت علیؓ کو امامت کے لیے آگے کھڑا کیا گیا، انہوں نے نشہ
 کی حالت میں قرآن پاک پڑھنے میں یہ غلطی کی کہ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ
 میں لَا حذف کر کے جس کی وجہ سے معنی بالکل ہی الٹ ہو گیا، اس پر اللہ تعالیٰ
 نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حالت
 میں کہ تم نشہ میں ہو۔ جِئْتُمْ تَعْلَمُونَ مَا تَقُولُونَ یہاں تک کہ تم سمجھو نہ
 لو جو کچھ تم کہتے ہو۔ گویا شراب کی غرابی کے متعلق یہ دوسرا حکم تھا جو اللہ تعالیٰ
 نے نازل فرمایا۔ اور اس کے بعد سورۃ مادہ میں وہ قطعی حکم آ گیا جس کے مطابق
 شراب ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدی گئی۔

مجازی نشہ

بعض فرماتے ہیں کہ سگڑی سے مراد مجازی نشہ یعنی غفلت ہے۔
 جب نیند کا غلبہ ہو یا غشی طاری ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ نیند کے متعلق
 حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے۔ کہ جب نیند کا غلبہ ہو اس وقت
 نماز نہ پڑھو بلکہ سو جاؤ، جب نیند پوری کر لو تو پھر نماز پڑھو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے
 کہ نیند کی حالت میں تم اللہ سے بخشش طلب کرنا چاہو مگر زبان سے اپنے
 آپ کو گالیاں دینے لگو۔ لہذا نیند کے غلبے میں نماز نہ پڑھو۔ اگر نماز کا وقت
 جا رہا ہے تو پھر اس کا علاج یہ ہے کہ تازہ وضو کرو یا کوئی ایسی اور حرکت
 کرو جس سے نیند کا غلبہ دور ہو جائے اور پھر نماز ادا کر لو۔

حَتَّى تَسَلَّمَ عَافٍ مِّنْ لِّحْيَتِكَ وَرُدَّتْ رَأْسُكَ وَأنتَ فِي الْمَدِينَةِ بَدَاؤُكُمْ فِيهَا لَمَّا كَفَرَ مَكَّةَ وَتَرَاهُ مُخْرِجَتِكُمْ وَمَكَرَ مَكَّةَ بِكُمْ تَحْتِ الْعُرْسِ وَمَا يُصَلِّىٰ أَتَىٰ مَكَّةَ بِطُغْيَانٍ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ لَكَ آيَاتِكَ لَعَلَّكَ تَعْقِلُ

قرآن پاک کی قرأت ضروری ہے۔ قرآن کہیم وہ عہد ہے جو خداوند کریم اور بندے کے درمیان ہو چکا ہے۔ اور بندہ اس عہد کو دہراتا رہتا ہے۔ "اَيُّالِكُمْ لَعَبٌ وَّ مَسْوَةٌ اَيُّالِكُمْ تَسْتَفِيْنَ" عہد ہی تو ہے۔ اگر کوئی شخص نشے کی حالت میں قرآن پاک پڑھے گا تو وہ کیا سمجھے گا کہ کیا کہ رہا ہے۔ دنیا کے عہد و پیمان کا بھی طریق ہے کہ جب کوئی شخص کوئی اہم دستاویز تیار کرتا ہے، کوئی ہبہ یا بیع کرتا ہے، طلاق دیتا ہے، وصیت کرتا ہے یا کوئی اقرار نامہ یا (AGREEMENT) کرتا ہے۔ تو لکھتا ہے کہ میں یہ تحریر بقیانہی ہوش و حواس کر رہا ہوں، گویا کسی عہد کو دہراتے وقت عقل و خرد کا درست ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نشہ کے علاوہ بندہ کی حالت میں بھی نماز ادا نہیں کرنی چاہیے۔ نشہ آور اشیا، میں سے شراب ایک معروف چیز ہے جسے عربی میں خمر کہتے ہیں اور خمر عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جب عقل اور ہوش و حواس ہی قائم نہیں ہوں گے تو اُسے کیا معلوم ہوگا کہ وہ کیا کہ رہا ہے۔ لہذا ایسی حالت میں نماز سے منع فرما دیا گیا۔

یہاں پر ایک اور بات بھی ضمناً ہو جائے جو اگرچہ ضروری تو نہیں ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے اہم ضرور سے۔ عربی زبان سے واقف آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ کیا پڑھ رہا ہے مگر ایک عجیب آدمی قرآن پاک کی پوری تلاوت کر کے بھی کچھ نہیں سمجھ پاتا لہذا ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ اس قدر عربی تو سیکھ لے جس سے اُسے علم ہو سکے کہ جو عہد وہ دہراتا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ انگریزی زبان سیکھنے کے لیے کتنی تنگ و دو کی جاتی ہے۔ آج کل بچے کو ابتدا ہی سے انگریزی سکول میں داخل کر دیا جاتا ہے تاکہ اور کچھ آئے یا نہ آئے اُسے انگریزی پر دسترس حاصل ہو جائے۔ مگر نماز کے معاملہ میں مسلمانوں کی بہت بڑی غفلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا جو عہد دہراتا ہے ہیں اُسے سمجھنے کی کوشش

بہنش و حواس
کی درستگی

عربی تعلیم
کی ضرورت

ہی نہیں کہتے۔ زیادہ نہیں تو سورۃ فاتحہ کے علاوہ ان چند ایک چھوٹی چھوٹی سورتوں کا ترجمہ ہی پڑھ لینا چاہیے، جو کوئی شخص اکثر نماز میں پڑھتا ہے بہر حال یہ لازم نہیں ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز ضرور پڑھنی چاہیے خواہ کوئی چیز سمجھ میں آئے یا نہ۔ اگر اس آیت میں تفہموا کا لفظ ہوتا تو ہر نمازی کے لیے قرأت کو سمجھنا ضروری ہو جاتا۔

نماز کی
مما لعت

بہر حال فرمایا اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ تم کہتے ہو۔ وَلَا جُنُبًا اور جنبی آدمی بھی نماز کے قریب نہ جائے الَّا عَابِسٍ سبیل سوائے اس کے کہ وہ راستہ گزرنے والا ہو۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کوئی شخص مسافر ہے غسل کی ضرورت پڑگئی ہے مگر پانی میسر نہیں یا اس پر قادر نہیں تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ اس وقت تک بغیر غسل کیے نماز پڑھے جب تک اسے غسل کے لیے پانی میسر نہیں آتا۔ عابری سبیل کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز کے محل یعنی مسجد میں داخل بھی نہ ہو۔ البتہ اگر وہاں سے بطور راستہ گزرنا ہو تو مسجد سے گزر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر مسجد میں بدخواہی ہوگئی ہے تو مسجد سے گزر کر باہر چلے جانا جائز ہے۔

بہر حال فرمایا دو حالتوں میں نماز کے قریب نہ جاؤ، اولاً یہ کہ تم نشے کی حالت میں ہو اور اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک کہ تمہارا نشہ زائل ہو کر تم سمجھنے نہ لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور ثانیاً یہ کہ اگر جنبی ہو جاؤ تو اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ تَغْتَسِبَ لِقَا یہاں تک تم غسل کر لو۔

اب آیت کے اگلے حصے میں تمم کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ جس کے ذریعہ جنبی آدمی وقتی طور پر (جب تک پانی میسر نہ ہو) طہارت حاصل کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔

النساء

آیت ۴۳ نصف ثانی

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ
مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا
بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص پست مقام (بیت الخلاء) سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ۔ پس ارادہ کرو پاک زمین کا (طہارت حاصل کرنے کے لیے) پس لو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو اس کے ساتھ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۴۳﴾

آیت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے دو حالتوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمادی۔ ایک نشہ کی حالت میں، جب تک کہ نشہ اتر نہ جائے، اور انسان کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ آجائیں اور دوسرے جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لیا جائے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے عبوری دور کے لیے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب تک پانی میسر نہ ہو تیمم کے

گذشتہ سے
پیوستہ

نماز پڑھ لو۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کا طریقہ بیان فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ پانی سے طہارت کرنا تیمم یعنی مٹی سے طہارت حاصل کرنا، اور خوشبو لگانا سب طہارت میں شمار ہوتے ہیں۔ پانی سے طہارت حاصل کرنا امر طبعی ہے۔ اور ہر شخص اس کے اثرات کو محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ پانی سے میل کچیل اور جسم کی نجاست دور ہو جاتی ہے مگر

طہارت تیمم

مٹی سے طہارت ایک پوشیدہ طہارت ہے تاہم یہ بھی ایک ذریعہ طہارت ہے
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق تیمم اس امرت کی خصوصیات
 میں سے ہے۔ امرت آخر الزمان علیہ السلام سے پہلے کسی امرت کو تیمم کی اجازت
 نہیں تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کی آخری امرت کے لیے اسے بھی ذریعہ
 طہارت بنا دیا۔ آپ نے فرمایا جُعِلَتْ لَنَا سِرْبُهَا طَهُوْرًا اِذَا كَانَ
 مَيْسِرَتُهُ هُوَ اَوْ كُنِيَ شَخْصًا يَانِي بِرَقَدْرَتِهِ نَهَ رَكْعَتًا هُوَ تَوْ بَحْرُ مِطِّيْ كَسَاخْتِ طَهَارَتِ حَالِ
 کہہ لے یہ طہارت ضروریہ کہلاتی ہے تاہم طہارت کا فطری ذریعہ پانی ہی ہے
 اللہ نے اس کی صفت بھی بیان فرمائی ہے **وَاَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاءِ**
مَاءً طَهُوْرًا ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا، جو خود بھی پاک ہے اور
 دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔ جسم، کپڑا، برتن وغیرہ پانی سے ہی پاک کیے
 جاتے ہیں۔ اور جب پانی میسرتہ ہو تو پھر وقتی طور پر مٹی بھی ذریعہ طہارت بن
 جاتی ہے۔ ہاں بعض اوقات پانی کی موجودگی کے باوجود مٹی ذریعہ طہارت
 ہے۔ مثلاً اگر جوتے پر نجاست لگ گئی تو مٹی کے ساتھ کھرچنے سے نجاست
 دور ہو کر جوتا پاک ہو جائے گا بشرطیکہ نجاست جوتے کے اندر جذب نہ ہو
 چکی ہو۔ اسی طرح موزے، آئیٹنے، تلوار یا چھری وغیرہ کو نجاست لگ جانے
 تو مٹی ملنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ گویا مٹی بھی ایک ذریعہ پاکیزگی ہے۔

بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تو تیمم اس امرت کی خصوصیات
 میں سے ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے **جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ صَفْ**
مَسْجِدًا میرے لیے پوری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ بشرطیکہ جگہ پاک ہو۔ چند
 ایسی جگہوں کو جہاں عام طور پر نجاست ہوتی ہے۔ نماز کے منافی قرار دے
 دیا گیا ہے وگرنہ ساری زمین جہاں کوئی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ساجتہ
 اتوں کے لوگ صرف اپنے عبادت خانوں میں ہی عبادت کر سکتے تھے،
 مگر اس امرت کے لیے ہر پاک جگہ پر نماز پڑھنا روا ہے۔

اب اس حصہ آیت میں وہ وجوہات بیان کی جا رہی ہیں جن کے پیدا ہونے پر کوئی شخص یتیم کے ذریعے پاکیزگی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ اُسے پانی میسر نہ ہو یا وہ پانی پر قادر نہ ہو۔ یتیم کرنے کے بعد کوئی شخص نماز پڑھے گا، مسجد میں چلا جائے گا، قرآن پاک کو ہاتھ لگا سکے گا یا کوئی دیگر عبادت انجام دے سکے گا۔ تو فرمایا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ اور اگر تم مریض ہو، مرضی مریض کی جمع ہے۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہے جس میں پانی کا استعمال بیماری میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے، یا ہلاکت کا خطرہ ہے، تو پانی استعمال نہ کرے بلکہ یتیم کر کے نماز ادا کرے۔ دوسری صورت یہ ہے اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یا تم سفر میں ہو۔ بعض اوقات سفر میں پانی میسر نہیں آتا۔ ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے اور میلوں دور تک پانی میسر نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں بھی یتیم کیا جاسکتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ سفر پر تھے۔ پانی ختم ہو گیا۔ اتنے میں ایک عورت ملی جس کے اونٹ پر پانی لدا ہوا تھا۔ صحابہؓ نے اُس عورت سے پانی کا مقام دریافت کیا، تو اس نے بتایا کہ یہاں قرب و جوار میں کہیں پانی میسر نہیں۔ میں چوبیس گھنٹے کی مسافت سے پانی لائی ہوں۔ میری پرورش میں یتیم بچے ہیں جو پانی کے انتظار میں بیٹھے ہیں میں یہ پانی لے کر لے جا رہی ہوں حضور علیہ السلام نے اُس کی ساری کو بٹھایا اور صحابہ کو پانی حاصل کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ کچا وے کے شیخڑے کو سنبلی طرف سے کھول کر پانی حاصل کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور عورت سے کہا کہ ہم نے تیرے پانی میں کوئی نمی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ پانی اپنی مہربانی سے عطا فرمایا ہے، تیرا کجاوہ اسی طرح بھرا ہوا ہے پھر صحابہؓ نے کچھ انانج اور کپڑے وغیرہ اکٹھا کر کے اُس عورت کو دے دیے۔ وہ عورت خوش ہو گئی۔ اس واقعہ کا تذکرہ اُس نے اپنے علاقہ میں جا کر کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں کے تمام لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ بہر حال یہ ایک معجزہ تھا جو غلطو پند یہ

ہوا، مگر کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات انسان ایسی جگہ سفر کرتا ہے جہاں دُور دور تک پانی میسر نہیں ہوتا، ریگستان ہے یا کوئی پہاڑی علاقہ ہے کہ ہر جگہ پانی موجود نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے پاک مٹی سے تیمم کی اجازت مرحمت فرمادی۔

تیمم کے لیے تیسری وجہ فرمایا اَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ یا تم میں سے کوئی پست مقام سے آیا۔ غائط پست یا پھلجی جگہ کو کہتے ہیں اور مراد جگہ نے قضاء ہے حاجت سے کیونکہ عام طور پر انسان قضاء نے حاجت کے لیے پست جگہ کی اوٹ لیتے ہیں تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ بہر حال اس کا معنی ہے اِسْتَفْصَاحَ عَنِ الْبَوْلِ وَالْبَوْلِ یعنی بول و براز سے فراغت تو قضاء حاجت کے بعد اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کرنے کے نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

تیمم کے جواز کی چوتھی وجہ یہ ہے۔ اَوْ الْمَسْتَمِرُّ الشَّاءَ یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔ لمس کا لغوی معنی چھونا یا ہاتھ لگانا ہے۔ البتہ اس کے اصطلاحی معنی میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ عباسؓ سے مراد مباشرت لیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔ بعض دوسرے فقہائے کرام سے لغوی معنوں پر ہی محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو محض ہاتھ لگا دیا تو وضو ٹوٹ جائیگا، امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے مگر عبد اللہ ابن عباسؓ کے علاوہ عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ وغیرہ اس سے مباشرت ہی مراد لیتے ہیں۔ البتہ اہم مالکؒ کا تیسرا مسلک ہے کہ اگر مرد وزن ایک دوسرے کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائیں تو وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر بلا ارادہ اتفاقاً ہاتھ لگ جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

تیمم کا طریقہ

بہر حال ان چار صورتوں میں کہ کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو یا قضاء نے حاجت کے بعد آیا ہو یا عورت کو چھوا ہو فَلَمْ يَجِدْ مَا يَمْسُ بِهِ پھر نہ پاؤ پانی یعنی فری طور پر پانی میسر نہیں ہے یا تم پانی پر قادر نہیں ہو فَيَسْتَمِمْ وَأَصْبَعًا طَيِّبًا

پس قصد کرو پاک مٹی کا یا پاک زمین کا۔

تیمم کا لفظی معنی قصد اور ارادے کا ہے اور مراد قصد الصعید للتطہیر ہے۔ یعنی پاک مٹی سے طہارت حاصل کرنا۔ اور اس کا طریقہ یہ فرمایا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ پس مٹو اپنے چہروں کو وَآيْدِيَكُمْ اور اپنے ہاتھوں کو اس کے ساتھ۔ یعنی مٹی پر ہاتھ مار کر اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو۔ یہ تیمم ہو جائے گا۔ البتہ اس معاملہ میں فقہانے کرام کا اختلاف ہے۔ کہ ایک ہی دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر ملنا کافی ہے یا چہرے کے لیے اور ہاتھوں کے لیے علیحدہ علیحدہ یعنی دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا ہوگا۔ امام احمد اور بعض دیگر محدثین ایک ہی ضرب کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ ہاتھ مارنے سے دونوں اعضا پر پھیر لینا چاہیے۔ البتہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہانے کرام دو ضرب کا فتویٰ دیتے ہیں۔ پہلی دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے کے اتنے حصے پر مل لیا جائے جتنا حصہ وضو میں دھویا جاتا ہے۔ پھر دوسری دفعہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر کہنیوں سمیت مل لیا جائے۔ بعض ہاتھوں کی کلائیوں تک ملنا کافی سمجھتے ہیں اور امام زہری وغیرہ بغلوں تک کہتے ہیں مگر صحیح قول پہلا ہی ہے یعنی کہنیوں تک ملنا چاہیے۔ مستدرک حاکم کی روایت میں حضرت جابرؓ کے مطابق ہر دو اعضا کے لیے علیحدہ علیحدہ ضرب اور مرتین یعنی دونوں کہنیوں کے لفظ آتے ہیں۔ روایت اگرچہ درجہ دوم کی ہے مگر قابل استدلال ہے۔ اور وضو پر محمول کرتے ہوئے تیمم بھی کہنیوں تک کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ تیمم کا طریقہ بتا دیا گیا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اگلی سورۃ ماڈہ میں بھی آئے گا۔ وضو کی ضرورت ہو یا غسل کی اتنا تیمم کر لینا کافی ہے۔ حضرت عمارؓ کو تیمم کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ انہیں غسل کی ضرورت پڑی تو کپڑے اتار کر مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گئے۔ پھر جب حضورؐ کی خدمت میں یہ عمل پیش کیا۔ تو اپنے فرمایا غسل کی طرح سائے جسم پر مٹی ملنا ضروری نہیں تھا

بلکہ صرف چہرے اور ہاتھوں پر مل لینا کافی ہوتا ہے بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مٹی ذریعہ طہارت ہے اگر دس سال تک بھی پانی میسر نہ آئے تو مٹی سے طہارت حاصل ہوتی ہے گی۔

مٹی ذریعہ
فلاح

تسلی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خط لکھو تو اس پر مٹی مل لیا کرو کہ یہ ذریعہ کامیابی ہے۔ آج کل تو پلٹ والی سیاہی استعمال ہوتی ہے جو فوراً خشک ہو جاتی ہے۔ گذشتہ زمانے میں عام سیاہی سے خط لکھتے تھے، جو جلدی خشک نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے اس کو سیاہی چوس سے چوس لیتے تھے یا اوچھ مٹی ڈال کر خشک کر لیتے تھے۔ حضور کا یہ فرمان کہ فَإِنَّهُ أَزْجَحُ بِالْحَاجَةِ مِثْلُ ذَلِيقِ فَلَاحٍ ہے یہ دو طریق سے ہے۔ اولاً یہ کہ اگر خط لکھ کر فوراً خط کو لپیٹ دیا جائے تو حروف مٹ جاتے ہیں اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ سیاہی خشک کر لینے سے خط درست حالت میں مثل مقصود تک پہنچ کر کامیابی کا ضامن ہوتا ہے اور کامیابی کی دوسری توجیہ محدثین کرام اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی یہ فرماتے ہیں۔ کہ مٹی کے استعمال میں عاجزی پائی جاتی ہے۔ اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا خَلَقَهُ مِنْ تَرَابٍ اور اپنی اصل یعنی مٹی کی طرف رجوع کمال چیز ہے۔ مٹی میں عاجزی اور انکاری کا عنصر پایا جاتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ لہذا یہ کامیابی کی دلیل ہے۔ اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے سے انسان کو طہارت بھی حاصل ہوتی ہے اس لیے پاکیزگی کے لیے مٹی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یعنی تیمم کیا جاتا ہے۔

اشکال
اور جواب

بعض ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ پانی کے ذریعے تو طہارت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ پانی میل کچیل اور گندگی کو ہائے جانہ ہے مگر مٹی سے کیونکہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اس اشکال کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا تذکرہ فرمایا إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا غَدُورًا بیشک اللہ تعالیٰ

معاف کرنے والا ہے۔ یعنی اے مخاطب! اگر تمہیں طہارت میں کوئی خامی محسوس ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ طہارت بہر حال ہو جائیگی۔ اور اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے۔ وہ بخشش کرنے والا ہے، لہذا اس معاملہ میں فکر نہ کرو۔ بعض حالات میں انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ غسل کی ضرورت ہے مگر پانی میسر نہیں۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش بھی ہونا ہے، مسجد میں جانا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرنی ہے کوئی اور ایسا کام کرنا ہے جس کے لیے طہارت ضروری ہے تو فرمایا بغیر کسی دہم کے تیمم کر لو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ
 الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
 بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝
 ٤٥
 مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهَا
 وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَسْمَعُ غَيْرَ مَسْمُوعٍ
 وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ
 قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا
 لَّهُمْ وَأَقْوَمًا ۖ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا
 يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ ٤٦

ترجیح دیکھ کر نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جن کو دیا
 گیا کچھ حصہ کتاب سے، خریدتے ہیں گمراہی اور ارادہ کرتے ہیں
 کہ تم بھی سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ (۴۴) اور اللہ تعالیٰ
 خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو، اور کافی ہے اللہ کارسازی کرنے
 والا اور کافی ہے اللہ مدد کرنے والا (۴۵) بعض ان لوگوں میں سے جو
 یہودی ہوئے وہ تبدیل کرتے ہیں کلمات کو ان کے ٹھکانے سے
 اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نہیں مانیں گے۔ اور
 سن اور تو نہ سنایا جائے۔ اور راسخا (کا لفظ کہتے ہیں) موڑ کر اپنی

زبانوں کو اور عجیب نکالتے ہیں دین میں۔ اگر یہ لوگ یوں کہتے کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور تو سُن اور ہماری طرف دیکھ تو یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا اور زیادہ درست ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے اُن کے کفر کی وجہ سے۔ پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت کم (۳۶)

ربّایات

اہل کتاب کی برائیوں کا تذکرہ گذشتہ آیات میں بھی گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وراثت کے مسائل اور محرمات نکاح بیان کیے۔ پھر معاشرتی مسائل کی تشریح، اہل کتاب کے مال و علم میں سخی اور دوسروں کو سخی کی تخریب کا بیان تھا۔ اس کے بعد نیکی بڑی کا انجام اور قیامت کے صحابے کا تذکرہ ہوا۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے خاص مناسبت سے نماز کا ذکر کیا کہ نشے اور جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ پھر پانی کی عدم موجودگی میں طہارت کے لیے تسمیم کا طریقہ بتلایا، اور اب ان آیات میں پھر اہل کتاب کی مکاری اور اسلام دشمنی کا ذکر فرمایا ہے، اس تذکرہ کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ ایک مقصد تو یہ ہے، کہ اہل اسلام کو باور کرایا جائے کہ یہود و نصاریٰ اُن کے دشمن ہیں، وہ ہمیشہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں لہذا مسلمانوں کو محتاط رہ کر دشمن سے اپنا دفاع کرنا چاہیے۔ اہل کتاب مسلمانوں کے اسی طرح ازلی ابدی دشمن ہیں جس طرح شیطان پوری نسل انسانی کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کے شر سے محفوظ رہنے کی تلقین کی ہے اہل کتاب کے تذکرے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام یہود و نصاریٰ میں پائی جانے والی بیماریوں، سخی، حسد، تحریف، کجمان حق وغیرہ سے محتاط رہیں تاکہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ بیماریاں اُن میں بھی پیدا نہ ہو جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلَّذِينَ لَا يَرْجُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّجُلًا مِّنْهُمْ يَتَّبِعُوْنَ اللّٰهَ وَيَتَّبِعُوْنَ الرَّجُلَ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ سَيُعَذِّبُ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ مَّا كَانَتْ تَعْمَلُ
 ارشاد باری تعالیٰ ہے اَلَّذِينَ لَا يَرْجُوْنَ اِلٰهًا غَيْرَ اللّٰهِ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّجُلًا مِّنْهُمْ يَتَّبِعُوْنَ اللّٰهَ وَيَتَّبِعُوْنَ الرَّجُلَ الَّذِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ سَيُعَذِّبُ اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ مَّا كَانَتْ تَعْمَلُ
 مطلب یہ ہے کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ اِلٰی الَّذِيْنَ اَوْلَوْا فَيَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
 کہ وہ لوگ جنہیں دیا گیا کتاب کا کچھ حصہ، نصیباً کا لفظ نکرہ ہے اور اس کا معنی کچھ حصہ ہے
 اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ کتاب کے کچھ حصے سے ایک تو یہ مراد ہو سکتی ہے کہ یہود و نصاریٰ

اہل کتاب کی
 علمی خامیاں

کے پاس کتاب الہی کے صرف الفاظ ہی باقی ہیں اور یہ لوگ ان الفاظ کے معانی تک رسائی حاصل نہیں کرتے۔ یعنی زبان سے کتاب کے الفاظ ادا کرتے ہیں مگر نہ تو دل سے ان احکام کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ کہ کسی چیز پر بظاہر ایمان ہو مگر عملی طور پر اس کی مخالفت کی جائے۔ یہ بیماری اب اہل کتاب سے نکل کر مسلمانوں میں بھی پھیل چکی ہے۔ مسلمانوں کی حالت بھی اب یہ ہے۔ کہ قرآن پاک کے الفاظ تو تلاوت کرتے ہیں مگر نہ تو ان الفاظ کے معانی جانتے ہیں اور نہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی قانون کا مطلب ہی نہیں سمجھتا تو اس پر عمل کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اشارتاً اہل اسلام کو بھی سمجھایا کہ اگر تم بھی یہودیوں کی طرح محض الفاظ ہی کو دہراتے رہے تو پھر ان کی طرح تمہیں بھی فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

ذَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ كَاوَسْرَاسَعْنٰی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كِتٰبَ اللّٰهِ لَهٗٓ اٰتٰى كَمَآ اٰتٰى الْاَنْبِيَاۡءَ مِنْ قَبْلِهٖٓ لِيُذَكِّرَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ كِتٰبَ اللّٰهِ لَهٗٓ اٰتٰى كَمَآ اٰتٰى الْاَنْبِيَاۡءَ مِنْ قَبْلِهٖٓ لِيُذَكِّرَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کے پاس ان کی کتاب کی کچھ یعنی چند ایک باتیں ہی سلامت ہیں باقی سب کچھ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں بگاڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو تبدیل کر دیا ہے، اس میں تحریف کے ترکیب ہوئے ہیں۔ تاہم کچھ کچھ باتیں ضرور ان کے پاس موجود ہیں جو تحریف کی دست برد سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہیں۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری آج بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انجیل مقدس میں تین ہزار سے زیادہ اغلاط موجود ہیں۔ یہ اتنی پادریوں کی تحریف کا نتیجہ ہے۔ بہر حال تحریف سے محفوظ کچھ حصے کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی موجود ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگ سار کرنے کی سزا آج بھی موجود ہے۔ تو رات میں یہ بھی موجود ہے کہ جو شخص اپنی پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے وہ جان سے مارا جائے گا۔ اس قسم کے احکام اب بھی موجود ہیں مگر یہ لوگ معنوی تحریف کی بنا پر ان پر عمل سے قاصر ہیں بہر حال نصیباً کا مطلب یہ ہے۔ کہ اہل کتاب کی کتب میں سے

کچھ نہ کچھ صحیح حصہ اب بھی اُن کے پاس موجود ہے۔ مگر اُن کا عمل وہ ہے جس کا تذکرہ آیت کے اگلے حصے میں آ رہا ہے۔

فرمایا ان لوگوں کی حالت یہ ہے يَسْتَأْذِنُ الضَّلَّةَ اِيْمَانٍ اور توجید قبول کرنے کی بجائے گمراہی خریدتے ہیں۔ گویا احکام الہی میں تحریف کر کے خود بھی گمراہ ہوئے ہیں وَيَسْتَدِقُّوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ اور تمہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ اہل کتاب کے مگر وہ عزائم سے ہوشیار رہیں تاکہ وہ تمہیں بھی گمراہ نہ کر دیں۔ وہ تمہیں صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں دیکھنا چاہتے۔ اسی سورۃ کے پانچویں رکوع میں پہلے بھی اُن کی اس قبیح حرکت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وَيَسْتَدِقُّوْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهْوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مِيْلًا عَظِيْمًا گمراہی کے پجاری تمہیں اصل راستے سے دُور لے جانا چاہتے ہیں، لہذا اُن کی مکاریوں سے خبردار رہیں۔

اہل ایمان کو گمراہ کرنے کے لیے یعنی اُن کو اُن کے دین سے بیزار کرنے کے لیے اہل کتاب اربوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو قرآنِ پاک کی تعلیمات سے ہٹانے اور نبیِ آخر الزماں سے اُن کا تعلق منقطع کرنے کے لیے اُن کی پوری مشینری حرکت میں ہے۔ اس معاملہ میں اہل ہندو بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ ہیں تاہم اس معاملہ میں یہودی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خصوصی مذمت بیان فرمائی ہے ہر ملک میں اہل کتاب کی مشنریاں موجود ہیں جن کے ذریعے وہ سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں اور پھر جذبہ خدمت کا اظہار کر کے اہل ایمان کو اپنے دامن میں پھینکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مذموم عزائم کا تذکرہ مختلف انداز میں مختلف سورتوں میں موجود ہے۔

مشرقِ علوم سے واقف مغربی ممالک کے باشندے مستشرق کہلاتے

مگر وہ عزائم

ہیں۔ یہ لوگ مشرقی علوم یعنی عربی، فارسی وغیرہ سیکھ کر اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر ریسرچ یعنی تحقیق کے نام پر قرآن وحدیث کی تفاسیر شائع کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے یورپ اور امریکہ میں تحقیقاتی کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں جو بلاشبہ قرآن وحدیث پر تحقیق کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ ان کے لیے علی میدان صاف کر رہے ہیں مگر درپردہ مسلمانوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ایسی الٹی سیدھی تعبیریں کرتے ہیں جن سے مسلمان اپنے دین سے بیزار ہو جائیں اس ضمن میں انہوں نے لغت (DICTIONARY) کو کبھی مستحق بنایا ہے اور الفاظ کے غلط معانی شائع کر کے مسلمانوں پر شب خون مارنے کی سعی کی ہے۔ عربی انگریزی ڈکشنری میں انہوں نے عیسے کا معنی ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کیا ہے جو کہ ہر امر غلط ہے۔ چونکہ عیسائیوں کا اپنا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اس لیے انہوں نے یہی معنی ڈکشنری میں لکھ دیا ہے۔ تاکہ ڈکشنری کا مطالعہ کرنے والے لوگوں کے ذہنوں میں بھی یہی معنی راسخ ہو جائے اور اس طرح وہ اپنے عقیدے اور دین سے دور ہو جائیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جن لوگوں کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ خود بھی گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور تمہیں بھی صراط مستقیم سے بھٹکا دینا چاہتے ہیں۔

فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاٰتِمْ اٰتِمْ اللّٰهُ تَعَالٰی تہا سے ان دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر تمہارا یقین اللہ مالک الملک پر مضبوط رہا اور تم حق بات پر تھے تو پھر تمہیں کوئی خطرہ نہیں وکفی باللہ وکفی سباً اور اللہ کافی ہے کار سازی کرنے والا۔ تم اسی کو کار ساز سمجھتے ہوئے صراط مستقیم پر چلتے رہو، اسی پر بھروسہ رکھو وکفی باللہ نصیراً اور کافی ہے اللہ مددگار۔ اگر خدا کی مدد پر بھروسہ رکھو گے، اپنے دین پر قائم رہو گے تو کوئی دشمن تمہیں زک نہیں پہنچا سکتا۔ یہ اصول کی بات ہے کہ دشمن کا وار اسی وقت کارگر ہوگا جب تم اپنے دین سے پھسل جاؤ گے، خدا تعالیٰ کی ذات

خدا پر بھروسہ

پر اعتماد کمزور پڑ جائے گا، اعتقاد بگڑ جائے گا، اور گناہ کا ارتکاب کرنے لگے گا۔ ہاں! وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا جوار اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی راستہ بنا دیتا ہے۔ لہذا اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے دین پر قائم رہتے ہوئے دشمنانِ دین کا مقابلہ کرو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں کہاں کہاں کامیابی عطا کی، بدرجنین میں یکسے اسباب پیدا کیے، تبوک، یثرب اور قادیسیہ کی جنگوں میں مسلمانوں کی کس طرح مدد فرمائی، جب تک مسلمان اللہ کے دین پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی۔ مگر جب ان میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو بڑی بڑی سلطنتیں ختم ہو گئیں، خلافتِ اراکئی اور مسلمان برطانیہ، امریکہ اور روس سے مغلوب ہو کر رہ گئے۔ ہر جگہ ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑا۔ آج ہماری حالت بھی یہودیوں سے کسی طرح کم نہیں۔ عقائد بگڑ چکے ہیں۔ اللہ کی عظیم کتاب کے الفاظ کا احترام ضرور ہے مگر نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ کوئی عمل ہے۔

گذشتہ آیات میں گتہ چکا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضل کو چھپا جاتے ہیں۔ فضل سے مردودہ مال و دولت بھی ہے جسے بخل کی وجہ سے چھپاتے ہیں اور وہ علم بھی جسے وہ اپنی ضد اور عناد کی بنا پر دوسروں تک نہیں پہنچاتے۔ اب یہاں یہودیوں کی تحریفِ کلمات کی مصلحت بیان ہو رہی ہے مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يَهُودِيوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں۔
يُخْرِتُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ جَو کلمات کو ان کے مواقع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے حسد، بغض، عناد کی بنا پر اور چوہدری ہٹ کے تحفظ کی خاطر کتاب میں تحریف کی، عیسائیوں نے بھی اپنی کتاب کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ مکہ کے مشرکین نے بھی اسی لیے رسول اکرم ﷺ کا انکار کیا کہ ایمان لے آئے سے ان کی برتری ختم ہو جاتی تھی، انہیں اطاعت کرنا پڑتی تھی یہود و نصاریٰ آج بھی اپنی اسی پرانی ضد پر اڑے ہوئے ہیں

تحریف
کلمات

اور نہ صرف خود قبول اسلام سے انکاری ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے اپنی کتاب میں ہر اس مقام پر تحریف کی جس میں اسلام کی حقانیت اور نبی آخر الزمان کی آمد کی پیشگوئیاں موجود تھیں۔ عیسائیوں نے انجیل مقدس سے فارقیط کا لفظ ہی حذف کر دیا اور اسکی جگہ کوئی دوسرا لفظ ڈال دیا۔ سریانی زبان کا فارقیط اور عربی کا احمد ہم معنی الفاظ ہیں۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئیاں انجیل میں موجود تھیں، اس لیے انہوں نے یہ لفظ ہی اڑا دیا عیسیٰ علیہ السلام تو اپنے ہر وعظ میں فرماتے تھے ”اَلَيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فِيْنَ اللّٰهِ كَارِهُوْلٌ هُوْنٌ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ“ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں ”وَهَبْتَنِيْ اَبْدًا سُوْلًا يَّا تِيْ مَنْ مِّنْ بَعْدِيْ اَسْمًا اَحْمَدًا“ اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت، یعنی والا ہوں جن کا نام نامی اور اسم گرامی احمد ہوگا، بہر حال عیسائیوں نے یہ لفظ ہی اڑا دیا تاکہ نہ یہ نام ہوگا اور نہ انہیں آخری نبی پر ایمان لانا پڑے گا۔ یہ تحریف کی بدترین مثال ہے۔

لفظی
ہیرا پیری

یہ تو ان کی اپنی کتاب میں تحریف کرنے کا تذکرہ تھا۔ اب آگے اللہ تعالیٰ نے ان کے اُس ناروا سلوک کا تذکرہ کیا ہے جو وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کرتے تھے۔ ارشاد ہے۔ وَكَيْفَ لَوْ كَانَ سَبَّحْنَا بِحَبِيبِ نَبِيِّ عَلِيْهِ السَّلَامُ كِيْ مَجْلِسٍ مِّنْ اَكْمَدٍ مَّيْطَةٌ هِيَ اَوْ اَنْ كِيْ فِرْعَوْنِ اَسْنَتِيْ هِيَ تُوْرَبَانِ سَسْبَتِيْ هِيَ اِهْمُ نِيْ سُنْ لِيَا۔ مگر ان کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ ہی دل میں کہتے ہیں وَعَصَيْدًا اور ہم نہیں مانیں گے۔ یعنی ان احکام کی تعمیل ہم سے نہیں ہو سکتی۔ علاوہ انہیں جیب وہ خود حضور علیہ السلام سے مخاطب ہوتے تو کہتے وَاسْتَسْمِعْ يٰعْنِيْ اَبِيْ سَيْنِ غَيْنِ مَسْمَعِ اور نہ کہنا لے جائیں۔ اس قسم کے ذومعنی الفاظ بول کر وہ لوگ بظاہر تو اہل ایمان کی عزت افزائی کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں عناد کی خباثت ہوتی تھی وَاسْتَسْمِعْ

عَنْ مَسْحٍ اِيك معنی تو یہ ہے کہ حضور! آپ ہماری بات سنیں اور آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ سنائی جائے۔ گویا آپ کی عزت و احترام کرتے تھے۔ کہ دین حق کا بول بالا ہو اور اس کے خلاف کوئی بات آپ تک نہ پہنچے۔ مگر اُن کے دل میں یہ مفہوم ہوتا تھا۔ کہ آپ ہماری بات تو سن لیں مگر آپ نہ سنائے جائیں یعنی آپ کے کان ہی ضائع ہو جائیں جن سے آپ کوئی بات سن سکیں۔ عَنِ مَسْحٍ کا توہین آئینز یہ مطلب بھی اُن کے ذہن میں ہوتا تھا۔ کہ آپ کوئی اچھی بات نہ سن سکیں۔ اس طرح گویا وہ بد دعائیہ کلمات بھی کہتے تھے۔

وَرَاعٍ نَائِيًا بِالْأَسِنَّةِ وَهُوَ بِرَحْمَةِ اِيں فرمانوں کو موڑ کر راعی کا لفظ بھی بولتے تھے کہ حضور! ہماری رعایت کریں یعنی ہماری طرف توجہ فرمائیں مگر ان کے دل میں عبرانی زبان کا راعی ہوتا تھا جس کا معنی احمق ہے۔ اس کے علاوہ عربی میں راعی چرواہے کو بھی کہتے ہیں گویا وہ زبان کو گھما کر لفظ کو بگاڑ دیتے تھے جس سے وہ ذومعنی بن جاتا تھا اور وہ اپنی خباثت کا اظہار کر لیتے تھے۔ یہ لفظ پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے لَا تَقُولُوا رَاعِيًا نَائِيًا عَنِ حَضْرَةِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُو مَخَاطَبِ كَرْنِي كِي لِي رَاعِيًا كَالْفِعْلِ اسْتِعْمَالِ ذِكْرٍ وَبَلْ كِ اس كِي بِي كَانِي وَتَقُولُوا الظُّلْمَا كُو هَامِي طرف نظر کریں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب حضور علیہ السلام کی شان میں اس قسم کی گستاخی کرتے تھے۔ لہذا اہل ایمان کو اس قسم کے ذومعنی الفاظ استعمال کرنے سے منع فرمادیا۔

فرمایا یہودیوں کی ایک بری نصلت یہ بھی ہے وَصَلْنَا فِي الدِّينِ دِينِ مِي طِنِ كَرْتِي هِي۔ اسلام کے احکام پر نیکتر چلین کر تے ہيں مثلاً محرمت نكاح كے سلسلے ميں جب تمام حرام رشتوں كِي وضاحت هوي تو يهودي كتنے لگے ديگھو جي! مسلمانوں كا دين كچھو كچھي كِي بيٲي سے تو نكاح كو جائز قرار

دين پر
نكحہ سيني

یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے۔ جن میں سے صرف ایک اسلام قبول کر سکے
 حضور نے فرمایا اگر یہ سائے کے سائے ایمان لے آتے تو رولے زمین پر موجود
 تمام یہودی حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ منگے جیسا کہ یہاں فرمایا ہرت قبیل لوگ ایمان
 لائے۔ یہ لوگ اُس وقت بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور آج
 بھی دنیا میں اسی پالیسی پر کافرین ہیں۔ اور یہ مسلمانوں سے صرف اسی صورت میں
 راضی ہو سکتے ہیں کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر اُن کے دین میں مدغم ہو جائیں۔
 سورة بقرہ میں گزر چکا ہے **وَلٰكِنْ تَرَضٰی عَنْكَ الْيٰهُودُ وَلَا النَّصٰرٰی
 حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ** یہودی اور عیسائی آپ سے کبھی خوش نہیں ہوں گے۔
 جب تک آپ ان کا دین نہ اختیار کر لیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ
 ان دشمنان دین سے ہمیشہ ہوشیار رہنا، یہ دین دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے
 نہیں جانے دیتے۔ یہ مسلمانوں کے ابدی دشمن ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان
 ہے کہ یہ لوگ نزولِ مسیح تک اس قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے رہیں گے،
 لہذا ان سے محتاط رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ نَطَّيِّرَ وُجُوهًا فَزَرَدَهَا
عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَصْحَابَ
السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ
أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي
مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ أُنظِرْ كَيْفَ
يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی تھی، ایمان لائے اس
چیز پر جس کو ہم نے انما اور وہ تصدیق کرتی رہی ہے اس چیز
کی جو تمہارے پاس ہے اُس سے پہلے کہ ہم مٹا دیں چہروں کو،
ہم پٹا دیں اُن کو پشتوں کی طرف یا ہم اُن پر لعنت بھیجیں
جس طرح کہ ہم نے لعنت بھیجی ہفتے کے دن زیادتی کرنے والوں پر
اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر رہتا ہے ﴿۴۷﴾ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں
بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخشتا ہے
اس سے ورے جس کو چاہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ شرک کریگا
پس بیشک اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ﴿۴۸﴾ کیا تو

نے دیکھا اُن لوگوں کو جو اپنے آپ کو پاک بتلاتے ہیں۔ بلکہ اللہ پاک کہتا ہے جس کو چاہے اور نہیں ظلم کیا جائے گا اُن پر ایک دھاگے کے برابر بھی (۴۹) آپ دیکھیں یہ کس طرح اللہ پر افتزاز بانڈھتے ہیں جھوٹ۔ اور کافی ہے یہ بات صریح گناہ ہونے کے سبب سے (۵۰)

گذشتہ درس میں اہل کتاب کی بعض قبیح خصلتوں کا تذکرہ ہوا تھا۔ کہ وہ حق و صداقت کے مقابلے میں باطل پرستی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں، اللہ کی کتاب کی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں، اللہ اور رسول کی نافرمانی کرتے ہیں، بلکہ اللہ کے نبی کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ زبان کو بیچ دیکر ذومعنی الفاظ استعمال کرتے ہیں اور دین میں طرح طرح کی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ آپ آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو وعید سنائی ہے کہ اس قرآن پاک پر ایمان لے آؤ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری شکلیں بگاڑ دی جائیں اور تم پر اس طرح لعنت بھیجی جائے جس طرح اصحاب سبت پر بھیجی گئی اور انہیں بند اور خسریہ بنا دیا گیا۔ ان آیات کی شان نزول کے متعلق مؤرخ محمد ابن اسحاق بیان فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودی عاملوں کو دعوت دی اور انہیں اس طرح خطاب فرمایا کہ لے اجارہ بیوہ! ایمان لے آؤ، بخدا تم جانتے ہو۔ جو چیزیں میں لے کر آیا ہوں، میں اللہ کی سچی کتاب لایا ہوں، تم اس پر ایمان لے آؤ مگر یہودیوں پر اس نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ وہ اپنے باطل عقائد پر اٹنے سے۔ اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی وعید کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤتُوا الْكِتَابَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ آؤتُوا الْكِتَابَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ آؤتُوا الْكِتَابَ لے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی، یہودی اور عیسائی اپنے آپ کو اہل کتاب کہلاتے تھے۔ عیسائی انجیل کے حامل ہونے کے دعویٰ کرتے تھے، جب کہ یہودی تورات کے۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں بھی انہیں اہل کتاب کہا گیا ہے۔ گذشتہ درس میں آؤتُوا فَصَيَّبْنَا مِنَ الْكِتَابِ کے الفاظ تھے یعنی وہ لوگ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا یعنی جن کے پاس محض الفاظ ہیں اور روح نہیں۔ یا یہ کہ اصل کتب

رابطہ ایات

ایمان کی دعوت

کا کچھ حصہ ہی اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور باقی تحریرین کی نذر ہو چکا ہے۔
 تاہم اس آیت میں مطلقاً اہل کتاب کو خطاب ہے کہ اَمْرًا مَبْرُورًا مِمَّا نُنزِّلُ لَكُمَا
 اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ لَا تُحْسِنُوْهُمْ تَنْزِیْلًا لِّیَعْنٰی قُرْآنِ پَاکِ۔ اور وہ ایسی کتاب
 ہے مَصَدِّقًا لِّمَا هُمْ بِکُفْرِهِمْ حَتّٰی یُصَدِّقُوْا کِتٰبَہٗمُ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ
 پاس ہے یعنی تورات اور انجیل۔

ظاہر ہے کہ ہر بعد میں آنے والی کتاب پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے
 اور بعد میں آنے والا نبی پہلے انبیاء علیہم السلام کا مصدق ہوتا ہے چنانچہ قرآن
 پاک نے تورات، انجیل اور زبور کی منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کی اور حضور
 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ تمام انبیاء کے برحق ہونے کی تصدیق کی
 البتہ سابقہ امتوں نے خود اپنی کتابوں میں خرابی ڈالی اور ان میں تحریر کے
 مرتکب ہوئے۔ اس بات کا اظہار قرآن پاک نے کھردیا ہے۔ سورۃ مائدہ
 میں موجود ہے یٰۤاَہْلَ الْکِتٰبِ دَدْجَاۡرُ کُمْ رَسُوْلُنَا یَبِیْنُ
 لَکُمْ کِتٰبَہٗمُ اِمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْتَصِمُوْا
 عَنْ کِتٰبِہٖ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ
 بہت سی نسخ شدہ) باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بعض چیزوں سے درگزر کرتا ہے
 یعنی تمہاری بعض خصلتیں ایسی بھی ہیں جنہیں ظاہر نہیں کیا گیا۔ لہذا تم قرآن پاک پر
 ایمان لاؤ جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْرَءُوْا
 وَجُوْہَا اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ
 بگاڑیے جائیں۔ فَتٰی رَہَا عَلٰی اَدْبَارِہَا اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ اِسْ حَیْزِ رِیْمَانِ
 پھیر دیں۔ ایسا وقت آنے سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ۔ جب اللہ کا
 غضب جوش میں آتا ہے تو پھر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں ہی لوگوں کی شکلیں مسخ کر
 جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں کتنی نافرمان قوموں کا ذکر ہے جن کی شکلیں بگاڑ دی
 لیں اور انہیں جانوروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

کہ آخری زمانہ میں بھی ایسا ہوگا، قرب قیامت میں بھی بعض لوگوں کی شکلیں مسخ کر دی جائیں گی۔ جب کسی کا قلب و ذہن باطنی گمراہی سے بھرا ہو تو ظاہر سے کہ باطنی طور پر تو اُسکی شکل بگڑ چکی ہے اور یہ شرک کا دوسرا درجہ ہے۔ اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ ظاہری شکلیں بھی بگڑ جائیں۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، تاہم کہیں اکادکا واقعہ پیش آجانا عین ممکن ہے۔

فرمایا ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ تمہاری شکلیں مسخ کر دی جائیں اَوْ لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ

یا ہم ان پر لعنت بھیجیں، رحمت سے دور کر دیں کَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ جس طرح کہ ہم نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی جو ہفتے کے دن زیادتی کرتے تھے۔ یہ بھی نبی اسرائیل ہی کا ایک فرقہ تھا۔ اُن کو حکم تھا کہ وہ ہفتے کے دن کوئی کاروبار نہ کریں سوائے عبادت کے، مگر انہوں نے جیلے بنانے سے مچھلی کا شکار شروع کر دیا اور اس طرح حرام چیز کو حلال بنانے کی کوشش کی اور بار بار سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے۔ آخر اللہ کا عذاب اس شکل میں نازل ہوا کہ اللہ نے حکم دیا لَوْ اَقْرَدَہٗ خَاسِدِیْنَ ذٰلِیْلِ بَنَدْرِیْنَ جَاؤْ دَرَسْرَ مَقَامٍ یُّفْرَمٰی وَجِبَ عَلَیْہِمْ الْقِرَدَہُ وَخَلْفَ نَازِیْلِ بعض کی شکلیں بندروں کی اور بعض کی خنزیریوں کی بن گئیں۔ مفسرین کہہ م فرماتے ہیں۔ کہ اُن کے نوجوان بندروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور بوڑھے خنزیر بن گئے۔ فرمایا وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا اور اللہ کا حکم تو ہو کر رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو وعید سنائی ہے کہ خدا کا خوف کرو، ایمان لے آؤ۔ اللہ کا بتی تو پہلی کتابوں کا مصدق ہے۔ لہذا تمہارے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں۔ تم کیوں کفر پر اصرار کر رہے ہو۔

ان تمام تر خیرانیوں کے باوجود یہودی اس دعوے پر مصر تھے کہ وہی صحیح دین پر قائم ہیں۔ وہ اپنے کفر اور شرک کا انکار کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے بطور قانون ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ بیشک اللہ تعالیٰ

صاحبِ سبوت

شرک ناقابلِ معافی ہے

نہیں سختی اس بار۔ کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ شرک ایسی قبیح بیماری ہے کہ اس کے لیے بقاء ہی ہوش و حواس تو بہ ضروری ہے اگر مرنے سے پہلے تو بہ نہیں کی تو ایسا شخص ہمیشہ کے لیے عذاب کا مستحق بن گیا۔ البتہ وَيَعْفُو مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ آئے شرک کے علاوہ دیگر جس گناہ کو اللہ چاہے اپنی رحمت سے معاف فرمائے، اللہ تعالیٰ نے یہ قانون کے طور پر بتلادیا کہ شرک کے علاوہ جو بھی گناہ کر لیا، اس کی معافی کی گنجائش موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دیتے کے بعد معاف کر دے یا اپنی رحمت کے ساتھ بغیر سزا دے بھی معاف کر دے مگر جہاں تک شرک جیسے عظیم گناہ کا تعلق اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ انسان موت طاری ہونے سے پہلے پہلے سے دل سے تائب ہو جائے۔ فَرِيَا وَصَنَفُ يَشْرِكُ بِاللَّهِ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا اس نے بہت بڑے گناہ کا اقرار کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے قرآن پاک میں شرک کی جگہ جگہ بہت بیان کی گئی ہے۔

شرک کی
تعریف

شرک کی وضاحت قرآن و سنت میں موجود ہے۔ علمائے کرام نے شرک کی تردید میں بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید کا رسالہ تقویۃ الایمان توحید و شرک کے مسئلہ کی خوب وضاحت کرتا ہے۔ ایک اور بزرگ مولانا حافظ احمد الدین صاحب بھیرے کے قریب موضع بنگا کے رہنے والے تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔ چودہ سال تک دہلی میں تعلیم پائی۔ آپ نے آج سے قریباً ڈیڑھ، پونے دو سو سال پہلے دلیل اللشکرین کے نام سے عربی زبان میں کتاب لکھی، جس کا ترجمہ اس فقیر نے کیا ہے۔ اس میں حافظ صاحب نے شرک کی بیس قسمیں بیان کی ہیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے قرآن پاک کے دو سکر پائے کے حاشیے میں ایک چھوٹا سا نوٹ دیکر یہ

مسئلہ سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تُشْكِرُوا لِلشَّيْءِ كَيْفَ" یعنی مومن مرد و مشرک عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور مومن عورت مشرک مرد کے نکاح میں نہیں آسکتی آپ فرماتے ہیں کہ اگر مرد یا عورت میں سے کسی ایک نے شرک کا ارتکاب کیا تو اس کا نکاح ٹوٹا، جلنے کا کیونچہ مومن اور مشرک کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

بعض صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی صفت غیر اللہ میں مانی جائے تو شرک کا ارتکاب ہو جائے گا۔ مثلاً یہ کہ کسی پیر، ولی، بزرگ، فرشتے یا نبی کو ہر شے کا علم ہے، منتر کا نہ عقیدہ ہے۔ کیونکہ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہر چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اسی طرح قدرت نامہ بھی اللہ کی صفت مختلفہ ہے۔ اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ فلان بزرگ یا نبی یا ولی جو چاہے کر سکتا ہے، تو وہ بھی مشرک ہو گیا۔ قادر مطلق ہونا بھی اللہ ہی کی صفت ہے۔ اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اس کا بڑا بھلا کرنا کسی دوسرے کے اختیار میں ہے، کوئی نبی، ولی اس کا نفع اور ضرر ہے تو یہ بھی شرک میں داخل ہے۔ اسی طرح غایت درجہ کی جو تعظیم اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتی چاہیے، جیسے رکوع، سجدہ وغیرہ، یہی تعظیم اگر غیر اللہ کی کر لگا، تو شرک کا ارتکاب ہو گا۔ شرک کبھی ذات میں ہوتا ہے اور کبھی صفات یا عبادت میں۔ خدا تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کو اگر خدا مانے گا تو یہ شرک فی الذات ہو گیا جو سیولوں کا ایک فرقہ ثنوی ہے، جو نیروان اور امر من و د خدا مانتے ہیں یہ بھی مشرک کا نہ عقیدہ ہے۔ شرک مشیت میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری ہستی بھی ایسی مانی جائے جو جو چاہے کر سکتے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا مَا شَاءَ اللَّهُ وَهَآءِ شِدَّتْ یعنی جو آپ چاہیں اور اللہ چاہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، کیا تو مجھے خدا کا شریک بنانا چاہتا ہے۔ کہ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ جو صرف اللہ چاہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ

مختار کل کوئی نہیں ہے۔ تصرف میں شرک یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو نفع نقصان، مالک سمجھ کر اس سے روزی، اولاد یا شفا طلب کی جائے۔ کسی نبی، ولی یا پیر کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اُسے بھی تصرف حاصل ہے تو یہ بھی شرک ہوگا۔ عبادت میں رکوع، سجد و غیرہ کا ذکر آچکا ہے، اس کے علاوہ طواف بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور بیت اللہ شریف کے ساتھ مختص ہے "وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ" بیت اللہ شریف کا طواف کرو۔ اگر یہی طواف کسی قبر یا مسجد کے گرد کیا، تو یہ بھی شرک ہو گیا۔ کوہِ مراد پر کوئی گمراہ فرقت ہے۔ انہوں نے کوئی ایسی جگہ بنا لی ہوئی ہے جس کا طواف کرتے ہیں۔ یہ صریحاً شرک ہے۔

نذر غیر اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نذر ماننا بھی شرک ہے۔ نذر صرف خدا تعالیٰ کی مانی جاسکتی ہے۔ بعض اوقات شرک فی العادت ہوتا ہے کسی کام عادت کے طور پر کیے جاتے ہیں جیسے زمار باندھنا، جزیو باندھنا، یلگے میں صلیب لٹکانا وغیرہ ایک شخص صلیب لٹکا کر حضور علیہ السلام کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا الق عندك هذا لوثن اس بہت کو انار پھینکو یہ شرک کی نشانی ہے۔ بعض نام بھی شرکیہ ہوتے ہیں جیسے عبدالمسیح، عبدالمصطفیٰ عبد الرسول یا عبدالحمدین، عبدیت کی نسبت ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے اگر غیر کی طرف ہوئی، تو شرک ہو گیا۔ قسم اٹھانے میں بھی شرک ہوتا ہے یعنی اَحْلَفَ بِالْفَيْءِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْتَرْتُكَ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اُس نے بھی شرک کیا۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم اٹھانا حرام ہے۔ بعض اوقات جانور ذبح کرنے میں شرک ہوتا ہے۔ کوئی مکان یا دیگر عمارت شروع کرنے وقت اس کی بنیاد میں جانور ذبح کرتے ہیں۔ عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا تو عمارت میں نقص رہ جائے گا۔ لہذا وقت کسی درخت کے تنچے یا کسی نہر پر جانور ذبح کیا جاتا ہے اور اس سے مقصود

کسی جن مخلوق کو خوش کرنا ہونا ہے۔ یہ بھی شرکاً ہی عقیدہ سے۔ کسی چیز میں منتقل تاثیر ماننا بھی شرک ہے۔ کیونکہ منتقل تاثیر تو خدا تعالیٰ کے حکم میں ہے اور اس کی صفت میں ہے۔ اس کے علاوہ ہر تاثیر مستعار ہے۔ استغانت مافوق الاسباب میں بھی شرک ہوتا ہے۔ عالم اسباب میں ایک درجے کی مدد کرنا شرک نہیں بلکہ یہ تو حکم ہے۔ "لَعَاوَنُوا عَلَىٰ آلِ الْبِرِّ وَالْتَّقْوَىٰ" نبی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ البتہ مادی اسباب کے علاوہ غائبانہ طور پر اگر کوئی غیر اللہ سے مدد طلب کرتا ہے، تو وہ مشرک ہے۔ نذا میں بھی شرک ہوتا ہے۔ غیر اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہماری بات سنتے ہیں، اشْرک ہے۔ جیسے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیدا اللہ، یا ہاؤ الحق، یا پیر دستگیر، یا علی، یا حسین وغیرہ سب شرک ہے۔ جانور فزح کرتے وقت اگر اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کا نام لے لیا تو بھی شرک کا ارتکاب ہو گیا جیسے بسم اللہ و اسم محمد حالانکہ صرف بسم اللہ کہنا ضروری ہے اسی طرح شیگون لینا بھی شرک ہے۔ کوئی جانور اور وغیرہ دایں یا بائیں اڑ گیا تو عرب اسے منحوس خیال کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا "الطَّيْرَةُ شَيْءٌ" شیگون لینا بھی شرک ہے۔ مومن ہمیشہ ذات خداوندی پر کھبر دہتا ہے، وہ اس قسم کے وہم میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ایسی بات ذہن میں آئے تو اسے نکال دینا چاہیے۔ لوگ خبریں معلوم کرنے میں بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بخوبی رمال، جھاریا درست شناس سے قسمت حال معلوم کرنا شرک سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا یہ لوگ غیب دان ہیں؟ عالم الغیب تو صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے فرمایا جو شخص بخوبیوں سے خبریں معلوم کرتا ہے اور ان پر یقین کرتا ہے وہ ٹھکر کی شریعت کا انکار کرتا ہے۔ ایسی شکر کی باتوں پر قطعاً یقین نہیں رکھنا چاہیے۔ بعض لوگ تصور میں شرک کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ بزرگوں ہر شیخ ایران پیر کی رو میں ان کے گھر آتی ہیں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسا عقیدہ

رکھنے والا آدمی کافر ہے، مشرک ہے، یہ تصور میں مشرک ہے۔ تعویذ گنہگار
 میں بھی بعض اوقات فرعون، جبرائیل یا کسی جن سے مدد طلب کی جاتی ہے
 تعویذوں میں شرکیہ کلمات ہوتے ہیں حضور علیہ السلام نے صراحتاً فرمایا کہ گلے
 میں لٹکانے والے تعویذوں میں بھی مشرک ہونا ہے بعض اوقات جھاڑ بھونک
 میں شرکیہ الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ غیر اللہ سے استعانت طلب کی
 جاتی ہے۔ یہ بھی مشرک میں داخل ہے۔ کبھی تو سہل میں مشرک کا ارتکاب کیا
 جاتا ہے۔ غیر اللہ کا وسیلہ بکھڑا جاتا ہے کہ وہ ہر حالت میں ہماری حاجت
 خدا تعالیٰ سے پوری کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض، یہ بزرگ ہمارا
 کام ضرور کروادیں گے۔ مشرکین عرب، الات، منات اور عنزیٰ کے متعلق
 یہ اعتقاد رکھتے تھے۔ یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہی تصور
 رکھتے تھے اور شیعہ امام حسینؑ کو وسیلہ بکھڑتے ہیں۔ قبر پرست لوگ بہت
 سے بزرگوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی نذر و نیاز سے دی جانے
 تو وہ اللہ تعالیٰ کو ضرور راضی کر لیتے ہیں۔ اور مشرک کی بیسیوں قسم ریا ہے، اسے
 مشرک اصغر کہا جاتا ہے اگر کوئی عمل دکھائے کہ اسے یہ کیا جائے تو مشرک کا ارتکاب
 ہوگا حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ يِرَاقِي فَقَدْ اَشْرَكَ
 جس نے دکھلاوے کے لیے کوئی عمل کیا۔ اس نے مشرک کا ارتکاب کیا،
 مشرک کی یہ تمام اقسام فَقَدْ اَفْتَرَىٰ اِثْمًا عَظِيْمًا میں آتی ہیں
 آگے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا اَلْكَرْتَسِ الرَّاقِي
 الَّذِيْنَ يَنْكُوْنُ اَنْفُسَهُمْ كَمَا اَنْفُسَهُمْ كَمَا اَنْفُسَهُمْ كَمَا اَنْفُسَهُمْ كَمَا اَنْفُسَهُمْ
 دیکھا جو اپنے آپ کو پاک صاف بتاتے ہیں حالانکہ ان میں کھنر، مشرک اور
 معاصی جیسی قبیح بیماریاں موجود ہیں۔ یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو معجزانہ سے
 کہتے تھے۔ اور محض اس بات پر ہی فخر کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ
 ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جائیگا۔ یہ بیماری آج کل کے

اس کے محبوب ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ ہم نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں، ہم اسے (العیاذ باللہ) سچا نبی نہیں سمجھتے۔ اللہ نے فرمایا
 وَكَفَىٰ بِلَهُ إِثْمًا مُّهِينًا اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے۔
 ان لوگوں میں ہر قسم کی برائی موجود ہے مگر اپنا تقدس ظاہر کرتے ہیں اور
 خدا تعالیٰ پر چھوٹ بانڈھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کی کیا بدبختی ہو سکتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ
 بِالْجَنَّةِ وَالطَّاعُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ
 أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
 لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ تَحَدُّهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾
 أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمَلَكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ
 النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

ترجمہ کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جن کو
 دیا گیا کچھ کتاب سے وہ ایمان رکھتے ہیں جنت اور طاعت
 پر اور وہ کہتے ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ
 زیادہ ہدایت ملے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ﴿۵۱﴾ یہی لوگ
 ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے، اور جس پر اللہ لعنت
 کرے، پس تو نہ پانگا اُن کے لیے کوئی مددگار ﴿۵۲﴾ کیا اُن
 کے لیے حصہ ہے بادشاہی میں سے۔ (اگر ایسا ہوتا) پس وہ نہ دیتے
 لوگوں کو ایک تیل کے برابر بھی کوئی چیز ﴿۵۳﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی قباحتوں کا تذکرہ کر کے اُن کی مذمت
 بیان فرمائی تھی۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں، یہاں بھی اُن کی ایک سازش کا ذکر ہے
 جو انہوں نے کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کی۔ جھوٹ، مکر اور فریب اُن کی شہرت
 میں داخل تھا۔ اللہ کے نبی کے ساتھ دشمنی اور پھر آپ کی توہین کرنا اُن کا روزمرہ کا معمول تھا۔

سورۃ نسا کے بعد اگلی سورۃ ماڈہ میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ اہل اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں، اور اُن کے بعد پھر مشرک اور نصاریٰ درجہ بدرجہ آتے ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے ”لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا“ یعنی اسلام دشمنی میں یہود سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اُس کے بعد مشرکین کا نمبر ہے اور پھر نصاریٰ کا۔ بہر حال آج کی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی شرارتوں کا ذکر کیا ہے۔

شان نزول

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے کے بعد حضور علیہ السلام نے مدینہ کے قبائل، جن میں یہودی بھی شامل تھے، کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کے مطابق یہ طے پایا کہ اہل اسلام اور مدینہ کے گمراہوں کو جہاد میں حصہ لینے کے لیے تمام قبائل اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے آپس میں اتفاق و اتحاد کی فضا برقرار رکھیں گے اور اگر مدینہ پر باہر سے حملہ ہوا تو سب مل کر اُس کا دفاع کریں گے۔ یہودیوں کا ایک بڑا عالم کعب بن اشرف تھا۔ مدینہ کے قریب ہی اس کا اپنا قلعہ اور گاؤں تھا۔ صاحبِ علم اور دولت مند تاجر تھا۔ اس کی تجارت اور سودی کاروبار پورے عرب میں پھیل چکا تھا۔ چونکہ یہ بااثر آدمی تھا اس لیے یہودیوں کی طرف سے میثاق مدینہ پر اُس نے بھی دستخط کیے تھے اور اس معاہدہ کی پابندی کا عہد کیا تھا۔ اس کے باوجود یہ شخص دل سے مسلمانوں کے ساتھ بغض رکھتا تھا اور ہمیشہ انہیں درپردہ نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ اس سے پہلے جنگ بدر میں مسلمان کامیاب ہو چکے تھے مگر احد پر کفار کا پلہ بھاری رہا۔ اس شخص نے موقع غنیمت جانا اور ستر آدمیوں کا ایک وفد لیکر مکہ پہنچا۔ ابوسفیان سے طلاق کر کے اُسے یہ عنایت دیا کہ ہم محمد اور اہل اسلام سے فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے ہیں، آپ ہماری مدد کریں، ہم مدینہ کے معاہدہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں ابوسفیان کو کعب بن اشرف کی بات پر یقین نہ آیا۔ اُس نے کہا میں تمہاری بات کو

اس صورت میں سچا ماننے کے لیے تیار ہوں جب کہ تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ کرو۔ اسلام دشمنی کے غیظ و غضب میں اُس نے سجدہ بھی کر دیا۔ اس کے بعد مشرکین مکہ نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ ہمارا دین اچھا ہے یا مسلمانوں کا ہم بیت اللہ شریف کے متولی ہیں طواف کرتے ہیں۔ جانور ذبح کرتے ہیں، حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، مگر محمد اپنے اباؤ اجداد کے دین کو ترک کر چکے ہیں۔ بہر حال انہوں نے کعب بن اشرف سے یہ تصدیق کروالی کہ اُن کا طریقہ مسلمانوں کی نسبت اچھا ہے اپنی مزید تسلی کے لیے انہوں نے کہا کہ اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس آدمی تمہارے کعبۃ اللہ کے ساتھ چمٹ کر قسیم اٹھائیں اور عمدہ کمبیں کہ دونوں فریق مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پوری پوری کوشش اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔ چنانچہ کعب بن اشرف نے مشرکین کی یہ شرط قبول کر لی اور فریقین کے تیس تیس آدمیوں نے بیت اللہ کے روبرو مسلمانوں کے خلاف معاہدہ کر لیا۔ آج کی آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کئے کے یہودیوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

فَرَأَىٰ آلَ كَافِرَاتٍ كَافِرَاتٍ
فَرَأَىٰ أَصْحَابَ الْأَيْمَانِ
وَأَقْرَبَ بِمَبْعُوثٍ فَرِيدٍ
فَرَأَىٰ عِزَّةً لِلْغَنِيِّ
فَرِيدًا

کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ظاہر ہے کہ مکمل تورات تو اُن کے پاس نہیں ہے۔ انہوں نے تو اُس کو خط مط کر دیا ہے، تاہم اُس کا کچھ نہ کچھ اصل حصہ موجود ہے، ان یہودیوں کا حال یہ ہے کہ **لِيَوْمِئِذٍ نُّؤَدُّ بِأُتْرَاقٍ** اور طاعنوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حجت کا لفظ پورے قرآن پاک میں صرف ایک ایسی جگہ استعمال ہوا ہے، البتہ طاعنوت کا لفظ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ عام مفسرین حجت کا معنی بت اور طاعنوت کا معنی شیطان کرتے ہیں لہذا مطلب یہ ہوا کہ یہودی بتوں اور شیطان کے پجاری ہیں۔ جیسا کہ ان آیات

حجت اور
طاعنوت

کے شان نزول میں بیان ہوا کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے اسلام دشمنی کی بنا پر مشرکین مکہ کے کہنے پر بتوں کو بھی سجدہ کیا۔ طاغوت طغویٰ کے مادہ سے ہے جس کا معنی اسکرش ہو کہ حد سے بڑھ جانا ہے۔ اور یہ شیطان پر ہی صادق آتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حبشی زبان میں طاغوت شیطان ہی کو کہتے ہیں۔

مفسرین نے جبت کا معنی اسحرج بھی کیا ہے۔ اس ضمن میں یہودیوں کا حال سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر سحر یعنی جادو حاصل کیا **وَ اتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلٰی صُلٰٓتٍ سَكِيْمًا** اس سجاد سے جبت کا معنی جادو بھی ہے۔ سیرت کی معروف کتاب کے مؤلف امام ابن ہشام فرماتے ہیں **الْجِبْتُ عِنْدَ الْعَرَبِ صَاعِدٌ مِّنْ دُونِ الْمَلِكِ** یعنی عربوں کی نزدیک ہر وہ چیز جبت ہے کہ اللہ کے سوا جسکی پوجا کی جائے۔ اور ہر وہ چیز طاغوت ہے **كُلُّ مَا اضَلَّ مِنَ الْحَقِّ** جو راہِ حق سے گمراہ کرنے والی ہو۔ جبت کی جمع جبوت اور طاغوت کی جمع طاغوت آتی ہے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق امام ابن ہشام فرماتے ہیں کہ جبت کا معنی اسحرج اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔ سورۃ نحل میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر یہ حکم نازل فرمایا **اِنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ** یعنی اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش سے باز آ جاؤ۔ گویا ہر مشرک اور حق سے گمراہ کرنے والا طاغوت ہے خواہ وہ شیطان ہو یا کوئی دوسری شخصیت ملوک اکثر طاغوت کی نمائندگی کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجائے اپنا حکم چلاتے ہیں اور لوگوں کو راہِ راست سے ہٹا کر غلط بات ماننے پر مجبور کرتے کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں **لَا تَخْلِسُوا بِاَبَاءِكُمْ وَلَا بِالطَّغَاوِثِ** یعنی اپنے اباؤ اجداد یا کسی طاغوت کے نام کی قسم مت اٹھاؤ بہر حال گمراہ کرنے والی تمام طاقتیں طاغوت ہیں اور شیطان ان کا سرِ غنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دیکھو! یہ اہل علم کا حال ہے کہ طاغوت اور جبریت پر یقین رکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے سچے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مشرکین کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا ہے وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا كُفَرُوا کے متعلق کہتے ہیں۔ هُؤُلَاءِ آهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا کہ اہل ایمان کی نسبت یہ زیادہ راہ راست پر ہیں، یعنی مکے کے کافروں اور مشرکوں کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔ یہ کعب بن اشرف لڑنے واقعہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔ کہ اُس نے مشرکین کے استفسار پر بنایا تھا۔ کہ تمہارا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اچھا ہے۔ اس شخص کے متعلق میں نے پہلے عرض کیا کہ بڑا ظالم آدمی تھا۔ خود شاعر تھا اور دوسروں سے سنی حضور علیہ السلام کی مذمت میں شعر کہلوانا تھا۔ اس کی ضلالت کی انتہا یہ تھی کہ سودی قرضے دیتا تھا اور عام چیزوں کے علاوہ لوگوں کی عورتوں کو بھی رہن رکھ لیتا تھا۔ بہر حال اس شخص نے میثاق مدینہ کو توڑا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے محمد ابن مسلمہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔

گزشتہ آیات میں گنہگار چکا ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو فرمایا تھا یا معشری الیہود! اے یہودیو! تم جانتے ہو کہ میں خدا کا سچا نبی ہوں اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ سچ ہے لہذا تم ایمان لے آؤ تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو مگر ان بد سنجتوں نے کفر پر اصرار کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَعَدُوٌّ مُّبْتَدِلُ غَدَابَتِهِ اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے، اُس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

لعنت کا لفظی معنی بَعْد ہوتا ہے اور اصطلاحاً اسے اللہ کی رحمت سے دوری پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ جب کافر کے حق میں استعمال ہوتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص اللہ کی رحمت سے ابھی طور پر دور یعنی محروم ہو گیا اور سزا کا مستحق ٹھہرا جیسے سورۃ بقرہ میں کفار کے متعلق آیا ہے أُولَٰئِكَ عَلَيْهِ سَعِيرٌ

خدا کی
لعنت

لعنت کا
مفہوم

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ ایسے لوگوں پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ البتہ جب لعنت کا لفظ گنہگار مومن کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ منکر کا مستحق ٹھہرا کہ جب ابدی طور پر نہیں مگر گناہ کی منرا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل مل جائیگا بہر حال ایسے شخص کا درجہ کم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے بُرے کاموں پر لعنت کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے ”لَا لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ“ یعنی ظلم کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہو۔

حضور علیہ السلام کے ارشادات میں بھی بعض کاموں پر لعنت آئی ہے جیسے فرمایا لَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ سَبَّ وَالِدَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ سَبَّ وَالِدَيْهِ یعنی اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو اپنے والدین پر لعنت کرتا ہے یا انہیں گالی دیتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا لَعْنَةُ اللَّهِ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَضْرِبَةَ اس عورت پر بھی لعنت ہے جو اپنے سر کے بال دوسری عورت کو دیتی ہے تاکہ وہ بھی اپنے بال لمبے کرے اور جو عورت ایسا کرتی ہے وہ بھی ملعون ہے۔ ایٹھ یا دھاکے کا پراندہ بنا کر ان کو لمبا کر لینا جائز ہے، مگر دوسری عورت کے بال لے کر اپنے بالوں کو لمبا کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح گوننے گدوانے والوں یا جسم پر تیل کے داغ لگوانے والوں پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ آپ نے لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُسَوِّرِينَ بھی فرمایا یعنی فرلوٹ کھینچنے والے بھی ملعون ہیں۔ لَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا فَرَمَ لَوْطًا جس نے قوم لوط کا عمل کیا وہ بھی لعنت کا مستحق ہوا۔

اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ کسی شخص معین پر اس وقت تک لعنت کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ اس کے متعلق صحیحاً علم نہ ہو کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے البوہمل، البولرب یا شیطان لعین وغیرہ۔ ایک شخص واقعی کافر ہے، مگر کیا معلوم کہ مننے سے پہلے وہ ایمان اختیار کر لے، لہذا اس پر بھی

لعنت درست نہیں جب تک کہ اس کا خاتمہ علی الکفر نہ ہو جائے۔ اسی لیے امام ابوحنیفہؒ پر یہ لعنت بھیجنے کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ اس کا کفر پر مرنے ثابت نہیں۔ البتہ بعض افعال پر لعنت بھیجی جاسکتی ہے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعْنَةُ اللَّهِ السَّارِقَ اللَّهُ سَورِہٖ لَعْنَتُہٗ کَرِہٖ۔ "لَعْنَةُ اللَّهِ عَلٰی السَّکِذِبِیْنِ" خصوصاً ان پر اللہ کی لعنت ہو۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ان کے افعال قبیحہ کی وجہ سے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے، وہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا اور اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا۔ یہودی ایسے خبیث لوگ ہیں جو اپنی نفسانی اغراض، ضد اور عناد کی وجہ سے اسلام کو باطل اور کفر کو حق قرار دیتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل و خوار کرے گا اور وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں ہی کے متعلق فرمایا اَمَّا لَهُمْ فَصِیْبٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ کَمَا اَنَّ کَاخِدَآءِیْہِمْ فِیْ حِجْرٍ حَصَّہٗ ہِمْ، کیا انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دے دیں۔ ہرگز نہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت میں کوئی حصہ عطا نہیں کیا اور نہ انہیں کوئی اختیار دیا ہے البتہ اگر ان کے پاس کوئی اختیار بھی ہوتا۔ فَاِذَا لَا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا اَکْمَرُ کُوْنِیْ حَیْرَانِ کے پاس ہوتی بھی تو یہ اس قدر بخیل واقع ہوئے ہیں کہ کسی کو ایک تیل بھی نہ دیتے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے سچل کا ذکر فرمایا: قُلْ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ حٰدَآئِنَ رَحْمٰتِ رَبِّیْ اَیْمُنَ عَلَیْہِ السَّلَامِ آپ ان سے فرمادیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بھی ہوتے اِذَا اَلْمَسْکِیْمُ حَشِیْبَۃٌ اَلْمَلْفَاقُ طُوْتُمْ اَنْہِیْمُ خَرَجَ ہونے کے خوف سے رک سکتے۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ فَتُوْرًا کَیْفَہِمْ اِنْسَانِ تَنَکِ دِلٍ وَتَقِ ہُوَاۤءِہِہَا پْر بھی فرمایا کہ اگر خدا کی بادشاہت میں تمہارا

خدا ہی میں
حصہ

کچھ حصہ ہوتا تو تم کسی کو ایک تل کے برابر یعنی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

سلسلہ نبوت

در اصل یہودی حسد کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کو امید تھی کہ نبی آخر الزمان بنی اسحاق میں سے آئے گا، مگر جب آخر میں سلسلہ نبوت بنی اسماعیل میں آ گیا تو یہ لوگ حسد کی آگ میں جل گئے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ "حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" کے الفاظ آتے ہیں۔ نبوت کا سلسلہ ہزاروں سال تک بنی اسرائیل میں جاری رہا مگر یہ الغام ہمیشہ کے لیے تو ان کے لیے مخصوص ہو کر نہیں رہ گیا تھا بلکہ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لیے خاص کرے۔ اُس نے اپنی رحمت سے حضور علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرما دیا تو اس میں حسد کی کون سی بات ہے۔ انہیں تو چاہیے کہ اپنی کتابوں کے مطابق آپ کی نشانیاں دیکھ کر فوراً ایمان لے آتے۔ یہ لوگ صاحب علم اور اہل کتاب تھے، ان کو انکار نہیں کرنا چاہیے تھا مگر یہ حسد کی وجہ سے انکار کر گئے۔

بہر حال فرمایا کہ ان کے پاس کچھ ہوتا تو یہ ایک فقیر یعنی تل کے برابر بھی کسی کو کچھ نہ دیتے۔ فقیر دراصل اُس بار یک دھاکے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گھٹلی کے سوراخ پر ہوتا ہے جس سے پودا پھوٹ کر نکلتا ہے۔ مقصد یہ کہ فقیر بہت معمولی چیز پر بولا جاتا ہے۔ اندج کے دانوں میں سے تل بھی ایک بہت چھوٹا سا دانہ ہوتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ تل کر دیا گیا ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چیز کو خردل یعنی رائی کے دانے سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے۔

أَوْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
 فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝۵۴ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ
 بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ جَهَنَّمَ
 سَعِيرًا ۝۵۵ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ
 نُصَلِّيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ
 جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا
 حَكِيمًا ۝۵۶ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
 فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ
 ظِلًّا ظَلِيلًا ۝۵۷

ترجمہ: کیا یہ لوگ (اہل کتاب) حد کرتے ہیں لوگوں کے
 ساتھ اُس چیز پر جو اللہ نے اُن کو دی ہے اپنے فضل سے۔ پس
 بیشک ہم نے دی ہے۔ آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم
 نے اُن کو دی ہے بڑی سلطنت ۝۵۴ پھر ان میں سے بعض وہ
 ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس سے روکتے
 ہیں۔ اور کافی ہے۔ جنہم بھڑکتی ہوئی آگ ۝۵۵ بیشک وہ لوگ جنہوں

نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا، غمغریب ہم اُن کو آگ میں دھل
 کریں گے جب بھی اُن کی کھالیں جل جائیں گی، ہم اُن کے لیے
 دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے، تاکہ وہ عذاب چھکیں اور بیشک
 اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت والا ہے (۵۶) اور وہ لوگ جو ایمان
 لائے اور جنہوں نے شائستہ کام کیے، غمغریب ہم اُن کو باغوں
 میں داخل کریں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی اُن میں
 ہمیشہ بہنے والے ہوں گے اور اُن کے لیے اُن (باغوں) میں
 پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم اُن کو داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں (۵۷)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بعض قباحتیں بیان فرمائی ہیں۔
 کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوئے، انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور
 دین میں طعن بھی کی، پینچاچھ اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لائیں گے،
 پھر اُن پر خدا تعالیٰ کی لعنت برسیگی، بالکل اسی طرح جیسے سبت یعنی ہفتہ کے دن والوں پر
 اللہ نے لعنت فرمائی اور انہیں بندر اور خنزیر کی شکلوں میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ
 نے اہل کتاب کی مزید خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا یہ لوگ جبت اور طاغوت کی سپیش
 کرتے ہیں اور ان پر یقین رکھتے ہیں۔ سحر جیسی باطل چیزوں اور شیطان کے پیروکار ہیں۔ اللہ نے
 یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ لوگ اہل اسلام کے ساتھ حسد میں اتنے پاگل ہو چکے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ
 کچھ جوڑ کر ہے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دین کی نسبت تمہارا دین اچھا ہے
 اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ ملعون ہیں، اللہ کی رحمت سے دور ہو چکے ہیں۔ اور جس پر اللہ کی لعنت
 نازل ہو جائے، اُس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا خدا تعالیٰ کی بادشاہی
 میں ان کا کچھ حصہ ہے۔ ایسا تو ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہوتا۔ تو یہ لوگ اپنے بخل کی وجہ سے کسی
 کو چھوٹی کوڑی تک نیسے کو تیار نہ ہوتے۔

حسد کی آگ

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی حسد جیسی قبیح بیماری کا تذکرہ فرمایا ہے

اور پھر اس بیماری میں مبتلا اہل کتاب کو جہنم کی سزا کی وعید سنائی ہے اور مومنوں کے لیے آرام و راحت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے أَهْرَجَسَدٌ وَنَاسٌ كَانُوا يَكْفُرُونَ اللہ نے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے۔ اس آیت کریمہ میں يَكْفُرُونَ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لڑتی ہے کیونکہ ان کا تذکرہ پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔ اور الناس سے مراد حضور نبی کریم علیہ السلام، آپ کے صحابہ کرام اور عرب کے لوگ ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں بھی عرض کیا تھا۔ کہ یہودیوں کو اہل ایمان کے ساتھ حسد اس بات پر تھا۔ کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں آگیا ہے، حسد کی اس آگ میں وہ اس قدر جل گئے کہ انہوں نے نہ صرف حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا بلکہ اہل اسلام کی ایذا رسانی میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ اس بات کا ذکر سورۃ بقرہ اور دوسری کئی سورتوں میں بھی وضاحت کے ساتھ آیا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اسی حسد کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اس چیز میں حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے خلاف دوسروں کو عطا کر دی ہے۔

حسد ہماری شریعت میں بھی حرام ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے لَا تَحْسَدُوا لَوَ كُؤُا ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کیا کرو۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأَمْسِ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ گذشتہ امتوں کی بیماریاں حسد اور بغض آہستہ آہستہ تمہاری طرف آرہی ہیں ہی الحاقۃً یہ منوڈ نے دالی ہیں، پھر فرمایا لَا أَقُولُ خَلْقُ الشَّعْرِ وَالْكَفُّ وَاللَّيْنُ خَلْقُ الدِّينِ میں نہیں کہتا کہ یہ بیماریاں بالوں کو منوڈنے والی ہیں۔ بلکہ یہ دین کا صفایا کرنے والی ہیں حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ لَوَ كُؤُا حسد سے بچو فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا أَكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ کیونکہ حسد نیکیوں

کو اس طرح کہا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لٹھی کو کھجاتی ہے۔ ابلیس نے بھی حضرت آدم علیہ السلام سے حسد اور کفر کیا تھا۔ اور حسد کی تعریف یہ ہے کہ کسی کے مال و نعمت کو دیکھ کر اُس کے زوال کی تمنا کی جائے یعنی یہ خواہش کی جائے کہ فلاں شخص کے پاس جو مال و دولت، مکان، دکان، کارخانہ، مویشی، فصل موجود ہے۔ وہ اُس کے پاس نہ ہے۔ یہی چیز حرام ہے۔ البتہ کسی دوسرے شخص کی نعمت دیکھ کر اگر کوئی شخص خواہش کرے کہ اُسے بھی ایسی چیز اللہ تعالیٰ عطا کرے تو یہ جائز ہے۔ اُسے غبطہ یعنی رشک کہتے ہیں۔

بزرگانِ دین کا مقولہ ہے مَا خَلَا جَسَدٌ عَنْ حَسَدٍ یعنی کوئی جسم حسد سے خالی نہیں۔ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کسی کا مال، خوبی، حُسن، علم، نیکی یا مال و دولت دیکھ کر اُسے زوال کی تمنا کرتے ہیں، یہی حسد ہے اور حرام ہے۔ بنی اسرائیل کی بھی یہی بیماری تھی جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو اپنے فضل سے نبوت، علم، مرتبہ، حکومت اور اقتدار عطا فرمایا تو بنی اسرائیل حسد کی آگ میں جل اُٹھے۔ کیونکہ وہ یہ چیزیں اپنے خاندان کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے فرمایا ہم نے اپنے فضل سے بنی اسماعیل میں جو نبوت کا سلسلہ منتقل کیا ہے تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ کیونکہ بنی اسماعیل بھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں فَقَدْ اثْبَتْنَا آلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ بِشٰكٍ ہم نے آل ابراہیم میں کتاب دی ہے اسی خاندان میں اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ زبور، تورات اور انجیل آل ابراہیم میں آئیں وَالْحِكْمَةَ اور حکمت یعنی علم بھی اسی خاندان کو عطا کیا، اس خاندان میں بڑے بڑے حکم دانوں اور صاحبِ علم لوگوں کو پیدا فرمایا۔ وَاتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيْمًا اور اس خاندان کو عظیم سلطنت بھی عطا کی۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کا تذکرہ ہر زبان پر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت مثالی تھی آپ نے اللہ مالک الملک سے دُنَاکِی تَتٰی تَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ

لَا حَادٍ مِّنْ بَعْدِ نِيِّ الْهَىٰ مَجْهَىٰ اِیسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی اور مٹائی سلطنت عطا فرمائی اس کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوتؑ جیسے عظیم المرتبت بادشاہ ہونے یہ سب بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اس نعمت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی ابتدا میں بھی کیا ہے۔ تخلیق انسانی اور خلافت ارضی کا مسئلہ یہ کرنے کے بعد فرمایا "يٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اٰتٰیْتُمْ عَلَیْكُمْ كُوْنُوْا لَهَا شٰكِرِیْنَ" اے بنی اسرائیل میری عطا کردہ نعمتوں کو یاد کرو اور یہ بھی نوٹ کرو کہ اب یہ نعمتِ عظمیٰ تمہارے خاندان سے منتقل ہو چکی ہے اب تمہارے لیے فلاح و ترقی کا واحد ذریعہ یہ ہے "وَاصْبِرُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ" اُس چیز پر ایمان لے آؤ جو میں نے نبی آخر الزمان علیہ السلام پر نازل کی ہے اور جو اُس چیز یعنی کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے، بنوت، کتاب اور حکمت اگرچہ بنی اسماعیل میں چلی گئی ہے تاہم یہ ہے بہر حال خاندان ابراہیم میں۔ لہذا اسے تسلیم کرو تو تمہیں اسی طرح عزت حاصل ہوتی رہے گی۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پروا نہ کی اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

فرمایا یہودی سائے کے سائے ایک جیسے نہیں بلکہ فِیْنَهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِہِ اُنْ مِّنْ سَبْعِیْنَ اٰیْمَانٍ لَّا یُحْکَمُ بِہِیْنَ جِیْسِ عِبَادِ اللّٰہِ بِنِ سَلَامٍ اَطْرَفِ مَدِیْنَةٍ كَے دس بڑے بڑے یہودی علما میں سے آپ واحد شخص ہیں جنہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ باقی سب مخالفت پر اڑنے سے حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر یہ دس آدمی ایمان لے آتے، تو اُسے زمین پر کوئی یہودی باقی نہ رہتا سب ایمان لے آتے۔ بہر حال اُن میں سے بعض ایمان لائے وَصْنَهُمْ مِّنْ صَدِّعِنْدُہٗ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو ایمان لانے سے روکتے ہیں۔ بلکہ اُن کی اکثریت اپنی ضد پر اڑی رہی۔ ان کے متعلق پہلے

یہودی کی نظر سے مخالفت

بھی گزر چکا ہے اور آئندہ سورۃ میں بھی آ رہا ہے اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ
ان میں سے اکثر نافرمان ہیں، حاسد، بغیض، ضدی اور اللہ و مانع طے ہیں۔
دین سے لٹکنے میں یہود و نصاریٰ سب سے آگے ہیں۔ یہ ہر وقت اس کو کشش
میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر دیا جائے۔
اس مقصد کے لیے وہ اپنی تمام تر توانائیاں اور مال و دولت خرچ کرتے رہتے
ہیں کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین سے متعلق شک میں پڑ جائیں۔ اس سلسلہ میں
عیسائی اور یہودی مشنریاں پوری طرح کام کر رہی ہیں۔ مستشرقین یہی خدمت
انجام دے رہے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ دین اسلام کے نام پر
بننے والے پاکستان میں اب تک لاکھوں مسلمان عیسائی بن چکے ہیں۔ پرانے
زمانے میں اس قسم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہمارے دلوں میں پہلے
مسلمانوں جیسا جذبہ ایمان باقی نہیں رہا۔ قرون اولیٰ میں اگر کوئی مسلمان دین سے
پھیر جاتا تھا تو تمام اہل اسلام پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی، وہ سمجھتے تھے کہ ایک
 آدمی کے مرتد ہونے سے ان کی ساری دنیا تباہ ہو گئی ہے۔ مگر آج لوگ کس
تعداد میں عیسائی اور مرزائی ہو رہے ہیں مگر ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ بہر حال
اللہ تعالیٰ نے دین حق سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَكَفٰی
بِحٰجَتِكُمْ سَعٰیًا اِنَّ كَیْلَ جَهَنَّمَ كَیْلٌ كَافٍ ہے
وہ لوگ بچ نہیں سکتے، آخر بچ رہے جائیں گے۔

کفار کیلئے
جہنم کی سزا

فَرَمٰی اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْاٰیٰتِنَا جِنُّ لُوْغُوْنَ لَیْسَ لَہُمْ اٰیٰتُوْنَ
کے ساتھ کفر کا شیوہ اختیار کیا سو فِ ذُرِّیٰتِہُمْ نَارٌ مِّنْ غَضَبِہٖہُمْ اَعْمٰی
جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔ کفار میں یہودی، نصرانی اور مشرکین سب شامل ہیں۔
فرمایا انہیں ایسی مسلسل سزا دی جائیگی جتنی کہ انہیں جہنم میں جلاؤں سے
آگ میں جا کر جب ان کے جسموں کی کھالیں جل جائیں گی بَدَلْتُمْ جِلْدَہُمْ
غیر کھا ہم ان کی کھالیں تبدیل کر دیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک دفعہ

جل جانے سے اُن کا کام ختم نہیں ہو جائیگا بلکہ ایک کھال بدلنے کے بعد دوسری کھال پہنا دی جائیگی، وہ بھی جل جائیگی تو اور نئے دی جائیگی۔ اور یہ سزا ہمیشہ جاری رہیگی۔ کعب احبار کی روایت کے مطابق ایک گھنٹے میں ایک سو بیس دفعہ کھال تبدیل ہوگی۔ گویا ہر ایک منٹ کے عرصہ میں دو دفعہ کھال جلائی جائیگی اور دو دفعہ نئی پہنائی جائیگی۔ یہ بات کعب احبار نے حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی اور کہا کہ انہوں نے پہلی کتابوں میں ایسا ہی پڑھا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی تصدیق کی۔ ابتدا میں تو ہر تہیج کی شکل و صورت آدمی کی ہوگی مگر جہنم میں جا کر جسم میں کلانی آئیگی اور وہ بہت بڑا ہو جائیگا۔ اور جسم جتنا بڑا ہوگا اُسے گرمی، سردی وغیرہ کا اتنا ہی زیادہ احساس ہوگا۔ فرمایا ہم آگ کی یہ سزادیں گے لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ اُس وقت وہ حسرت و یاس کا اظہار کریں گے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا کیوں انکار کیا اور کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ فرمایا الذَّكَانَ اللَّهُ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے اور وہ مجوزہ سزا دینے پر قادر ہے۔ وہ حکیم بھی ہے کہ اپنی حکمت کے ساتھ کافروں کو مقررہ وقت پر ضرور سزا دیگا۔

ترہیب کے بعد آگے ترعیب کا پہلو بھی آ رہا ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور روزِ جزا پر ایمان لائے۔ نبیوں کی تصدیق کی اور آیاتِ الہی کو سچا تسلیم کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وَعَسَلُوا الصلوات، نیک اعمال بھی انجام دیے شیخ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر اعمالِ صالحہ چار ہیں یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ جو شخص ان کو انجام دیکر وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو جائیگا۔ باقی اعمال انہی چار اعمال کے تابع ہیں۔ فرمایا جو نیک اعمال انجام دیں گے سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ مومنین کا وہاں

مومنین کے
لیے العام

فیام کسی خاص مدت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ خُلْدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا وہ
وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں وہاں ہر طرح کی رہائشی سہولت حاصل ہوگی
اور تمام نعمتیں میسر ہوں گی۔

پاکیزہ بیویاں

فرمایا جنت میں مومن تنہائی بھی محسوس نہیں کریں گے کیونکہ کہو
فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ و ہاں اُن کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ جو
اُن کی طبعی خواہش کو پورا کریں گی۔ اور پاکیزہ بھی ایسی کہ نہ بول و برازی کی حاجت
نہ حیض کی نجاست اور نہ ہی کوئی اور الاٹش۔ معنوی طور پر بھی پاکیزہ ہوں گی کہ خوش
شکل و صورت، خوش اطوار اور خوش اخلاق ہوں گی، تمام اخلاقی حسنہ مطہرہ میں
شامل ہیں۔ اچھی بیوی تو اس دنیا میں سعادت سمجھی جاتی ہے حضور علیہ السلام کا
ارشاد ہے کہ جن شخص کو اچھا مکان، اچھی سولاری اور اچھی بیوی میسر آگئی تو یہ دنیاوی
اعتبار سے سعادت کی نشانی ہے۔ اور اگر بیوی تعَبِيْنَدُ عَلٰی اَمْرِ دِيْنِکَ
یعنی دین کے معاملات میں تعاون کرنے والی ہو تو یہ مزید باعثِ راحت
ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے جنت میں مومنوں
کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ جو ہر قسم کی الاٹش سے پاک اور خوش کرنے
والی ہوں گی۔

مکان، لباس، خوراک، بیوی، نیک لوگوں کی رفاقت وغیرہ مادی نعمتوں
کا عروج ہے مگر پھر بھی دنیا میں ایسی نعمت کوئی نہیں جو کہ ورت سے خالی
ہو۔ اگر ہر قسم کی نعمتیں میسر ہوں، پھر بھی بقول شیخ سعیدی یہ کھٹکا تو لگا رہتا ہے
کہ ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور یہ سب کچھ ختم ہونا ہے مگر جنت کے متعلق
فرمایا کہ وہاں کی نعمتیں ابدی ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اور پھر فرمایا۔
وَلَا يَدْخُلُهَا مَنْ ظَلَمَ وَلَا ظَلِيْلًا ہم داخل کریں گے مومنوں کو گھنٹے
سایوں میں۔ اس کی تشریح تہذیبی شریف کی روایت میں موجود ہے۔ کہ
جنت کے ایک ایک درخت کا سایہ اتنا لمبا چوڑا ہوگا کہ کوئی گھوڑا سوار

لگاتار سو سال میں بھی اُسے عبور نہیں کر سکے گا۔ اور یہ سایہ مومن کے لیے باعثِ راحت ہو گا۔ اگرچہ سایہ کا احساس دھوپ کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات محض سایہ بھی باعثِ تسکین ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر گھنے سائے کا تذکرہ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ
نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو
ادا کرو ان کے اہل کی طرف اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ
کرو تو یہ کہ فیصلہ کرو انصاف کیساتھ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت کرتا
ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۵۸﴾

رابطہ آیا

سورۃ کی ابتداء سے اب تک عموماً حقوق کا تذکرہ تھا۔ خصوصاً حقوق العباد
کے ضمن میں یتیموں کے حقوق، وراثت، نکاح اور عیال و حرمت وغیرہ کے مسائل بیان ہوئے
اس کے علاوہ یہودیوں کی بہت سی قباحتوں کا تذکرہ ہوا۔ اب یہاں سے تقریباً بارہ آیات تک
دوسرے مضمون بھی آ رہے ہیں جن کا تعلق اجتماعیت سے ہے اور جس میں سیاسیات بھی آجاتی ہیں۔
دیگر خبر ایہوں کے علاوہ یہودیوں میں دو بُری خصلتیں یہ بھی تھیں کہ ایک تو امانت کو ادا نہیں کرتے
تھے بلکہ اس میں خیانت کرتے تھے، اور دوسرے یہ کہ جب وہ کسی حالت میں فیصلہ کرتے تھے تو عدل و انصاف
کا دامن چھوڑ کر جانبداری اور رشوت کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے آج کے درس کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے
اپنی دو چیزوں کا حکم دیا ہے کہ امانت گزار کو اس کی امانت ادا کرو اور فیصلے حق و انصاف
کی بنا پر کیا کرو۔ اس آیت میں اہل کتاب کو ان کی غلطیوں کا احساس دلایا گیا ہے، اور
اہل اسلام کو ان اصولوں پر کار بند ہونے کی تلقین کی گئی ہے

نظام حکومت
کی ضروریات

یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اچھی حکومت یعنی صالح حکومت صاکنہ جماعت سے ہی
پیدا ہوتی ہے۔ اور صاکنہ جماعت یا قوم وہ ہوتی ہے جس کے افراد کا اعتقاد، عمل اور

اخلاق صالح ہو۔ حکومت کی ضروریات کی دو بنیادی چیزیں امانت اور عدل ہیں۔ اگر حکومت کے افسر، حکام یا عمال امین اور عادل ہوں گے، تو نظام حکومت صحیح رُخ پر گامزن ہوگا، لوگوں کو ان کے حقوق اور عدل و انصاف حاصل ہوگا۔ ملک میں امن و امان قائم ہوگا اور لوگ چین کی زندگی بسر کریں گے۔ برخلاف اس کے اگر کارپردازان حکومت خائن اور ناانصاف ہوں گے، تو حکومت کا نظام درست طریقے سے نہیں چل سکے گا، ملک میں بد امنی کی فضا پیدا ہوگی لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور رعایا امن و چین کی زندگی سے محروم ہو جائے گی۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق حکومت اور عوام دونوں طبقوں پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس گاؤں، قصبے یا شہر میں لوگ اکٹھے رہتے ہوں اور ان کے مفادات مشترک ہوں وہاں ان کے درمیان تنازعات کا پیدا ہو جانا بھی عین ممکن ہے۔ اگر دو افراد کے درمیان لین دین کا معاملہ ہو تو انہیں بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اپنے حقوق فرائض کی پابندی کریں اور جو فرض ہیں جن کا اہل ہے، اُسے اُسکی امانت ادا کی جائے۔ اور ایک دوسرے کے درمیان عدل و انصاف کی فضا قائم کی جائے۔ افراد سے بڑھ کر یہی چیزیں جب حکومت کی سطح پر پیدا ہوں تو صاحب حکومت کا بھی فرض ہے۔ کہ رعایا میں سے جو شخص جس کام کا اہل ہے، وہی کام اس کے سپرد کیا جائے۔ نیز یہ کہ جب افراد کے تنازعات فیصلہ کے لیے حکومت تک پہنچیں تو پھر حکام پر لازم آتا ہے کہ ہر شخص سے انصاف کیا جائے۔ رشوت، سفارش، افسر باپوری، اور جانبداری کو بالکل ختم کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يامرُكُمْ بِالنّٰجِيّٰتِ
تمہیں حکم دیتا ہے۔ اَنْ تُوَدّوا الّٰهِنّتِ اِلٰى اٰهْلِهَا کہ امانت

اولے
امانت

اُس شخص کے سپرد کرو، جو اُس کا اہل ہے۔ یہ عمومی حکم ہے اور اس میں کسی فرد یا عجت کو خصوصیت حاصل نہیں، لہذا جیسا کہ پہلے عرض کیا یہ آیت افراد اور حکومت دونوں کے لیے واجب التعمیل ہے۔

ادائے امانت کا عام فہم مفہوم تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے پاس کوئی چیز بطور امانت (وودیعت) رکھی ہے۔ تو وہ اُسے معین وقت پر واپس ادا کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گمراہی ہے علی اللید ما اخذت یعنی جو چیز بطور امانت یا ودیعت وصول کی جائے اُسے اسی طرح واپس کرو۔ اَلْاَمَانَةُ مَوْذُوْعٌ اَمَانَتُكَ اِذَا كُنَّا ضَرُوْرِيًّا بِهَا۔ اگر کوئی امانت لے کر واپس نہیں کرتا تو اُس نے خیانت کی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ منافق کی ایک نشانی یہ بھی ہے اِذَا اُوْتِيَ مِنْ خَانَ يَعْني جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَهُ، جس شخص میں امانت نہیں وہ ایمان سے خالی ہے گویا امانت اتنی اہم چیز ہے۔

امانت میں صرف وہی چیز شامل نہیں جو بطور خاص امانت کے طور پر رکھی گئی ہو۔ بلکہ کوئی شخص کسی دوسرے سے کپڑا، برتن یا کوئی دیکھی چیز عاریتاً لیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ استعمال کے بعد حسب وعدہ وہ چیز واپس کرے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اگر کسی شخص کو راستے میں کوئی گمراہی چیز مل جائے تو اُس پر بھی ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ چیز اس کے مالک تک پہنچائے۔ حضور علیہ السلام کے بنائے ہوئے طریقہ کے مطابق چیز پانے والا اس چیز کی تشریح کرے تاکہ اُس کے مالک کا پتہ لگایا جاسکے۔ اس کے باوجود اگر گمشدہ چیز کا مالک نہ مل سکے تو پھر حکم ہے کہ ایسی چیز کو صدقہ کر دیا جائے۔ اگر خود غریب اور مستحق ہے تو وہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ یا اُسے میریت المال میں جمع کر سکتا ہے، بہر حال یہ چیز اس کے پاس امانت ہے جسکی ادائیگی

معروف طریقے پر ہونی چاہیے۔ اگر کسی شخص کے پاس کوئی چیز بطور رہن رکھی گئی ہے تو اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اس طرح کوئی چیز کرائے پر حاصل کی ہے تو وہ بھی مقررہ وقت پر واپس پہنچنی چاہیے۔ کسی کے ذمے وراثت کا حق ہے اس کو ادا کرو۔ یتیم کا مال اس کے حوالے کرو۔ قرضدار کا قرض ادا کرو۔ غرضیکہ جو شخص جس چیز کا حقدار ہے اس کے حق کا اعتراف کرو۔ یہ سب چیزیں امانت میں شامل ہیں۔

منصبی امانت

کسی عہدے یا منصب پر تعیناتی کرنے سے متعلقہ حاکم کے ذمے بہت بڑی امانت ہے۔ ادائیگی امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس منصب کا اہل ہے وہ اس کے سپرد کرو۔ اگر کوئی عہدہ اہل کی بجائے نااہل کو دیا جائیگا تو وہ خیانت ہوگی اور ایسا کرنے والا شخص قابل مؤاخذہ ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو حاکم کوئی عہدہ اس کے اہل کی بجائے اپنے کسی غیر مستحق دوست یا رشتہ دار کو دیتا ہے تو وہ آدمی اللہ کے ہاں ملعون ہے، اس نے امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ گویا تقسیم منصب بھی بہت بڑی امانت ہے۔

چار خوبیاں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اربع اذا کن فیہا اگر تمہارا اندر یہ چار خوبیاں موجود ہوں فلا علیک فیما فات من الدنیا تو پھر دنیا میں کوئی چیز بھی تم سے فوت ہو جائے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ مطلب یہ کہ ان اعلیٰ اخلاصوں کی موجودگی میں تو کسی دیگر چیز کی پرواہ نہ کرو۔ فرمایا پہلی چیز حفظ امانت ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس امانت کی دولت موجود ہے تو یہ بہت بڑی خوبی کی بات ہے۔ فقہاء اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ امانت میں وضو، غسل، نماز، روزہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ ان امانتوں کی اتنی طرح لے سے مقررہ وقت پر ادائیگی ہونی چاہیے۔

فرمایا دوسری خوبی صدق حدیث ہے یعنی ہمیشہ سچی بات کرو، خواہ اس کے لیے کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑے۔ تیسری چیز فرمایا حسن خابلق

ہے۔ انسان کو ہمیشہ اچھے اخلاق اور اعلیٰ اطوار کا حامل ہونا چاہیے۔ اور چوتھی توبی
عفت طعمہ ہے۔ انسان اپنی خوراک حلال، طیب اور پاکیزہ بنائے۔ محنت کر کے
جائز ذرائع سے روزی کمائے گا تو خوراک خود بخود پاک ہوگی اور کسب حلال نہیں ہے
کسی کا حق ضائع کیا، رشوت، پوری اور خیانت کا مال ہے تو پھر ایسے شخص کو پاکیزہ
خوراک کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

تین زریں
اصول

حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا لَا تَزَالُ هَذِهِ الْأُمَّةُ يَخْتَلِي بِرِئَاسَتِهِمْ بِرِئَاسَتِهِمْ
جب تک یہ تین زریں اصولوں پر کاربند رہیں۔ فرمایا پہلا اصول یہ ہے مَا إِذَا
قَالَتْ صَدَقَتْ یعنی امت کے افراد بات جب بھی کریں سچی کریں، اس
میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے إِذَا حَكَمْتَ عَدَلْتَ
جب فیصلہ کریں تو حق والی صاف کے مطابق کریں کیونکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے
کہ جب کوئی فیصلہ کرو۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا
بِالْعَدْلِ تَوْعَدَلُ كَمَا تَحْكُمُونَ۔ فرمایا تیسرا اصول یہ ہے إِذَا سْتُرْتُمْ حِمَاتٍ
رَحِمْتُمْ جب امت کے لوگوں سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم کریں۔
فرمایا اگر یہ تین اصول امت سے خارج ہو گئے تو وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔
بہر حال آپ نے ان اصولوں کی پابندی کی ترغیب دلائی۔

ت
حضرت ابن عباسؓ
کے اوصاف

اہم ابو بکرؓ جصاصؓ نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا ایک واقعہ
نقل کیا ہے۔ کہ کسی شخص نے آپ کو گالی مے دی۔ اس کے جواب میں ابن عباسؓ
نے فرمایا إِنَّكَ لَكُنْتَ تَمْ تَوْعَدْتُمْ مَجْهًا لِي دِيَا هِيَ حَالَانِكُمْ فِي كَيْسِي مَسْلَمَانَ كَابِدِخَوَاهِ
نہیں ہوں۔ گالی تو کسی بڑے آدمی کو بھی نہیں دینی چاہیے پھر جائیکہ تو مجھے گالی دینا
ہے جب کہ مجھ میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ رالمی
لَاتِي عَلَى الْآيَةِ، جب میں قرآن پاک سے کوئی آیت پڑھتا ہوں۔ اور اس
کے زیر معانی و مطالب کے جو اسرار مجھ پر منکشف ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ

وہ سب کچھ دوسرے لوگ بھی جان لیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ یہ انتہائی برے کی شیر نوا ہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہایت میں سے بڑے مفسر قرآن ہیں۔ جب وہ کوئی آیت پڑھتے ہوں گے تو آپ کے ذہن میں کیسے کیسے مضامین آتے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے قلب و ذہن پر یہ کیسے کیسے راز منکشف کرنا ہوگا، فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ دوسرے لوگ بھی جان لیں۔

اس قسم کی مثال ہمیں قرہی زمانہ میں بھی ملتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ جب میں قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھتا ہوں تو بعض اوقات اس کے تحت مجھ پر علم و عرفان کے اتنے دروازے کھل جاتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت ایسا وسیع سمندر ہے جس کا کوئی ساحل نہیں بہر حال حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی ہر شرح اللہ تعالیٰ میرے قلب میں ڈال دیتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ سب لوگ اس سے واقف ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مجھ میں دوسری خوبی یہ ہے کہ جب کسی مسلمان حاکم کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ تو مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے، حالانکہ مجھے کبھی ذاتی طور پر اس کے سامنے مقدمہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور شاید آئندہ بھی تالیفات ایسا موقع نہ آئے۔ تاہم اس کے انصاف پر مجھے خوشی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ تیسری بات یہ ہے کہ جب میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے کسی علاقے میں باران رحمت ہوتا ہے، تو مجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے حالانکہ میرے پاس کوئی جانور نہیں ہے وہاں ہجرے کی ضرورت ہوتی ہے مسلمانوں کی بھلائی سے مجھے دلی مراد حاصل ہوتی ہے کہ بارش ہونے کی وجہ سے علاقے کے مسلمان خوشحال ہوں گے۔ میں بہر حال جنی نوع انسان کا خیر خواہ ہوں مگر ایک تم ہو کہ مجھے گالی دیتے ہو۔

ام حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکام سے تین چیزوں کا

محمد لیا ہے پہلی بات یہ ہے۔ "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ" مسلمانوں کے حاکم یا امیر کے لیے لازم ہے کہ وہ رعایا کے حقوق کا خیال رکھے اور اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔ عام طور پر آج کی دنیا میں حق کی پیروی کرنے والے بہت کم حاکم ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر نفسانی خواہشات کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ان سے محمد لیا ہے کہ وہ ذاتی خواہشات کی پیروی نہیں کریں گے۔ فرمایا اللہ نے حکام سے دو سہرے محمد لیا ہے "أَنْ يَخْشَوْا" کہ وہ خدا سے ڈریں کیونکہ "وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ" یہ خدا تعالیٰ کا حق ہے کہ اس سے خوف کھایا جائے۔ اگر حاکم میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا تو پھر حق و انصاف کی حکومت ہوگی اور ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے گا۔ فرمایا تیسری بات جس کا اللہ تعالیٰ نے محمد لیا ہے، وہ یہ ہے "أَنْ لَا تَشْتَوُوا بِأَلْيَتِي تَكُنَّا قَدِيلًا" کہ میری آیتوں کے بدلے حقیر مال حاصل نہیں کرو گے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکام رشوت لے کر اللہ کے احکام کو بیچ بیچتے ہیں اور فیصلہ حق و انصاف کے خلاف کر بیچتے ہیں، فرمایا اللہ نے محمد لے رکھا ہے کہ وہ ایسا کام نہیں کریں گے۔

یہ بیان کرنے کے بعد ام حسن بصریؒ نے قرآن پاک کی تین آیات تلاوت فرمائیں۔ پہلے محمد کے متعلق سورۃ ص کی یہ آیت "يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ" اے داؤد علیہ السلام! بیشک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں۔ اس کے بعد خوفِ خدا سے متعلق آپ نے یہ آیت تلاوت کی "فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخَشَوُا اللَّهَ تَعَالَىٰ" کا فرمان ہے، کہ مجھے سے ڈرو اور لوگوں سے نہ ڈرو۔ اگر خوفِ خدا دل سے نکل گیا تو پھر ظلم و جور کا بازار گرم ہو جائے گا اور رعایا کی نہ جان محفوظ ہوگی، نہ عزت اور نہ

اُن کا مال۔ اور پھر حکام کی تیسری ذمہ داری کے متعلق یہ آیت پڑھی "وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ" یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، تو ایسے لوگ کافروں میں سے ہیں۔ اگر اللہ کے احکام کے برحق ہونے سے انکار کرتا ہے تو بلاشبہ کافر ہے۔ اور ایمان رکھنے کے باوجود غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے فاسق اور ظالم تو ہر حال فرمایا ہے۔

نظام حکومت چلانا بہت مشکل کام ہے۔ دنیا دار اسے آسان سمجھ کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ہر جائز ناجائز طریقے سے حاکم بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ہر صاحب اقتدار حاکم کو ذمہ داری اور حسرت ہوگی۔ اس دن وہ تمنا کرے گا، کاش میں دنیا میں حاکم نہ بنتا۔ رعایا کے حقوق اور مظالم اُس کی گردن پر ہوں گے۔ نا انصافیاں گلے میں لٹکتی ہوں گی۔ مظلوم جنت میں چلا جائے گا۔ اور اس کے بدلے میں حاکم کو دوزخ میں پھینک دیا جائیگا، آج تو دنیا میں بڑی شان و شوکت سے حکومت کی جاتی ہے مگر جب قیامت کے دن جزائے عمل کا وقت آئیگا تو حسرت اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ تم امنیتیں اُن کے اہل کی طرف لوٹا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو

إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ بِشِكِّ اللَّهِ تَعَالَى تَمِيهِمْ اِحْسَى
 چیز کی نصیحت کرتا ہے۔ اُس کے احکام پر عمل کرو گے تو تمہارا نظام درست ہو جائیگا۔ تمہاری سوسائٹی پاک ہو جائیگی اور تم بلا خوف و خطر خوشحالی کی زندگی بسر کرو گے۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا بِشِكِّ اللَّهِ تَعَالَى
 سميع ہے۔ وہ ہر ایک کے ظاہر و باطن قول کو سنتا ہے۔ اور بصیر ہے۔
 کہ ہر شخص کا قول اور فعل اسی نگاہ میں ہے۔ سورۃ فجر میں مَرَّيَا إِنَّ

حاکم کی
 ذمہ داریاں

رَبِّكَ كَيْبًا - لَمِ صَادٌ بِشَيْكٍ تَهَارُ رَبِّكَ كَهَاتٍ مِیْ هِیْ - وَه تَهَائِیْ اَفْعَالٍ
 وَكَوَارِیْ سِیْ وَاقِفِیْ هِیْ - وَه تَهَائِیْ اَقْوَالِیْ كُوَسْنِیْ رِهَائِیْ اَوْرَاعْمَالِیْ كُوْدِیْجِیْ
 رِهَائِیْ - اِنْ كَانِیْ تَجْرِیْ وَاقْتِیْ مَعِیْنِیْ پْرِسَائِیْ مَنِّیْ اَجَائِیْ كَا -

النساء ۲

آیت ۵۹

والمحصنت ۵

درس سیمخ ۳۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
 الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ
 إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝۵۹

ترجمہ :- اے ایمان والوں! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی
 اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو صاحب امر
 ہوں ان کی۔ پس اگر تم کسی چیز میں جھگڑا پڑو، پس لوٹو
 اُس کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم ایمان رکھتے ہو
 اللہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر۔ یہ بات بہتر ہے اور
 اچھی ہے انجام کے اعتبار سے ۝۵۹

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اداے امانت اور عدل کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہی وہ اصول
 ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی نظام درست رہ سکتے ہیں۔ میں
 نے عرض کیا تھا کہ یہ حکم ہر اُس شخص یا جماعت کے لیے ہے، جو کسی نہ کسی طرح اصلاح معاشرہ
 کا ذمہ دار ہے۔ سب سے پہلے یہ ذمہ داری امیر یا حکام پر آتی ہے کیونکہ سوائی میں نظم و نسق کے
 ذمہ دار وہی ہوتے ہیں، کسی فرد یا جماعت کا حق دلانا اور فریقین میں جھگڑے کی صورت میں
 عدل قائم کرنا حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہر شخص فرداً بھی
 اپنے حلقہ اثر میں ذمہ دار ہے اور اُس محدود حلقہ میں اداے امانت اور قیام عدل کی ذمہ داری
 اسی پر عائد ہوتی ہے جو نور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے **كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ**

تم میں سے ہر شخص راضی ہے اور ہر ایک سے اسکی رعیت کے متعلق سوال کیا گیا اس سے ملکی اور علاقائی سطح پر حاکم وقت بھی مراد ہے اور گھسٹیلو سطح پر گھسٹیلو کا سربراہ بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔ گھسٹیلو معاملات میں وہ بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ علاقے کا حاکم ہو یا کسی ادارے کا سربراہ، ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق باز پرس ہوگی۔ کہ آیا اس کے ذمہ جو امانت تھی وہ اُس نے اہل تک پہنچائی یا نہیں۔ اور تنازعے کی صورت میں اُس نے کہاں تک عدل کیا۔

بیت شریف
کی چابی

ادائے امانت کے ضمن میں اکثر مفسرین نے فتح مکہ کے موقع پر بیت شریف کی چابی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کے اطراف کو بتوں سے پاک کیا۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو بی شیبہ کے خاندان کے چابی بردار عثمان ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ چابی اُس کی مشرکہ مال کے پاس تھی جس نے چابی مینے سے اس لیے لیت و لعل کیا کہ اگر ایک دفعہ چابی اُس خاندان سے چلی گئی تو واپس نہیں ملے گی حضرت عثمان نے مال سے کہا کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور اب اگر چابی نہ دی گئی تو اُس کی اپنی جان خطرے میں ہے۔ چنانچہ چابی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ حضور علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا اندر تشریف لے گئے اور وہاں پر دعا کی۔ پھر جب باہر آئے تو خاندان بنی ہاشم میں سے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے چابی اپنی تحویل میں رکھنے کی درخواست کی تو حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی **إِنَّا اللَّهُ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقُولَ مَا تَأْمُرُ وَإِنَّا اللَّهُ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقُولَ مَا تَأْمُرُ وَإِنَّا اللَّهُ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقُولَ مَا تَأْمُرُ**۔ کہ امانتیں اُن کے اہل کے پاس پہنچیں، چنانچہ آپ نے بیت اللہ کی چابی اُس کے جاہل عثمان بن طلحہ ہی کو واپس کر دی، جو آج تک اُسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔ اب آج کی تلاوت کہہ رہے ہیں کہ یہی آیت کہہ رہے ہیں کہ امانتیں اُن کے اہل کے پاس پہنچیں، چنانچہ آپ نے بیت اللہ کی چابی اُس کے جاہل عثمان بن طلحہ ہی کو واپس کر دی، جو آج تک اُسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

اللہ اور
سول کی اطاعت

اب آج کی تلاوت کہہ رہے ہیں کہ یہی آیت کہہ رہے ہیں کہ امانتیں اُن کے اہل کے پاس پہنچیں، چنانچہ آپ نے بیت اللہ کی چابی اُس کے جاہل عثمان بن طلحہ ہی کو واپس کر دی، جو آج تک اُسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! اطِيعُوا اللَّهَ وَ
اطِيعُوا الرَّسُولَ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو وَأُولِي
الْأَمْرِ مِنْكُمْ اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

یہاں پر اطاعت کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا درجہ اطاعت الہی کا ہے اور یہ اطاعت علی الاطلاق تمام انسانوں پر فرض ہے۔ یہ اطاعت مطلقہ اور بالذات ہے، لہذا یہ ہر حالت میں ضروری ہے، اس میں کوئی استثناء نہیں، اس سے مترتبی کرنے والا فرمان مجرم اور جہنمی ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک، مربی اور محسن ہے۔ لہذا اس کی اطاعت بہر صورت لازم ہے۔ دوسرے نمبر پر اطاعت رسول ہے اور یہ بھی مطلق اطاعت ہے تاہم یہ اطاعت بالذات نہیں بلکہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے، اس کے حکم کی تعمیل کرنے اور اس کی مرضیات اور ماموریتوں تک پہنچنے کے لیے قطعی اور یقینی واسطہ رسول ہوتا ہے۔ لہذا رسول کی اطاعت بھی لازمی ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ
اطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے گویا اللہ ہی کی اطاعت کی کیونکہ رسول دنیا میں اپنا حکم نافذ نہیں کرتا بلکہ اللہ ہی کے حکم کو نافذ کرتا ہے اس لحاظ سے پیغمبر کی اطاعت اس امر کی قطعی علامت ہے کہ کوئی شخص واقعی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے۔

اب تیسری اطاعت صاحب امر کی ہے۔ اور اس سے مراد حاکم وقت علماء و فقہاء اور ہر ذمہ دار شخص ہے۔ مسلمان حاکم کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی شرط پر لازم ہے۔ جب تک حاکم وقت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر کار بند رہیگا، اس وقت تک اس کی اطاعت بھی فرض ہے۔ اس کی ہر جائز بات ماننا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے عَلَيْكُمْ السُّلْطَانُ وَالطَّاعَةُ تَمَّ جَبِ امِيرِ حَقِّ بَات كَهْتَابِهْ تُو اَسْ كَا سُنْنَا اُو رَا سْ كِي اَطَاعَت

اولی الامر
کی اطاعت

کہہ تا تم پر لازم ہے خواہ تمہیں یہ بات پسند ہو یا نہ ہو۔ نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا
 صَحَّ اطَاعَ اَمِيْرِي فَقَدْ اطَاعَنِي يَعْنِي جِسْنَ نِي مِيْرِي اَمِيْر
 کی اطاعت کی، اُس نے گویا میری ہی اطاعت کی۔ مطلب یہ کہ جب تک
 امیر یا حاکم اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق رہنا ہی کہتا ہے، اُس کی اطاعت
 فرض ہے وَإِذَا اَمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ
 اور اگر وہ نافرمانی کا حکم دے تو نہ اس کی بات سننا ضروری ہے اور نہ اس پر
 عمل کرنا۔ كَيْتُوْبَرَاتِ مَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْدُوْبِ اطَاعَتِ
 اور فرمانبرداری نیک اور جائز امور میں ہی ہو سکتی ہے۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے
 لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ يَعْنِي اللّٰهَ كِي نَارِاضِي
 کی صورت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ حاکم کی اطاعت
 تو اُس وقت تک ہی ہو سکتی ہے مَا دَامَ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ جِب
 تک وہ اللہ کی کتاب، اس کے دین اور شریعت کے مطابق رہنا ہی کہتا ہے
 ایسا شخص خواہ بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا چھوٹے سے، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ،
 آقا ہو یا غلام، ہر حالت میں اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

حاکم چونکہ ظاہری طور پر شریعت کا قانون نافذ کرنے کے ذمہ دار ہوتے
 ہیں، اُن کے پاس اقتدار کی امانت ہوتی ہے، اختیار ہوتا ہے، لہذا کسی حاکم کا
 جھوٹ بولنا یا غداری کرنا بہت بڑا جرم تصور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے اختیار
 دیا ہے۔ تو اُس پر لازم ہے کہ تفویض شدہ امانت کے مطابق شرعی احکام نافذ کرے۔

علماء کی
اطاعت

باقی رہی علماء اور فقہاء کی اطاعت، تو وہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حضرات
 جائز اور ناجائز امور کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اُن کے پاس علم کی امانت ہوتی ہے
 جسے وہ عوام تک پہنچاتے ہیں، اس ضمن میں علمائے سواد نے تو ہمیشہ غلط راستہ
 اختیار کیا مگر علمائے حق نے اولیٰ امانت کے فریضہ کو انجام دینے میں کبھی
 رُو رعایت نہیں کی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ہار کھائی، تکالیف برداشت کیں
 صلہ مشکوٰۃ ص ۳۲۱ بحوالہ شرح السنۃ (فیاض)

مگر حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ چاروں پر اپنے اپنے وقت میں آزمائش آئی، انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، جلا وطن ہوئے مگر صداقت سے روگردانی نہیں کی، بلکہ ہمیشہ سچی بات کی۔ لہذا علماء فقہاء کی اطاعت اس وجہ سے ہے کہ وہ جائز اور ناجائز میں تفریق کرتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت اس لیے ہے کہ وہ مالک ہے، رسول کی اطاعت اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا ہے اور علماء کی اطاعت اس لیے کہ وہ تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دینے والے ہیں۔

بہر حال یہ تیسری اطاعت جس میں حکام، فقہاء اور علماء آتے ہیں مشروط ہے، اگر وہ اچھی بات کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کی جائیگی اور اگر کوئی غلط بات بتائیں تو اسے تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ چنانچہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فقیہ ایسا فتویٰ دے یا ایسا مسئلہ بتائے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو تو اس کی بات ماننا گناہ کا ارتکاب ہوگا۔ اور اگر مسئلہ کتاب و سنت کے مطابق ہے تو پھر اس کا ماننا ضروری ہوگا۔

اس وقت میں باورن مسلمان حکومتیں ہیں مگر ہر طرف ملوکیت ہے یا ڈیٹیمکراٹشپ کہیں مسزایہ دارانہ نظام جاری ہے اور کہیں اشتراکیت کا خلیہ ہے مارشل لا جیسے طاغوتی قوانین تو بلا حیل و حجت نافذ کر لیے جاتے ہیں مگر جب بھی شرعی قوانین کے نفاذ کا موقع آتا ہے تو ہیرا پھیری سے کام لیا جاتا ہے۔ اور طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں اب اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ اسلام میں رجم یعنی سنگساری کی نمرائش ہے یا نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے، حال ہی میں ایک زانی کو تیس کوڑے اور بارہ سال قید کی سزا دی گئی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تسلیم ہے۔ کہ اگر زانی غیر شادی شدہ ہے۔ تو اسے سمرعام سونو کوڑے لگاؤ۔ اگر وہ کوڑوں

شرعی قوانین
کا فقدان

کی تاب نہ لاکر مر گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ اُسے آزاد کر دو۔ ہاں حدیث شریف میں تغیر میں
کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اُسے ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جاسکتا ہے صلح بدر کر دو
یا جیل میں ڈال دو۔ بہر حال سورۃ نور میں سو کوڑوں کی سزا کا حکم موجود ہے۔ مگر انہوں
کا مقام ہے کہ حکام اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر ہیں اس سلسلہ میں علماء کی اکثریت بھی
اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتی نظر نہیں آتی، کچھ ایسے لوگ خال خال ہی ہیں۔
جنہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔

بصورتِ تازہ

فرمایا فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اِنَّ اللَّهَ
جائے، حکام وقت یا فقہاء اور علماء کے ساتھ اختلاف اُٹے پیدا ہو جائے، تو
ایسے معاملے کے متعلق فرمایا فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اِنَّ اللَّهَ
اور اُس کے رسول کی طرف لوٹا دو کیونکہ تمام معاملات میں آخری مرجع اور آخری
سند (FINAL AUTHORITY) اللہ اور رسول ہے۔ حقیقت میں قطعی سند تو اللہ کی
کی ہے مگر رسول اس کی قطعی علامت ہے۔ اسی لیے فرمایا تَنَازَعْتُمْ معاملہ اللہ
اور اس کے رسول یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کے سامنے پیش کر کے حل
معلوم کر لو۔ اگر یہ مسئلہ قرآن پاک یا سنت خیر الانام سے صراحتاً حل ہو گیا تو ٹھیک
ہے اُسے قبول کر لو۔ وگرنہ اجتہاد و استنباط کے لیے علماء اور فقہاء کے سپرد کرو۔
اجکل کی زبان میں پہلی صورت کو قانون (LAW) کہتے ہیں اور دوسری صورت
کو ضمنی قواعد (BYLAWS) کا نام دیتے ہیں۔ جب کوئی چیز قرآن و سنت
سے صراحتاً حل گئی تو اس میں کسی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہوتی، البتہ اجتہاد کے
ذریعے اخذ کئے گئے (BYLAWS) تبدیل بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے معاملات
میں فقہائے کرام کے اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ ہر فقہی مسئلہ کا حل پذیر لویہ استنباط
نکالتا ہے جو کہ ایک طبعی بات ہے تاہم آخری سند اللہ اور اس کے رسول کی
ہے۔ حتمی فیصلہ وہیں سے ہوگا۔

فی
تہ آخر

فرمایا تمہیں اللہ اور رسول کی بات پر ہی تسلیم کرو، کھڑا ہو گا اِنَّ كُنْتُمْ

تَوَمَّنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ بِشَرِّ طَيْبَةٍ تَمَّ اللَّهُ أَرْ قِيَامَتِ كَعِ دِنِ
 پَر اِيْمَانِ كُحْتَتِه مَو۔ اَكْر اللّٰهُ اَوْر رَسُوْلِ كِي اَطَاعَتِ كُو قَبُوْل كَر لُو كُ تَر مَعَا شَرَه
 بِالْكُلِّ دَر سَت هُو جَائِيْكَ ا، اِنصَافِ كَا بُوْل بِاللّٰهُ هُو كَا، كَسِي حَقْدَار كَا حَق ضَائِعِ نَهِيْن
 هُو كَا۔ اَوْر اَكْر اِيْنِه مَعَا مَلَاتِ دُوْر كِي اِنصَافِ كِي سِر دَكْرِيْه تُو چِيْهُ لُوْر اِنصَافِ
 دَر هِم بَرِيْم هُو جَائِيْ كَا، زِيْمِيْن هِيْن فِئَا دِيْر پَا هُو كَا۔ اَوْر كُوْنِيْ كَامِ دَر سَت ظُوْر پَر اِنصَافِ
 نَهِيْن دِيَا جَا سَكِي كَا۔ اِسي يِلِه فَر مَآ يَا كَر لِيْنِه تَمَامِ مَعَا مَلَاتِ اللّٰهُ اَوْر اِس كِي رَسُوْلِ
 كِي نَبِيْع كَر لُو، قِيَامَتِ مِيْن فِصْلِه كَا مَرِيْهِيْ چِيْزِيْن هُوْنِ كِي۔ ذَلِكْ خَيْرٌ
 وَ اَحْسَنٌ تَاْوِيْلًا هِيْ چِيْزِيْن اِنصَافِ كِي اَعْتِبَارِ سِه بَهْتَر هِيْ اِس پَر عَمَلِ پِيْرَا
 ر هُو كِي تُو دُنْيَا مِيْن هِيْ اَمْنِ وَ كُوْنِ حَاصِلِ هُو كَا اَوْر اَخْرَتِ مِيْن هِيْ فَلَاحِ نَصِيْبِ
 هُو كِي اَوْر اَكْر اِن اَصُوْلُوْنِ سِه اِنصَافِ كِي تُوْنِه دُنْيَا مِيْن چِيْنِ نَصِيْبِ هُو كَا اَوْر
 نِه اَخْرَتِ كِي كَا مِيَا بِيْ حَاصِلِ هُو كِي۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يَرِيدُونَ أَنْ
 يَتَّخِذُوا كَمَثَلِ الْطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ
 يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ
 ضَلَالًا كَبِيرًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلى الرَّسُولِ رَأَيْتِ الْمُنْفِقِينَ يَصُدُونَ
 عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا
 قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ
 أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ
 اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ
 وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جو
 کہتے ہیں (دعویٰ کرتے ہیں) کہ وہ ایمان لائے ہیں اس چیز
 پر جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور جو آپ سے پہلے اتاری
 گئی ہے۔ وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف
 لیجائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کھڑے
 کریں، اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کرے اور گمراہی میں

مُدر لے جائے ﴿۶۱﴾ اور جب اُن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ یہودی آپ سے اعراض کرتے ہیں۔ اعراض کرنا ﴿۶۲﴾ پس کیا حال ہوگا جس وقت اُن کو مصیبت پہنچے گی ان کے ہاتھوں کے یکے ہوئے کاموں کی وجہ سے، پھر وہ آئیں گے آپ کے پاس، قسمیں اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ کے نام کی کہ نہیں ارادہ کیا انہوں نے مگر بھلائی کا اور آپس میں اتفاق کا ﴿۶۳﴾ یہی لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ پس آپ اُن سے اعراض کریں اور اُن کو نصیحت کریں اور کہیں اُن کو اُن کے نفسوں کے باسے میں اتر کھنسنے والی بات ﴿۶۳﴾

رابط آیات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا حکم دیا تھا۔ ایک یہ کہ امانت اُس کے اہل تک پہنچاؤ اور دوسری یہ کہ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ان دونوں احکام کے مخاطبین اولاً مسلمان حکام بنتے ہیں اور ثانیاً عام مسلمان، پھر گذشتہ درس میں یہ ارشاد ہوا۔ کہ مذکورہ دو احکام کی تعمیل اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جبکہ اہل ایمان اللہ کی اطاعت کلمہ رسول کی اطاعت میں اور مسلمان حکام کی اطاعت کریں۔ جب کہ وہ نیکی کا حکم دیں۔ پھر فرمایا اگر کسی معاملہ میں جھگڑا پیدا ہو جائے، حکام اور رعایا کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو فرمایا کہ ایسے معاملہ کو واپس اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اور حتمی فیصلہ اپنی سے لو۔ مقصد یہ کہ اہل اسلام اپنے اختلافات کتاب و سنت کے روبرو پیش کریں۔ اگر یہ معاملات کسی دوسری طرف لٹانے گئے تو درست نہ ہوگا، کیونکہ انجام کے اعتبار سے بھی قرآن و سنت کا فیصلہ ہی بہتر ہے۔ قیامت میں جزا و سزا کا مدار اسی پر ہوگا۔

اب آج کی آیات میں اسی مسئلہ کا دوسرا پہلو بیان فرمایا گیا ہے۔ وہاں ارشاد تھا، کہ

اپنے معاملات قرآن و سنت کی طرف لے جاؤ، اور یہاں یہ ہے کہ اپنے تنازعات اور فیصلے شریعت اسلامیہ کے علاوہ اور کسی طرف نہ لے جائیں ان آیات سے خاص طور پر منافقین کی سرزنش مقصود ہے جو اپنے تنازعات اللہ اور رسول کے علاوہ غیروں کی طرف لے جائیں گے کوشش کرتے تھے۔ اللہ کے رسول اور عام مسلمانوں کو بھی خبردار کیا گیا ہے۔ کہ وہ منافقین کی چالوں سے ہوشیار رہیں۔ وہ تمہیں اسلام سے وابستگی کا یقین دلائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، ان کے ساتھ احسن طریقے سے پیش آئیں۔

منافقین کا
دعوے

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ يَزْعُمُونَ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جو زعم کرتے ہیں، دعویٰ کرتے ہیں اور زعم کا معنی قول بھی ہوتا ہے اور معنی یہ ہو گا جو زبان سے کہتے ہیں أَنَّهُمْ آمَنُوا کہ وہ ایمان لائے ہیں بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ اُس چیز پر جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے یعنی قرآن کریم وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور وہ اُس چیز پر بھی ایمان کے دعویدار ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئی یعنی تورات، انجیل وغیرہ۔ مدینے کے بہتے والے اکثر یہودی تھے اور پھر انہی میں سے کچھ لوگ بظاہر ایمان لے آئے مگر درپردہ مسلمانوں کے دشمن تھے۔ وہ مسلمانوں کو ناکام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ لوگ اپنی نسبت سابقہ آسمانی کتب کی طرف کرتے تھے اور قرآن پاک کے ساتھ ساتھ سابقہ کتب پر بھی ایمان لانے کے دعویدار تھے۔ مگر جب کوئی تنازعہ پیدا ہو جاتا تھا۔ تو اُسے شریعت اسلامیہ کی بجائے دالتر غیروں کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی مذہب کو کوشش کے متعلق فرمایا کہ دَعْوَةُ ایمان کے باوجود يَدْعُونَ أَنْ يُكْفَاكَ اِلٰی الطَّاغُوتِ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے تنازعات فیصلہ کے لیے طاغوت یعنی شیطان کے پاس لے جائیں۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں بھی عرض کیا تھا کہ طاغوت کا لفظ شیطان کے علاوہ ہر گنہگار کرنے والی طاقت

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

شانِ نزول مفسرین کرام نے ان آیات کی شانِ نزول میں متعدد واقعات بیان کیے ہیں۔

مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی اور ایک کلمہ گو منافق کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں آپ خود بھی معاملات کا تصفیہ فرماتے تھے اور بعض اکابر صحابہ جیسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی قاضی مقرر کیا ہوا تھا۔ تو اس تنازعہ کے تصفیہ کے لیے یہودی حضور علیہ السلام کی خدمت میں یا حضرت عمرؓ کے پاس جا چاہتا تھا۔ مگر منافق اسے یہودیوں کے سرخیل کعب بن اشرف کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ دراصل فریقین سمجھتے تھے کہ اس معاملہ میں یہودی حق پر ہے۔ لہذا یہودی اہل اسلام سے انصاف کی توقع رکھتا تھا اور اپنا مقدمہ انہی کی عدالت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ برخلاف اس کے منافق (کلمہ گو مسلمان) کا موقف چونکہ کمزور تھا، وہ چاہتا تھا کہ یہ کعب بن اشرف پر اثر انداز ہو کر فیصلہ اپنے حق میں کر لے۔

بہر حال مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اولاً یہ معاملہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا اور آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ منافق آخر منافق تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ حضرت عمرؓ یہودیوں کے حق میں بڑے سخت ہیں، اگر یہ مقدمہ ان کے پاس پیش ہو جائے تو وہ اُس کے حق میں فیصلہ دے دیں گے۔ چنانچہ اُس نے یہودی کو پھر راضی کر لیا کہ اب حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہودی نے مقدمہ کی روئیدار سنانی اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ حضور علیہ السلام اس مقدمہ کا فیصلہ اُس کے حق میں کر چکے ہیں، مگر اس شخص کی خواہش پر اب آپ کے پاس بھی حاضر ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے اور فرمایا تم ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔ آپ گھر سے تلوار لائے اور منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا جو شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں، اُس کا فیصلہ یہی ہے۔ اب مقتول کے وارثان نے حضور علیہ السلام کی عدالت میں حضرت عمرؓ

کے خلاف قتل کا مقدمہ پیش کر دیا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہمارا آدمی پکا سچا مسلمان تھا، اور مقدمہ دوسری عدالت میں پیش کرنے سے کوئی مخالفت مقصود نہ تھی بلکہ اس سے مقصود فریقین میں اتفاق و اتحاد کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی ترمیم فرمائی ہے مفسرین یہ واقعہ اس مقام پر بیان کرتے ہیں مگر اس کا تعلق تفسیری روایتوں سے ہے کسی صحیح حدیث میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ جیسے بھی یہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے کہ ابو بزرہ اسلمی ایک کابن تھے جو بعد میں اسلام لے آئے۔ اکثر یہودی اپنے مقدمات انہی کے پاس لے جاتے تھے۔ یہودی اور منافق کا مقدمہ بھی اسی ابو بزرہ کے پاس گیا تھا جس پر یہ آئیں نازل ہوئیں۔

منافقوں کے
ساتھ سلوک

حضرت عمرؓ کا منافق کو بیکرم قتل کر دینا بھی کچھ صحیح نظر نہیں آتا کیونکہ صحیح احادیث میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں ایسے مواقع پر حضرت عمرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے بعض منافقین کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ مگر حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی۔ بخاری اور ترمذی شریف میں روایت موجود ہے کہ جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ سے غلطی ہو گئی تھی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا دعنی ان اضیاب عنق ہذا المنافق۔

حضرت! آپ مجھے چھوڑ دیں کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، مگر حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب منافقین کی منافقت واضح طور پر ظاہر ہونے لگی تو آپ نے قتل کرنے کی اجازت طلب کی جو نہ مل سکی رہیں منافقین عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی جب اجازت مانجی گئی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا دعونا اس کو چھوڑ دو۔ ان الناس یتمدنون ان محمداً یقتل اصحابہ لوگ پراپیگنڈا کریں گے کہ محمد خدا کے رسول نہیں بلکہ مطلق العنان بادشاہ ہیں جو اپنے ساتھیوں سے ناراض ہو کر انہیں قتل کر دیتے ہیں۔ فرمایا یہ چیسز

تبلیغ اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن جائیگی۔

جنگ خلیفین کے موقع پر ایک شخص نے کہا تھا، اے محمد! آپ انصاف کریں۔ اس پر آپ کو سخت کوفت ہوئی اور آپ نے فرمایا تو نامراد ہو گیا، اگر میں دنیا میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرنے والا ہے۔ اس موقع پر بھی حضرت عمرؓ یا حضرت خالدؓ نے عرض کیا تھا کہ حضور! اجازت دیں اس شخص کا کام تمام کر دیں۔ آپ نے فرمایا، اس کو چھوڑ دو، یہ خارجیوں کا جہد امجد ہے۔ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اسلام سے بالکل اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی الائنس نہیں ہوتی۔ اُس زمانے میں جب کسی شکاری جانور مہرن وغیرہ پر زور سے تیر چلاتے تھے تو وہ جانور کے پیٹ کے پار نکل جاتا تھا اور اس کے پچھلے کنارے پر معمولی سی آلائش ہوتی تھی باقی تیر بالکل صاف ہوتا تھا۔ بہر حال فرمایا کہ اس شخص سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن اُن کے گلے سے نیچے نہیں جائیگا۔

یہ واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ جلد بازی میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے تھے جس کا ذکر ان تفسیری روایات میں ملتا ہے، بلکہ وہ تو ہمیشہ حضور علیہ السلام کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ دین کے معاملے میں بیشک سخت تھے مگر کوئی غلط قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اس قسم کی اجازت طلبی حضرت عمرؓ کی اپنی بیٹی اور حضور علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہؓ کے متعلق بھی ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی بیویوں سے ناراض ہو گئے اور ایک ماہ تک علیؓ کی قسم کھا کر اوپر چوہا بے رہیں چلے گئے۔ لوگ سمجھنے لگے کہ حضور نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس پر حضرت عمرؓ نے حضور کی خدمت میں حاضری کے لیے دو تین دفعہ نیچے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو عرض کیا کہ میں اپنی بیٹی کی سفارش کرنے کیلئے

نہیں بلکہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ کیا واقعی حضور نے بیویوں کو اطلاق دے دی ہے یا محض ناراضگی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا نبی مجھے حکم دے گا تو میں اپنی بیٹی کی گردن خودمٹا دوں گا۔

بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اکثر منافقین اپنے مقدمات حضور علیہ السلام کے پاس اس لیے نہیں لاتے تھے کہ آپ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیں گے۔ اس کے برخلاف وہ کعب بن اشرف جیسے طاغوتی شخص کے پاس جانا پسند کرتے تھے کیونکہ وہ اسے رشوت دیکر یا دیگر سفارشی ذرائع سے اپنے حق میں فیصلہ کرنے پر آمادہ کر سکتے تھے۔ بس اتنی بات ہے جس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

طاغوتی نظام

مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ طاغوت سے مراد شیطان اور کعب بن اشرف جیسے موذی اور خالی لوگ ہیں۔ وسیع تر مفہوم میں طاغوت ہر وہ سرکش قوت ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اُس زمانے کے بڑے بڑے طاغوت قیصر اور کسریٰ تھے۔ انہوں نے دنیا بھر کے لوگوں کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ انسانوں کو جانوروں کی طرح استعمال کرتے تھے۔ اللہ کے دین کے مخالف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے اس طاغوتی نظام کا قلع قمع کر دیا یہ تو اُس زمانے کا ذکر ہے اور اب ہمارے زمانے میں روس اور امریکہ کے نظام طاغوتی نظام ہیں۔ ایک اتحادی نظام ہے اور دوسرا سرمایہ دارانہ۔ دنیا کا ایک حصہ سرمایہ داری کی لپیٹ میں ہے اور دوسرا اشتراکیت کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ مگر میں دونوں طاغوتی اور باطل۔ دین اسلام نے ہمیشہ ان کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اللہ نے اپنے ہر نبی کی زبان سے کہلایا اِنَّ اَعْبُدُ وَاللّٰہَ وَ اَجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتُ یعنی عبادت صرف اللہ کی کرو اور ان طاغوتوں سے اجتناب کرو۔ مفسر قرآن شیخ عبدالقادر محدث دہلوی طاغوت کا معنی "ہٹ دنگا" کرتے ہیں۔ ہندی میں ہٹ دنگا اس شخص کو کہتے ہیں جو خود ساختہ سردار ہوتا ہے۔

کسی طریقے سے اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے اور پھر اسے من مانے طریقے سے استعمال کرتا ہے۔ اب تو ریجن اور پرنسپل قسم کے لوگ ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ تو تقریباً دو سو سال تک انگریزوں کو بھی دنیا میں یہی حیثیت حاصل رہی جو اب کمزور ہو چکا ہے۔ بہر حال طاغوت بہر وہ طاقت ہے کَلَّمَا أَضَلَّ عَنِ الْحَقِّ جِوْرًا رَاسِتًا سے گمراہ کرنے سے شرع الہیہ کے خلاف جو بھی فیصلہ ہوگا وہ طاغوتی ہوگا، مازنل لاء کا نظام بھی اسی قبیل سے ہے۔ جہاں انسانوں کے بنائے ہوئے باطل قواعد جبراً نافذ کیے جاتے ہیں۔

فرمایا، وہ تو اپنے تنازعات طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں
وَقَدْ أَمَرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ حالانکہ انہیں حکم یہ تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کر دیں۔ تمام طاغوتی نظاموں کی نفی کر کے اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لے آئیں۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ جس نے طاغوت کا انکار کر دیا اور اللہ پر ایمان لے آیا، اُس نے مضبوط کھڑے کو پکڑ لیا۔
وَمِنْ يَدِ الشَّيْطَانِ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا اور اُدھر شیطان یا طاغوت کی خواہش یہ ہے کہ لوگ دور کی گمراہی میں جا پڑیں، اور شریعت الہی سے منہ موڑ بیٹھیں۔

آگے فرمایا وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ جِبْ مِنْ فَعُولٍ سے کہا جاتا ہے لَقَدْ آتَيْنَاكَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ اُس چیز کی طرف، اُدھ جسے اللہ نے نازل کیا ہے یعنی قرآن حکیم وَإِلَى الرَّسُولِ اور رسول کی طرف اُدھ تو پھر رَأَيْتَ الْمُتَنَفِقِينَ آپ ان منافقوں کو دیکھیں گے۔ مقصد یہ کہ ان منافقوں کا حال یہ ہوتا ہے۔ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا اعراض کرتے ہیں آپ سے اعراض کرنا صُدُودًا مفعول مطلق ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایک خاص طریقے سے اعراض کرتے ہیں تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ درپردہ منکر ہیں

شرع الہیہ
کی پیروی

فرمایا ثُمَّ جَاءَ وَكَ يَجْلِفُونَ پھر وہ آپ کے پاس قسمیں اٹھاتے ہوئے
 آئیں گے بِاللَّهِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا اللہ کی قسم دوسری
 جگہ مقدمہ لے جاتے کہ مقصد نبی اور اتفاق رائے کرنا تھا جھوٹی قسمیں اٹھائیں گے
 کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون میں ارشاد
 فرمایا کہ اِنْ كِي قَسَمُوْنَ كَا اَعْتَابَرْنَه كَرِيْنَ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمُنْفِقِيْنَ
 لَكَذِبُوْنَ اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے لوگ ہیں۔ اِخْتَذُوا اٰيٰتِنَا لِهَمَّ
 جَنَّةٌ اَنهٖن لَے بچاؤ کے لیے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، لہذا ان
 پر اعتبار نہ کریں۔

فرمایا اَوْ لِيْكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
 یہی لوگ ہیں اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ ان کا روگ بھلا خدا تعالیٰ
 سے کیسے چھپ سکتا ہے وہ تو عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ
 ہے۔ تمام ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ ہے۔ اُسے علم ہے
 کہ منافقین میں کھوٹ کی مقدار کیا ہے۔ فرمایا ان تمام تر حقائق کے باوجود اے
 پیغمبر علیہ السلام! فَاعْرِضْ عَنْهُمْ آپ منافقین سے اعراض کریں۔
 انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیں۔ سورۃ منزل میں بھی دسرایا ہے۔

وَاَهْبِطْهُمْ هَبًّا جَبِيْلًا آپ انہیں اچھے طریقے سے
 چھوڑ دیں۔ مقصد یہ کہ کوئی برا بھلا نہ کہیں بلکہ ان کے ساتھ رابطہ کی گنجائش باقی
 رہنے دیں وَعِظْهُمْ اور ان کو نصیحت کرتے رہیں اور خیر خواہی کا
 سلوک کرنے لگیں۔ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا
 اور ان کے نفسوں کے بارے میں مؤثر بات کریں جو ان کے دلوں پر اثر انداز
 ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے جھوٹ کا پول ظاہر بھی
 ہو جائے پھر بھی فِيْ اَنْفُسِهِمْ عَلِيْمٌ کی میں ان کے ساتھ خیر خواہی کی مؤثر
 بات کریں، کیونکہ اللہ کے نبیوں کا طریقہ تبلیغ یہی ہے کہ وہ مخالفین کے ساتھ

بھی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اور ان کے ساتھ بہتر سچی اور موثر بات کرتے
 ہیں تاکہ ان کی مخالفت موافقت میں تبدیل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کے
 سلسلے میں یہ تعلیم بھی دے دی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ
 أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
 اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
 رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
 فِي شَيْءٍ مِّنَ الْأَشْيَاءِ الَّتِي يُنَازَعُونَ فِيهَا
 وَإِنَّمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيهَا حَقًّا
 فَاسْتَغْفِرُوا لِلَّذِينَ يَدِينُونَ فِي حُكْمِ اللَّهِ
 وَلِيَتُوبَ عَلَيْهِمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَتُوبُ اللَّهُ
 عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے
 تاکہ اُس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔ اور اگر یہ
 لوگ جب کہ انہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی، آپ کے پاس
 آئے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور بخشش طلب کرتا
 اُن کے لیے اللہ کا رسول بھی، البتہ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کو
 بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ﴿۶۴﴾
 پس تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں
 تک کہ آپ کو فیصلہ بنائیں اُس چیز میں جو لوگوں کے درمیان
 جھگڑا ہوا ہے۔ پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اُس چیز
 پر جو آپ نے فیصلہ کیا اور قبول کریں اس کو کھلے دل
 سے قبول کرنا ﴿۶۵﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کر کے، اللہ

اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ اور پھر یہ بھی واضح فرما دیا تھا کہ اگر حکام اور رعیت کے درمیان یا افراد کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو ایسے معاملہ کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف لڑانا ضروری ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ کسی بھی معاملہ میں آخری اور حتمی فیصلہ کتاب و سنت سے ہی حاصل کرنا ہوگا اگر خدا اور قیامت پر ایمان سچتہ ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور واضح کیا کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف آؤ۔ تو یہ لوگ اعراض کرتے ہیں اور خدا و رسول کے فیصلے کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے مقدمات طاعوت کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ بیماری منافقین مدینہ میں فی الواقع موجود تھی، وہ اپنا معاملہ حضور علیہ السلام کے پاس لے جانے کی بجائے کعب بن اشرف جیسے کافر، فاجر، سودخور اور بد اخلاق یہودی کے پاس لے جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اب آج کی آیات میں اطاعت کا بنیادی مقصد بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ بنی نوع انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کریں۔ گذشتہ درس میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اطاعت بالذات تو فقط خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے اور وہی مطاع مطلق ہے۔ مگر رسول کی اطاعت بالذات نہیں ہوتی بلکہ اُسکی رسالت کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا پیغام مخلوق تک پہنچاتا ہے، اور اس ابلاغ میں کسی قسم کی غلطی یا شبہ کا امکان نہیں ہوتا۔

اطاعت رسول
فرض ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول کا مرکزی نکتہ بیان فرمایا ہے

ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ دَسْوَلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے انہیں بنی نوع انسان کی ہدایت پر مامور کیا۔ اور اس سلسلہ کی آخری کڑھی کے طور پر حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ ان تمام انبیاء اور رسل

کی بعثت کا مقصد ان کی اطاعت تھا، اور وہ بھی باذن اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں۔ اس لحاظ سے رسول کی اطاعت کو درجہ فرضیت حاصل ہے اور یہ اس لیے کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ یہ بات اسی سورۃ میں آگے دوسرے طریقے سے بھی سمجھائی گئی ہے مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ یعنی جن نے رسول کی اطاعت کی اُس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت تک پہنچنے کے لیے رسول ہی واحد ذریعہ ہے۔ رسول کے پاس کسی شک و شبہ اور غلطی سے مبرا قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے۔ نبی کے علاوہ ایسی کوئی دوسری ہستی موجود نہیں جس کے اخذ اور بیان میں شبہ کا امکان نہ ہو۔ نبی کو اس بات کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام ٹھیک ٹھیک اخذ کرتا ہے اور پھر انہیں آگے مخلوق کے سامنے بلا حرج و کاملاً بغیر کسی شبہ اور غلطی کے بیان کر دیتا ہے۔ نبی کے بیان اور اولیاء اللہ کے کشف میں یہ بنیادی فرق ہے۔ کہ پیغمبر کا بذریعہ وحی اخذ، اہل کسب کا ضبط اور پھر بیان و شبہ سے پاک سو فیصدی درست ہونا ہے جب کہ صاحب کشف کے کشفی بیان کو یہ قطعیت حاصل نہیں ہوتی۔ ولی کے کشف کو سمجھنے، اُسے ضبط کرنے اور پھر بیان کرنے میں خطا کا امکان ہے، لہذا یہ سو فیصدی قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔

نبی کی اطاعت دراصل اطاعتِ الہی کی قطعی علامت ہوتی ہے اور ہر نبی کی اطاعت اللہ ہی کے حکم سے ہوتی ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر نبی نے ہی کہا اَنْ اَعْبُدُ وَاللّٰهُ لَوْ كُوفِرَ بِعِبَادَتِ اللّٰهِ كُفْرًا۔ وَاطِيعُوْنَ اور اطاعت میری کرو۔ گو یا مستحق عبادت صرف اللہ کی ذات ہے، اور میری اطاعت کے بغیر کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ قطعی اور یقینی علم کے حصول کا یہی واحد ذریعہ ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے باپ سے کہا تَحٰ يَا بَتَّ الرَّحْمٰنِ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا اے باپ! میرے پاس

ایسا علم ہے جو تیرے پاس نہیں ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ میری بات مان لو میں تمہیں صراطِ مستقیم کی منزل دکھا دوں گا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اطاعت کا یہی مرکزی مضمون سمجھایا ہے۔ کہ نبی کی اطاعت اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ لہذا یہ فرض ہے اور اس سے سرتابی کفر ہے۔

طلب معافی
کے آداب

فرمایا کہ لوگوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے۔ خدا کی نازل کردہ ہدایت کی طرف رجوع کرتے مگر یہ لوگ اپنے معاملات اللہ کے رسول کے پاس لانے کی بجائے طاغوتوں کے پاس لے جاتے ہیں۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ أَسْأَلُوا رَبَّهُمْ لَنُذِرُواكَ وَاللَّيْلَةَ وَالنَّهَارَ يُحِثُّونَ لَكَ آيَاتٍ كَذِبًا وَأَسْأَلُونَكَ عَنِ الْغَنِيِّ فَاصْفَاكَ وَأَكْبَرَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ

اور جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا یعنی گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھے، تو رادھرا دھرا جانے کی بجائے جَاءَ لَوْلَاكَ آيَاتٍ كَذِبًا وَأَسْأَلُونَكَ عَنِ الْغَنِيِّ فَاصْفَاكَ وَأَكْبَرَا اور اللہ سے بخشش طلب کرتے وَاسْتَعْفُوا لَكُمْ الرِّسُولُ اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتا۔ لَوْ جَدُّوا لِلَّهِ تَوَابًا رَحِيمًا تو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پاتے۔ گویا طلبِ بخشش کے لیے یہ طریقہ اختیار اختیار کرتے کہ اللہ کے نبی کے پاس آجاتے، خود بھی اللہ سے اپنی لغزش کی معافی مانگتے۔ اللہ کے رسول سے بھی درخواست کرتے اور وہ بھی ان کے لیے بارگاہِ رب العزت میں ماتھہ اٹھاتے۔ تو اللہ تعالیٰ تو ہے ہی تواب اور رحیم، ان کی معافی کا انتظام ہو جاتا۔

معلوم ہوا کہ معافی کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان ایمان سے متصف ہو۔ کیونکہ ایمان کے بغیر بخشش نہیں۔ بنی اسی صورت میں گنہگار کے لیے بخشش کی دعا کرے گا جب کہ اس کے اندر ایمان موجود ہو۔ کیونکہ مشرک، جس کا خاتمہ کفر اور شرک پر ہوا ہو، اس کے لیے معافی کی درخواست کرنا جائز نہیں۔ بہر حال فرمایا اولاً یہ لوگ خود ایمان دار ہوں اور ثانیاً اپنی بخشش کے لیے خود اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے "مَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ"

اللہ کے سوا کون ہے جو انسان کی غلطیوں کو تائبیوں کو تائبیوں کو معاف فرمادے۔ اور تیسری بات یہ کہ اللہ کا رسول بھی انکی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے۔ اور ایسا کہ نابنی کے لیے عین روا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَأَسْتَغْفِرُ لَذَنبِكَ وَاللَّصُوفِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (سورۃ محمد) یعنی اپنی لغو باتوں کی بھی اللہ سے معافی مانگیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی بخشش کی دعا کریں۔ آپ کے اپنے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح میں خوشخبری سنائی رَلِّغْفِرْلَكَ اللهُ مَا تَقَدَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی تمام اگلی کچھلی خطائیں فرمادیں تاہم مومنین اور مومنات کی بخشش طلب کرنے کا قانون موجود ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آپ کے پاس آجاتے، وہ خود بھی اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً وہ اللہ کو تائب اور رحیم پاتے مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مذکورہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے طلب معافی کی درخواست بظاہر آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ ہی مختص معلوم ہوتی ہے۔ کہ جو کوئی غلطی کا مرتکب آپ کی حیات مبارکہ میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، خود بھی استغفار کی اور اللہ کے رسول سے بھی طلب معافی کی درخواست کی، تو اللہ نے معاف کر دیا، تاہم مولانا فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق عالم ہدایت میں بھی قائم ہے۔ عرض اعمال کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں جن کے مطابق امت کے اعمال بلا اعلیٰ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مطابق ملاء اعلیٰ کے مہلکان میں تین گروہ شامل ہیں۔ پہلا گروہ ملائکہ مقررین اور دیگر بلند پایہ فرشتوں کا ہے جس میں حاملین عرش فرشتے بھی ہیں۔ دوسرا گروہ بھی فرشتوں کا ہے، جو دوسرے نمبر پر ہیں اور تیسرا گروہ بنی نوع انسان میں افاضل الادمیین کا ہے یعنی وہ کامل الایمان لوگ جو اپنی زندگیاں دین کی خاطر وقف کر دیتے ہیں اور

عرض اعمال

بنی نوع انسان کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے ہیں۔ اس گروہ میں تمام انبیاء کرام اور اللہ کے دیگر نیک بندے شامل ہوتے ہیں۔ اور ان ممبرانِ ملاءِ اعلیٰ کا کام کیا ہے؟ ان کی پہلی مصروفیت یہ ہے کہ ان کی نگاہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلی عظم پر مرکوز رہتی ہے اور ان کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ حاملینِ عرش کے متعلق تو خود قرآن پاک میں موجود ہے کہ وہ ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اَلَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَاُولَئِكَ مِنْ عِبَادِ الْمُؤْمِنِينَ

تو مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اس دنیا سے رحلت کے بعد بھی امت کے اعمال انکی خدمت میں ملاءِ اعلیٰ کے مقام پر پیش کیے جاتے ہیں اور وہ امت کے لیے بخشش کی دعا بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ اس گروہ میں شامل ہونے والوں کی ایک مصروفیت طلبِ بخشش بھی ہے۔

روضہ رسول
پیدا استشفاع

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ سے حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ میں آپ سے استشفاع تو بالکل واضح ہے۔ جب کوئی شخص غلطی کرتا، پھر اسے ندامت ہوتی تو وہ حضور ختمی رسالت کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے اپنے گناہ کی معافی طلب کرتا، پھر آپ سے بھی بخشش طلب کرنے کی درخواست کرتا تو حضور علیہ السلام اس کے لیے معافی مانگتے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا۔ اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ کے متعلق احادیث میں آتے ہیں مثلاً حضرت اسامہؓ سے غلطی ہوئی تو آپ ناراض ہو گئے، پھر اسامہؓ نے عرض کیا، حضور میرے لیے بخشش کی دعا کریں تو آپ نے ایسا کیا تاہم مفتی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا عموم بتاتا ہے۔ کہ اگر حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی کوئی شخص آپ کے روضہ مقدس پر حاضر ہو کر اپنی غلطی کی اللہ سے معافی طلب کرے اور نبی علیہ السلام کی خدمت

غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں اب آپ کے پاس آیا ہوں، آپ بھی خدا کی بارگاہ میں میرے لیے بخشش کی دعا کریں۔ یہ کہہ کر دیہاتی چلا گیا۔ عقبی کہتے ہیں کہ وہیں مجھ پر ٹینڈ غالب آگئی۔ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ دوڑ کر اُس اعرابی کے پیچھے جاؤ اور اُسے خوشخبری سنا دو کہ اللہ نے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔

تیسرے
ضابطہ انصاری

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے فَلَا وَرَيْكَ تِيرَے رب کی قسم۔ یہاں پر لانا تاکید قسم کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس قسم کی مثالیں قرآن پاک میں دو کے مقامات پر بھی موجود ہیں مثلاً لَا أَقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَامَةِ اور لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ تو معنی یہ ہوا، تیرے رب کی قسم لَا یُؤْمِنُونَ یہ لوگ ایمان نہیں ہو سکتے حَتَّىٰ یُجِزَّکُمْ مَوَدَّکَ فِی سَمَا شجرِ بَیْتِهِمْ جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تنازعات میں حکم یا منصف مقرر نہ کریں۔ شجرِ میں ہر قسم کے معاملات اور تنازعات شامل ہیں خواہ وہ احکام میں ہوں یا عقائد میں۔ ہر معاملہ میں اللہ کے رسول کو منصف بناؤ اور پھر آپ کے ارشادات میں جو چیز مل جائے اُسے صدق دل سے تسلیم کر لو۔

شان نزول

اس آیت کہ میری شان نزول کے متعلق ترمذی شریف اور صحاح کی دیگر کتب میں حدیث موجود ہے جسے مفسرین کہہ رام نے نقل کیا ہے۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری کے درمیان کھجیت کو سیراب کرنے کے متعلق تنازع پیدا ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ کا کھجیت پانی کے راستے میں پہلے واقع تھا لہذا وہ اپنے کھجیت کو پہلے سیراب کرتے تھے اور بعد میں پانی انصاری کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ انصاری کا مطالبہ یہ تھا کہ اُس کا کھجیت چونکہ دور ہے اس لیے سیرابی کا حق پہلے اُسے ملنا چاہیے۔ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے اخلاقی طور پر زبیرؓ سے فرمایا کہ اپنا کھجیت کھوڑا بہت سیراب

کر کے پانی پنے انصاری بھائی کے لیے چھوڑ دیا کرو۔ انصاری صحابی کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا، کہنے لگا کہ آپ نے حضرت زبیرؓ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ آپ کا چھوٹی کا بیٹا ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنے کھیت کو خوب سیراب کیا کہ وحشی کہ پانی دیواروں تک چڑھ جائے اور اس کے بعد انصاری کے لیے چھوڑا کرو۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کہ میرے ہاں سے اس معاملہ کے باسے میں نازل ہوئی۔ انصاری صحابی بھی بچا سچا مسلمان تھا بلکہ بدرمی صحابی تھا مگر جہالت میں ایسی بات کہ دی جس حضور علیہ السلام کو کوفت ہوئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک کامل الایمان مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہر معاملہ میں آپ کو حکم مقرر نہ کریں فرمایا کامل الایمان ہونے کے لیے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر معاملہ میں حضور علیہ السلام

رکوع تیسرا

ہی کو حکم بنایا جائے۔ اور جب آپ فیصلہ فرمادیں۔ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ تو پھر اس فیصلے کے فیصلے کے متعلق اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا آپ کے فیصلے کو خوشی سے قبول کر لیں۔ اسی میں اللہ کی رضا اور ہماری بہتری ہے خواہ اس فیصلے میں کوئی نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ بہر حال حضور علیہ السلام کا فیصلہ انجام کے لحاظ سے لازماً بہتر ہوگا جیسا کہ گذشتہ آیت میں بھی گزر چکا ہے ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر فیصلے کو قبول کرنا تین اعتبار سے ہوگا پہلا یہ کہ انسان کا اعتقاد درست ہو اور اسے اس بات پر اعتماد ہو کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ بالکل صحیح اور برحق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان زبان سے بھی فیصلہ کی صحت کا اقرار کرے اور تیسرے یہ کہ عملی طور پر اپنا معاملہ حضور کے سامنے پیش کرے۔ اگر دل سے تسلیم کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے مگر عملاً اپنے معاملات دربار نبوی کی طرف نہیں سجاتا تو بھی

فاسق تصور ہوگا کیونکہ اُس نے تسلیم و رضا کے تین درجات مکمل نہیں کیے۔

دینی حکیم
نبوی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے حاکم تو بہر حال ہیں۔ اب تنازعات آپ کے پاس لانا ہی آپ کی تحکیم کا قیام ہے۔ ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تمام معاملات حضور ہی کے سامنے پیش کیے جائیں لگہ لگہ ایسا نہیں کریں گے تو نفاق ثابت ہوگا۔ آپ علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں ایسے معاملات ذاتی طور پر آپ کے سامنے پیش ہوتے رہے اب آپ کے بعد یہ معاملات آپ کی سنت، شریعت اور تعلیمات کے سامنے پیش کر کے فیصلہ حاصل کیا جائے گا۔ رسول کی اطاعت کا یہی مطلب ہے۔ اس لیے آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اُس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے معاملات میں نبی اکرم کو منصف نہ مقرر کریں اور پھر آپ کے فیصلہ پر تسلیم خم نہ کر لیں۔

وَلَوْ أَنَّ كِتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
 أَوْ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ
 مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ
 لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا
 لَأْتَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهْدَيْنَهُمْ
 صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

ترجمہ : اور اگر ہم اُن پر فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں
 کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو یہ لوگ ایسا نہ
 کرتے مگر ان میں سے بہت تھوٹے۔ اور اگر یہ لوگ کرتے
 اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ یہ بات
 ان کے حق میں بہتر ہوتی اور زیادہ ثابت رکھنے والی ہوتی ﴿٦٦﴾
 اور اُس وقت ہم البتہ اُن کو دیتے اپنی طرف سے بہت
 بڑا اجر ﴿٦٧﴾ اور ہم اُن کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتے ﴿٦٨﴾

گذشتہ سے پیوستہ درس میں منافقین کی مذمت بیان ہوئی تھی کہ جب انہیں کہا
 جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت، دین اور کتاب کی طرف آؤ اور اس کے رسول
 سے اپنے تنازعات کا تصفیہ کرو، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ جھوٹے بہانے کرتے
 ہیں قسمیں اٹھاتے ہیں مگر یہ چیزیں انجام کے اعتبار سے ان کے لیے نہایت ہی نقصان دہ
 ثابت ہوں گی۔ اس کے بعد گذشتہ درس میں رسول خدا کی اطاعت کی فرضیت کا تذکرہ

تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات معلوم کرنے کا واحد ذریعہ اللہ کے بنی اور رسول ہوتے ہیں، لہذا ان کا اتباع ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ خدا کی رضا حاصل ہو سکتی ہے اور نہ النان کامیاب ہو سکتا ہے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے فوائد بیان ہو رہے۔ اور ساتھ ساتھ منافقین کے غلط رویے کی مذمت بھی ہے۔

ابتلا من اللہ

ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ اَنَا كَتَبْتُ عَلَيْكُمْ اور اگر ہم لکھ دیتے یعنی ان منافقین پر فرض کہ دیتے۔ كَتَبْتُ كَالغوى معنی لکھنا ہوتا ہے مگر مطلب یہ ہے کہ فرض قرار دیتے۔ جیسے دو کے مقام پر فرمایا كَتَبْتُ عَلَيْكُمْ الْقِتَالَ تم پر لڑائی فرض کی گئی ہے۔ يَا كَتَبْتُ عَلَيْكُمْ الصِّيَامَ تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اگر ان پر فرض کر دیا جاتا ان اَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ کہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ یعنی خودکشی کر لو۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا۔ جب انہوں نے کچھڑے کو معبود بنا لیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تم نے کچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہذا اب اس کا انزالہ یہ ہے کہ اپنے رب سے توبہ کرو اور قَاتِلُوا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تو فرمایا اگر ہم تم پر بھی خودکشی فرض کر دیتے اَوْ اَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ حَتَّى يَأْتِيَ كُفْرًا تَوَلَّوْا اَنْفُسَكُمْ تَوَلَّوْا اَنْفُسَكُمْ تَوَلَّوْا اَنْفُسَكُمْ سے نکل جانے کو ضروری قرار دیتے۔ مَا فَعَلُوهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے بہت محظوظ رہے لوگ۔

بنی اسرائیل کو خودکشی کا حکم ہوا اور انہوں نے لیت و لعل کرنے کے بعد حکم کی تعمیل بھی کی۔ مگر ہماری شریعت میں خودکشی حرام ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی خودکشی کرے گا اسے برزخ اور آخرت میں وہی سزا ملیگی جو طرہ لیتہ اس نے خودکشی کے لیے اختیار کیا۔ مثلاً کسی نے زہر کھالیا یا کسی تیز دھار کے سے یا گولی مار کر خودکشی کی، کسی بلند مقام سے چھلانگ لگائی، پانی میں ڈوب مارا،

تو فرمایا آخرت میں اُسے اسی قسم کی سزا دی جائیگی اور وہ اسی طرح خود کو کشتی کرتا رہے گا۔ اپنے آپ کی قربانی پیش کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم نہیں دیا اور اگر دے دیتا تو بہت تھوڑے لوگ اس کی تعمیل پر تیار ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کہ وہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھواتا، لہذا اللہ تعالیٰ نے جانی قربانی پیش کرنے کا حکم نہیں دیا۔ صاحب روح المعانی اور دوسرے مفسرین کہہ کر حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتے کہ ہم اپنے آپ کو اس کی راہ میں قربان کردیں تو ہم یقیناً ایسا کہہ گزرتے مگر الحمد للہ اللہ نے ایسا حکم نہیں دیا حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمے سے بھی اسی قسم کا جواب منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ حکم دیتا تو میں اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا۔ حضور علیہ السلام نے صدیق اکبرؓ کا یہ جذبہ سنا تو فرمایا صَدَقْتَ يَا أَبَا بَكْرٍ اے ابوبکر! تم نے سچ کہا، تمہارا ایمان واقعی اتنے اعلیٰ درجے کا ہے۔

عبداللہ بن رواحہؓ انصار کے خاندان کے اکابر صحابہ میں سے ہیں، اپنے قبیلہ کے سردار اور شاعر بھی تھے۔ ان کے متعلق بھی اسی قسم کی بات منقول ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ قربانی پیش کرنے کا حکم دیتا تو عبداللہ بن رواحہؓ اس قبیل تعداد میں شامل ہوتے، جو اس حکم کی تعمیل کر گزرتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بھی اُناسے ہے کہ وہ بھی اس قسم کے حکم کی تعمیل کرتے۔ امیر المومنین نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا اور نہ لوگ سخت آزمائش میں مبتلا ہو جاتے اور بہت کم لوگ اس حکم کی تعمیل کرتے مگر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی ہے کہ جانی قربانی کا حکم نہیں دیا کیونکہ جو کوئی شخص سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرے کہے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کرنے سے معافی دے دیتا ہے۔

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اِنْ اَفْسَلُوا اَنْفُسَكُمْ سے مراد جہاد ہے۔ اور اَوْ اَخَذُوا مِنْ دِيَارِكُمْ سے مراد ہجرت ہے۔ ہجرت وہ ہے جو زمین چھوڑنے سے پہلے جہاد ہی نہیں۔

وہ تو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں وہ جہاد اور ہجرت جیسے مشکل امور کیسے انجام دینگے، حالانکہ اسلام نے انہیں فرض قرار دیا ہے اسی لیے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان دو باتوں کا حکم دیتا ہے تو اس پر بہت قلیل تعداد عمل پیرا ہوتی۔

ہجرت اور
جہاد کی اہمیت

ہجرت کی اہمیت کے متعلق آتے ہیں اِنَّ شَانَ الْهَجْرَةِ لَشَدِيدٌ یعنی ہجرت کا معاملہ بڑا شدید ہوتا ہے۔ جب کسی علاقے میں کفار کو غلبہ حاصل ہو جائے اور اہل ایمان کے لیے شریعت پر عمل کرنا ناممکن نہ ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خاطر وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں جو شخص ہجرت کے لیے تیار نہ ہو، وہ سخت گنہگار ہے اور اس کے لیے جہنم کی وعید آئی ہے۔ اسی طرح اللہ کے دین کی اقامت کے لیے جہاد بھی فرض ہے۔ جہاد میں قتال بھی شامل ہے جیسے سورۃ بقرہ میں آچکا ہے كِتَابٌ عَلَيْكُمْ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ تَمَّ بِرِطَائِي قَرْض قرار دی گئی ہے اگرچہ وہ تمہیں ناپسند ہو۔ اس میں جان کا خطرہ ضرور ہے مگر انجام کے اعتبار سے اس میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ جہاد کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ذرۃ سنام الاسلام الجہاد یعنی اسلام کی کوہان (بلندی) جہاد ہے۔ جس طرح اونٹ کی شان اسی کوہان سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کی رفعت جہاد سے ہے۔ جہاد کے بغیر نہ حدود قائم ہو سکتی ہیں اور نہ من قائم ہو سکتا ہے۔ گویا دشمن کو مغلوب کرنے اور شریعت کے اجراء کے لیے جہاد ضروری ہے۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے اگر ممالک کی ایک جماعت اس فریضہ کو ادا کر رہی ہے تو یہ تمام اہل اسلام کی طرف سے ادا تصور ہوگا، اور اگر قوم کا کوئی فرد بھی جہاد کے لیے تیار نہیں تو پوری کی پوری مسلمان قوم و ملت گنہگار ہوگی۔ قتال کے علاوہ دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ، امانت اور تقریر و تحریر بھی جہاد ہی کا ایک حصہ ہے۔ قتال کی طرح یہ فریضہ بھی فرض کفایہ

ہی ہے۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو یہ فریضہ ہمیشہ ادا کرتے رہیں چاہیے، اگر اسلام کی تبلیغ بالکل رُک گئی تو پھر بھی ساری قوم گنہگار ہوگی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم جہاد اور ہجرت ان لوگوں پر فرض قرار دیتے تو اس حکم کی تعمیل کرنے والے بہت کم لوگ ہوتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس قلیل تعداد میں صحابہ کرامؓ تو سب کے سب داخل ہیں کیونکہ وہ ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہے، البتہ کمزور ایمان والے اور منافق لوگوں کے لیے یہ دونوں چیزیں بہت مشکل ہیں۔ وہ خود غرضی اور آرام طلبی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ مشکل کام ان کے بس کا روگ نہیں رہتے۔

منافقین کی اس کمزوری کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے من فرمایا
 وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَآكُمُ الْبِرُءُ كَمَا لَكُمْ الْإِيمَانُ
 تعمیل کر لیتے ہیں یعنی جس بات کی نصیحت کی جا رہی ہے۔ اُسے کمزور کرتے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، اپنے تمام معاملات رسول خدا کے پاس لاتے، قرآن و سنت کو اپنی آخری پناہ گاہ بنا لیتے، تو فرمایا لَآكُمُ الْبِرُءُ كَمَا لَكُمْ الْإِيمَانُ
 یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہو جاتے دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوتی اور آخرت کی فلاح تو بہر حال یقینی ہے وَآشَدُّ
 تَشْدِيدًا اور حکم دین کی تعمیل پر سختی کی دلیل ہوتا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ دین پر سختی کسی شخص کے اعتقاد اور ایمان کی سختی کی علامت ہوتی ہے دین کے احکام پر جس قدر عمل ہوگا اسی قدر اعتقاد اور ایمان میں مضبوطی آئیگی۔ اور عمل میں جس قدر کمزوری آئیگی، اعتقاد اور ایمان بھی اسی قدر کمزور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایمان میں سختی آئیگی تو انسان جہاد اور ہجرت کے لیے تیار ہو جائے گا۔ پھر اُس کے لیے کوئی کام دشوار نہیں ہے گا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بعض لوگوں کے ایمان زمین میں گڑھے ہوئے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں

تعمیل حکم کا

ایمان کی سختی

آپ نے کامل ایمان لوگوں کی مثال پہاڑوں کے ساتھ دی۔ ایک شاعر نے
نے کہا ہے۔

تنزل الجبال الرسلیت وقلبنا علی العهد لایلوی ولا یتغیر
مطلب یہ ہے کہ انسان کا عقیدہ اس قدر مضبوط ہونا چاہیے کہ مضبوط پہاڑ
تو اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر ہمارا عہد و پیمان اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ علامہ اقبال مرحوم
نے بھی یہی بات یوں بیان کی ہے۔

بجوذ خزیدہ و محکم چوں کہ ہساراں زوی

چوں خص مزوی کہ ہوا تند و شعلہ بیباک است

یعنی مستقل مزاج بن کر پہاڑوں کی طرح زندہ رہو، تنکوں کی طرح زندگی مرت گزاریو
کہ ہوا تیز ہے اور شعلہ بیباک، مطلب یہ کہ اگر حقیر تنکے بن جاؤ گے تو پھر نہ ہوا کے
سامنے ٹھہر سکو گے اور نہ آگ لگنے سے بچ سکو گے اگر عزت و ناموس کی زندگی
گنہ ازنا ہے، تو پہاڑوں اور چٹانوں کی طرح مضبوط بن جاؤ۔

آج کی سوسائٹی میں لوگ ڈانواں ڈول پھرتے ہیں۔ چاروں طرف گمراہی اور
اس کے اسباب پھیلے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ایمان کی پختگی باقی نہیں رہی
لوگ معمولی سی آزمائش پر بھی پورا نہیں اترتے بلکہ قدم قدم پر پھسل جاتے ہیں۔ رسم و
رواج اور بدعات میں غرق ہو چکے ہیں۔ مشرک، کافر، اور دہریہ اقوام نے دنیا
میں ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ لوگ گمراہی کی طرف فوراً رغب ہو جاتے ہیں
لہو و لعوب، کھیل نمائش، عبرانی، افحاشی اور بے حیائی کے کاموں پر فوراً تیار ہو
جاتے ہیں، ایمان بالکل گمراہ ہو چکا ہے ان حالات کے متعلق حضور علیہ السلام
کا ارشاد مبارک ہے الصاب علی الدین کالقابض علی الجبس
یعنی دین پر ثابت قدم رہنا اتنا مشکل ہو جائیگا جیسے چلتے ہوئے کو ٹکے کو
ہاتھ میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پورے کا پورا ماحول اور برادری بگڑ
چکے ہیں۔ سب کے سب رسومات، اور بدعات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں،

یہ وقت میں ایک صحیح مومن کے لیے گزراؤقت کسی قدر مشکل ہوگی۔

فرمایا اگر یہ لوگ احکام خداوندی پر عمل پیرا ہو جائیں اور اذلال تینہم

مِنْ لَدُنَّا أَحْبَبْنَا عَظِيمًا تَرْهَمُنَّ اِنہیں اجر عظیم عطا کرتے۔ یعنی اگر

یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تابعداری کرتے، تقویٰ کی

راہ اختیار کرتے، ہر معاملہ میں شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے اور تمام

معاملات میں دین ہی کو مقدم رکھتے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں بہت

بڑا صلہ عنایت فرماتے وَلَهْدَىٰ يَدَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

اور انہیں دنیا میں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی بھی حاصل ہوتی۔ مقصد یہ کہ

تعمیل حکم کی صورت میں انہیں دنیا میں صراط مستقیم حاصل ہو جاتا، جس پر چل

کر وہ کامیاب زندگی گزار سکتے، اور پھر آخرت میں اجر عظیم کے مستحق

ہوتے۔ اس طرح دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر کامیاب و کامل

ہوتے دو کے مقام پر فرمایا وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

جو کوئی ہدایت کے راستے پر چل نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت

میں اضافہ فرماتا ہے۔ صراط مستقیم ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے

جس کے حصول کے لیے ہر نماز میں دعا کی جاتی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ جسے یہ چیز حاصل

ہو جائے اس کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ صراط مستقیم اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔ جو اس کے احکام پر

عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ

ترجمہ: اور جو شخص اطاعت کریگا اللہ کی اور رسول کی

پس یہی لوگ ہیں ان کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام

کیا ہے، انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین میں سے۔ اور بہت

ہی اچھی ہے ان لوگوں کی رفیقیت ﴿۶۹﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے فضل ہے۔ اور کافی ہے اللہ جاننے والا ﴿۷۰﴾

گذشتہ آیات میں منافقین کی مذمت بیان کی گئی تھی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے

فیصلے پر راضی نہیں ہوتے اور اپنے معاملات کو طاغوت کے پاس لے جانا پسند کرتے

ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کی فلاح کا دار و مدار اللہ اور اس کے

رسول کی اطاعت پر ہے، جب تک وہ اللہ کے رسول کو اپنا حکم مقرر نہ کریں۔ وہ

کامل الایمان نہیں ہو سکتے، پھر فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ ان پر کوئی مشکل احکام نازل فرمادیتا جیسا کہ

بنی اسرائیل کی توبہ کو ان کی جانوں کے قتل کے ساتھ مشروط کر دیا تھا۔ تو لوگوں کے لیے

بڑی دشواری ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی مہربانی فرمائی کہ کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو تکلیف

ملا لیاقت میں داخل ہو، لہذا ان لوگوں کی بہتری ایسی چیز میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

کی گئی نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں۔ ایسا کر لیں گے تو انہیں بہتری، ایمان میں سچائی، اجر عظیم

اور صراطِ مستقیم نصیب ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار انعامات کا تذکرہ فرمایا۔ ہر
 نبی گندہ کے لیے آخرت میں اجر عظیم تو بلاشبہ ہے، اُسے دنیا میں بھی وہ صراطِ مستقیم
 نصیب ہو جائیگا۔ جس کی دعا ہر مومن ہر نماز میں کرتا ہے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کرنیوالوں
 کے لیے پانچویں انعام کا ذکر کیا ہے۔ یہ بلند ترین لوگوں کی رفاقت ہے جو کہ بڑی
 ہی فضیلت والی چیز ہے۔ فرمایا وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ يَجْعَلْ اللَّهُ لَهُ
 اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو مطرح مطلق بالذات ہے
 تاہم رسول کی اطاعت بالذات تو نہیں مگر وہ بھی رسالت کی وجہ سے مطلقاً
 فرض ہے۔ ایسے لوگوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے۔ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ
 انعم الله عليهم ان لوگوں کو اللہ کے ان کاملین کی معیت
 نصیب ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے اور یہ انعام یافتہ گروہ چار
 ہیں مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
 یعنی انبیاء، صدیق، شہدا اور صالحین ہیں۔ یہ انہی لوگوں کی رفاقت کا تذکرہ ہے
 جن کے متعلق ہر نمازی سورۃ فاتحہ میں دعا کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
 اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
 اور وہ سیدھے راستے ان لوگوں کا ہے جن پر تو نے انعام کیا سورۃ فاتحہ میں تو
 انعام یافتہ لوگوں کی تشریح بیان نہیں کی گئی، ان کا تذکرہ اب اس آیت کریمہ میں ہو
 رہا ہے۔ منعم علیہم مذکورہ چار معیاری گروہ ہیں۔ ان کے علاوہ باقی لوگ ان سے کم تر
 درجہ میں ہیں۔

انعامات دو قسم کے ہیں یعنی مادی اور روحانی۔ اس دنیا میں مادی انعامات
 میں تو مومن اور کافر وغیرہ سب شریک ہیں۔ البتہ روحانی نعمتیں اللہ کے مقبول
 بندوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان میں ہر فرستادہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت
 ہے۔ علم العقائد ایک مستقل فن ہے جس کے ذریعے اچھے اور برے نفعناذ

انعام
 یافتہ لوگ

انبیاء علیہم السلام

کی تشریح کی جاتی ہے۔ تو اس فن کے ماہرین نے عقائد کی کتابوں میں نبی کی تعریف یوں کی ہے کہ نبی انسان ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکام پہنچانے کے لیے بنی نوع انسان کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔ انسانوں کے علاوہ نبوت کا منصب کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں ہوا، فرشتوں یا جنات میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، البتہ اپنے پیغام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ رسالت کا فریضہ انسانوں کے علاوہ فرشتوں کے سپرد بھی کر دیتے ہیں۔ جیسا سورۃ حج میں فرمایا اللہ یَخْتَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے۔

انسان کی
تعریف

اہل منطق نے انسان کی تعریف بھی کی ہے، کہ انسان کیا ہے۔ پرانے زمانے کے یونانی کہتے تھے کہ انسان حیوانِ ناطق ہے۔ یعنی ایسا جاندار ہے جو بولتا ہے اور ادراک رکھتا ہے۔ حضرت ام شاہ ولی اللہ کے سلسلہ کو ماننے والے انسان کی تعریف یوں کرتے ہیں مَا يَتَفَكَّرُ وَيَصْنَعُ بِالْأَدَبِ یعنی جو غور و فکر کرتا ہے اور آلات کو استعمال کرتا ہے۔ یہ بہترین تعریف ہے جو شاہ رفیع الدین فرزند شاہ ولی اللہ نے اپنی منطق کی کتاب میں کی ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا اگر اس میں علم و شعور اور دین اور ایمان ہوگا تو وہ صحیح معنوں میں انسان ہے، ورنہ وہ لوتھڑا ہی ہے جس سے اس کی پیدائش عمل میں آئی ہے۔

نبی انسان
ہوتا ہے

تو مقصد یہ ہوا کہ نبی انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔ اہل بدعت نبی کو انسان ماننے کے لیے تیار نہیں حالانکہ نبی کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ انسان ہوتا ہے۔ اس بات کی وضاحت قرآن پاک میں بار بار کی گئی ہے خود حضور خاتم النبیین اور آپ سے پہلے آنے والے رسول انسان ہی تھے۔ سورۃ انبیاء میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان موجود ہے "وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ"

یعنی اے پیغمبر علیہ السلام! آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے سب مرد تھے
رجل مرد انسان یا بشر کو کہتے ہیں انسان یا بشر ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔
اس بات کا اظہار اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سامنے کیا تھا اِنِّیْ خَالِقٌ مِّمَّ بَشَرٍ مِّنْ
طَبِیْنِ یٰمِیْنِ گاے سے بشر کو پیدا کرنے والا بشر تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار
ہے۔ طے اللہ نے اپنی تمام مخلوق میں زیادہ پچیدہ، خامض اور جامع الصفات
پیدا کیا ہے۔ انسان جیسا شرف کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔

بہر حال نبی کریم علیہم السلام سے پہلا درجہ حاصل ہے اور یہ معصوم ہوتا ہے نبی
کی معصومیت اس کی خصوصیات میں داخل ہے اس کو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ
اس سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جائیگا۔ اشرف المخلوقات میں سے یہ شرف
کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں۔ لہذا کبھی معصوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
لَا یَعْصُونَ اللّٰهَ صَآ اَمْرًا مِّنْکُمْ فَرِشْتَةَ السَّمٰوٰتِ مَادٰی
مخلوق نہیں بلکہ وہ لطیف اور نورانی مخلوق ہے۔ تاہم انسانوں میں سے صرف
انبیاء کی جماعت ہی معصوم ہے۔ ان سے جو محظوظی بہت کو تاہی ہوتی ہے وہ
عزیز کشلاتی ہے۔ یہ معمولی چیزیں زلات میں آتی ہیں مگر بعض اوقات معمولی
سی عزیزش پر بھی بہت بڑی گرفت ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسی کو تاہی صغیرہ یا کبیرہ گناہ
کی اوجہ میں نہیں آتی۔ اہل سنت و الجماعت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے
اور بعد اللہ تعالیٰ انبیاء کو معصیت سے محفوظ رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے، کہ
نبی کی اطاعت مطلقہ فرض ہوتی ہے اور نبی کا ہر فیصلہ قابل عمل ہے لہذا نبی
سے کوئی غلط بات سرزد نہیں ہوتی۔

نبی معصوم
ہوتا ہے

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کوئی بیج یا قاضی غصے کی حالت
میں فیصلہ نہ کرے کیونکہ اس حالت میں غلطی کا امکان ہے۔ اسی طرح اگر کوئی
قاضی کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہے تو اس کا فیصلہ درست تسلیم نہیں ہوگا۔ یہ
صرف اللہ کے نبی کو شرف حاصل ہے کہ اس کے فرمودات غصے اور مزاج کی حالت

میں بھی برحق ہیں صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! بعض اوقات آپ ہمارے ساتھ مزاح فرماتے ہیں۔ فرمایا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ رَاٰیَ الْحَقِّ اِیْسٰی حَالَتِیْنَ مِیْنِیْ بِحَقِّیْ كَیْ سَوَا كَیْچھ نہیں کہتا۔ اسی طرح اگر آپ نے کوئی فیصلہ بخشے کی حالت میں بھی کیا ہے تو بھی برحق اور قابلِ تعمیل ہوگا۔ یہ نبی کی خصوصیت ہے کہ اگر اُس سے کوئی لغزش ہو جائے تو اُسے خبردار کر دیا جاتا ہے مگر ایک عام انسان کے لیے یہ ضروری نہیں بہر حال نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اس کی اطاعت مطلقہ فرض ہے۔

مفسر قرآن امام بیضاوی فرماتے ہیں۔ کہ پہلا درجہ انبیاء کا ہے۔ وہ تقدس کے بلند ترین مقام پر ہوتے ہیں۔ وہ حد کمال سے بڑھ کر حد تکمیل تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں ہر خوبی بذاتہ موجود ہوتی ہے۔ تمام اوصاف حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے رفعت تقدس کے پیش نظر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام صفات ایمانیہ، صفات ربانیہ، ملائعہ اعلیٰ یا ملکوت و جبروت کا قریب سے مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

صدیق کی
تعریف

صدیق راست باز اور سچے انسان کو کہتے ہیں۔ مسلم شریف، ترمذی اور دوسری کتب احادیث میں آتا ہے لَا یُزَالُ الْعَبْدُ یَتَحَرَّى الصَّدَقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ الصَّدِیْقُ مَوْمِنٌ قَوْلٌ، فَعْلٌ، وَعَدْوٌ مَغْرَضِیْکَ ہر بات میں سچائی کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے آدمی کے متعلق بھی آتا ہے لَا یُزَالُ الرَّجُلُ یَتَحَرَّى الْکَذِبَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ الْکَذٰبُ کوئی شخص مسلسل چھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ بہر حال انبیاء علیہم السلام سب کے سب صدیق ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں کسی انبیاء کے متعلق آتا ہے "اِنَّہٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا" کہ وہ صدیق نبی تھا۔ البتہ انبیاء کے علاوہ دیگر مومن لوگ بھی صدیق ہوتے ہیں۔ مگر وہ دو سرے درجے میں آتے ہیں ان میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی۔

یہ فضیلت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ صدیق ظاہر اور باطن کمال مرتبے کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ وہ اپنے قول، فعل اور عقیدے میں ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔

شہید کا معنی گواہ ہے اور کسی معاملہ میں گواہی عموماً مشاہدہ کی بنا پر ہوتی ہے مگر کبھی علم کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام میں قانون شہادت بڑا اہم قانون ہے۔ گواہی کے متعلق قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا اِقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ عِنِّی اللّٰہ کے لیے بلا کم و کاست گواہی دو۔

انگریزوں نے تو قانون شہادت کو بھی برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ موجودہ قانون کے تحت عدالتوں میں گواہی دی نہیں جاتی بلکہ پڑھائی جاتی ہے۔ پولیس اور وکیل گواہوں کو اچھی طرح سکھاتے ہیں کہ یوں گواہی دینا ورنہ کیس خراب ہو جائے گا۔ یہ کیسی گواہی ہے۔ صحیح گواہی تو یہ ہے کہ اولاً گواہ مومن، شریف اور عقل مند ہو، فاسق فاجر یا پاگل آدمی کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی اور پھر یہ ہے کہ جو کچھ اُس نے دیکھا صاف صاف عدالت میں بیان کرے۔ مقدمات کا صحیح فیصلہ اس قسم کی گواہی پر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر انگریزی قانون شہادت کے مطابق کرائے کے گواہ ہی گواہی دیتے ہے تو کبھی درست فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال یہاں پر شہید سے مراد نبی اور صدیق کے بعد تیسرے درجے کے وہ مؤمنین ہیں جو حق و صداقت اور ایمان کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگادیں۔ انہیں حقائق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ لہذا وہ اپنی عزیز ترین متاع جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان میں صدیقین جیسی علمی قوت تو نہیں ہوتی مگر ان کی عملی قوت کامل درجے کی ہوتی ہے جو کہ انبیاء کی قوت عملیہ کا عکس ہوتی ہے۔ یہ تیسرے درجے کے منعم علیہ ہوتے ہیں۔

انعام یافتہ لوگوں کا چوتھا گروہ صالحین کا ہے۔ یہ صلاحیت اور نیکی سے حامل لوگ ہوتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع میں کامل ہوتے ہیں انہیں نہ تو شہیدوں جیسا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ صدیقیوں جیسا کمال علم

شہید اور
شہادت

صالحین

دوسروں سے بات سن کر یقین قلب کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں، ان کا ذہن شک و تردد سے پاک ہوتا ہے اور وہ عمر بھر کمال درجے کی نیکی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ یہ صحابین کا گروہ ہے، جو چوتھے درجے میں آتا ہے۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں صالح شخص وہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ادا کرے۔ حقوق سے روگردانی کرنے والا شخص صالح نہیں ہو سکتا۔ اچھے اور نیک لوگ ان چار گروہوں کے علاوہ بھی ہیں مگر وہ ان سے کچھ درجہ میں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ گروہ یہ چار ہی ہیں۔ یہی لوگ صراطِ مستقیم کے راہی ہیں، وہ صراطِ مستقیم جس پر چلنے کی ہر مومن دعا کرتا ہے۔

منعم علیہم کی جامع تعریف

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور اسے حد درجے کا قرب حاصل ہوتا ہے لہذا وہ عالم بالا کی چیزوں کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ صدیق میں غایت درجے کی قلبی صفائی ہوتی ہے، اس میں فضائل کی بہتات ہوتی ہے اور ذائل اس سے دور ہوتے ہیں بنی بچہ وحی نازل ہوتی ہے، صدیق شہادت قلبی سے اس کی تصدیق کرتا ہے، اس کے لیے اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعات میں موجود ہے۔ غرضیکہ نبی کا مشاہدہ قریب سے ہوتا ہے اور صدیق کا مشاہدہ دور سے۔ اس کے بعد شہید کا درجہ ہے اسے یہ درجہ دلائل و براہین کے ساتھ ریاضت اور عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور صالح وہ ہے جس کے قلب میں قرینہ کے ساتھ اطمینان پیدا ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ امام بیضاوی نے یوں بھی تاویل کی ہے۔

منعم علیہم کی رفاقت

فرمایا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اسے انعام یافتہ لوگوں کی رفاقت نصیب ہوگی وَحَسَنَ اَوْلَادِكَ رَفِیْقًا اور ان لوگوں کی رفاقت نہایت ہی اچھی ہے، جسے نصیب ہو جائے اس رفاقت کی تشریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بلند درجے والے اور

پچھلے درجے والے جنتیوں کی آپس میں ملاقاتیں ہونگی، ایک دوسرے کی صحبت حاصل ہوگی اور آپس میں گفتگو ہوگی۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ کے روز اطاعت گزار لوگ انعام یافتہ لوگوں سے ملاقات کیا کریں گے۔ اس ملاقات سے پچھلے درجے والا جنتی بھی اس قدر مطمئن ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو اعلیٰ درجے والے منعم علیہ کا ہم اعزاز ہی سمجھے گا۔ اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو کمتر خیال نہیں کریں گے۔ حالانکہ اُن کے درجات میں اس قدر تفاوت ہو گا جتنا زمین اور بلند تر تہذیب کے درمیان فرق ہے۔

بہر حال کمال درجے کی اطاعت کرنے والوں کو منعم علیہم کی معیت نصیب ہوگی اور اچھی سوسائٹی کا بل جانا بڑا سزاوار اور بہت بڑی سعادت ہے۔ دنیا میں اچھی سوسائٹی کا بل جانا بھی کوئی کم نعمت نہیں مگر آخرت کی یہ پاکیزہ سوسائٹی تو جنت، عِلین، حظیرۃ القدس اور بلاد اعلیٰ میں نصیب ہوگی۔ اس دنیا میں تو اس انعام کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے تو انبیاء نے بھی دُعا کی تُوَفِّقْنِي مُسْلِمًا وَاَلْحَقْنِي بِالصَّلَاةِ الْحَسَنَةِ اَللّٰهُمَّ بِرَحْمَتِكَ اَسْأَلُكَ اور صاحبین کی رفاقت نصیب فرما۔

یہاں پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ قادیانیوں نے اس آیت کریمہ سے غلط استدلال کیا ہے۔ یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں اور یہ ملعون فرقہ ہے۔ انہوں نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا وہ نبی، صدیق، شہید یا صالح بن جائیگا۔ اس طرح وہ مرزا غلام احمد کی نبوت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیت کریمہ کا مطلب واضح ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزاروں کو ان چار انعام یافتہ گروہوں کی رفاقت نصیب ہو جائیگی۔

حضرت ثوربانؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سخت بے چینی کی حالت میں نبی کریمؐ کی خدمت

میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اضطراب کی وجہ دریافت کی تو عرض کیا، حضور! جب میں اس دنیا میں اپنے گھر پہ ہوتا ہوں اور بے چین ہو جاتا ہوں تو آپ کی زیارت کر کے سکون حاصل کر لیتا ہوں۔ اگلے جہاں میں نامعلوم کیا صورت حال ہوگی۔ اول تو میرا جنت میں جانا قطعی معلوم نہیں اور اگر میں خدا کے فضل سے وہاں پہنچ بھی گیا تو میں تو کسی ادنیٰ درجے میں ہوں گا جب کہ آپ عزت کے بلند ترین مقام میں ہوں گے، تو وہاں آپ کی زیارت سے اپنی آنکھیں کیسے ٹھنڈی کر سکوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ربیع بن کعب سلمیٰ حضور علیہ السلام کے خادم تھے۔ سفر و حضر میں آپ کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ایک رات حضور علیہ السلام نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر بیٹھ سے فرمایا، کوئی خواہش ہے تو بیان کرو۔ عرض کیا، حضور! میری تمنا یہ ہے کہ جنت میں آپ کی معیت حاصل ہو جائے۔ آپ نے پھر فرمایا۔
 اَوْعَيْنَ ذَلِكَ اس کے علاوہ کچھ مطلوب ہو۔ پھر عرض کیا میری خواہش صرف یہ ہے کہ آپ کی رفاقت حاصل ہو جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا اَعْبُدْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَتْرَةِ السُّجُودِ اپنے نفس کے خلاف سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔ یعنی کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ تاکہ تمہارے اندر رفاقت پیدا ہو جائے، تزکیہ نفس ہو جائے اور پھر میں بھی دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں میری رفاقت نصیب کر دیں گے۔ بہر حال اس قسم کے بعض دیگر واقعات بھی اس آیت کریمہ کے شان نزول میں بیان کیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ
کا فضل

فرمایا ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ اَنْبِیَاءِ، اَصْدِقَا، شُهَدَا اور صَاحِبِیْنَ کی معیت حاصل ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے، جسے نصیب ہو جائے یہ اس کی خاص مہربانی اور انعام ہے و كَفَى بِاللّٰهِ عِلْمًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔ یہ چیز رب العزت کے علم میں ہے کہ کون شخص کتنے خلوص کا حامل آس میں ایمان اور تقویٰ کی کتنی مقدار ہے لہذا ہر شخص کو اسکی حیثیت کے مطابق ثمرہ ادا کیا جائے گا۔ عیلم کل فقط ذات خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثِبَاتٍ
 أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٤١﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ
 فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُمْسِبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ
 إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٤٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ
 فِضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ
 بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلْبِئْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ
 فَافُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٤٣﴾ فليقاتل في سبيلِ اللَّهِ
 الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ
 يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ
 فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان اختیار کرلو پھر
 کوچ کرو جہا جہا گمروہوں کی شکل میں یا سب اکٹھے ہو کہہ ﴿٤١﴾ اور
 بیشک بعض تم میں سے البتہ وہ ہیں جو تاخیر کرتے ہیں۔ پس
 اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر
 انعام کیا ہے جب کہ میں اُن کے ساتھ حاضر نہیں تھا ﴿٤٢﴾ اور
 اگر تم کو اللہ کا فضل پہنچتا ہے، تو وہ کہتا ہے (پھر اُس کی حالت
 ایسی ہوتی ہے) گویا تمہارے اور اُس کے درمیان دوستی کا کوئی

میں جن جن ہتھیاروں یا دیگر لوازمات کی ضرورت پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو جمع کرنے اور اپنی قویٰ کو مجتمع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس ضمن میں مفصل احکامات سورۃ انفال اور توبہ میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ ان سورتوں کا موضوع ہی "اسلام کا قانون جنگ اور صلح" ہے۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے یہی حکم ان الفاظ کے ساتھ دیا ہے۔ "وَاعِدُّوا لَهُمْ مِمَّا اسْتَدْعَيْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَ مِّنْ رِّبَاطٍ الْخَيْلِ لِعِزِّ بِرِئَابِكُمْ لِيُحَارِبُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَمْلِكُوا فِي مِيقَاتِ الْحَرْبِ كَمَا اسْتَدْعَيْتُمُوهُمْ فَذَلِكُمْ لَعَنَ اللَّهُ وَمَا يُصَلِّىْ عَلَيْهِمْ فِي الْحَرْبِ وَكُلَّمَا هَمُّوا بِمُخْرَجٍ مِّنْهَا رَدَّهُمْ فِيهَا ذَلِكُمْ لَعَنَ اللَّهُ وَمَا يُصَلِّىْ عَلَيْهِمْ فِي الْحَرْبِ وَكُلَّمَا هَمُّوا بِمُخْرَجٍ مِّنْهَا رَدَّهُمْ فِيهَا ذَلِكُمْ لَعَنَ اللَّهُ وَمَا يُصَلِّىْ عَلَيْهِمْ فِي الْحَرْبِ وَكُلَّمَا هَمُّوا بِمُخْرَجٍ مِّنْهَا رَدَّهُمْ فِيهَا ذَلِكُمْ لَعَنَ اللَّهُ"۔

میں سامان حرب کے علاوہ گھوڑوں کو کبھی خاص اہمیت حاصل ہوتی تھی۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اُس زمانے میں تیر اندازی بھی نہایت ہی مؤثر طریقہ جنگ تھا۔ چنانچہ تیر اندازی سیکھنا ضروری اور سیکھ کر بھلا دینا یعنی اس کی مشق ترک کر دینا گناہ تھا۔ بہر حال من قوتہ میں حرب و ضرب کے تمام وہ ذرائع آجاتے ہیں جو جنگ کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اُس زمانے میں تلوار، تیر، نیزہ وغیرہ تھے۔ اب گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ اوزار جنگ بھی تبدیل ہوئے ہیں۔ تیر تلوار کے بعد آتشیں اسلحہ ایجاد ہوا، بندوق آئی، پھر توپ بنائی گئی۔ بم تیار ہوئے اور پھر انہیں پھینکنے کے لیے تیز رفتار ہوائی جہاز ایجاد ہوئے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر راکٹ اور میزائل بنائے گئے جن کے ذریعے گھبر بیٹھے دشمن پر وار کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس جس زمانہ میں جس سامان دفاع کی ضرورت ہو، وہ سب جمع کر لو اور اپنی تمام قوتیں اور وسائل اس کام پر لگا دو۔

حَدُّوا حُدُودَكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ اس کے جنگ لڑنے کے لیے جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس ضمن میں مسلم اقوام تقریباً گذشتہ چار سو سال سے انحطاط کا شکار ہیں۔ ترکوں نے بڑی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت

آب اس دور میں جدید ترین جیٹ ٹیکنالوجی برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس اور امریکہ کے پاس ہے۔ انہوں نے بڑی کوشش اور محنت سے جدید ٹیکنالوجی حاصل کی ہے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خطرناک سے خطرناک اسلحہ تیار کر رہے ہیں۔ ایٹم بم پھینکنے کا واحد تجربہ امریکہ دوسری جنگ عظیم میں کر چکا ہے اب روس اور امریکہ درمیان دو بارہ میزائلوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ اور دنیا میں یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اب اگر عالمی جنگ چھڑ گئی تو اس قسم کے خطرناک ہتھیار دنیا کو تباہی کے منہ میں دھکیل دیں گے اس کے مقابلے میں مسلم ممالک کی حالت زار یہ ہے کہ بڑی طاقتوں سے بچے کچھے ہتھیاروں کی بھینک مانگ رہے ہیں۔ اور انہیں یقین دلا رہے ہیں کہ ہمیں فلاں فلاں سامان جنگ دے دو کسی ضرورت کے وقت ہم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے ہیکے غیر مسلم بڑی عالمی طاقتیں (SUPER POWERS) جدید ترین اسلحہ، مسلم ممالک کو دینے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتیں، انہیں خطرہ ہے کہ یہ ہتھیار خود ان کے خلاف بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ آج اسلامی دنیا کے پاس وسائل موجود ہیں۔ مگر ٹیکنالوجی نہیں۔ وہ ذہنی طور پر مغلوب ہو چکے ہیں۔ بڑی طاقتوں نے انہیں غلام بنا رکھا ہے۔ ان کے دل و دماغ پر ایسا جا دو کہ دیا ہے کہ ان میں حریت کا مادہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ آج اسلامی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ سب مل کر اپنے وسائل جمع کر لیں اور جدید ٹیکنالوجی حاصل کریں اس کے ذریعے سامان دفاع تیار کریں تاکہ بوقت ضرورت دشمن پر بھرا پورا کر لیا جاسکے۔

سلف کے
کارنامے

ہماری اسلاف نے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے اور جان پر کھیل کر بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ مصر کی فتح میں حضرت زبیرؓ نے عظیم قربانی پیش کی۔ قلعہ مضبوط تھا اور سر ہونے میں نہیں آتا تھا۔ آپ نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے لو کہرے میں ڈال کر قلعے کی دیوار سے کس طرح قلعے کے اندر پھینک دو کہ اب یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا اپنے قلعہ میں داخل ہوتے ہی اندھا دھند تلواریں چلانی شروع کر دیں مصری بچے

کہ مسلمانوں کی پوری فوج قلعہ میں داخل ہو گئی ہے لہذا انہوں نے بھاگنے کے لیے قلعہ کے دروازے از خود کھول دیے۔ پروگرام کے مطابق مجاہدین قلعہ سے باہر منتظر تھے، جونہی دروازہ کھلا انہوں نے یکجا رگی حملہ کر دیا اور اس طرح یہ مضبوط قلعہ فتح ہوا۔ یہی حضرت زبیرؓ میں جنہوں نے شاہیوں کے ساتھ جنگوں میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ ایک ایک لاکھ دشمن کی صفوں میں تنہا گھس جاتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے عروہؓ سے کہا بیٹے! میرے جسم کی کوئی ایک انچ جگہ بھی زخم سے خالی نہیں۔ میں نے بڑی بڑی جنگیں لڑی ہیں، مگر شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ موت تو آخر اپنے وقت پر ہی آئے گی۔ ایک موقع پر دشمن کا نیزہ آپ کے جسم سے آر پار ہو گیا، اگر جب زخم مندرل ہو گیا مگر وہاں پر ایک کڑا سا بن گیا تھا، جس میں لاکھ ڈال کمر عروہؓ بچپن میں کھیلنا کرتا تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی قوت، سرتلے اور دیگر وسائل کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔ مسلمان مادی لحاظ سے اگرچہ کمزور ہیں تاہم اگر قوت ایمان بھی موجود ہو تو پھر بھی مسلمان ناقابل تسخیر ہوتا ہے مگر افسوس کہ مسلمان اُس سے بھی محروم ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے کہ ایمان والو! اپنے دفاع کے لیے ہر مطلوبہ سامان مہیا کرو، جدید ترین آلات حرب سے لیں ہونے کی کوشش کرو اور پھر مناسب جتنی حکمت عملی کے تحت دشمن پر حملہ آور ہو۔ اور اس سلسلہ میں فَانْفِرُوا نِبَاتٍ اَوْ اَنْفِرُوا جَمِيعًا كَلَّكُمْ ہو کر ہوں کی صورت میں یا سب اکٹھے ہو کر مقصد یہ ہے کہ موقع کی مناسبت سے خواہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں حملہ آور ہو یا یکدم پوری قوت اور لشکر جمع کر دو۔ جس طریقے سے کامیابی کا امکان ہو، وہی طریقہ استعمال کرو۔ بعض اوقات کھلے عام ٹکڑے لینے کی بجائے گوریلا وار زیادہ مناسب حال ہوتی ہے ویٹ نامیوں نے امریکہ کے خلاف دس سال تک گوریلا جنگ لڑی جس میں تیس لاکھ آدمی ہلاک

جنگی
حکمت عملی

ہوتی ہے کہ اٹھ لاکھ ہماری جماعت کو کامیابی حاصل ہوئی مگر منافق ہمیشہ اپنے ذاتی نفع و نقصان پر نظر رکھتا ہے۔ مفاد حاصل ہو گیا تو خوش ہو گیا، ورنہ افسوس کسے نہ پٹھ گیا۔ مسلمان اور منافق کے تقابل سے بنانا یہ مقصود ہے کہ مسلمان من حیث الجماعت ہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ **يُدُّ اللّٰهُ عَنِ الْجَمَاعَةِ** جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، اُسے خداوند عالی کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ اور جب جماعت کی بجائے انفرادیت پیدا ہوگی تو پوری قوم خود غرضی کا شکار ہو جائیگی اور تباہی کے کنارے پر پہنچ جائے گی۔ **مَنْ شَدَّ شَدَّ فِي النَّارِ** جو جماعت سے علاحدہ ہو گیا وہ جہنم رسید ہو گیا۔ انفرادیت کی خاطر خود غرضی ہوتی ہے اور جب انفرادیت آتی ہے تو جماعت اور ملت خراب ہو جاتی ہے۔ اور مسلمان بحیثیت قوم مغلوب ہو جاتا ہے۔

طبری نے لکھا ہے کہ قرون اولیٰ میں مسلمان ایک مضبوط قوم کی حیثیت سے زندہ تھے۔ جب جنگ کے نتیجے میں قید ہونے لگے قیدیوں کا تبادلہ کیا جاتا تھا تو انہیں اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ چاہیں تو کافروں کے ساتھ واپس چلے جائیں اور اگر وہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا چاہیں تو انہیں خوش آمدید کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ اس طریقے سے اگر کوئی کافر قیدی مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا تھا تو مسلمانوں کو اس قدر خوشی حاصل ہوتی تھی۔ گویا انہیں دنیا و مافیہا کی ہر چیز پیش کر دی اور اگر کوئی ایک مسلمان بھی کفار کے ساتھ جاملتا تھا تو مسلمانوں پر عزم و اندوہ کے سپاٹ ٹوٹ پڑتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہماری ساری دنیا ہی لٹ گئی ہے۔ مگر آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اپنے ملک پاکستان میں کتنے لوگ دائرہ اسلام سے نکل کر عیسائیت اور مرزائیت کی آغوش میں جا چکے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج ایسے واقعات سے ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب زیاں کا احساس تک باقی نہ رہے تو اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کو تعزیرات سے نکالنے کے لیے فرمایا **فَلْيُقَاتِلْ فِي**

سَبِيلِ اللَّهِ پس چاہئے کہ اللہ کے راستے میں لڑیں وہ لوگ الَّذِينَ
 يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی
 کو آخرت کے بدلے میں بمقصد یہ کہ اہل ایمان محض اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر
 جنگ میں کود جائیں۔ ان کا یہ جہاد، دولت، شہرت اور سلطنت کے لیے نہیں
 بلکہ اللہ کے دین کی بلندی کے لیے ہونا چاہیئے۔ اس مضمون کو سورۃ توبہ میں اس طرح
 بیان کیا گیا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ
 وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّهُمْ لَبَّوْا بِهِمُ الْجَهَنَّمَ اللَّهُ تَعَالَىٰ لَمْ يَكُن لَّهِمْ
 ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ مومن مال اور جان کی
 بازی اس لیے لگاتا ہے کہ اسے ایمان میں کمال حاصل ہو جائے، اور اس کی ذات
 میں قرآن کا اخلاق پیدا ہو جائے۔ وہ اس راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنا چلا
 جاتا ہے، یہی ایک مومن کی شان ہے۔ وہ اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے
 عزت اور ابدی مقام جنت کا ٹکٹ حاصل کرتا ہے۔ اس راستے میں رکاوٹ
 ڈالنے والے یا تو ملوک ہوتے ہیں یا غلط قسم کے مولوی اور پیر سی طاغوت ہیں۔
 کیونکہ قرآن پاک کی اصطلاح میں ہر وہ طاقت طاغوت ہے جو ایمانی اور قرآنی
 اخلاق کی تکمیل میں رکاوٹ بنتی ہے۔

اجر عظیم

اَكْفَرُ فَرَمَا وَصَنَ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَو كَوْنِي اللَّهُ
 کی راہ میں سروضر کی بازی لگادیتا ہے۔ فَسَيُقَاتِلُ تَوْخَوَاهُ وَهُ قَتْلُ كَمَر دِيَا جَائِي
 یعنی شہید ہو جائے اَوْ يُقَاتِلُ يَادِشْمَن پَر غَالِبَ آجَائِي۔ اللَّهُ تَعَالَىٰ فَتَج عَطَا
 کرنے، دونوں صورتوں میں فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا
 عنقریب ہم اُسے اجر عظیم عطا کریں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔
 تَكْفُلَ اللَّهُ لِلْمَاجَاهِدِينَ اللَّهُ تَعَالَىٰ نَعْتَجِبُ رُوْلَ كُو ضَمَانَتِ نَحْنُ
 رکھی ہے۔ کہ اگر شہید ہو گیا تو اُسے اللہ تعالیٰ بلند ترین مرتبہ تک پہنچائیں گے
 اور اگر غازی بن کر آیا تو دنیاوی اعتبار سے بھی مستحق اجر ہوگا کہ اسے مال غیرت سے

حصہ ملیگا۔ جہاد اس قدر بلند مرتبہ چیز ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا **ذُرْوَةُ سَنَامٍ**
الْجِهَادِ یعنی اسلام کی بلندی جہاد میں ہے حدود اللہ جہاد کے ذریعے ہی قائم
ہو سکتے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد زندہ ہے گا، وہ غالب رہیں
گے۔ جب ضرورت پڑے گی میدان جنگ میں کودنے سے دریغ نہیں کریں
گے اور خود اپنے دفاع کو مضبوط رکھیں گے۔ اسی عمل میں ان کے لیے دنیا کی
عزت اور آخرت کی فلاح ہے۔

والدحضنت ۵
درس چہل ویک ۴۱
النساء
آیت ۴۵ تا ۴۶

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعِفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أُمَّهَاتُهَا
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ
نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا
أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٤٦﴾

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہے۔ کہ تم اللہ کے راستے میں
نہیں لڑتے حالانکہ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے کمزور کتے
ہیں، اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال کہ اس کے
رہنے والے ظالم لوگ ہیں اور بنائے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی سرکوتی
کرنیوالا۔ اور بنا دے ہمارے لیے اپنی طرف سے مددگار ﴿۴۵﴾ ایمان
رہنے والے لوگ لڑتے ہیں اللہ کے راستے میں اور وہ لوگ جنہوں نے
کفر کیا، وہ لڑتے ہیں طاغوت کے راستے میں۔ پس رلے ایمان
والو لڑو شیطان کے حمایتوں سے۔ بیشک شیطان کی تمہیر کمزور ہے ﴿۴۶﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔ دنیا
اور آخرت کی کامیابی کا انحصار اطاعت ہی پر ہے۔ جن لوگوں کو اطاعت نصیب ہو جاتی
ہے، ان کے دین میں سبھی آجاتی ہے، اجر عظیم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ

انہیں صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس کے نتیجے میں اطاعت گزار لوگوں کو آخرت میں انبیاء، اصدقا، شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے۔

معاملات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کفر و شرک کے علمبرداروں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ پھر اہل ایمان کو خصوصی خطاب فرمایا **خُذُوا حِذْرَكُمْ** یعنی دشمن سے بچاؤ کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کر لو۔ اسلحہ جمع کر لو اور پھر جنگی حکمت عملی کے تحت خواہ گروہوں کی صورت میں دشمن پر حملہ آور ہو جاؤ یا پوری طاقت کے ساتھ بجبار کی ٹکرا جاؤ، حالات کے مطابق دونوں صورتیں روا ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن کے مقابلے سے گریز کرنے والوں کو منافقین کے زمرہ میں شمار کیا اور فرمایا **كَلِمَةٌ طَرَفُهَا مِنَ اللَّهِ** کے باوجود بعض لوگ منافق ہیں۔ فرمایا مقابلے میں اگر مسلمانوں کو نقصان ہو جائے تو منافقین خوش ہوتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم ان کے ساتھ شامل نہیں تھے، ورنہ ہم بھی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان دشمن سے مقابلے میں کامیاب ہوئیں تو یہ لوگ کھنڈ افروز ملتے ہیں، اور حسرت کے ساتھ کہتے ہیں کاش کہ ہم بھی مالِ عنینت اور دیگر مفاد میں مجاہدین کے ساتھ شریک ہوتے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کی تشریح دی ہے۔ اور فرمایا کہ اہل ایمان قرآنی اصولوں پر مبنی اخلاق اور آخرت کی فلاح کے لیے اپنی ہر چیز قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ بوقتِ ضرورت جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ جہاد اور اس سے متعلقات کا سلسلہ آگے تقریباً چھ رکوع تک چلیگا۔ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مومن محض اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، اُس کے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد ہرگز نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا اہل ایمان کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے **وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ**۔

جہاد فی سبیل اللہ

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ کے راستے میں لڑائی نہیں کرتے۔ یہ پہلی بات ہے۔ فسبیل اللہ کا ذکر قرآن پاک میں کثرت سے ملتا ہے۔ اور اس سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اہل ایمان کی دشمنی کے ساتھ جنگ نہ کسی ذاتی مفاد کے لیے ہے، نہ ہوس ملک گیری ہے اور نہ نسلی، وطنی یا زبان کی بنیاد پر کسی کی مخالفت مقصود ہے، بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کا واحد مقصد اعلائے کلمتہ اللہ ہے۔ اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب آجائے اور اہل دنیا پر ثابت ہو جائے کہ کَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعَلْيَا مُرْتَمًا بِرِ اللّٰهِ کی بات کو ہی برتری حاصل ہے۔ اسی موضوع کو سورۃ فتح میں یوں بیان کیا گیا ہے "هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلى الدِّيْنِ كُلِّهِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکھ بھیجا ہے تاکہ اسے ادیانِ عالم پر غالب کیا جاسکے۔ چنانچہ جب تک مسلمان جہاد کے لیے کمر بستہ ہے، کامیابی ان کے قدم چومتی رہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد قائم تھا لہذا مسلمانوں کو ہر میدان میں جیت لیکر کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اُس وقت نہ کوئی فرقہ تھا، نہ پارٹی اور نہ اہل اسلام میں اختلاف رائے تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا اپنا زمانہ مبارک پھر شیخین حضرات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی چھ سال کا عرصہ تادمِ تاریخ اسلام میں نمونہ کے طور پر محفوظ ہے۔ جو امور اس نمونہ کے مطابق انجام دیے جائیں گے، وہی درست ہوں گے، اس نمونہ سے ہٹ کر انجام پانے والے امور کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں مسلمان آدھی دنیا پر چھائے گئے تھے، دلیل اور حجیت کے اعتبار سے تو حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے، تاہم مذکورہ پچاس سالہ دور میں اہل اسلام کو دنیا میں سیاسی غلبہ بھی حاصل تھا۔ اس لحاظ سے جہاد کو عبادت کا درجہ حاصل ہے فقہائے کرام باب باندھ کر سمجھاتے ہیں کہ عقیدے کی درستگی کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد پانچ عبادت

فرض ہیں۔ عام طور پر جہاد فرض کفار پر ہے۔ جب مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کے لیے ہر وقت تیار ہو تو پھر تمام لوگوں پر جہاد ضروری نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات اگر حالات کا تقاضا ہو تو جہاد ہر مسلمان پر فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ ان آیات میں اسی بات کی توجیہ دلائی گئی ہے۔ کہ مسلمان ہر وقت ضرورت اللہ کی راہ میں کیوں نہیں لڑتے، دین حق کی تبلیغ کا فریضہ کتنے لوگ ادا کرتے ہیں۔ ذاتی مفادات کے لیے کتنے بے بسے سفر کیے جاتے ہیں مگر اعلان کلمۃ کے لیے کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ کفر اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہے مگر مسلمان لہو و لعاب اور کھیل تماشے میں مصروف ہے۔ وہ دین حق کو غالب کرنے کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کرنے سے کیوں گھبراتا مولانا عبید اللہ سندھیؒ ہمارے انقلاب پسند اکابرین میں سے ہیں آپ انگریزوں کے سخت خلاف تھے۔ وہ آپ سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ حجاز کے قیام کے دوران مولانا کے پیچھے جاسوس بھیجتے تھے تاکہ معلوم کیا جاسکے ہمارے خلاف کیا تدبیر کر رہے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ جہاد کے راستے میں رکاوٹ بننے والا ہر فرد منافق ہے، خواہ وہ مولوی ہو یا پیر سلطان ہو یا بادشاہ، سرمایہ دار ہو یا دہریہ۔ فرماتے ہیں۔ کہ ملوک و سلاطین اکثر جہاد کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اور انہوں نے فی سبیل اللہ کا نظریہ ہی خراب کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک صحیح اور غلط کا کوئی معیار مقرر نہیں بریت المال کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر اپنی من مانی کارروائیوں پر صرف کرتے ہیں۔ انہوں نے دین کا نظام ہی درہم برہم کر دیا ہے ان کی حمایت علمائے سو کرتے ہیں، پیرانچی پشت پر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح وہ غلط فتنوںے حامل کر کے اپنے مذہب مخالف کو پاپیہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح عوام بچاے ظلم کی چکی میں پستے پستے ہیں ہر صاحب اقتدار اپنے اقتدار کی بقا کے لیے ہر جائز ناجائز کام کر گزرتا ہے اور پھر عالمی سطح پر اقتدار کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ آج دنیا میں روس اور امریکہ کے درمیان کیا ہو رہا ہے، محض اقتدار کی ہوس ہے ہر کوئی دنیا میں اپنی چودھراہٹ چاہتا ہے

جہاد کی راہ
میں رکاوٹ

چین اور روس ایک ہی اشتراکی نظریہ کے حامل ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہیں۔ محض اقتدار کی بھوک ہے کہ کسی طرح دنیا میں برتری حاصل ہو جائے زیادہ سے زیادہ ممالک ان کے مہنوا ہو جائیں۔ یہ سب مادیت پرستی کا نتیجہ ہے۔ کافر مال و دولت اور اقتدار کے لیے جنگ لڑتا ہے۔ مگر ایک سچا مسلمان اللہ کے دین کی خاطر جہاد کرتا ہے۔ کفر و اسلام کا یہی طرہ امتیاز ہے۔

نظریہ
حق و باطل

تاریخ عالم پر نظر ڈالنے میں تو معلوم ہوتا ہے کہ غیر اقوام محاذ جنگ پر جانے والے سپاہیوں کے لیے عیاشی کے تمام سامان مہیا کرتی ہیں کیونکہ ان کا مقصد ملک گیری ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ہزاروں ٹن شراب سپاہیوں کو پلائی گئی، ہستی کو اُتھج عیاشی کے لیے عورتیں بھی مہیا کی گئیں، اس جنگ میں امریکہ کے جاپان پر حملہ کے نتیجے میں ہوا لاکھ صرحمی بچے پیدا ہوئے، اتنی کثیر تعداد میں جاپانی عورتیں امریکی سپاہیوں کی ہوس کا نشانہ بنیں۔ یہ کہ الوت تو صرف پیدا ہونے والے ناجائز بچوں کے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا کچھ ہوا، وہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں اور فرانسیزیوں نے ان عورتوں کے لیے انعامات کا اعلان کیا تھا جو فوجی سپاہیوں کی خوش طبعی کے لیے اپنے آپ کو پیش کش کریں دوسری طرف فی سبیل اللہ کا نظریہ ہے۔ کوئی بدکاری اور عیاشی نہیں محض اللہ کے دین کی سربلندی مطلوب ہے، جب محمد بن قاسم حملہ آور ہوا تو ہندوؤں کی حسین ترین لڑکیاں استقبال کے لیے موجود تھیں مگر کسی سپاہی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آخر کیا وجہ تھی ان کا ایک ہی مشن تھا اور وہ یہ دین اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ہے اور اسی تعلیمات کو دنیا کے کرنے کو نہ تک پہنچانا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ انہوں نے اتنا لمبا سفر اللہ کے دین کی خاطر کیا ہے، انہ کہ ذاتی مفاد اور نمود و نمائش کے لیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا کی خاطر جہاد کرنے والے اور اپنی پہلوانی کا سکہ بٹھانے والے مجاہد کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ جاؤ تمہارے لیے میرے پاس کچھ اجر نہیں تم نے ریاکاری کے لیے جہاد کیا تھا، میری رضا مقصود نہ تھی، پھر حکم ہو گا کہ اسے لٹھا

کہ جنم میں بھینک دو۔

جوں جوں مسلمان جہاد کے فریضہ سے غافل ہوئے ہیں، بغیر اقوام کے اسلام پر مشرب خون مارنا شروع کر دیا ہے۔ وہ تو کفر کے پروگرام کو دنیا میں غالب دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے کفار کی تمام طاقتیں مشترکہ طور پر کوشش کر رہی ہیں مسلمانوں کو عیسائی اور مرزائی بنایا جا رہا ہے۔ کچھ نیم عیسائی اور کچھ دہریہ ہو چکے ہیں۔ سکول اور فرمی شفاخانے قائم کئے جا رہے ہیں اور خدمت خلق کی آڑ میں مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں اس کے برخلاف مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اپنی تمام توانائیاں عیاشی اور فحاشی پر خرچ کر رہے ہیں۔ کھیل تماشے سے دل بہلا رہے ہیں۔ بڑی بڑی کاروں اور کوٹھیوں کی ریس لگی ہوئی ہے۔ ہر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں بھاگا جا رہا ہے۔ اغیار انہیں دین سے برگشتہ بنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ جہاد سے منہ موڑ چکے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ عالمی سطح پر بڑی طاقتوں کے غلام بن چکے ہیں۔

اغیار کے
پروگرام

نزول قرآن کے زمانے میں مسلمانوں کا ایک مظلوم طبقہ مکہ میں کفار کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا تھا۔ مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا جہاد کا دوسرا سبب ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بیشک انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں یہ بات داخل ہے، کہ رفع الظالم من بین الناس یعنی مظلومین کو ظلم سے نجات دلائی جائے، جس طرح دین حق کی تبلیغ انبیاء کا فرض منصبی ہے اسی طرح ظلم کی یخ کنج بھی اُن کے فرائض میں داخل ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ سے جن امور کی رعیت لی تھی، ان میں عون الضعیف و نصی المظلوم یعنی کمزوروں کی اعانت اور مظلوم کی مدد بھی شامل تھی۔ چنانچہ فتاویٰ کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر کوئی ظالم مشرق میں کسی مسلمان عورت کو قیدی بنائے تو مغرب کے سارے مسلمانوں پر فرض عائد ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس مظلوم کو رہا کر لیں اور نہ سب گنہگار ہوں گے۔

رفع الظالم
مظلوم کی مدد

آج دنیا میں لاکھوں مظلوم ظلم کی چچی میں پس ہے ہیں مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رہتی۔ گذشتہ تین سال میں دس لاکھ کابلی ہلاک ہو چکے ہیں دس ہزار زندہ بانڈوں کو گٹرھوں پر پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی گئی اور وہ بچائے زندہ درگور ہو گئے۔ ان پر ہونے والے ظلم کا جواب کون دے رہا ہے ان کی تکلیف کا کس کو احساس ہے عالمی سطح پر کانفرنسیں تو ہوتی ہیں مگر ان کے دکھ کا کیا مداوا ہو سکا ہے مسلمان ممالک ان کی کیا مدد کرے ہیں۔ محض بیان دینے سے کسی کی تکلیف رفع نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے عملی قدم اٹھانا ہوگا۔ جب مصریوں پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے تو عالم اسلام نے کیا مدد کی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے نہر سوئز پر سوا لاکھ مصریوں کو ہلاک کر دیا، اربوں روپے کا مالی نقصان ہوا، مگر کون پوچھنے والا ہے۔

کمزوروں کی امداد ہمارا جزو دین ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لا تظلموا ولا تظلموا یعنی نہ خود کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی کے ظلم کو برداشت کرو۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے والا جذبہ مسلمانوں میں باقی نہیں رہا۔ امیر شکیبے اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں لکھا ہے کہ جب اٹالین طرابلس میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا ہے تھے تو میں نے اپنے قریب پچاس کے قریب ایسے نوجوان دیکھے جن کی شکل و صورت عربوں سے مشابہ نہ تھی۔ میں نے دریافت کیا، تم کون لوگ ہو۔ کہنے لگے ہم کابل سے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ ظلم کے خلاف جذبہ انسانی ہمدردی انہیں کابل سے طرابلس لے گیا۔ مگر اب وہ چیز کہاں؟

مکہ کے
مظلوم مسلمان

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مسلمانوں کا ایک کمزور طبقہ مکہ میں رہ گیا تھا جو ہجرت پر قادر نہیں تھے اور کفار کے ظلم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ یہ کون لوگ تھے
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَمْرُؤْنَ
عورتوں اور بچوں پر مشتمل ایک نہایت ہی کمزور طبقہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ انہی لوگوں میں شامل تھے کافروں نے

انہیں زنجیروں میں جبڑ رکھا تھا اور انہیں طرح طرح کی تکالیف دی جاتی تھیں
 سلمہ بن ہشامؓ، ولید بن ولیدؓ اور ابو جندلؓ وغیرہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔
قید و بند کے دوران یَقُولُونَ وہ لوگوں دعائیں کرتے تھے۔ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اهْلُهَا پروردگار!
 ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے باشندے ظالم لوگ ہیں اور ساتھ ہی
 بھی کہتے تھے۔ اے مولا کریم! وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا
 اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی بنا لے۔ جو ہمیں اس ظلم سے نجات دلا سکے۔
وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ ذَصِيْرًا اور اپنی طرف سے ہمارے
 لیے کوئی مددگار بنا لے۔ انہی حالات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی توجہ اس طرف دلا ہے
 ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی۔ خود حضور علیہ السلام بھی مدینے میں اُن
 کے لیے دُعائیں کرتے تھے اور نماز میں تسنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ
 قید سے آزاد ہو کر مدینے پہنچ گئے۔ حضور علیہ السلام نے قنوت نازلہ پڑھی چھوڑ
 دی تو صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! آپ قنوت کیوں نہیں پڑھتے۔ فرمایا
 دیکھتے نہیں جن لوگوں کے لیے دُعائیں کی جا رہی تھیں ان میں سے ابن ہشامؓ
 ولیدؓ اور ابو جندلؓ وغیرہ مدینہ پہنچ چکے ہیں۔ اور پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ
 نے اپنی طرف سے حمایتی بھی پیدا کر دیا۔ آپ نے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کو مکہ
 کا گورنر مقرر فرمایا۔ عتاب بن اسیدؓ بڑے ذہین اور سنجیدہ قسم کے انسان تھے۔
 انہوں نے مظلوموں کی خوب مدد کی اور احسن طریقے سے امن و امان قائم کیا، اللہ
 نے اُن کی یہ دُعا بھی قبول فرمائی۔

آگے پھر وہی بات دہرائی جا رہی ہے الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ
رَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ جو اہل ایمان ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرتے ہیں، ان
 کا مقصود و مطلوب محض رضائے الہی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنا

اللہ اور
 طاغوت کے راتے

چاہتے ہیں۔ بر خلاف اس کے وَالَّذِينَ كَفَرُوا كَافَرُوا كَاشِفُوهُ یہ ہے کہ يَقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں اور طاغوت
 کا معنی ہی یہ ہے كُلُّ مَا أَضَلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ہر وہ طاقت جو
 اللہ کے راستے سے روکتی ہے، وہ طاغوت ہے۔ اس میں وہ ملوک ہلاطین
 وغیرہ سب آجاتے ہیں جو اعلانے کلمۃ اللہ کے مخالفت میں شیطان بذات خود طاغوت
 ہے اور اس کا یہی مشن ہے۔ اللہ نے اپنے تمام انبیاء پر یہی وحی بھیجی أَنِ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَاحِبِّ تَبِئُوا الطَّاغُوتَ یعنی اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کو
 چھوڑ دو۔ دنیا میں جو کوئی جہاں بھی کسی پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے طاغوت کی فہرست
 میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد طاغوتی پرہیزگاروں کا غلبہ ہے۔

اللَّهُ تَعَالَى ارشاد فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو! فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ
الشَّيْطَانِ شیطان کے دوستوں سے مقابلہ کرو۔ ان کے خلاف جہاد کرو کیونکہ
 وہ اس کے جہانتی ہیں اور کفر کے پرہیزگاروں کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ اور یاد رکھو
 ایمان والو! إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا شیطان کی تدبیر بالکل
 کمزور ہے اگرچہ شیطان کے مکر و فریب کا جال بہت وسیع ہے مگر اللہ کے نزدیک
 اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں عورتوں کے
 مکر و فریب کے متعلق فرمایا إِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيمًا کہ تمہاری ہیکاریاں بہت
 زیادہ ہیں۔ شیطان عورتوں ہی کو اپنا جال بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے لہذا وہ عورتوں سے
 بھی بڑا دھوکہ باز اور مکار ہے۔ تاہم اگر مومن صحیح راستے پر گامزن ہو جائیں۔
 دین کے غلبے کے لیے کھربستہ ہو جائیں تو پھر اللہ ان کا حمایتی بن جائیگا۔ اور جس
 کا حمایتی خود اللہ بن جائے، شیطان اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسی لیے
 فرمایا کہ شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔ سورۃ آل عمران میں گمراہ چکا ہے۔ ”إِنَّ
يَتَصَّرَكُمُ اللَّهُ فَتَلَّوْا عَلَيْهِ كَمَا يَتَصَّرُكَمُ اللَّهُ فَتَلَّوْا عَلَيْهِ كَمَا يَتَصَّرُكَمُ اللَّهُ
يَخَذُكُمْ فَمَنْ فَالَّذِي يَتَصَّرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ“

اگر خدا تعالیٰ کی مدد تمہارے سے شامل حال ہوگی تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر تمہاری بد عقیدگی اور بد عملی کی وجہ سے خدا تمہیں رسوا کر دے تو اس کے علاوہ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ تم لاکھ دنیا کی طاقتوں پر بھروسہ کر دو اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، تمہیں عزت و آبرو حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی حمایت اور مدد حاصل کرنے کے لیے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جاؤ۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ
 وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ
 عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ
 النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا
 رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا
 إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قَدْ مَتَاعَ الدُّنْيَا قَلِيلٌ
 وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ
 فَتِيلًا ﴿۸۸﴾ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ
 وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کو کہ اُن سے کہا
 گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ
 پس جب فرض کی گئی اُن پر لڑائی، تو اچانک اُن میں سے ایک گروہ
 ایسا ہے جو ڈرتے ہیں لوگوں سے، جیسا کہ اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے
 یا اس سے بھی زیادہ ڈر۔ اور اُن لوگوں نے کہا، اے ہمارے
 پروردگار! تو نے کیوں فرض قرار دے دیا ہے ہمارے اوپر لڑائی
 کو۔ کیوں نہیں تو نے مؤخر کیا جہیں تھوڑی مدت تک۔ اے پیغمبر!
 آپ کہ دیجئے، فائدہ دُنیا کا بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے

اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ایک دھاکے کے برابر بھی ﴿۵﴾ جہاں بھی تم ہو گے پالے گی تم کو موت، اگرچہ ہو تم مستحکم قلعوں میں۔

ربط آیات

یہ آیات بھی جہاد ہی سے متعلق ہیں اور یہ سلسلہ اس سورۃ مبارکہ میں دوڑتا چلا جائے گا۔ گذشتہ رکوع کی ابتداء میں اہل ایمان کو اپنے دفاع کی تلقین کی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ موقع کی مناسبت سے گروہوں کی شکل میں حملہ کرو یا یکبارگی پوری قوت میدان میں لے آؤ، دشمن کا مقابلہ بہر حال کرنا ہے، پھر جہاد سے اعراض کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ منافق لوگ جیلے بہانے سے جہاد میں شرکت سے گریز کرتے ہیں۔ اسبابِ قتال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا ایک مقصد تو اللہ کے دین کو غالب کرنا اور دوسرا مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا ہے۔ اس کے بعد جہاد کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ اہل ایمان اللہ کے راستے میں، اُس کے دین کے قیام اور اُسے غالب بنانے کے لیے جہگ کرتے ہیں۔ بہر خلاف اس کے کافر، مشرک، منکر دین و توحید شیطان کے راستے میں لڑتے ہیں۔ وہ دنیا میں شیطانی پروگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ ملوکیت یا ڈیٹھیسٹرشپ اسی طاعناتی پروگرام کا حصہ ہے۔ شیطانی پروگرام اللہ کے دین کی بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جن کی بنیاد ملک گیری، نسل پرستی، زبان یا علاقائیئت پر ہوتی ہے۔ اور مقصود مال و دولت، اقتدار اور شہرت ہوتی ہے۔ مسلمان صرف خدا کے دین کی بندگی کے لیے جہاد کرتا ہے اُس کے پیش نظر ہمیشہ کَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ہوتا ہے۔ فتنہ و فساد کی بیج کنی اور مظلوموں کی مدد اُس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ یہی عظیم مقصد انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں بھی داخل ہے۔ بہر حال وہاں پر جہاد کی ترغیب اور اس راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور آج کی آیات میں جہاد کے مبادی کا ذکر کیا گیا ہے۔

مکی زندگی کے تیرہ، چودہ سال اہل ایمان کو لڑائی کرنے کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ اُس وقت مسلمان کمزور تھے اور ایسی حالت میں "اور دشمن سے مقابلہ مناسب حال نہیں

جہاد کی
عدم اجازت

تھا۔ پناہ ارشاد ہوتا ہے الْحَرَّتَيْنِ کیا نہیں دیکھا تم نے اے مخاطب اہل بیت بعض گذشتہ دروس میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ یہاں دیکھنے سے مراد رویت لہری نہیں بلکہ روایت قلبی ہے جس کی بنیاد علم پر ہوتی ہے۔ امام ابن جریر اور بعض دوسرے اہل لغت نے بھی یہی فرمایا ہے کہ روایت ہمیشہ چشم دید ہی نہیں ہوتی بلکہ ایسا اوقات یہ علمی روایت بھی ہوتا ہے۔ اس کی کئی ایک مثالیں پہلے بھی گزر چکی ہیں اور آئندہ بھی قرآن پاک میں آتی رہیں گی جیسے الَّذِينَ حَرَّجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ (سورۃ بقرہ) یا سورۃ فجر میں یوں آتا ہے الَّذِينَ حَرَّجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ (سورۃ فیل میں بھی ہے) الَّذِينَ حَرَّجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ اسی طرح اس آیت میں بھی الَّذِينَ حَرَّجُوا کا لفظ ہے۔ اور مقصد ان تمام کا رویت قلبی یا رویت علمی ہے نہ کہ عینی مشاہدہ بہر حال فرمایا کیا آپ نے نہیں دیکھا الَّذِينَ قَبِلَ لَهُمُ ان لوگوں کی طرف کہ جن کو کہا گیا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ اپنے ہاتھ روک لو۔ ابھی دشمن کے مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ سبکی دور میں ایمان والوں کو بڑی بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں، وہ ان مصائب سے تنگ آ کر دشمنان دین سے ٹکرا جانا چاہتے تھے مگر اللہ نے فرمایا کہ ابھی قتال کی اجازت نہیں ہے تم فریاد نہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ اس امت میں میں اولین شخص ہوں جس نے ایک کافر پر ہاتھ اٹھایا۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کسی درے میں نماز ادا کر رہے تھے، کہ ایک کافر کو علم ہو گیا، وہ نماز کی حالت میں ہی مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، حضرت سعدؓ کے قریب ہی اونٹ کے جھڑے کی ہڈی پڑی تھی۔ آپ نے اٹھا کر کافر کے سر پر ڈالے ماری جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ تاہم مکہ کے قیام کے دوران صبر و تحمل ہی کی تلقین کی جا رہی تھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ انہیں دو دفعہ ہجرت پر بھی مجبور کیا گیا، ان مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شامل تھے مگر

جلد ہی واپس آگئے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ روک رکھے تھے اور اس کے لیے مناسب موقع کا انتظار تھا۔

ابتدائی تربیت

کسی انقلابی پیدوار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تربیت یافتہ جماعت کی تشکیل ضروری ہے۔ تربیت کے بغیر کام شروع کرنے سے کامیابی کے امکان روشن نہیں ہوتے۔ مکی دور میں اگرچہ مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے اور وہ کفار کا مقابلہ بھی کرنا چاہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ انہیں میدان جنگ میں لانے سے پیشتر ان کی تربیت کرنا چاہتا تھا تاکہ جس وقت اصل مقصد کی طرف رجوع کریں تو انہیں ناکامی کا متہ نہ دیکھنا پڑے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تربیت کے لیے یہ دو اصول بنائے وَاقِمْ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ

یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ گویا یہ تمہارا ابتدائی نصاب ہے جب ان پر کاربند ہو جاؤ گے تو تمہارے اندر ایک تربیت یافتہ جماعت تیار ہو جائے گی جو دشمن سے ٹکر لے سکیگی۔ سورۃ مزمل مکی زندگی کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے

وطلح بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے فَبِالْآيِلِ کہ آپ رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کریں تاکہ ابتدائی تربیت مکمل ہو سکے۔ جب یہ تربیت مکمل ہو جائیگی تو پھر جنگ کرنے کی اجازت بھی دیدی جائے گی۔ ساتھ یہ بھی فرمایا

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِنْدًا معبود پرہتق اللہ کی ذات ہے اور اسی کو کارساز چڑھو تاہم اس کے ساتھ ساتھ ظہری اسبابِ علی کی بھی ضرورت ہے۔ سامانِ ضرب و

حرب بھی اکٹھا کرنا ہوگا، تاکہ دشمن پر پھر پورا وار کیا جاسکے۔ اور اس ضمن میں فرمایا خُذُوا حِذْرَكُمْ اپنے دفاع کا سامان کر لو وَأَعِدُّوا لَهُمْ مِمَّا

اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ بھی فرمایا کہ پوری طاقت کے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ بہر حال مکی زندگی میں مسلمانوں کی تربیت پر ہی زور دیا گیا۔

عام مادی زندگی میں تربیت سے مراد فوجی تربیت ہوتی ہے۔ جس کا اہتمام دنیا کے تمام ممالک اپنی فوج کے لیے کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اولین تربیت یا ٹریننگ

وردی بہن کر خاص قسم کی ورزش یا پیڈ کڑنا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ ہوتی ہے مگر اس ٹریننگ کے ذریعے نہ تو تعلق باللہ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی مظلوم کو ظلم سے نجات دلانے کا جذبہ۔ جب تک یہ دو چیزیں کسی قوم میں نہیں پائی جائیں گے، امن کا قیام ممکن نہیں۔ امریکہ اور روس جیسی بڑی طاقتیں دنیا میں امن قائم کیوں نہیں کر سکیں؟ وجہ یہی ہے کہ ان کے تربیتی پروگرام میں وہ چیزیں شامل ہی نہیں جو امن و امان کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں۔ ان سے قیام امن کی امید محض عجبث ہے۔ یہ لوگ تربیت کے لیے لاکھ کالج اور یونیورسٹیاں بنا لیں، فوج جمع کر کے اسلحہ کے انبار لگالیں، مگر قیام امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں یہ غیر منہذب لوگ ہیں، کیونکہ اللہ کے نزدیک منہذب وہ قوم اور جماعت ہوگی جو اس کے مقرر کردہ تربیتی نصاب کا کورس مکمل کرے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، اس کے ذریعے تعلق باللہ قائم ہوگا۔ اور پھر زکوٰۃ دو کہ اس کے ذریعے تمہارے اندر مستحقین کے لیے جذبہ بہمدردی پیدا ہوگا۔ جب تم یہ تربیت مکمل کر لو گے، تو پھر اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا سے ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے اللہ کے دین کو غالب کر دو اور مظلوم کو ظلم سے نجات دلادو۔ ان دو اصولوں کے بغیر انسانی بہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی، دنیا میں شر و فساد کا بازار گرم رہیگا، بدکاری اور عیاشی ہوگی اور نسل بگڑے گی، لہذا اللہ کے دین کے قیام اور دنیا میں امن و امان کے دور دورہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تربیت کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ بہر حال مسلمانوں کی یہی زندگی ان کے لیے تربیتی دور تھا تا کہ ابتدائی ٹریننگ حاصل کر کے جماعت المسلمین کو مضبوط بنایا جاسکے جو آگے چل کر دین کے غلبہ کے لیے عملی قدم اٹھا سکے۔

اہم العبادات
نماز

نماز انسان کی بدنی عبادت اور جامع العبادات ہے۔ نماز کو ام العبادات المقربہ الی اللہ جی کہا گیا ہے کہ اللہ کا قرب دلانے والی عبادت کی جڑ اور بنیاد ہے یہ جماعت میں اتحاد و فخر پیدا کرتی ہے مسلمانوں کو تنظیم اور ڈسپن کا درس دیتی ہے

یہی نماز اجتماعیت، مساوات، طہارت اور انسانی بھدردہی سمجھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حاقہ میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب مؤاخذہ ہوگا، تو منافقوں سے پوچھا جائیگا کہ تم دوزخ میں کیسے پہنچے ہو، تو وہ کہیں گے۔ "إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ه وَلَا يَحْضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ" پہلی بات تو یہ کہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں تھا۔ اگر ایمان مضبوط ہوتا تو نماز ادا کرتا۔ اور دوسری بات یہ کہ مسکین کو خود کھانا کھلانا تو کجا کسی کو کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتا تھا۔ گویا خدا کا بھی دشمن اور انسانی سوسائٹی کا بھی دشمن۔ سورۃ مدثر میں بھی اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ جب اہل جنت مجرمین سے پوچھیں گے کہ تم دوزخ میں کس طرح آگے تو وہ کہیں گے "لَمْ نَكُ مِنْ الْمُصَلِّينَ" ہم نماز نہیں پڑھتے تھے "وَلَمْ نَكُ نَطْعَمْ الْمُسْكِينِ" اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ بہر حال نماز ایک بنیادی عبادت اور اہل ایمان کی اولین تربیت کا ایک حصہ ہے مگر انیسویں کا مقام ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد غیر نماز ادا نہیں کرتی۔ دس بیس سال گزر جاتے ہیں مگر نماز کا خیال تک نہیں آتا۔ دنیا کے باقی تمام امور شان و شوکت سے انجام دیے جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے حق کی پروا نہیں کی جاتی۔ نجات تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اگر ایمان موجود ہے تو ہو سکتا ہے کہ نجات حاصل ہو جائے مگر مجرم اور باغی ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

نماز تعلق باللہ کی استواری کا بہترین ذریعہ ہے انسان اس کے بغیر طہارت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ جب کوئی شخص نماز میں مناجات کرتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ کی صفت کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اسی لیے نمازیں قرآن پا پڑھنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔ نماز کے علاوہ قرآن پاک پڑھنے کا ثواب صدقہ خیرات سے بھی زیادہ ہے بلکہ نفعی روزے سے بھی تلاوت کا ثواب زیادہ ہے۔ قرآن پاک ایک ورد بھی ہے اور ہمارا مکمل پروگرام بھی۔ اس لحاظ سے نماز کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

زکوٰۃ کی
ادائیگی

تربیت کا دوسرا جزو زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ یہ بھی دور کے ابتداء میں ہی فرض ہو گئی تھی مگر اس کا نصاب مدنی زندگی کے دور کے سال میں مقرر ہوا۔ یہی زندگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اس حد تک تھی کہ اپنے مال کا کچھ حصہ غریب و مساکین اور دیگر نیکی کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔ مالی عبادات میں سے زکوٰۃ اہم ترین عبادت ہے۔ کیونکہ یہ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے متعلق مطلوب ہے۔ تو اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرنا بھی لازم ہیں۔ اس لیے مالی عبادت میں زکوٰۃ سرفہرست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ کفر شرک سے تائب ہو کر ایمان میں داخل ہو جائیں تو پھر ان کو دو لحاظ سے پرکھا جائے گا **فَإِنْ تَابُوا** اگر وہ توبہ کر لیں **وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا كُمْ فِي الدِّينِ** اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یہ بھی فرمایا **فَاتَّقُوا سَبِيْلَهُمْ** پھر ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یہ اب تمہارے بھائی ہیں۔ اب یہ تمہاری سوسائٹی کے رکن ہیں۔ ان کی جان و مال محفوظ ہے مقصد یہ کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان لانے کی ظاہری علامات ہیں۔ انہیں علاماتِ فارقہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہی کے ذریعے مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعے انسان کو دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں پہلا فائدہ توبہ ہے۔ کہ انسان کی اپنی تہذیب نفس ہوتی ہے۔ روحانی پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران میں گمز چکا ہے **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَّبْتُمْ** اپنی بہترین اور پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی اصل نیکی ہے اس سے سخی جیسی بزدلی خصلت دفع ہوتی ہے بخل بہت کم ہی رہتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا **أَمْ دَارٌ أَدْوَمٌ مِنَ الْبُخْلِ**

بخل سے بڑھ کر کسی روحانی بیماری ہے۔ جو اس سے نجات گیا وہ کامیاب ہو گیا۔
 فَرَمَا وَمَنْ يُؤَقِّ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
 فرمایا تمہیں نفس کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔ کوئی انسان شخص
 اچھے لباس، اچھے مکان اچھی سواری کے ذریعہ شائستہ اور منہذب نہیں بن جاتا بلکہ
 منہذب وہ ہے جسے شریعت منہذب قرار دے دے۔ اور وہ ایسا شخص ہے
 جس کے دل و دماغ میں رذائل کی جگہ پاکیزہ خصائل پیدا ہو جائیں اور یہ چیز زکوٰۃ
 کی ادائیگی سے بطریق احسن حاصل ہو جاتی ہے۔

اہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک
 انسان کا تعلق دو کے انسان کے ساتھ درست ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 مال دار کے مال میں یتیم، مسکین اور نادار کا حق رکھا ہے۔ فَرَمَا فِيْ اَمْوَالِهِمْ
 حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْسُورِ حَبِيبٌ مَا اسحق کو ادا
 نہیں کرے گا، اللہ کے ہاں مجرم تصور ہوگا۔ اصل کلام یہ ہے۔ کہ تمہیں
 نفس اور انسانی ہمدردی زکوٰۃ کے دو بڑے فوائد ہیں مگر آج مسلمانوں کی
 حالت یہ ہے کہ شادلیوں پر لاکھوں روپے اڑا دیں گے۔ اپنی نام و نمود کی
 خاطر سب کچھ کہہ گئے کہ تیار ہوتے ہیں۔ مگر اللہ کی مقرر کردہ زکوٰۃ کی ادائیگی
 سے لیت و لعل کہتے ہیں۔

مکی دور میں ایسے ایماندار بھی موجود تھے۔ جو کفار کے ظلم و ستم سے تنگ
 آکر ان کے خلاف جہاد کرنے پر بھی آمادہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔
 كَيْتَبُكُمْ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا اللہ تعالیٰ نے
 ہر چیز کا وقت مقرر کر رکھا ہے، لہذا قبل از وقت کوئی کام انجام دینا طلبہ
 نتائج نہیں دے سکتا۔ پھر جب مسلمانوں کی ابتدائی تربیت مکمل ہو گئی، ایک
 مضبوط جماعت تیار ہو گئی جو دشمن سے ٹکر لے سکے۔ تو پھر فَلَمَّا كُتِبَ
 عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ مدنی دور میں جب ان پر لڑائی فرض کر دی گئی۔

لڑائی سے
 اعراض

لَذَا فَرِيقٍ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ
 تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسے اللہ سے ڈرنا
 چاہیے اَوْ اَسَدًا خَشِيَةً بِاللَّهِ كَخَشْيَةِ اللَّهِ سے بھی زیادہ ڈرتا ہے
 مفسد یہ کہ اب جب کہ لڑائی لازمی قرار سے دی گئی ہے۔ تو ایک فریق کو یہ بات
 ناگوار گذرتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا گروہ ہے جو جہاد سے گریز
 کر رہا ہے۔ منافقین کے متعلق تو پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ کہ جہاد کا اعلان ان پر
 گراں گذرنا تھا اور وہ ہر جیلے بہانے سے اس میں شرکت سے گریز کرتے تھے
 ابھی پچھلے رکوع میں گذر چکا ہے وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ
 تم میں سے ایسے بھی ہیں جو پیچھے رہ جاتے ہیں یا تاخیر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جہاد
 میں شرکت پر آمادہ نہیں ہوتے۔ تاہم اکثر مفسرین کلام جن میں امام ابو منصور مائتد
 اور صاحب معالم التفریل بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس فریق کا
 ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد کمزور ایمان والے لوگ ہیں اگرچہ وہ منافق نہیں مگر ان
 پر لڑائی گراں گذرتی ہے وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا
 الْقِتَالَ اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم پر لڑائی کیوں
 فرض کر دی ہے۔ زبان سے ایسا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دل سے
 لڑائی کو برا نہیں سمجھتے بلکہ اسکی مشکلات کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اور
 ان کی زبان سے بے ساختہ اس قسم کے الفاظ نکل جاتے ہیں۔

اور اگر خدا نخواستہ جہاد پر ان کا اعتقاد ہی نہیں رہا، تو
 انہوں نے ایک فرض کا انکار کر دیا اور مجرمین کی فہرست میں شامل ہو گئے مگر ایسا نہیں
 ہے۔ بعض اوقات بات زبان تک بھی نہیں آتی بلکہ محض دل میں دوسو سے پیدا ہوتے
 ہیں کہ شاید ہم دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں اور مغلوب ہو جائیں یا ماسے جائیں اے حدیث
 کہتے ہیں۔ اور یہ قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ تاہم ایسی باتوں کو جی میں نہیں لانا چاہیے۔
پھر وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ

لے اللہ! ہمیں کچھ مزید ہمت دے دی ہوتی تاکہ ہمیں دشمن سے مقابلہ نہ کرنا پڑتا
کیونکہ اس میں مال و جان کا ضیاع ہے۔

لوگوں کے اس قسم کے خیالات کے متعلق حکم ہوا قُلْ اے پیغمبر! آپ
کہہ دیجئے مَتَاعَ الدُّنْيَا قَلِيلٌ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو بالکل تھوڑا ہے۔ یہ
زندگی کتنی لمبی ہو سکتی ہے، اس میں، پچاس یا سو سال، طے آ کر کار ایک دن ختم ہونا
ہے۔ تم زندگی کے اس معمولی سے فائدے کی خاطر آخرت کے اجر عظیم سے محروم
ہونا چاہتے ہو۔ یاد رکھو! وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى
خدا تعالیٰ سے خوف کھانے والے، کفر، شرک اور معصیت سے بچنے والے کے
لیے آخرت ہی بہتر ہے اسے اس دنیا کی کچھ پروا نہیں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ
جسے آخرت میں بہتری حاصل ہوگی، اُسے ابدی رحمت نصیب ہوگی۔ وَلَا
تُظَلَمُونَ فَتِيلًا اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا۔
ایمان اور جہاد کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اس لیے تم جہاد سے روگردانی کمرے
اپنے اجر میں کھی کیوں کرتے ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات لطیف پیرائے
میں بتا دی ہے۔ کہ دل میں برے دوسے نہ آئے دو۔ اگرچہ ان کا مواخذہ نہیں
ہے، پھر بھی حتی الامکان ان کو قریب نہ پھٹکتے دو، بلکہ جہاد پر کھربستہ ہو کر اللہ کی راہی
رحمت میں داخل ہو جاؤ۔

دنیا بمقابلہ
آخرت

اگے فرمایا، یہ دنیا کی زندگی بالکل عارضی ہے۔ یہ بہر طور ختم ہونے والی ہے۔
اِنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ اِيْدُرْكُمْ اَلْمَوْتُ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں
پالے گی اور تم اس سے بچ نہیں سکتے۔ گذشتہ سورۃ میں بھی گنہ چکا ہے۔ کہ اگر
تم لڑائی میں شامل نہ بھی ہو۔ تو تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔
ہو سکتا ہے کہ جنگ میں شریک ہونے والوں سے پہلے تمہیں موت آجائے۔
جس چیز سے انسان بھاگتا ہے وہی اس کے پیش آتی ہے۔ موت کا فرشتہ
تو ہر صورت پہنچ جائے گا وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ

موت سے بھتر
نہیں

اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں کیوں نہ بند ہو جاؤ۔ حضرت مولانا نور شاہ صاحب
 کاشمیری فرماتے ہیں مضبوط دیواریں اور قلعے فرشتوں کے سامنے ہوا میں اڑنے والے
 پرندوں کی مانند ہیں۔ جس طرح پرندوں کو ہوا چیرنے میں کوئی دقت پیش نہیں
 آتی اسی طرح ملک الموت اور دوزخ کے فرشتے بلا روک ہر مقام پر پہنچ جاتے ہیں
 لہذا تمہیں موت سے ہرگز خوف نہیں کھانا چاہیئے اور جہاد کے لیے ہمیشہ آمادہ رہنا چاہیئے۔

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ فَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ فَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ
لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿۸﴾ مَا أَصَابَكَ
مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ
سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ
رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۹﴾ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور اگر پہنچے ان کو بھلائی تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے ان کو کچھ برائی تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے (تیری وجہ سے ہے) لے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ کی جانب سے ہے پس کیا ہے ان لوگوں کو نہیں قریب کہ یہ سمجھیں کسی بات کو ﴿۸﴾ جو پہنچتی ہے تجھ کو بھلائی پس وہ اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور جو پہنچتی ہے تجھ کو کچھ برائی، پس تیرے نفس کی طرف سے۔ اور بھیجا ہے ہم نے تجھ کو لوگوں کے لیے خدا کا پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے

اللہ تعالیٰ گواہ (۷۹) جس شخص نے اطاعت کی رسول کی، بیشک اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو نہیں بھیجا

ہم نے آپ کو نگہبان بنا کر (۸۰)

۱۔ ربط آیات

گذشتہ رکوع میں منافقین کے متعلق یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ بعض لوگ ایسے ہیں لَمَنْ لَّيْذِطَّئِنَّ جُوهَدًا مِیْنِ شَامِلِ هُوْنِیْ كِیْلَی تَاخِیْرُ كُرْتِیْ هِیْنِ یَا بَاكِلِ شَرِیْكَ نِیْسِیْ هُوْتِیْ اِنُوْنِیْ نِیْ بَظَاہِرِ اِسْلَامِ تَبُوْلُ كُرْ رُكْحَاہِیْ مَكْرُ اِنِ كِیْ دِلِ اِیْمَانِ سِیْ خَالِیْ هِیْنِ۔ گزشتہ درس میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر ہوا تھا جو قتال کو ناپسند کرتے ہیں اور وہ لوگوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت بھی منافقین کے بارے میں ہی ہے۔ جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، وہ اس سے بچکے ہوئے تھے مگر جب یہ فرض ہو گیا۔ تو وہ گھبرانے لگے، بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نہیں بلکہ کفر و مسلمانوں کے متعلق آئی ہے۔ جہاد ایک مشقت طلب کام ہے اور اس کی ناپسندیدگی ایک طبعی امر ہے، انسان عام طور پر کمزور واقع ہوا ہے اور اسی کمزوری کی وجہ سے جہاد سے بچکچکا ہے، تاہم یہ لوگ ایماندار ہیں۔ بعض کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بھی وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جنگ جیسے مشکل کام میں نہیں پڑنا چاہتے تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ دُنْیَا كَا سَاوِ و سَاہَا نِ تُو بَاكِلِ تَحُوْرَاہِیْ اُوْر اِس كِیْ مَقَابِلِیْ مِیْنِ مِیْتَقِیْنِ كِیْ لِیْلِیْ اَخْرَتِیْ ہِیْتِ ہِتْرِ ہِیْ۔ دُنْیَا كِیْ زَنْدِیْ كِیْ تُو بَاكِلِ مَخْتَصِرِ ہِیْ، اَصْلِیْ تِیَارِیْ تُو اَخْرَتِیْ كِیْ دَائِمِیْ زَنْدِیْ كِیْ لِیْلِیْ ہُوْنِیْیْ چَاہِیْیْ اُوْر یِیْ زَنْدِیْ كِیْ اِچھِیْ اَعْمَالِیْ سِیْ ہُوْ كِیْ، لِنْدَا جِہَادِ اُوْر دِیْ كِیْ اَعْمَالِیْ صَاكِہِیْ سِیْ كُرْ یِیْ نِیْسِیْ كُرْ نَا چَاہِیْیْ، ہُوْتِیْ تُو پِنِیْیْ وَقْتِیْ پُرِ ہِیْرُ صُوْرْتِیْ اُنِیْ ہِیْ تَمِیْ اُسِیْ مَضْبُوْطِ قَلْبُوْنِیْ مِیْنِ ہَنْدِ ہُو كُرْ ہِیْ نِیْسِیْ مَالِیْ سَكْتِیْ، لِنْدَا زُوْلِیْ كَا اِظْہَارِیْ مَضِیْہِیْ نِیْسِیْ ہِیْ۔ بَلْ كِیْ اَخْرَتِیْ كِیْ حَصُوْلِیْ كِیْ لِیْلِیْ بُرْہِیْ چِڑھِیْ كُرْ كَامِ كُرْ نَا چَاہِیْیْ، اللہ تعالیٰ نے تہنیدہ فرمادی تاکہ اہل اسلام دین کے معاملہ میں کمزوری نہ دکھائیں۔

آج کی آیات میں بھی یہودیوں اور منافقین کے بعض قبیح نظریات کا رد کیا گیا ہے یہ لوگ خیر اور شر کو مختلف ذرائع کی طرف منسوب کرتے تھے اس آیت کو میرے میں حسنہ اور سیئہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اسے اتفاقی قرار دیتے ہیں۔ اور کسی تکلیف کی صورت میں اللہ کے نبی کو الزام دیتے ہیں۔ مفسر قرآن اہم بیضاوی فرماتے ہیں کہ حسنہ اطاعت اور نیکی کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق اچھی حالت پر بھی ہوتا ہے اگر کسی کو نصیب ہو جائے۔ سرسبزی، درختی، صحت وغیرہ حسنہ میں شمار ہوتے ہیں قرآن کی زبان سے یہی دعا سکھلائی گئی ہے۔

وَبَيْنَا آيَاتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً لِّأَنَّ اللّٰهَ اَجْمِلُ مَا فِي دُنْيَا مِنْ حَسَنَةٍ

بہتر سی یا بھلائی عطا فرما، یعنی ایسی بہتر اور اچھی حالت عطا فرما جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو۔ برخلاف اس کے سیئہ سے مراد بری حالت، تنگدستی، پریشانی، قحط سالی، فقر وفاقہ، بیماری اور شکست وغیرہ کی حالت ہے۔ ان دونوں حالتوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔ اور اس ضمن میں منافقین اور یہود کے نظریہ باطل کا پردہ چاک کیا ہے۔

نبی پر
الزائم تراشی

فرمایا وَإِنْ تَصِبُّهُمْ حَسَنَةً اور اگر ان لوگوں یعنی یہود و منافقین کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے۔ خوشحالی، آسودگی یا فتح حاصل ہوتی ہے۔

يَقُولُوا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَدْ كُنَّا مِنَ الْمُحْسِنِينَ

ہے منافقین اور یہود کا بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین کا منظر نہیں بلکہ ایسی بات وہ محاورے کے طور پر کہتے تھے کہ یہ ایک اتفاقی بات ہے جو اللہ کی جانب سے ہو گئی ہے اور دوسری طرف وَإِنْ تَصِبُّهُمْ سَيِّئَةً اگر ان کو کوئی مشکل پیش آجاتی ہے جنگ میں جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے، کوئی بیماری یا تنگدستی آجاتی ہے قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں يَقُولُوا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَقَدْ كُنَّا مِنَ الْمُحْسِنِينَ

اللہ کے نبی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تکلیف تمہاری طرف سے آئی ہے۔ یعنی

یہ تکلیف تمہاری بے تدبیری یا العیاذ باللہ نحوست کی وجہ سے پہنچی ہے۔ مفسرین کہہ کر فرماتے ہیں۔ کہ یہود و منافقین برا شگون بھی یلتے تھے۔ قحط سالی واقع ہوگئی، بارش رک گئی، پھل کم آیا تو کہتے تھے کہ یہ ان کی نحوست کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ پہلے ہم مدینہ میں بڑے خوشحال تھے۔ جب سے مسلمان یہاں آئے ہیں، ہم طرح طرح کے مصائب کا شکار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شگون کو فریے بھی شرک سے تعبیر فرمایا ہے الطیۃ من الشیء حالات کا آثار چرٹھا یا بناؤ بگاڑ تو اللہ کی مشیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ ان امور کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا شرک ہے۔ الغرض یہ لوگ اس قسم کے نظریات کا اظہار کر کے اپنی خباثت کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔ اور نبی پر الزام تراشی کرتے تھے۔

بھلائی
مخائب اللہ
ہے

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوا یا قُلْ كُلٌّ
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ آپ فرمادیجئے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے، کیونکہ
حقیقی موجد تو وہی ہے اور اس کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا
اُسودگی ہو یا بد حالی، فتح ہو یا شکست، صحت ہو یا بیماری، ہر چیز کا خالق خدا تعالیٰ
ہے، لہذا سب کچھ اسی کی جانب سے آتا ہے۔

منکرین کی
پرستی

فرمایا اِنَّ خَلْقَکَ وَاٰتِیَکَ لَہٗٓ اَنْتَ اَلطَّوَّعُ اَنْ لَّوْکُوں کو
کیا ہو گیا ہے لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیثًا یہ کوئی بات سمجھتے
ہی نہیں۔ اس طرح یہود و منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ لوگ کیسی المٹی
باتیں کرتے ہیں۔ کوئی راحت پہنچے تو اُسے اتفاقی امر کہتے ہیں اور تکلیف کا
سامنا ہو تو اللہ کے رسول پر الزام دیتے ہیں۔ حالانکہ میدانِ احد میں جو نقصان اٹھانا
پڑا، وہ اللہ کے رسول کی بے تدبیری کی وجہ سے نہ تھا۔ آپ نے تو بہترین جنگی
منصوبہ بندی کی تھی، مگر بعض مجاہدین سے کوتاہی ہوگئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح
شکست میں تبدیل ہوگئی۔ لہذا اللہ کے نبی پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ یہ ٹبری قبیح بات
ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض منصبِ انسانیت کے خلاف ہے
اسی طرح رسول خدا پر اہتمامِ سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ یہ بات اہمیت کے

الکے حصے میں سمجھائی گئی۔ تاہم انسانوں کی تادیب کے لیے فرمایا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ آپ کو جو بھی بھلائی پہنچے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کسی انسان کا اپنا کمال ہرگز نہیں۔ اگر خدا کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو نہ تم کو وجود ملتا اور نہ کوئی دوسری نعمت میسر آتی۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَأَصْبَحَ عَلَيْنَا نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ (سورۃ لقمان) اُس نے تمہارے لیے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل بنائی ہیں۔ وَمَا يَكُم مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (سورۃ نحل) تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے، سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ آرام و راحت، آسودگی و خوشحالی سب اللہ کا فضل ہے۔

فرمایا وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ اور جو تم کو تکلیف یا برائی پہنچتی ہے تو انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ اُسے اپنی کوتاہی پر محمول کرے۔ کہ ضرور ہم سے کوئی لغزش ہوئی ہے جس کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا خالق اور موجد تو اللہ ہے، البتہ اُس نے کسب کرنے کا اختیار انسان کو دیا ہے۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور جب کوئی نعمت ملے تو سمجھ لینا چاہیے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے مگر نہ ہم تو اُس کے بالکل مستحق نہ تھے۔ انسان کا جسم اور اس کے فائدے کی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت سے عطا کی ہیں اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو وہ انسان کی اپنی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی روایت میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کہ انسان کو جو بھی برائی پہنچتی ہے، وہ اس کی کسی لغزش، کوتاہی یا گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ کافر کے متعلق تو یہ بات واضح ہے۔ کہ کفر اور نفاق بذاتہ بری چیز ہے۔ اس سے انسان کی عقل، روح اور دل ناپاک ہو جاتے ہیں اور کافر پر اللہ کی لعنت برستی

رہتی ہے "لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" اسی طرح مشرکین بھی ملعون ہیں۔ استقامت والی روایت میں آتا ہے کہ جب مومنین بارش کے لیے دعا کی خاطر باہر نکلیں تو کسی کافر کو ساتھ نہ لے جائیں کہ وہ ملعون ہے اس پر خدا کی لعنت برستی ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ کی رحمت کو منسوبہ کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا ہمراہ ہونا درست نہیں۔ بہر حال فرمایا کہ کافر کو جو مشکل پیش آتی ہے وہ لازماً اس کی کوتاہی کا نتیجہ ہوتی ہے البتہ نیک لوگوں پر مصیبت کا آنا ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک نعمت ہوتی ہے جو ان کی بلندی درجاست کا ذریعہ بنتی ہے ابنیاء علیہم السلام کے متعلق تو یہ بالکل واضح ہے کہ نہ ان سے حقیقی گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں حقیقی سزا ملتی ہے۔ انہیں تکلیف ضرور پہنچتی ہے مگر وہ ان کے رفعت درجاست کے لیے ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ان کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔

ابراہیم کیلئے
درجہ عالیہ

ی لیے انکی معمولی سے معمولی لغزش پر بھی گرفت آجاتی ہے۔ تو یہاں پر سب سے سمجھائی گئی ہے اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھو۔ اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے اپنی ذاتی کوتاہی پر محمول کرو۔

وَ اِنْ سَلْتَنَا رَسُوْلًا فَهِيَ رَسُوْلًا مِّنْ رَّبِّكَ
کہ تمام انسانوں (اور جنات) کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کا رسول حقیقت میں اپنی اطاعت نہیں کرتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ رسول تو اللہ کا پیغام اسکی مخلوق تک پہنچاتا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرتا ہے تاہم اگر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی سمجھا دیا کہ کسی شخص کے لیے روایتیں کہ وہ خدا کے نبی کا معارضہ کرے یا اُس پر الزام لگائے، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے کہ انسان ہر مشکل کو اپنی کوتاہی پر محمول کرے۔

خود حسابی

گہ نشہ سورۃ میں بھی یہ بات سمجھائی گئی تھی کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہنچے تو خود احتسابی کے عمل کے ذریعے اُس کی وجوہات تلاش کرے تاکہ کسی کو وہ کوئی اور لغزش کا ازالہ کیا جاسکے۔ اس عمل کی واضح مثال جنگ قادسیہ کے موقع پر سامنے

آئی تھی۔ جب بعض محاذات پر مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تو سالار لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مجاہدین کو جمع فرمایا اور کہا کہ لوگو! ہمیں بعض محاذوں پر شکست کا سامنا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض آدمیوں کے دلوں میں خود غرضی پیدا ہو گئی ہے، وہ مفاد پرستی کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو اللہ تعالیٰ کے روبرو توبہ کرو۔ اپنی لغزشوں اور گناہوں کی معافی مانگو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اپنے دلوں سے تمام کدورتیں صاف کر دیں۔ پھر تین دن رات متواتر جنگ ہوئی اور اللہ کی مدد سے یہ عظیم معرکہ سر ہوا اور ایمان فتح ہو گیا۔

بہر حال ان تمام حقائق کو بے نقاب کرنے کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ یہ بات کو نہیں سمجھتے۔ یہاں یہ یَفْقَهُونَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی سمجھ، بوجھ اور فقاہت ہے۔ یہ لفظ متعدد احادیث میں بھی آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں دُعا فرمائی اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكُتُبَ وَفَقِّهَهُ فِي الدِّينِ اے اللہ! اس بچے کو قرآن پاک کا علم اور دین میں سمجھ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت عبداللہ کو قرآن کا وسیع علم اور فقاہت فی الدین عطا فرمائی۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ كُنِيَ بِاللَّهِ بِهِ خَيْرًا يُفْقَهُهُ فِي الدِّينِ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اُسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوتی ہے۔ منہ احمد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو ہر اُس شخص کو دیتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے مگر يُؤْتِي الدِّينَ مَنْ أَحَبَّ دِينَ كِي سَمَّهِ اُحَى كُو عَطَا كَرْتَا جِسْوَ سَمَّجَتَا هَے۔

قرآن و سنت میں تحقیق کا نام فقہ ہے۔ یہ ایک بلند پایہ چیز ہے جس میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں اور اس سے مہراؤ دین کی سمجھ ہے۔ جس طرح لوگ سائنس اور دیگر

تفصیلاً
فی الدین

علم فقہ اور
فقہائے کرام

علوم میں ریسرچ کر کے اس علم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن و سنت میں ریسرچ کر کے اس علم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن و سنت میں ریسرچ کا نام فقہ ہے۔ تحقیق کنندگان (RESEARCH WORKERS) اس کے ذریعے قرآن و سنت سے استنباط کر کے نئے نئے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں اور نئی نسلوں کے لیے دین کی سمجھ کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔

جن لوگوں نے قرآن و سنت میں تحقیق کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان میں امام بخاریؒ اور امام سفیان ثوریؒ بھی شامل ہیں مگر ان کی فقہ امام ابو حنیفہؒ کے مقابلے میں کمزور تھی کسی پوچھنے والے نے پوچھا کہ امام سفیان ثوریؒ بڑے فقیہ ہیں یا امام ابو حنیفہؒ۔ تو جواب دینے والے نے کہا کہ سفیان ثوریؒ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِمْ ہے، یعنی آپ بہ تکلف فقیہ ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ حقیقی فقیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فقہاء کا ایسا دوا فرما دیا، جو کسی دوسرے کے حصے میں نہ آسکا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

النَّاسُ عِیَالٌ عَلَیْ اَبِی حَنِیْفَةَ یعنی فقہ کے معاملہ میں باقی سب لوگ امام ابو حنیفہ کے بچے ہیں۔ ان سب نے امام صاحب سے ہی فقہ کا علم سیکھا بعض لوگ نادانی یا تعصب کی وجہ سے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کو نہیں مانتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن و سنت ہی فقہ کے اصل ماخذ ہیں اور ان کے بغیر اجتہاد ممکن نہیں ہے۔ لہذا حدیث کو تم کہہ کر کے کوئی شخص فقیہ کے منصب پر کیسے فائز ہو سکتا ہے۔ آپ کو ہزار ہا احادیث یاد تھیں، قرآن ان کا اور صاف چھوڑنا تھا جن کی بنا پر وہ اجتہاد کرتے تھے آپ کے شاگردوں نے بھی یہ فریضہ انجام دیا اور فقہ حنفی کے بارہ لاکھ مسائل مدون کیے اگر آپ کے بیان کردہ بعض مسائل درست نہیں ہیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا، ان پر عمل نہیں کیا جائے گا بعض غلط باتیں تو حدیث کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ لہذا امام صاحب کی بعض اغلاط کو بنیاد بنا کر فقہ کا انکار کرنا درست نہیں۔ غلطی سے پاک تو صرف نبی کی ذات ہے۔ کوئی انسان اس سے محفوظ نہیں لہذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر دور

بات کو تسلیم کر لیا جائے اور نادرست کو ترک کر دیا جائے۔ بہر حال امام ابو حنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے بلند فہم عطا کیا تھا۔ عبادت و ریاضت میں بھی آپ کا کوئی مُقابلہ نہیں آپ نے اپنی تحقیق کے ذریعے قرآن و سنت کے سمجھنے میں آسانی پیدا کی۔ حضور علیہ السلام کی احادیث مبارکہ کو فقہ کی صورت میں سہل کیا جس کو لوگوں نے دستور العمل بنا لیا۔

الغرض فرمایا کہ ان منافقین اور یہودیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ یہ حقیقت کو سمجھنے کی بجائے نبی کی ذات پر الزام تراشی کرتے ہیں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ فرمایا ہم نے آپ کو رسول بنا کر سب لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ انہیں آپ کی اتباع کرنی چاہیے۔ اور اگر یہ اپنی ہٹ دھرمی پر مصر ہیں تو فرمایا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے وہ سب حالات کو دیکھ رہا ہے اور ان منکرین سے خود ہی نپٹ لیگا۔

فرمایا مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی فرمانبرداری کی، حقیقت میں اُس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی کیونکہ رسول خود آمر نہیں ہوتا بلکہ اُس کا کام احکام الہی لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ وہ مبلغ ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے اوامر پہنچانے کا قطعی ذریعہ ہوتا ہے۔ اس واسطے اُس کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ اور اس سے جھجکنا کمزرا اور اس پر الزام لگانا قبیح فعل ہے۔

فرمایا وَمَنْ تَوَلَّىٰ جَسَدًا لَمْ يَتَوَلَّىٰ اللَّهَ جَسَدًا لَمْ يَتَوَلَّىٰ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت سے روگردانی کی۔

فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا، ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان یا داروغہ بنا کر تو نہیں بھیجا۔ آپ کا کام صرف پیغام پہنچانا دینا ہے ان کو پکڑنا پکڑنا کہ راہِ راست پر لانا آپ کا کام نہیں ہے لَنْ تَمَٰعَلِيكَ الْبَلَاغُ باقی ان لوگوں کی گرفت کرتا اور انہیں سزا دینا ہمارا کام ہے۔ ہم انہیں مقررہ وقت پر پکڑ لیں گے۔ کیونکہ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا سب کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ شہید کا معنی گواہ یا دیکھنے والا ہوتا ہے۔ کسی جگہ وکیل

رسول کی
فرمانبرداری

کا لفظ آیا ہے۔ کہیں ولی فرمایا ہے۔ کہ سب اللہ کی صفات ہیں۔ آپ ان پر دروغہ نہیں ہیں۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کو پہنچانے والے ہیں۔ روگردانی کمریوں سے اللہ تعالیٰ خود ہیٹ لے گا۔

النساء ۴

آیت ۸۱ تا ۸۲

والمحذنت ۵

درس چہل و چہارم ۲۴

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ ہمارا معاملہ اطاعت کا ہے پھر جب وہ نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات کے وقت ان میں سے ایک گروہ مشورہ کرتا ہے اس کے خلاف جو آپ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو کچھ وہ مشورہ کرتے ہیں پس آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کام بنیوالا ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو البتہ

وہ ضرور پاتے اس میں بہت سا اختلاف ﴿۸۲﴾

گذشتہ درس میں منافقین اور یہود کا یہ رویہ بیان ہوا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا الزام حضور نبی اکرم صلی علیہ وسلم کی ذات پر لگاتے ہیں کہ آپ کی بے تدبیری کی وجہ سے ایسا ہوا ہے یا پھر پڑاشگونہ لیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کی مدینے آمد کی وجہ سے ان پر سخت پڑی ہے (العیاذ باللہ) اللہ نے فرمایا یہ دونوں

ربط آیات

سے نکل کر چلے جاتے ہیں بَدِئَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عَيْدَ الَّذِي تَقُولُ اُنْ مِنْ سِے ایک گزردہ رات کو مشورہ کرتا ہے، اُس کے خلاف جو بات آپ نے کہی۔ بدیئت کا معنی اگھر ہوتا ہے۔ بدیئت رات گزرنے کو کہتے ہیں کیونکہ رات عموماً اگھر میں گزاری جاتی ہے۔ اور بدیئت رات کے وقت مشورہ کرنے کو کہتے ہیں۔ منافقین کی یہ روش بیان کی جا رہی ہے۔ کہ جب تک آپ کے ہاں بیٹھے رہتے ہیں، آپ کی فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔ پھر جب اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ تو رات کو عداوت میں آپ کے مشن کے خلاف مشورہ اور منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ کہ اسلام اور اہل اسلام کو کس طرح نقصان پہنچایا جائے۔ اپنی انہی سازشوں کی وجہ سے منافقین اسلام کے خلاف خطرناک ترین گروہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی سازشوں کو وقتاً فوقتاً بے نقاب کیا اور انہیں سخت سزا کی وعید سنائی۔ مذکورہ سازش کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يَبْتَغُونَ منافقین جو کچھ مشورہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُس کو لکھتا ہے۔ یعنی اُس کے فرشتے اُن کی ہر ہر حرکت کو نوٹ کرتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن یہی نوشتہ ان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ اُس دن تمام راز فاش ہو جائیں گے اور منافقین سخت سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔ کہ اِن کا تبیین تو ہر شخص کا ہر قول و فعل متواتر نوٹ کر رہے ہیں۔ اور ان میں منافقوں کی سازشیں بھی شامل ہیں۔ پھر یہی نوشتہ اعمال نامہ کی صورت میں اُن کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا۔

اللہ نے فرمایا کہ اِن لوگوں کی تمام تر کلمہ تو لوں کے باوجود فَاِنَّ رِضًا نَّهَضَتْ اَسْبَابًا اُنْ سِے اعراض کریں، اُن کی طرف توجہ نہ کریں۔ اور یہاں اشارتاً یہ بھی سمجھا دیا کہ منافقین یہ نہ سمجھیں کہ اُن کا راز فاش نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بوقت ضرورت آگاہ کرنا رہتا ہے۔ پیغمبر خود تو عالم الغیب نہیں مگر اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے۔ اپنے نبی کو غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر موجود ہے کہ اللہ نے پیغمبر علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بہت سی باتیں بتلا دیں۔ تو یہاں بھی مقصود

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دین کے پردہ گرام کے متعلق ان کے تمام شبہات دور ہو جاتے۔ انہیں قرآن کی حقانیت کا یقین آ جاتا، وہ جان لیتے یہ اللہ کا کلام اور اُس کی پاک صفت ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ اس میں پیش کردہ نظام تمام عیوب سے پاک ہے۔ یہ چیزیں قرآن میں غور و تدبر کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلکہ یہ لوگ قرآن پاک کی طرف متوجہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ اللہ کے دین سے اعراض کر رہے ہیں۔ اگر ایسا کسی غلطی سے ہوتا تو علحدہ بات ہے، انسان کی غلط فہمی کبھی نہ کبھی دور ہو جاتی ہے۔ مگر یہ تو ازلی ابدی عنادی ہیں۔ ان کا منتہائے مقصود مخالفتِ برائی و مخالفت ہے، لہذا پیغمبر علیہ السلام کو درگزر کرنا بھی ہدایت کی گئی ہے۔

قرآن پاک میں غور و فکر ہر انسان کے لیے پانے پانے درجے میں ضروری ہے مجتہدین اور علمائے کرام بھی اس میں تدبر کرتے ہیں۔ مجتہدین ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل استنباط کرتے ہیں اور علماء اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُن کے فہم میں بھی اضافہ ہوتا ہے البتہ علوم کا تدبر اتنا ہی ہے کہ وہ قرآن پاک کے معانی ہی سمجھ لیں۔ اس سے اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگی۔ جو ایمان کی جڑ ہے تو گویا ہر ایک کے لیے قرآن میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔ اس کو سمجھنے کا تو علم حاصل ہوگا اور پھر اس پر عمل کی نوبت بھی آئیگی۔ علم کے بغیر عمل کا درست ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی اعتقاد صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا قرآن پاک کا محکم از محکم تدبر یہ ہے کہ اس کے معانی ہی سمجھ لیے جائیں۔ یہی دانائی کی بات ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حقانیت کی دلیل کے طور پر فرمایا
وَكُوْنَكَ اَنْ مِنْ عِنْدِ عَلِيْرِ اللّٰهِ اَكْرِيْمِ اللّٰهِ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہونا لَوْجَدُ وَا فِيْهِ اَخْتِلَافًا كَثِيْرًا تُوْرَهُ اِسْ مِيْنَ
 بہت بڑا اختلاف پائے۔ قرآن پاک منجانب اللہ نبوی یہ واضح دلیل ہے۔ کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا اس کی مہر بات محکم اور اس کا ہر اصول

قرآن تضاد
 سے پاک ہے

مضبوط ہے۔ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی مخلوق کا کلام ہوتا تو اس میں جگہ جگہ تضاد پایا جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ جس ذات پاک کا یہ کلام ہے وہ علم محیط کا مالک اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہے۔ لہذا اس کی ہر بات سچی ہے۔ مخلوق میں سے ان صفات کی حامل کوئی ہستی نہیں۔ اس لیے اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں ضرور نقوص و عیوب اور تضاد ہوتا۔ قرآن پاک کی تمام آیات احد الحجاز میں داخل ہیں، یا معجز ہیں اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا معارضہ نہیں کر سکتا۔ نہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر سکتا ہے۔ اس میں ماضی اور مستقبل کی بیشمار غیب کی باتیں موجود ہیں مگر کہیں ذرہ بھر بھی تفاوت نہیں پایا جاتا، اس لیے فرمایا کہ یہ کلام اختلاف سے پاک ہے۔

قرآن مجید

قرآن پاک نے جو نظام پیش کیا ہے۔ ایسا مربوط نظام پیش کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں۔ نہ کوئی فرد واحد ایسا کر سکتا ہے اور کوئی جماعت، قوم، اسمبلی بلکہ تمام انسان اور جن ملکہ بھی قرآن پاک کی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔ خود قرآن پاک کا چیلنج ہے **وَلَوْ كُنَّا كَبَعَضَهُمْ لَبَعَضْنَا ظُهُورَهُمْ إِنْ كُنَّا كَافِرِينَ** وہ سب ایک دوسرے کے مدد و معاون ہی کیوں نہ بن جائیں، قرآن پاک کی ایک آیت کا معارضہ بھی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک آیت میں اپنی مصلحت رکھی ہے۔ اس لیے قرآن کا نظام بھی معجز ہے اور اس کی تعلیم بھی معجز ہے۔ اس کی صداقت کی یہ بھی ایک بین دلیل ہے کہ اس نے جو جماعت پیدا کی ہے اور جس نے اس پر عمل کیا ہے، اس پر اعتقاد رکھا ہے، وہ دنیا میں بے نظیر جماعت ہے۔ یہ صحابہ کرام کی جماعت ہے، جنہوں نے قرآن میں تدریس کیا اور اس پر حقیقتاً عمل کیا۔ انسانیت کی پوری تاریخ صحابہ کی مثال پیش نہیں کر سکتی، یہ خود قرآن پاک کا معجزہ ہے۔ یہ ساری چیزیں غور و فکر کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرآن پاک غور و تدبیر کی دعوت دیتا ہے۔

یہ قرآن پاک میں تدریس کا نتیجہ تھا کہ عربوں جیسی جاہل قوم نے دنیا بھر کی قیادت

سنبھال لی۔ یہ اسی قرآن کا اعجاز تھا۔ کہ اخلاقی طور پر انتہائی گھری ہوئی قوم اخلاق کی بلندیوں تک پہنچ گئی اور نادان اور بے سمجھ لوگ علم و حکمت کے دریا بہانے لگے۔ یہ سب قرآن پاک کی برکات اور اس کا اعجاز تھا۔ "ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" یہ شک و شبہ سے بالاکتاب ہے اس میں جن لوگوں نے شک و شبہ کا اظہار کیا وہ ان کی اپنی کج فہمی کا نتیجہ تھا۔ بھینگے آدمی کو ایک چیز دو نظر آتی ہیں۔ یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے یہ ان کے دماغ و نظر کی خرابی ہوتی ہے مگر درحقیقت ہر چیز اپنی اصل حالت پر ہی قائم ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں شک کرنے والوں کی اپنی عقل و فہم صحیح نہیں ہوتی، درنہ وہ کلام پر اعتراض کی جرات نہ کریں۔ کوئی بھی صاحب علم و عقل اس میں غور کرے گا تو اسے کوئی تفاوت نظر نہیں آئے گا، جس طرح قرآن کے الفاظ فصاحت و بلاغت کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں اس طرح اس کا نظام بھی بے مثال ہے اس کی حکمت و دانائی کا کوئی مقابل نہیں۔ یہ سب باتیں تدبر سے سمجھ میں آتی ہیں مگر منافقین اس کے لیے تیار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کی حقانیت پر انہیں یقین نہیں آتا اور وہ اللہ کے رسول کی مخالفت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذًا عَوَابِهِ
 وَوَرَدُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ
 الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾
 فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
 الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَن يَكْفِكَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

ترجمہ: اور جب پہنچتی ہے اُن کے پاس کوئی بات
 امن کی یا خوف کی تو اُس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ پلٹتے اُس
 کو رسول کی طرف اور اُن میں سے جو صاحب امر ہیں اُن کی طرف
 تو البتہ تحقیق معلوم کرتے وہ لوگ جو اس بات کی تحقیق کرتے
 ہیں (اس کو نکالتے ہیں) اُن میں سے اور اگر نہ ہوتا تم پر
 اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو تم شیطان کی پیروی کرتے، مگر
 بہت تھوڑے ﴿۸۳﴾ پس لے پیغمبر! آپ اللہ کی راہ میں لڑیں
 نہیں تکلیف دی جائیگی مگر تیرے نفس کو، اور برائیگتہ کریں
 ایمان والوں کو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے برائی اُن لوگوں کی
 جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا اور سخت سزا
 دینے والا ہے ﴿۸۴﴾

گذشتہ آیات میں منافقین کی مذمت بیان ہوئی تھی کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں مگر جب دہان سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور سیکھیں بناتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی تمام باتیں لکھی جاتی ہیں اور وہ قیامت کے دن سزا کے مستحق ہوں گے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے اعراض کریں، اور خدا کی ذات پر بھروسہ کئے ہوئے اپنا کام کرتے رہیں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کا سامنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین اور یہود کا شکوہ کیا کہ یہ لوگ قرآن پاک میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے اگر اس طرف توجہ دیتے تو جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس میں کوئی تعارض یا تخالف نہیں پایا جاتا۔ اس کے معارف بلند اور تمام اطوار صحیح ہیں۔ یہ علم و حکمت کا خزانہ ہے۔ اور اس کا لایا ہوا نظام بیمثال ہے۔ جب یہ چیزیں واضح ہو جائیں تو انہیں نبی کی ذات کے متعلق کوئی تردد باقی نہ رہتا اور کلام پاک میں کوئی شک نہ کرتے۔

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خبر کی بلا تصدیق و تحقیق تشریح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسلام کی ابتدائی جنگوں کے دوران لوگ محاذوں سے آنے والی خبروں کے منتظر رہتے تھے۔ اور پھر جو سبھی کوئی خبر پہنچتی اسے بلا تحقیق مشہور کر دیتے، حالانکہ جنگی حکمت عملی کے پیش نظر بعض چیزوں کی تشریح نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ اس معاملے میں منافقین اور یہود پیش پیش تھے۔ اور کمزور دل مسلمان بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَ إِذَا جَاءَهُمْ أَهْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ أَلَمٌ أَوْ فِ جِبِ ان ك پاس کوئی خبر آتی ہے، امن کی یا خوف کی۔ یہاں امن کی خبر سے مراد خوشخبری ہے، مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی، مال غنیمت حاصل ہوگی یا کوئی اور کامیابی ہوگی تو اسے امن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر شکست آگئی، جانی یا مالی نقصان ہو گیا تو اسے خوف کا نام دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب کوئی ایسی خبر پہنچتی ہے۔ تو منافقین

تشریح
ممانعت

شہری دفع اور دیگر ملکی نظم و نسق کی ذمہ داری حکام پر ہوتی ہے، اس لیے اس لیے معاملہ میں وہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر معاملہ عدلت و حرمت کا ہے یا کسی پتہ کے جاننا جائزہ کا ہے، اور اس میں شرعی فتویٰ کی ضرورت ہے تو پھر ایسا معاملہ علما و فقہاء کے سامنے پیش کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی علمی تحقیق و تجسس کی روشنی میں مسئلہ کا حل پیش کر سکیں۔ امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر میں حکام وقت اور علماء فقہاء کے دونوں گروہ شامل ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا، ہر نازک معاملہ کی پیشگی تحقیق از بس ضروری ہوتی ہے، وگرنہ کسی غلط فہمی یا غلط خبر کی وجہ سے بڑے سے بڑے نقصان کا خطرہ بھی ہو سکتا ہے روایت میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے کسی شخص کو ایک قوم کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا۔ جب یہ شخص اُس بستی کے قریب پہنچا تو وہ لوگ اُسے حضور علیہ السلام کے معزز نمائندہ سمجھ کر استقبال کے لیے بستی سے باہر نکلے۔ اُس شخص کی گاؤں والوں سے کچھ دیر نہ عدالت تھی، وہ سمجھا کہ شاید اُس عدالت کی بنا پر یہ لوگ مجھے ہلاک کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے حضور کا محض اُن لوگوں کو ملے بغیر واپس آ گیا اور اگر یہ مشہور کر دیا کہ وہ لوگ نہ صرف دین سے پھر گئے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے بلکہ مجھے مارنے کے لیے نکلے تھے۔ معاملہ بڑا نازک تھا۔ اہل اسلام ایک قوم کے ارتداد اور زکوٰۃ سے انکار کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر صورت حال کی تحقیق نہ کی جاتی تو قریب تھا۔ کہ اُن لوگوں کے خلاف کوئی فوری کارروائی ہو جاتی اور مسلمانوں کے مہتمم ہی مسلمانوں کا نقصان ہو جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی خبر پہنچے تو اس کی تحقیق کر لیا کہ سورۃ بقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اِنَّ جَاہِلِيَّةَ كُفْرًا قَالَتْ بِنَبَاٍ فَبَيِّنُوا اِنَّ كُفْرًا كُوِّنَ لِيَسِي وَيَسِي خَيْرٌ مِّنْهُ تُوِّنَا اس کی تحقیق کر لیا کہ وہیں نادانی اور جہالت کی وجہ سے کوئی نقصان نہ اٹھا بیٹھو۔ اسی سورۃ میں آگے تیرھویں

رکوع میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ کسی شخص کو غلط فہمی کی بناء پر کافر سمجھ کر قتل نہ کر دیا کرو بلکہ اسکی تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ بے گناہ مسلمان تمہارے ہاتھوں مارا جائے۔

دوران جنگ بعض ایسی خبریں جی پرائیگیڈ کے طور پر بھی پھیلانی جاتی ہیں۔ تاکہ دشمن پراس کا منفی اثر ہو۔ بعض اوقات اپنی کامیابی اور دشمن کی ناکامی کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخالف فریق کی فوج کو اعصابی طور پر کمزور کیا جاسکے اور عوام میں بددلی پھیلا دی جائے۔ سورۃ احزاب میں اللہ نے فرمایا کہ منافقین کا حال یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں ضعف پیدا کرنے کے لیے غلط پرائیگیڈ کرتے ہیں کہ ہم نے یہ کر دیا یا وہ کر دیا۔ موجودہ زمانے میں انگریز نے پرائیگیڈ کے ہتھیار کو مؤثر طور پر استعمال کیا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر خبر کو بلا سوچے سمجھے منتشر نہ کر دیا کرو بلکہ اس کے اہل لوگوں کے پیش کر دیا کرو اور پھر وہ جو کچھ فیصلہ کریں، اُس کے مطابق عمل کرو۔

استنباط
مسائل

اہم راہی فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ لَيْسَتْ بِطَوْنَةٍ سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نئے پیش آمدہ مسائل کا حل کلی طور پر نصوص سے نہیں ہو سکتا۔ نص تو ایسی چیز کہ کہتے ہیں جو قرآن پاک یا حدیث شریفہ سے صراحتاً ثابت ہو۔ نئے مسائل میں چونکہ نص موجود نہیں ہوتی۔ لہذا ان کا حل استنباط سے ہی ممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے معاملات، اللہ کے رسول یا صاحب امر کے پاس سے جاؤ جو استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر کوئی انتظامی نوعیت کا معاملہ ہے تو حکام وقت نپٹائیں گے اور اگر حدود شریعت کا مسئلہ ہے تو اہل علم کے سامنے پیش کرنا ہو گا۔ ہر شخص ہر مسئلہ میں خود مفتی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ قرآن پاک میں یہ عام حکم بھی موجود ہے **فَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** اگر تمہیں کسی معاملہ کا علم نہیں تو اہل علم سے دریافت کر لو، وہی اس کا حل پیش کریں گے

گو یا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں استنباط کا عظیم اصول بیان فرمایا ہے۔ استنباط کا لفظ
نبط کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی زمین کی تہ میں موجود مخفی پانی کو آلات کی
مدد سے نکالنا ہے۔ یہاں بھی استنباط سے مراد قیاس و اجتہاد کے ذریعے کسی
مسئلے کا استخراج ہے۔ یہ مجتہد کا کام ہے کہ وہ مسئلہ کی بنیاد تلاش کرے اور دیکھے
کہ اس کا تعلق کون سی دلیل کے ساتھ ہے۔ پھر اس میں غور و فکر کر کے پیش کردہ
مسئلہ کا حل پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ مجتہد کے پاس قطعی علم تو نہیں ہوتا کیونکہ
قطعی علم فقط نبی کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے۔ لہذا مجتہد کا اجتہاد ظن غالب پر مبنی
ہوتا ہے۔ اور اسی پر وہ مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے۔

استنباط
شرعی حجت
ہے

امام رازی فرماتے ہیں کہ استنباط حجت شرعی ہے۔ اور یہ ہر شخص کا کام
نہیں۔ ظاہر ہے کہ نیا مسئلہ اہل علم کے آگے پیش ہوگا۔ اور جب وہ اس کا حل
پیش کرے تو پھر عام لوگوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس پر عمل کریں، اس طرح گویا اہل علم
کی تقلید عوام پر واجب ہوگئی۔ اسی لیے اللہ نے ایسے مسائل کو اہل علم کی طرف
لوٹانے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ باقی لوگ ان کے فیصلے پر تسلیم ختم کر لیں۔ یہی تقلید
ہے۔ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ استنباط نبی اور امتی دونوں میں پایا جاتا
ہے۔ بعض اوقات جب وحی نہیں آتی تو نبی خود بھی مسئلہ کا استنباط کرتا ہے
اور پھر آپ کے علاوہ انتظامی امور میں ذمہ دار حکام وقت اور شرعی معاملات
میں اہل علم و دانش استنباط و استخراج مسائل کے ذمہ دار ہیں۔ اہل سنت کے
ائمہ اربعہ نے استنباط کے ذریعے ہزاروں اور لاکھوں شرعی مسائل کا حل پیش کر کے
اسکی افادیت کو ثابت کر دیا۔

استنباط کے قانون سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ استنباط یا
استخراج مسائل غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور غور و تدبیر میں آراء کا مختلف ہونا
بھی عین ممکن ہے۔ لہذا افضیول کا عصمتِ اہم کا عقیدہ درست نہیں ہے
معصوم وہ ہوتا ہے جسکی بات قطعی ہو، اور وہ صرف پیغمبر کی ذات ہوتی ہے

اہم اور
معصومیت

اگر ہم کی بات بھی قطعی ہو تو پھر استنباط کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ استنباط تو
 دین ہوگا جہاں غور و فکر کی ضرورت ہے اور جب کوئی چیز غور و فکر کے ذریعے
 نکالی جائے تو وہ قطعی نہیں ہو سکتی، لہذا ثابت ہوا کہ اہم معصوم نہیں ہوتا۔

ضرورتیں

ماہرین اصول فقہ کہتے ہیں۔ کہ دلائل شرع چار ہیں یعنی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ
 اجماع امت یعنی اتفاق صحابہؓ اور قیاس۔ مقصد یہ ہے کہ جن مسئلہ کا حل نہ قرآن پاک
 سے معلوم ہو اور نہ حدیث رسول سے اور جس پر اجماع صحابہؓ بھی ثابت نہ ہو تو
 اُس کا حل قیاس کے ذریعے معلوم کیا جائیگا۔ ائمہ اربعہ نے لاکھوں مسائل کا حل
 قیاس کے ذریعے پیش کیا اور وہ سب کے سب حق پر ہیں۔ اُن کے درمیان
 بعض مسائل میں فروعی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر دین کے بنیادی مسئلہ میں کوئی
 اختلاف نہیں۔ فروعی اختلاف فہم اور استخراج کے طریق کار میں اختلاف کی
 وجہ سے ہوتا ہے۔ چونکہ یہ غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ کے رسول
 نے اسے امت کے لیے باعثِ رحمت فرمایا ہے۔ بہر حال دلائل شرع
 میں سے چوتھی دلیل قیاس ہے اور اس کی ضرورت ہر زمان اور ہر مکان میں
 موجود رہیگی۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

فرمایا وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ أَمْ لَكُمُ اللَّهُ تَعَالَى

کا فضل اور اس کی رحمت شامل نہ ہوتی لَآتَبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ الْآفِيلًا
 تو چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے چل نکلتے۔ شیطان انسان کے دل میں دم
 ڈال کر گمراہ کر دیتا ہے وہ گمراہی کی بات کو بڑا مزین کر کے پیش کرتا ہے۔
 جس کی وجہ سے کم علم لوگ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ البتہ کچھ سمجھدار اور اہل علم
 لوگ اُس کے جال سے بچ نکلتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ
 کی مہربانی ہے۔ کہ اُس نے تمہاری ہدایت کے لیے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں۔
 اور وہ طریقے بھی بتلا لیے ہیں۔ جن سے پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کیا جاسکے۔

جہاد فی
 سبیل اللہ

اگلی آیت میں پھر جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کا تعلق بھی

ہمارے گزشتہ آیات کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ گزشتہ آیات میں گزرتا چکا ہے۔
 الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
 لوگ محض اللہ کی رضا کے لیے میدان جہاد میں آتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ کیا
 مَالَهُمْ لَآ تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَمِيْمِيْنَ كِيَا هُوَ كِيَا هُوَ كِيَا
 کے راستے میں قتال نہیں کرتے، حالانکہ کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو
 دشمن کی قید سے آزاد کرنا ضروری ہے۔ قبل ازیں لیوں بھی ارشاد ہوا کہ اے ایمان
 والو! "خُدُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ دِفَاعًا كَا سَامَانَ" دفاع کا سامان رکھ لو اور پھر گمروں کی شکل میں
 حملہ کرو یا سب کے سب بجا رگی دشمن کا مقابلہ کرو۔ اس معاملہ میں لیت، وعلل
 اور تاخیر کرنے والے منافق شمار ہوں گے۔ موت، تو بہر حال آ جانی ہے اور جہاد سے
 محروم ہونے والے شہادت، کی موت سے محروم رہ سکتے ہیں۔

اب اس آیت میں بھی ارشاد ہے۔ فِقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
 اے پیغمبر! اللہ کی راہ میں قتال کریں۔ فی سبیل اللہ کی تشریح پہلے عرض کر دی
 گئی ہے۔ کہ مومن کی جنگ محض اس لیے ہوتی ہے کہ لِيُظَاهِرُوْا عَلٰى
 الدِّيْنِ كَلِمَةً تاکہ اللہ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے، اُس کا مطلوب
 مقصود، ملک گیری، مال و دولت کا حصول یا شجاعت و بہادری کی تشریح نہیں ہوتا۔
 بلکہ اعلیٰ کلمۃ اللہ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام خود جنگ کے موقع پر دعا فرمایا کرتے
 تھے اللهم انزل الکتب و محجری السمحاب اهزم
 الاحزاب کتاب کو نازل کرنے والے اور بادلوں کو چلانے والے خدایا! دشمن
 کو مغلوب کر دے اور میں فتح نصیب فرما۔ یہاں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے
 کہ مسلمان کی جنگ کسی ذیوی مقصد کے لیے نہیں ہوتی ہے بلکہ اُس کتاب کے
 پروردگار کو غالب بنانا مقصود ہوتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔
 پھر فرمایا لَآ تُكَلِّفُ اِلَّا نَفْسَكَ نہی تکلیف دی جائیگی مگر آپ کے
 نفس کو مقصد یہ ہے۔ کہ اگر لوگ جہاد کے معاملہ میں سستی کرتے ہیں تو اُن کا مؤلفہ

آپ کی ذات سے نہیں ہوگا بلکہ آپ سے سوال آپ کی ذات کے متعلق ہوگا
لہذا آپ اللہ کے راستے میں ہمیشہ مستعد رہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے بعض مواقع
پر فرمایا کہ کوئی دوسرا میرے ہمراہ جائے یا نہ جائے، میں تنہا بھی دشمن کے مقابلے کے
لیے ضرور نکلوں گا۔

دشمن پر
گری نظر

فرمایا وَحَرِّضَ السُّمُوَّ حِينَ آتَى مَسْلَمَانِ إِلَى جِهَادٍ بِأَمْرِهِمْ
اس کے لیے ہمیشہ تیار رہیں عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِكَ بِأَسِّ الذِّبْيِ كَفْرًا
قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کی طرف سے لڑائی کو روک دے۔ مقصد یہ ہے کہ
اگر آپ ہمہ وقت مستعد رہیں گے تو دشمن پر اس کا عجب پریگا اور وہ کسی ممکنہ
حملے سے باز آئیگا۔ اُسے پتہ چل جائے گا کہ دوسرا فریق غافل نہیں بلکہ ہر وقت
آمادہ جنگ ہے تو پھر وہ سوچ سمجھ کر حملہ آور ہوگا بتایا یہ جارہا ہے۔ کہ بسا اوقات
فریق ثانی کی مستعدی کی وجہ سے بھی دشمن جنگ سے گریز کر جاتا ہے۔ عرب
کہتے ہیں إِذَا حَوْصِيَ سَقَطَ دُشْمَانُكَ مَحْاصِرَهُ كَمَا حَاصِرُهُ كَمَا حَاصِرُهُ كَمَا حَاصِرُهُ
سست ہو جاؤ گے، جہاد کی تیاری میں غفلت برتو گے تو دشمن کو حملہ کرنے کی
ترغیب ملے گی، لہذا آپ ہر وقت متقابلہ و مقابلہ کے لیے تیار رہیں۔

فرمایا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى سَخْتٌ كَرَفَتٌ وَاللَّهُ أَشَدُّ
تَنْكِهًا اور اس کی سزا بھی سخت ہوتی ہے۔ گرفت تو بسا اوقات دنیا میں
ہو جاتی ہے اور سزا آخرت کے لیے مقرر کر دی جاتی ہے۔ جب مومن اللہ کا نام
لے کر اللہ کے دین کے قیام کے لیے نکلیں گے تو دشمن کو ذلت، ناک شکست ہوگی۔
دنیا نے دیکھا کہ بدر کے مقام پر کفار کو کیسی شکست ہوئی۔ وہ تمام تر سامانِ ضرب و حرب
کے باوجود میدان سے بھاگ لکھڑے ہوئے، وجہ یہی تھی کہ مسلمان اللہ کے دین کی
بلندی کے لیے جانِ تحصیل پر رکتہ کر میدان میں اترے تھے۔

النساء ۴

والحصنۃ ۵

آیت ۸۵ تا ۸۷

درس چیل و شش ۴۶

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ
 مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ
 كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾
 وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنِ مَا
 لَكُمْ أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَ كُفْرًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
 لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

ترجمہ : جو شخص سفارش کریگا اچھی سفارش ، اس کے لیے
 ہو گا اُس میں سے حصہ ، اور جو شخص سفارش کریگا بری سفارش
 تو ہو گا اس کے لیے بوجھ اُس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر
 قدرت رکھنے والا ہے ﴿۸۵﴾ اور جب تم کو دُعا دی جائے سلام
 کے ساتھ ، تو تم بھی دُعا دو اُس سے بہتر یا اسی کو کوٹا دو ۔
 بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ تعالیٰ کے
 سوا کوئی الہ نہیں ہے وہ ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت
 کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں ہے ۔ اور کون زیادہ سچا
 ہے بات میں اللہ تعالیٰ سے ﴿۸۷﴾

گذشتہ درس میں جہاد کے سلسلہ میں منافقین کی مذمت بیان کی گئی تھی ، اور
 اس بات کا تذکرہ تھا کہ امن و جنگ کے زمانہ میں غلط بات کی تشریح نہیں کرنی چاہیے

رابط آیات

منافقین کا طریقہ تھا۔ کہ وہ ہر ایسی بات کو عام کر دیتے تھے جس سے اہل اسلام کو نقصان پہنچنے کی امید ہو اور پھر ان کے ساتھ کمزور دل مسلمان بھی شامل ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، نیز یہ فرمایا کہ جب کوئی ایسی بات پہنچے تو اسے بلا تحقیق آگے چلانے کی بجائے رسول خدا کے سامنے پیش کر دو یا پھر ہر ایک وقت کے نوٹس میں لاؤ، جو پوری تحقیق و تجسس کے بعد فیصلہ کریگا کہ آئندہ لاکھ عمل کیا ہونا چاہیے۔ پھر اسی ضمن میں علماء و فقہاء کا ذکر بھی آیا کہ انتظامی امور بلاشبہ انتظامی حکام کے سامنے ہی پیش کرنے چاہئیں۔ تاہم شرعی معاملات علماء و فقہاء کے پاس لیجانے چاہئیں۔ پھر تحقیق کے بعد جو وہ فیصلہ کریں اُس پر عمل درآمد ہونا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے احسان بتلایا کہ اُس نے اپنے فضل سے تمہیں برائی سے بچنے کے تمام سامان مہیا کر دیے، ورنہ تم میں سے اکثر لوگ شیطان کا اتباع کرتے۔

پھر ترغیب جہاد ہی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔ آپ کے صرف آپ کی ذات کے متعلق ہی مواخذہ ہوگا۔ دوسروں کے متعلق آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔ نیز فرمایا کہ آپ اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں اور دشمن کے خلاف ہمیشہ مستعد رہیں، امید ہے کہ اس سے دشمن پر رعب طاری ہوگا اور وہ اسلام کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے رُک جائیگا۔ البتہ یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی سخت گرفت کرے گا اور پھر اُس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔

اچھی اور بڑی سفارشیں

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اچھی اور بڑی سفارش اور پھر اُس کے نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ گذشتہ درس میں جہاد پر برا بیگنہ کرنے کا ذکر تھا اور یہ بھی ایک اچھی سفارش ہے۔ تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اچھی اور بڑی سفارش کی وضاحت فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ مَنْ كَشَفَ شَفَاعَةَ حَسَنَةٍ جو شخص سفارش کرے گی کوئی اچھی سفارش یہ کہ لَا يَكُنُ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا یعنی اچھی سفارش کرنے اور پھر اس پر عمل درآمد

سے جو اچھے نتائج مرتب ہوں گے، اُن کے اجر و ثواب میں سے سفارش کنندہ یعنی اچھے کام کی ترغیب دینے والے کا بھی حصہ ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ **الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ** یعنی نیکی کی دعوت دینے والا ایسا ہی ہے جیسے اُس نیکی کو انجام دینے والا۔

اسی طرح غلط کام کی ترغیب کے متعلق فرمایا **وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً جُورَكُوْنِي بِرِي سَفَارَش كَمَرِي كَمَا يَكُنُّ لَهٗ كَفَلٌ مِّنْهَا تَوْر اُس** میں سے اُس سفارش کنندہ کے لیے بھی بوجھ ہوگا۔ یعنی بُرے کام پر اُس نے اور پھر اس پر عمل درآمد سے جو بُرے نتائج مرتب ہوں گے، ایسا سفارشچی بھی اُس گناہ میں شریک سمجھا جائیگا، وہ بھی مجرم تصور ہوگا اور مستوجب سزا بھی۔ اور ایسا مواخذہ کہنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کیونکہ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ صَقِيْبًا** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔ لہذا اچھے اور بُرے کام پر اُبھارنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کی کوششیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور مکہ حسب حال اُن پر اچھی یا بُری جزا ضرور مرتب ہوگی۔ منجملہ بُری سفارشات کے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کو جہاد میں شمولیت سے ڈرایا جائے۔ اور اس قسم کا پراپیگنڈا کیا جائے۔ جس نے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا اور وہ جہاد کے معاملہ میں محذور پڑ جائیں۔ کسی مومن بھائی کے لیے اُس کی پس پشت دُعا کرنا بھی اچھی اور جائزہ سفارش میں شامل ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ **دَعْوَةُ الْمَسْرُءِ الْمُسْلِمِ لَا خِيْبَةَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ** کسی مومن کی اپنے بھائی کے لیے پس پشت دُعا قبول ہوتی ہے یہ بھی ایک سفارش ہے۔ کہ اللہ میرے بھائی کی فلاح مشکل آسان کرے یا اس کی فلاح جائزہ ضرورت پوری فرمائے اس کے علاوہ ہر جائزہ کام میں کسی کی مدد کرنا نیکی کا کام ہے۔ اور جس قدر ثواب اُس کام کے انجام دینے والے کو ہوگا، اُس میں

جائزہ سفارش
پر ثواب

سے سفارش کرنے والے کا بھی حصہ ہوگا اور وہ بھی محروم نہیں رہے گا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا یہ بھی ارشاد ہے اَسْفَعُوا وَ لَسَوْ جَسُوا جَانِمٌ اَمْرٌ مِّنْ سَفَارَشٍ كَمَا كَرُوْهُمِمْ
 اجر ملیگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا وَ يَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا سَأَلَ
 اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِّسَ نَبِيٌّ كِي زَبَانٍ يُّرِي جَوَابَ فَيَصْلَحُ كَمَا يَسِي۔ لہذا اچھی بات کی ہمیشہ
 ترغیب دینی چاہیے۔ اور اس کی انجام دہی کے لیے سفارش کو فنی چاہیے۔ اگر
 کام نہ بھی ہو، تو سفارش کرنے والے کو بہر حال اچھی سفارش کا اجر مل جائیگا۔

ناجائز سفارش
 پر عتاب

جائز سفارش اجر و ثواب کا موجب ہے تو ناجائز سفارش معصیت
 میں شامل ہے۔ مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ جائز یا ناجائز سفارش کی احبت
 لینا حرام ہے۔ جائز میں اس لیے کہ یہ عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور عبادت
 کی اجر لینا حرام ہے اور ناجائز سفارش کی اجر لینا حرام ہے کہ وہ
 زیاتِ خود معصیت ہے۔ مگر مقامِ امنوس ہے کہ آج کے دور میں لوگ
 جائز و ناجائز کی حدود کو قائم نہیں رکھتے۔ اس زمانہ میں اکثر سفارشات ناجائز ہوتی
 ہیں ایک شخص کسی عمدہ کا اہل نہیں مگر وہ عمدہ اسے سفارش کے ذریعے دلایا جاتا
 ہے، یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ آج ہمارے گمراہ پیش میں کتنے معاملات
 ہیں جن میں سو فیصد غلط کام کی سفارش کی جاتی ہے اس کا لازمہ مواخذہ ہوگا۔ آج
 کے دور میں حکومت کے اکثر محکمے رشوت اور سفارش کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔
 اس کے علاوہ رشتہ داری، دوست نوازی اور اقربا پروری کی بنیاد پر غلط کام
 کی سفارش کی جاتی ہے۔ سفارش کے ذریعے صریح مجرم کو بچایا جاتا ہے، اور
 بے گناہ کو سزا دلوائی جاتی ہے آخر اس ظلم کا وبال ضرور پڑے گا۔ یہ جبینی
 تہذیب و تمدن کو تباہ کرنے والی ہیں۔ جب حالات ایسے ہو جائیں تو لوہے کے
 معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے اور جبکی لائٹھی اسی بھینس والا ماحول جنم
 لیتا ہے۔ لَعَنَ اللّٰهُ مَن اَوٰى مُحَمَّدًا مَّجْرَمًا كُوْنَاہُ مِيْنَةَ طَلْعِ يَوْمِ
 اللّٰهُ كِي لَعْنَتِ بَرِيْنِيْ هِي۔ جو شخص حقیقی چور کے ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ وہ بھی اُس جرم میں شریک ہے۔ اور اس بُرائی میں سے اُسے بھی اپنے حصے کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔

سلام مکالم
اخلاق

معاشرتی معاملات میں مکارمِ اخلاق کو اعلیٰ حیثیت حاصل ہے اور سلام مکارمِ اخلاق ہی کا حصہ ہے۔ سلام کہنا ایک دوسرے کے حق میں سلامتی کی دُعا ہے اور اس لحاظ سے یہ بھی ایک اچھی اور جائز سفارش ہے کہ کسی بھائی کو ایمان اور ہر لحاظ سے سلامتی نصیب ہو۔ تو اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو سلام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ارسلنا رسولاً من قبلكم بالبينات و معہ السلام جب تمہیں دُعا دی جائے، سلام کے ساتھ فَقَبُولُوا بِأَحْسَنِ بِهَا تو تم اُس سے بہتر دُعا دو اور مَوْقُوفًا یا کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ یہ قَبُولُ اور حَيْدَ زندگی کے لیے دُعا کر کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ یوں کہا کرتے تھے حَيَّاكَ اللَّهُ يَا حَيِّئِيتَ یعنی تم دیر تک زندہ رہو تمہیں اللہ سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے۔ اُس زمانے میں أَنْفُسُ صَبَاحًا (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کے الفاظ بھی بولے جاتے تھے۔ آج کل بھی - Good Mo-

RNIN (صبح بخیر) جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم سلام نے یہ طریقہ جاری کیا کہ جب تمہیں کوئی سلام کے تو تم اُس سے بہتر سلام کہو یا کم از کم اسی کو لوٹا دو۔ صرف لوٹانا یہ ہے کہ جب کوئی السلام علیکم کہے تو تم جواب میں وعلیکم السلام کہ دو۔ اور بہتر سلام یہ ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کوہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص صرف وعلیکم السلام کہتا ہے تو اسے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں اور اگر کوئی اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ بھی کہ دے تو بیس نیکیوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اگر کوئی وَبَرَکَاتِهِ کا لفظ بڑھادے تو بیس نیکیاں اور مُخْفَرَتِهِ کا اضافہ کرنے سے اُس کے نامہ اعمال میں چالیس نیکیاں بکھری جاتی ہیں۔ تو اگر یا بہتر سلام یہ ہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، و مُخْفَرَتِهِ، تاہم سلام کا کم از کم جواب وعلیکم السلام ہے۔

زیر اثر رہتا ہے۔ اور سلام نہ کرنے سے اُسے نقصان اٹھانے کا خطرہ ہے تو اُسے سلام کرنا
مباح ہوگا، گنہگار نہیں ہوگا۔ مگر عام حالات میں ابتداء نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر کوئی
غیر مسلم خود سلام میں ابتداء کرے تو اُس کے جواب میں وہ عظیم گم دینا کافی ہے۔ اس سے
زیادہ نہ کہے اگر کسی مجلس میں مومن اور کافر ملے جلے ہوں تو سلام کرتے وقت مومنوں
کے حق میں نیت کہہ دیا فرشتوں کا تصور کر کے السلام علیکم کہو۔

یاد رہے کہ بعض حالتوں میں سلام کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً بول و بیز کی حالت
میں سلام نہیں کرنا چاہیے۔ اذان، نماز، تلاوت یا دیگر علمی مشاغل کے دوران سلام
مکروہ ہے۔ اسی طرح اگر کوئی معصیت کا کام مثلاً کبوتر بازی، پتنگ بازی،
بیٹیر بازی، اگانے بجانے کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے۔

آداب سلام کے سلسلے میں حضور علیہ السلام نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ چھوٹا بڑا
کو سلام کرے، سوار پیدل کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔ یہ
مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔ تاکہ لوگوں میں تکبر پیدا نہ ہو۔ کسی شخص کو لائق نہیں کہ وہ
دوسرے شخص کے سلام کا منتظر رہے۔ بلکہ ہر شخص کو سلام میں ابتداء کی کوشش کرنی
چاہیے۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ آپ سلام میں پہل فرماتے تھے،
جب آپ کا بچوں پر گزرتا تو سلام کیا، عورتوں کے پاس گزرتے تو وہاں بھی
سلام کیا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عورتیں اپنی اسعزہ واقارب میں سے ہوں یا
عمر رسیدہ ہوں تو ان کو سلام کیا جاسکتا ہے۔ نوجوان عورتوں کو اجنبی نوجوان کا سلام
فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے لہذا اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جب اپنے گھر جاؤ تو یہی بچوں کو سلام کرو
اس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے خیر و برکت ڈال دے گا۔ اگر کسی خالی گھر میں جاؤ
تو وہاں بھی سلام کرو اور لیں کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نَا وَ عَلَیْ عِبَادِ اللّٰهِ
الْمُسْلِمْینَ ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ فرمایا وہاں
اللہ کی کوئی دیگر مخلوق فرشتے وغیرہ ہوں گے تو وہ بھی اس سلام میں شامل ہو جائیں

آداب سلام

گے۔ یہ تمام باتیں احادیث میں آتی ہیں اور فقہائے کرام نے ان کی تشریح بیان کر دی ہے یہ مکارم اخلاق کا حصہ ہے۔

اسلام کی
تعمیل مصافحہ

تمام اہل بیت یعنی اسلام کی تعمیل مصافحہ سے ہوتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ مصافحہ کرنے والوں کے گناہوں کو گمراہ ہے۔ مصافحہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملانے کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ سنون ہے۔ البتہ مصافحہ کی تین قسم دونوں ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ بعض لوگ دونوں ہاتھ ملانے سے گمراہ کرنے میں یہ ٹھیک نہیں مصافحہ کی تعمیل دونوں ہاتھوں سے ہے تاہم یہ ضروری بھی نہیں۔ اس کے علاوہ معانقہ کی بھی اجازت ہے حضور علیہ السلام نے بعض موقع پر اپنے صحابہ سے معانقہ بھی کیا یعنی گلے ملے۔ یہ انتہائی محبت و الفت کی علامت ہے بشرطیکہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

بہر حال فرمایا کہ جب تمہیں اسلام کے ساتھ دعا دی جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا تم انہم اسی کو لوٹا دو۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اور خلوص و محبت کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام کہنے پر جنت نصیب فرما دیگا۔

اسلام کی
بنیاد توحید

فرمایا اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اللّٰهُ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ اسلام کی بنیاد اور ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔ اگر بنیاد درست ہوگی تو تمام معاملات درست ہوں گے اگر بنیاد ہی غلط ہوگئی، تو اس پر تعمیر ہونے والی پوری عمارت خراب ہوگئی۔ لہذا اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے، اسی پر تمام اعمال کا دار و مدار ہے۔ تمہاری عبادت، جہاد، سلام، ملاقاتیں سب اس بنیادی عقیدہ کے تابع ہیں۔ یہی تمہارا نظریہ (IDEOLOGY) اور جب اس پر یقین مکمل ہو جائے تو یاد رکھو کہ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللّٰهُ تَعَالٰی تم سب کو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، وہاں محاسبہ ہوگا، لہذا اپنے بچاؤ کا سامان کر لو۔

ایسا نہ ہو کہ وہاں تمہارے نامہ اعمال میں کچھ نہ نکلے، وہاں کے محاسبے کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ اور وہ قیامت اور محاسبے کا دن ایسا ہے کہ رَئِيبٌ فِیْہِ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، وہ بہر صورت آکر ہے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ سب باتیں واضح کر دیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں کھجول کھجول کر بیان کر دی ہیں وَهَنْ اَصْدَقُ مِنْ اللّٰهِ حَدِيثًا اور اللہ کی بات سے بڑھ کر کبھی بات کس کی ہو سکتی ہے۔ وہ اصدق القائلین ہے۔ اس کے تمام احکام اور فرامین بہ حق ہیں لہذا ہر انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ بلا حرج و حرج ان پر عمل پیرا ہو اور اس سلسلہ میں کسی شک و شبہ کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بعد فرائض کا مسئلہ اور پھر سلام و دعا کی تفصیل سے بھی آگاہ کر دیا۔ مکالم اخلاق کی تربیت بھی دے دی۔ اب آئندہ جہاد کا وہی سلسلہ آگے چلے گا جو گذشتہ رکوع سے بیان ہو رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ منافقین کی مذمت کا پہلو بھی ہے یہ سلسلہ آگے دوڑتے چلائے گا۔

جمل کلام

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ
بِمَا كَسَبُوا أْتِرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ
وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾
وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً
فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يَهَاجِرُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وِلِيَاءَ
وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

ترجمہ: پس کیا ہو گیا ہے تمہیں (اے اہل ایمان) منافقوں
کے بارے میں کہ تم دو گمراہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
ان کو الٹ دیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے
کمائے ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ راہِ راست پر لاؤ اُن کو جنہیں اللہ
نے گمراہ کر دیا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرنے سے پس ہرگز نہ
پائیںگا تو اس کے لیے راستہ ﴿۸۸﴾ یہ تو چاہتے ہیں (پہنچتے ہیں) کہ تم بھی
کفر کرو جیسا کہ انہوں نے کفر کیا اور ہو جاؤ تم برابر (سو تمہیں یہ حکم دیا جاتا
ہے اے اہل ایمان) نہ بناؤ ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی، یہاں تک کہ وہ ہجرت
کریں اللہ کے راستے میں اور اگر وہ روگردانی کریں پس اُن کو پھٹو اور مارو
جہاں بھی اُن کو پاؤ اور نہ بناؤ اُن میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار ﴿۸۹﴾

منافقین کی مذمت کا سلسلہ پیچھے سے چلا آرہا ہے اور ان کی مختلف سازشوں کا پردہ چاک ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر ضروری مسائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔ آج کی آیات بھی منافقین ہی سے متعلق ہیں۔ ان میں اہل اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ وہ منافقین کے بارے میں مختلف آراء سے پرہیز کرتے ہوئے کسی ایک رائے پر ہی متفق رہیں اور انہیں کوئی ایسا موقع نہ دیں کہ وہ الٹا تمہیں گمراہ کر سکیں۔ مفسرین کرام نے منافقین کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم اعتقادی منافقین کی ہے اور دوسری عملی منافقین کی۔ اعتقادی منافق وہ ہے جو بظاہر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا دل کفر پر جہاز رہتا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں مدینہ میں اکثر منافقین کا تعلق اس قسم کے ساتھ تھا۔ وہ حصول مقصد یا کسی ممکنہ نقصان سے بچنے کے لیے کلمہ شہادت زبان سے نواوا کر لیتے تھے مگر ان کا باطن ایمان سے خالی ہوتا تھا۔ منافقین کی یہ بدترین قسم ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں واضح فرمادیا ہے "إِنَّ الْإِنْفِاقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" منافقین جہنم کے زمیں تریں اور بدترین حصے میں ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر منافقین یہودیوں میں سے تھے۔ منافقین کا تذکرہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ بقرہ، آل عمران اور اسی سورۃ نسا میں ان کے قبیح خصائل کا تذکرہ ہے۔ منافقین کے نام سے مکمل سورۃ بھی موجود ہے۔ سورۃ توبہ میں بھی ان کے متعلق بہت کچھ آیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان ان بدبختوں کی سازشوں سے ہوشیار رہیں اور ان کے دام فریب میں نہ پھنس جائیں۔

منافقوں کی دوسری قسم عملی منافق ہیں۔ ایسے منافقین کا ذکر احادیث میں کثرت سے آیا ہے۔ ان کو اخلاقی منافق بھی کہ سکتے ہیں۔ کہ دل میں نذر ایمان موجود ہے، توحید کی تصدیق بھی کرتے ہیں مگر عمل اور اخلاق اس کے خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے منافق کی نشانیاں یہ بتائیں "إِذَا حَدَّثَكَ كَذَبًا جَبَّ بَاتِ كَرِهَ جَهْرًا"

ہوے اِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ جِب وَعِدہ کرے تو خلاف کرے وَاِذَا اٰوْتِنَ خَانَ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ یہ عملی منافق ہیں۔ آپ کے زمانے کے بعد اور ہرزمانہ میں عملی منافق کثرت سے موجود رہے ہیں۔ آج بھی دیکھ لیں کہ زبانی عقیدہ تو درست ہے مگر قول و فعل میں تضاد ہے نماز کو فرض مانتا ہے مگر نہیں پڑھتا۔ جانتا ہے کہ روزہ فرض ہے مگر نہیں رکھتا۔ چھوڑی اخیانت، جھوٹ، حرام ہیں مگر کیے چلا جا رہا ہے، یہی عملی منافقت ہے اور اس قسم کے منافقین سے دنیا بھری پڑی ہے۔

اس آیت میں مذکور منافقین

آج کی آیت میں جن منافقین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کا تعلق کس گروہ کے ساتھ ہے۔ کیا ان سے مراد اہل حق و باطل ہیں یا عملی منافق۔ حضرت زبیر بن عوف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے وہ اہل حق و باطل ہیں جو اُحد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں راستے ہی سے واپس چلے گئے تھے اور اس جنگ میں مسلمانوں کو کافی جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان منافقوں کے متعلق اہل ایمان کی دو رائیں ہو گئی تھیں۔ بعض کہتے تھے کہ ان کے ساتھ باطل کافروں جیسا سلوک ہونا چاہیے اور بعض دوسرے ان کے لیے قدم نرم گوشتہ کھتے تھے۔

تفسیر روح المعانی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں جو منافقین سے وہ کفار مراد ہیں جو مکہ سے دینے آئے، اسلام کے ساتھ اظہارِ ہمدردی بھی کیا اور پھر تجارت کے بہانے سے واپس مکہ چلے گئے۔ دراصل ان لوگوں کو اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ یہ لوگ جاسوسی کی غرض یا کسی دیگر سازش کے تحت دینے آئے تھے اور پھر واپس چلے گئے ان کے متعلق بھی اہل ایمان دو مختلف رائیں رکھتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ ایمان لاپچکے ہیں مگر کسی مجبور ہی کی وجہ سے واپس نہیں آسکے جب کہ دوسرے لوگوں کا خیال تھا، کہ یہ کافر تھے اور کفر پہ ہی واپس چلے گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس پورے رکوع میں جن منافقین کا ذکر ہے ان سے مراد دراصل کافر ہیں۔ اور منافع کا لقب انہیں محض لغوی اعتبار سے دیا گیا ہے، کیونکہ منافع ذمی و جہین یعنی دوزخ ہوتا ہے۔ اور دھڑکھچ بات کی اور اُدھر کھچ اور سکیم بنائی۔ بہر حال شاہ صاحب کی تحقیق بھی یہ ہے کہ یہ آیت مکے کے ان کافروں کے متعلق ہیں جو مینے آکر واپس چلے گئے تھے، نہ کہ مدینہ کے اعتقادی منافق۔

چونکہ اہل ایمان ان کے متعلق دو مختلف رائے رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا فَصَلِّ لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فَمُتَّيْنٍ تَمِيْمٍ کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے ہو۔ وَاللَّهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹٹ دیا ہے ان کی کھائی کی وجہ سے۔ لہذا تمہیں ان کے متعلق مختلف رائے نہیں رکھنی چاہئیں۔ بلکہ ایک بات پر متفق ہو جانا چاہیے کہ یہ کافر ہیں اور بہت بُرے لوگ ہیں۔ ان کی کورتوں کی وجہ سے اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے لہذا ان کے متعلق کوئی اچھا گمان نہ رکھو۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے غلوں کا معیار بھی مقرر کر دیا ہے۔

حَتَّىٰ يَهْجُرُوْا فِرْفَ سَبِيْلِ اللّٰهِ جَبْتِكْ يَٰٓهٰجْرَتِ
 کر کے مدینہ طیبہ نہ آجائیں یہ قابلِ اعتماد لوگ نہیں ہیں۔ لہذا انہیں اس وقت تک کافر ہی تصور کیا جائے۔

ہجرت تین اقسام سے ہے۔ اسکی پہلی قسم تو فرض ہے۔ قرآن پاک میں جو مورد ہے کہ جب کسی علاقے میں کفار کا اس قدر غلبہ ہو کہ اہل ایمان شعار اسلام اور شعار ایمان ادا نہ کر سکیں تو وہاں سے ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کر دیا تو ان کے لیے ہجرت واجب ہو گئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے در دفعہ ہجرت کی طرف ہجرت کی اور تیسری دفعہ مدینہ میں آکر قیام پذیر ہوئے اس وقت ایمان کا معیار ہی یہ تھا، کہ کفار کے زیر تسلط رہنے والا مسلمان

ہجرت کی
 تین قسمیں

جب تک ہجرت نہیں کرتا اُس کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کسی بھی وقت کفار کے غلبہ سے مغلوب ہو کر ایمان کا دامن چھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی اور دیگر سورتوں میں بھی اس معاملہ میں سخت وعید آئی ہے۔ اسی سورۃ میں پہلے گنہگار چکا ہے۔ کہ کچھ گنہگار مرد، عورتیں اور بچے مکہ میں رہ گئے تھے۔ کفار کے مظالم برداشت کرتے تھے مگر ہجرت کے لیے طاقت نہیں رکھتے تھے، بیچارے مجبور تھے۔ ایسے لوگوں کو تو معذور سمجھا جاسکتا ہے، مگر کوئی صورت مند جوان اور ہجرت کی استطاعت رکھنے والا شخص اگر ہجرت نہیں کرتا، تو اُس کے ایمان کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، ہجرت بہ صورت ایک مشکل کام ہے اور اس کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّ شَأْنَ الْمُهَاجِرَةِ اَسْتَدِيدٌ ہجرت کا معاملہ بڑا دشوار ہے۔ بہر حال یہ ہجرت ابتدائے اسلام کے زمانہ سے فتح مکہ تک فرض تھی۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ یعنی فتح کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں۔ ہاں! اگر پھر کسی جگہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں جیسے مکہ میں تھے۔ کفار کے غلبہ کی وجہ سے اہل ایمان اپنے ایمان کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں، تو اُن پر وہاں سے ہجرت فرض ہو جائیگی۔

یہاں پر مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ جو شخص ایک دفعہ دارالکھڑ سے ہجرت کر کے دارالاسلام آ گیا اور دوبارہ دارالکھڑ میں چلا گیا، اسکی ہجرت باطل ہو جائے گی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام صحابہ کرام کے متعلق دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَمِّصْ لِيْ صَحَابِيْ هِجْرَتَهُمْ لِيْ اَللّٰهُمَّ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری فرما۔ کسی کی ہجرت باطل نہ ہو۔ مگر حضرت سعد بن خولہ کی ہجرت باقی نہ رہی کیونکہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹنی سے گھر کر شہید ہو گئے تھے۔ حضور نے اُن کی وفات پر اظہارِ افسوس کیا کہ وہ جہاں سے ہجرت کر گئے تھے اُن کی موت اسی جگہ واقع ہوئی۔ بہر حال ہجرت کا معاملہ بڑا دشوار ہے۔ کیونکہ

گھربار، خاندان، قبیلہ، مکان، زمین اور ہر قسم کی جائیداد کی قربانی ہے۔

ہم جہاد کی طرح یہ بھی ضروری ہے اور کرنا ہی کرنے والے کے لیے جہنم کی وعید آئی ہے۔ ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی بغیر علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائے۔ منافقین مدینہ کے لیے یہ بڑی دشوار تھی۔ وہ جیلے ہانے سے جہاد سے گریز کرتے تھے، پیچھے رہ جاتے تھے۔ چنانچہ احد کے موقع پر ایسا ہوا کہ عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ اس لیے واپس آ گیا کہ ان کی رائے کا احترام نہیں کیا گیا تھا۔ وہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے جب کہ صحابہ کی اکثریت باہر میدان میں نکل کر لڑائی کرنا چاہتی تھی۔ ان منافقین کے متعلق بھی بعض مسلمان اچھا خیال رکھتے تھے کہ یہ کلمہ گو ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، اہر مجلس میں شامل ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے متعلق بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوں۔ ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ لہذا ان کی ہجرت یہ مٹنی کہ وہ جہاد میں شامل ہو جائیں۔

ہجرت کی تیسری قسم کے متعلق حضور علیہ السلام کی حدیث مبارک ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنے پیروسیوں کے ساتھ امن و امان سے وقت گزارے، ان کو تکلیف نہ پہنچائے، اور مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ پھر فرمایا **وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ**۔ مہاجر وہ ہے جو ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ حقیقی مہاجر وہ ہے جو گناہ سے بچ جائے۔ گھر بار اور وطن چھوڑنے کے باوجود اگر اسلام کے باقی احکام پورے نہیں کرنا، اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب نہیں کرتا۔ تو وہ حقیقی مہاجر نہیں ہے۔

الغرض! فرمایا کہ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کہ تم ان کافروں کے متعلق دو رائیں رکھتے ہو۔ تمہاری اجتماعیت کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ ایک رائے پر متفق ہو جایا کہ دو۔ دشمنان دین کے متعلق تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے امریکہ ہویا روس ہیود ہوں یا ہنود اسلام دشمنی میں یہ سب متفق ہیں مگر مسلمانوں کی

اجتماعیت کا شیرازہ بکھر چکا ہے، یہ اپنوں کی بجائے غمخیزوں سے دوستانہ لے کھتے ہیں، ان سے غلط توقعات وابستہ کرتے ہیں اور پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک بتلا رہا ہے کہ مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع ہونا چاہیئے، ان سب کی ایک رائے ہونی چاہیئے۔ مگر اجتماعیت کے فقدان نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ آج کسی ملک یا کسی علاقے میں کسی مسلمان پر افتاد آجائے تو کوئی دوسرا مسلمان اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ آج مسلمان اختیار کے ذمہ فریب میں گرفتار ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں۔ آج کون ہے جو فلسطین، افغانستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کی مدد کو پہنچے۔ ہماری حکومتیں بڑی طاقتوں سے اس قدر مرعوب ہیں کہ وہ کسی کو مسلمانوں کی امداد کے لیے جانے کی اجازت بھی نہیں دے سکتیں۔ وجہ یہی ہے۔ کہ آج ہم مرکزیت کو بھٹول چکے ہیں۔ دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان آباد ہیں مگر ہر ایک کی رائے جدا جدا ہے، نہ کوئی مرکز ہے اور نہ اس کے تحت مسلمان کوئی مفاد حاصل کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا اپنا زمانہ مبارک اور خلفائے راشدین کا زمانہ مرکزیت کا زمانہ تھا، اس وقت تمام دنیائے اسلام ایک مرکزی حکم کی پابند تھی، سب ایک رائے پر متفق تھے، مگر آج یہ چیز ختم ہو چکی ہے اس لیے مسلمان طرح طرح کے مصائب کا شکار ہیں۔

باطل نظام نے
معیشت

اس وقت دنیا میں دو بڑے نظام ہائے معیشت جاری ہیں ایک انگریز کا نظام سرمایہ داری اور دوسرا سوشلسٹ ملکوں کا اشتراکی نظام مگر یہ دونوں باطل ہیں۔ انگریزوں سے دوستانہ اور سرمایہ دارانہ نظام نے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ سرمایہ داری نظام محض مفاد پرستی پر مبنی ہے اس میں حلال حرام کی کوئی تمیز نہیں دولت جس رائے سے چاہو کھاؤ اور جس راستے میں چاہو خرچ کرو۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں مقررہ ٹیکس ادا کر کے گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر لو اور پھر چاہے سنیہا جاری کر لو، شراب کی دکان کھول لو یا قہر خانہ چلا لو، ہوٹل قائم کر لو جہاں پر شراب اور خنزیر کا گوشت کھلاؤ، کون پوچھتا ہے۔ اشتراکی نظام کی اپنی قباحتیں ہیں۔ وہاں

انسان اور حیوان میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا، انسان کو کوہلو کے بیل کی طرح چلایا جاتا ہے اور پھر اس کی جائز ضروریات بھی پوری نہیں کی جاتیں۔ یہ دونوں نظامہائے معیشت باطل ہیں۔ قرآن پاک کا اپنا نظام معیشت ہے جس کی بنیاد اللہ کی توحید اور قیامت کے تصور پر ہے یہ نظام اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم ہوتا ہے۔

حرام حلال کی تمیز رکھتا ہے۔ نہ ناجائز ذرائع سے طلب زر کی اجازت دیتا ہے اور نہ ناجائز امور پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ كَسْبِ كَامَالٍ نَاحِقٍ مَرْتِ
 كِهَادُ - اللہ کا یہ بھی حکم کہ لَا تَسْرِفُوا أَمْوَالَكُمْ كَسْبِ كَامَالٍ نَاحِقٍ مَرْتِ
 وَلَا تَبْذُرُوا فُضُولَ خَرْجِي نَكْرُورِ لَسَ جَائِزِ أَمْوَالٍ مَرْجُوحِ كَرُورِ وَحَضْرَتِ عَمْرُو
 كَ زَمَانِ مِیْنِ اَسْرَافِ وَتَبْدِیْكِ كِ كَرْنَ جَرَاتِ كَرِ سَكْتَا تَهَا، وَهَ كَمَائِي پَر قَدْعِن لِكَا تَتَه
 اُورِ اَخْرَاجَاتِ كُوهِي كَنْتَرُولِ كَرْتَتَه تَه، مَسْجِدِ اَنَجِ فُضُولِ خَرْجِي كُوهِي كُونِ رُوكِ سَكْتَا
 هَمَا سَ مَلِكِ مِیْنِ اَتْنِي بَرِي بَرِي عِمَارَتِیْنِ بِنِ رَهِي هِي جِنِ كِي نَقْشَتَه لَوَسِي پَر هِي لَاحْصُولِ
 رُوپِي لِكِ جَاتَا هَ - فَرَا اَنَاذَه فَرَمَائِيْنِ كِه اِیْسِي عِمَارَتُوْنِ كِي كَلِ لَآگِتَا كِیَا هُوْنِ - یِه
 سَبِ فُضُولِ خَرْجِي اُورِ عِیَاشِي هَ هُو كِه مَرْكُزِیْتِ سَ عَدَمِ تَعْلُقِي كِي وَجِبِ هَ -

آگے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کفار سے دوستانہ اس لیے کرتے

ہو کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں، اَسْتَرِیْدُ وَاَنْ تَهْدُوْا مَنَ
 اَصَلَّ اللّٰهُ كِیَا تَمَّ اَنْ لُو كُوْنِ كُوهِي اِهْلِیْتِ یَا فَنْتَه بِنَا جَاتَا هَ مَرْجُوحِ مِیْنِ اللّٰهِ
 كَمْرَاهِ كَرِ دِیَا هَ - فَرَمَا یِه تَهْمَا سَ لِسِ كِي بَاتِ نِیْسِ - كِیْنُوكِه وَهِي تَضَلَّلِ اللّٰهُ
 فَكُنْ بِحَدِّكَ سَبِيْلًا هَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَمْرَاهِ كَرْتَتَه لِسِ كُونِ رَاهِ رَاسْتِ
 پُر لَاسَكْتَا هَ - اُورِ اللّٰهُ تَعَالٰی كَمْرَاهِ كَرْتَا هَ یَسْمَا كَسَبُوْا اَنْ كِي اِیْنِي كَمَائِي
 كِي وَجِبِ هَ - جِبِ وَهَ حَقِ كِي مَخَالَفَتِ پَر تَكِ جَاتَا هَ هِي - تُو پِھِرِ اللّٰهُ اَنْهِي سَبِيْهَ
 رَاسْتَه سَ بھٹْكَ دِیَا هَ وَوَسْوَ مَقَامِ پَر فَرَمَا وَ اللّٰهُ كَا یَهْدِي الْقَوْمَ
 الظَّالِمِیْنَ اللّٰهُ تَعَالٰی ظَالِمُوْنِ كُوهِي اِهْلِیْتِ نِیْسِ دِیَا - جِبِ تَكِ ظَالِمِ اِیْنِي ظَلَمِ سَ

ہدایت
 بدست خدا

بات نہ آجائے اور سچی تو بہ نہ کہے لے اس وقت تک اُسے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ فرمایا کفار و منافقین کی بڑی کھائی کی وجہ سے اللہ نے انہیں الٹ دیا ہے تم انہیں کیسے ہدایت کی راہ پر چلا سکتے ہو۔

اخیار کی
دری خواہش

فرمایا اسلام دشمن طاقتوں کی خواہش یہ ہے۔ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ
كَمَا كَفَرُوا وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کفر کا راستہ پکڑ لو جس طرح وہ خود کفر کیے بیٹھے ہیں۔ ساری دنیا کے کفار کی یہی تمنا ہے۔ یہودی ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا کوئی اور سب چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کو اپنے دین میں داخل کر لیں، وہ چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم بھی مشربے ہمارے ہو جاؤ، نہ حلال حرام کی تمیز اور نہ جائز ناجائز کی فکر۔ جس طرح چاہو کھاؤ اور جیسے چاہو خرچ کرو۔ پہلے دو برس تک برطانیہ کا طوطی بولتا تھا، وہ من مانی کروانا رہا۔ اب اس کی جگہ امریکہ آ گیا ہے اس کی خواہش بھی یہی ہے، کہ ساری دنیا اسی کے پیچھے لگ جائے۔ یہ سب طاغوت ہیں اور لوگوں سے اپنا اتباع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اخیار کی خواہش پورا نہی کا طریقہ اختیار کر لینے سے ان کی مراد یہ ہے فَتَكُونُونَ سَوَاءً تاکہ سب برابر ہو جائیں، کوئی کسی کو کہنے والا نہ ہو۔ مِثْقَلُ الذَّرَّةِ نے اسلام کے متبعین کو فرمایا فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اولیاء ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ دوستی کی آڑ میں تمہارے ساتھ دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا ان سے بچ کر رہو۔ جب تک یہ لوگ اپنی روش ترک نہ کریں اور دار الکفر کو چھوڑ کر دارالسلام میں نہ آجائیں اور پھر تمہارے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہو جائیں حتیٰ لیٰ ہاجروا فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی ہجرت جیسا اہم فریضہ پورا نہ کریں، اس وقت تک ان کا کچھ اعتبار نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دوستی سے منع فرمادیا۔

ان کے لیے
حکم

فرمایا فَإِنَّ كَوَلَّوْا اگر وہ روگردانی کریں۔ تمہارے ساتھ شامل نہ ہوں، کفار کی چال پوسی ترک نہ کریں تو پھر کچھ لو کہ یہ پیچھے کافر ہیں۔ پھر ان کا علاج یہ ہے فَذَوِّمُوهُمْ ان کو پکڑ لو وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ اور انہیں جہاں

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
 مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ
 يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
 لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَرَفْتُمْ
 فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ فَمَا
 جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۙ سَيُجَادُونَ
 الْآخِرِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يُبَاطِلُوا قَوْمَهُمْ
 كُلَّمَا رُزِقُوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنِ
 لَمْ يَعْتَرِفُوا وَيَلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ
 وَيَكْفُرُوا أَيْدِيَهُمْ فُجُودًا وَقَاتِلُوهُمْ
 حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ
 عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۙ

ترجمہ: مگر وہ لوگ جو ملتے ہیں ان لوگوں سے کہ تمہارے
 اور ان کے درمیان عہد و پیمانہ ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس
 حال میں آتے ہیں کہ ان کے دل تنگ ہیں تمہارے ساتھ لڑنے
 سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو
 تم پر مسلط کر دیتا، پس وہ تم سے لڑتے، پس اگر وہ الگ

ہمیں تم سے اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کی پیشکش
 ڈالیں تو پس نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لیے اُن پر کوئی راستہ ۹۰
 تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی
 امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن وہ ایسے
 ہیں) کہ جب بھی اُن کو پٹایا جاتا ہے فتنے کی طرف تو اس طرف پٹا
 ٹیے جاتے ہیں پس اگر یہ تم سے الگ نہ رہیں اور تمہاری طرف
 صلح کی پیشکش نہ کریں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں۔ پس پھڑو اُن
 کو، اور مارو اُن کو جہاں بھی پاؤ اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے بنایا ہے
 تمہارے لیے اُن کے اُدپر کھٹلا غلبہ ۹۱

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ کیا، کہ وہ منافقین کے بائے میں
 دو راہیں نہ رکھیں بلکہ اُن کے خلاف واحد مشترکہ پالیسی اختیار کریں۔ اعتقادی منافقین کو یہ
 رعایت حاصل ہے کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ زبانی طور پر اُن سے سختی برتنی چاہیے،
 البتہ انہیں قتل کرنے کا حکم نہیں ہے اُن کا اعتماد صرف اسی صورت میں بجا ہو سکتا ہے
 کہ وہ جماعت المسلمین میں پورے خلوص کے ساتھ داخل ہو جائیں اور پھر اُن کے ساتھ
 جہاد میں بھی شریک ہوں۔ محض زبانی کلمہ پڑھ لینے سے اُن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، گذشتہ
 درس میں جن منافقین کا ذکر تھا، وہ دراصل کافر ہیں، جو مسلمانوں سے مل کر محبت کا اظہار کرتے
 ہیں اور چالو بی بھی کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کسی ممکنہ تکلیف سے بچ جائیں
 اُدھر جب اپنی کفار کی جماعت میں جاتے ہیں۔ تو اُن کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ایسے
 منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے متعلق دو راہیں نہ رکھو، یہ خدا اور اس کے
 دین کے دشمن ہیں۔ ان کا حکم خالص کافروں جیسا ہے۔ انہیں جہاں بھی پاؤ ان کے ساتھ
 لڑائی کرو۔ انہیں اپنا دوست اور مددگار نہ سمجھو، یہ خطرناک لوگ ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ صرف دو صورتیں ایسی ہیں

رعایت برصیحا

جن میں مذکورہ کفار منافقین کو رعایت دہی جاسکتی ہے اور یہ مسلمانوں کے عتاب سے بچ سکتے ہیں۔ فرمایا إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایسے لوگوں سے ملتے ہیں بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ کہ تمہارے اور اس قوم کے درمیان عہد و پیمانہ ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس گروہ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو چکا ہے، اس کے ساتھ لڑنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر یہ منافق قسم کے کافر تمہارے ساتھ معاہدہ میں شریک لوگوں سے جلتے ہیں تو پھر اس معاہدہ کی رو سے ان کو بھی امان حاصل ہوگی اور ان کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔ اس کی مثال معاہدہ صلح حدیبیہ ہے اس معاہدہ کی رو سے بعض قبائل مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور بعض نے قریش مکہ کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور بنو کنزہ قریش مکہ کے تو فرمایا کہ اس قسم کے عہد و پیمانہ میں شامل لوگوں کے ساتھ لڑائی کی اجازت نہیں۔ لہذا اگر یہ کفار منافقین کسی ایسے فرقہ کے ساتھ اتحاد کر لیتے ہیں جس کے ساتھ تمہارا بعض شرائط پر معاہدہ ہو چکا ہے۔ تو پھر ان کے ساتھ بھی لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ استثنیٰ کی پہلی صورت ہے۔

رعایت
بوجہ عجز

فرمایا ایسے لوگوں کے ساتھ رعایت برتنے کی دوسری صورت یہ ہے أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ کہ وہ تمہارے پاس اس حالت میں آجائیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ لڑنے یا کفار کے ساتھ لڑنے سے تنگ آچکے ہیں وہ اس قدر عاجز آچکے ہیں اور اپنے آپ کو اتنا بے بس پاتے ہیں کہ نہ تم سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ اور نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے خلاف لڑ سکتے ہیں۔ تو فرمایا ایسے لوگوں کو بھی رعایت حاصل ہے کہ مسلمان ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں اس قسم کے بعض واقعات ملتے ہیں مثلاً سمرقند بن مالکؓ مدیجی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت تک

اسلام نہیں لایا تھا، اور عرض کیا کہ حضور! معلوم ہوا ہے کہ آپ ہمارے قبیلہ مدیج کی طرف حضرت خالد بن ولیدؓ کو سرکوبی کے لیے بھیج رہے ہیں، مگر ہماری پالیسی اس وقت یہ ہے کہ ہم آپ کے خلاف بھی نہیں لڑتے، نہ دوسروں کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہم تو قریش کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے، تو ہم بھی کر لیں گے۔ اگر وہ نہیں مانتے، تو پھر ہم ان خود سوجیں گے کیا کرنا ہے۔ بہر حال ہم مسلمانوں کے خلاف ہرگز نہیں۔ تو فرمایا جو لوگ اس قسم کی عاجزی کا اظہار کریں کہ وہ نہ ان خود مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوں اور نہ اسلام کے خلاف دوسروں کی مدد کریں تو ان کے ساتھ بھی لڑائی کی اجازت نہیں ہے، وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔

فَرَمَا وَكُوسًا ۙ اللَّهُ لَسَلْطَنُهُمْ عَلَيْكُمْ ۙ وَرَأَى اللَّهُ تَعَالَىٰ جَاهِنًا ۙ تَوَدَّ أَنْ يَمْسِكَ رِيحًا ۚ فَلَاقَتْ لُؤْلُؤًا ۙ وَرَمَتْ لُؤْلُؤًا ۙ كَرْتًا ۙ مَكْرَمًا ۙ أَسْ مَالِكِ الْمَلِكِ ۙ كِي خَاصِ مَهْرَبَانِي ۙ هُنَّ ۙ كَر ۙ انہیں تم پر غالب نہیں ہونے دیا۔ فَإِنِ اعْتَزَلْتُمْ لُؤْلُؤًا ۙ فَإِنِ اعْتَزَلْتُمْ لُؤْلُؤًا ۙ فَلَمْ يُفَاتِلْكُمْ ۙ اور تمہارے ساتھ لڑائی کرنے سے باز رہیں، وَالْقَوَا ۙ إِلَيْكُمْ ۙ السَّلْمُ ۙ اور تمہاری طرف صلح کی پیش کش ڈالیں۔ فَصَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۙ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تم سے آمادہ جنگ نہیں ہوتے، بلکہ صلح کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو پھر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ یہ صلح و جنگ کے قوانین ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں۔ اسلام کسی دشمن کے خلاف بھی اس وقت تک کارروائی کی اجازت نہیں دیتا جب تک اس کا شر و فساد واضح نہ ہو جائے، لہذا ایسے کفار کے ساتھ بھی جنگ نہ کرو، جو تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے صلح پر آمادہ ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ ہے اور مسلمان معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ فرمایا اس قسم کی پیش کش کو قبول نہ کرو۔

صلح و جنگ کے بعض قوانین اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بیان کیے اور بعض

اللہ کی
خاص مہربانی

قوانین
صلح و جنگ

دیگر قوانین سورۃ انفال، سورۃ توبہ اور سورۃ فتح میں بھی آتے ہیں۔ یہ ایک پورا نظام صلح و جنگ ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے اجتماعی نظام سے منسلک نہیں ہیں، اس لیے ہمیں علم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں کیا قوانین نازل فرمائے ہیں۔ صلح و جنگ کے یہ بنیادی اصول اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور ان کی شرح احادیث میں موجود ہے۔ پہلی صدیوں میں ان پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں اور انہیں عمل درآمد کے لیے بالکل واضح کر دیا ہے دنیا کے کسی مذہب اور لٹریچر میں یہ قوانین اس قدر وضاحت کے ساتھ موجود نہیں جس قدر اسلام نے پیش کیے ہیں۔ مگر آج کی دنیا میں ہم ان کے رجم و کرم پر نہیں۔ سیاست بھی اسی کی چلتی ہے جس کا غلبہ ہو غالب قومیں اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرتی ہیں۔ جو برسراٹھ صاف پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج اسلام کے قانون کو کون لو چھتا ہے۔ حالانکہ یہ منزل من اللہ ہے اور اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ قانون حضور علیہ السلام نے عملی طور پر نافذ کر کے دکھائے آپ کے دس سالہ مدنی دور میں چھوٹی بڑی بچاس جنگیں ہوئیں۔ آٹھ جنگوں میں تو باقاعدہ آٹھ سال لڑائی ہوئی اور بعض میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی اگرچہ اسلامی لشکر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ آپ نے اپنی زندگی میں

کسی محاذ پر بڑی فوج پیچی اور کسی پر چھوٹے دستے۔ کہیں مجاہدین کی تعداد ہزاروں میں تھی اور کہیں سینکڑوں میں۔ مگر آپ نے قوانین صلح و جنگ کو نافذ کر کے ان پر عمل کر کے دکھا دیا۔ بہر حال فرمایا کہ یہ منافق نما کا فر صرف دو صورتوں میں مسلمانوں کے ساتھ سے بچ سکتے ہیں۔ یا تو یہ ان لوگوں کے ساتھ اتحاد کر لیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا عہد و پیمان ہو چکا ہے۔ اور یا وہ اتنے عاجز آچکے ہوں کہ نہ تمہارے ساتھ لڑنے کی ہمت پاتے ہوں اور نہ ہی اپنی قوم کے خلاف آواز اٹھانے کے قابل ہوں۔ لہذا اگر وہ صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔

فتنہ پرورد
لوگ

اس کے بعد فرمایا سَتَجِدُونَ الْآخِرِينَ تَمَّ بَعْضُ اِلَيسَ لُوگوں کو بھی

پاؤگے۔ يُرِيدُونَ اَنْ يَّامَنُوْكُمْ جو چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امن میں رہیں وَيَّامَنُوْكُمْ مَّهْمًا اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ فرمایا یہ فتنہ پرور لوگ ہیں۔ ان کی خصلت یہ ہے کہ كُلُّمَا رَدُّوْا اِلَيْهَا الْفِتْنَةَ جب انہیں فتنہ کی طرف پلٹایا جاتا ہے۔ اُرْكِسُوْا فِيْهَا تو فوراً اس کی طرف پلٹائیے جاتے ہیں۔ اہم البو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد کفر و شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ہوشیاری اور چالاکئی سے مسلمانوں اور کفار دونوں طرف سے مامون و محفوظ رہنا چاہتے ہیں۔ مگر جوہنی انہیں موقع ملتا ہے یہ فوراً کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں گویا ان کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ لوگ مسلمانوں کی طرف سے کی جانی والی کسی کارروائی سے بچنے کی خاطر ان کے ساتھ چالپوسی کا اظہار کرتے ہیں، حقیقت میں ان کا رجحان کفر و شرک کی طرف ہی ہے مفسرین کلام بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں بنی اسد اور بنی عطفان کے قبائل کا یہی حال تھا۔ وہ کفار اور مسلمانوں دونوں طرف سے مامون رہنا چاہتے اور دونوں طرف اپنی ہمدردی کا یقین دلاتے تھے۔ مگر جوہنی موقع ملتا، وہ کفر و شرک میں مبتلا لوگوں کے ساتھ مل جاتے اور اس طرح اسلام کی عملی طور پر مخالفت کرتے۔

۱۱ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اَنْ لَّمْ يَعْتَنِ لَوْ كُمْ اگر یہ تم سے الگ نہ رہیں وَيَلْقَوْا اِلَيْكُمْ السَّلَامَ اور صلح کی پیش کش نہ کریں وَيَكْفُرُوْا اَيْدِيَهُمْ اور اپنے ہاتھوں کو تمہارے خلاف لڑنے سے نہ روکیں مقصد یہ کہ اس قسم کے فتنہ پرور لوگ اہل ایمان کے ساتھ تعاون نہ کریں بلکہ موقع ملنے پر انہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوں فَخَذُوْهُمْ پھران کو پکڑ لو، وَاقْتُلُوْهُمْ ان کے ساتھ لڑائی کرو حَيْثُ تَقِفْتُمْ جہاں بھی انہیں پاؤ۔ اب ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں۔ وہ جہاں بھی ملیں ان سے لڑو۔ یہ عرب کے مشرکین تھے اور بنی ہاشم کے مسلمانوں کے

ہمدردی کا اظہار کرتے تھے مگر دل سے کفار کے ساتھ ہی تھے۔

جزیرۃ العرب
کی پاکیزگی

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب کے متعلق اللہ تعالیٰ کا آخری فیصلہ یہی ہے کہ انہیں جہاں بھی پاؤ، مارو۔ فتح مکہ کے بعد مشرکین کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا، کچھ لوگ مرتد ہو گئے، جن کا خاتمہ کر دیا گیا اور باقی وہاں سے بھاگ گئے۔ مقصد یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کو مشرکین کی نجاست سے بالکل پاک کر دیا جائے کیونکہ اس خطہ زمین کو مکرّمہ اسلام کی حیثیت دلانا مقصود تھا۔ حضور علیہ السلام کا اپنا بھی ارشاد موجود ہے کہ جزیرہ نما عرب میں دو دین نہیں چل سکتے، یہاں ایک ہی دین ہوگا، اور وہ دین اسلام ہے جب وہاں پر حق آگیا تو باطل کو جانا ہی تھا۔ وہاں پر ایک قبلہ ہوگا، دوسرا نہیں۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سرزمین میں جزیرہ کے عوض بھی کسی کو امان دینا روا نہیں کیونکہ وہاں دو دین نہیں چل سکتے۔ دوسرے مقامات پر تو غیر مسلم جزیرہ ادا کر کے مامون ہو سکتے ہیں لیکن اس پاک سرزمین پر ایسا کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔ وہاں کا اٹل فیصلہ یہی ہے کہ اسلام قبول کر لو، یا وہاں سے چلے جاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔

اباحت خون

فرمایا اگر یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائیں، صلح کی پیش کش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو پھر یہ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو۔ یہ مباح الدم لوگ ہیں۔ ان لوگوں کا خون تمہارے لیے مباح ہے۔ معاہدہ یا صلح کی صورت میں تو خون گرانہ مباح ہوتا ہے مگر اس قسم کے سازشی لوگوں کے لیے کوئی رعایت نہیں۔ ان کا معاملہ ویسا ہی ہے۔ جیسا کھلے کافروں کا وَ اُولَئِکُمْ جَعَلْنَا لَکُمْ عَلَیْہُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ہی لوگ ہیں۔ کہ ہم نے تمہارے لیے ان پر غلبہ یا کھلی سنبھائی ہے۔ یعنی ان فتنہ پرور لوگوں کا خون تم پر مباح کہہ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کی اجازت دے دی ہے لہذا مذکورہ تین صورتوں کے خلاف یہ جہاں بھی چاہے جائیں، انہیں قتل کر دو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً
 وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ
 وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ
 مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
 مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
 مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
 مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ
 مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
 حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

ترجمہ : اور نہیں لائق کسی مومن کے لیے کہ وہ قتل کئے
 کسی مومن کو مگر غلطی سے ۔ اور جس شخص نے قتل کر لیا ، مومن
 کو غلطی سے (پس اس کے لیے کفارہ ہے) ایک مومن غلام کو
 آزاد کرنا ، اور خون بہا جو پہنچایا جائے مقتول کے گھر والوں تک
 مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں ۔ اگر وہ (مقتول) اُس قوم سے ہے
 جو تمہاری دشمن ہے اور وہ (مقتول) مومن ہے (تو پھر بھی کفارہ یہ
 ہے) کہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے
 ہے کہ تمہارے اور اُن کے درمیان عہد و پیمانہ ہے ، تو خون بہا جو

پہنچایا جائے گا اُس کے گھر والوں تک اور ایک مومن غلام کا آزاد کرنا بھی (ضروری ہو گا کفارہ میں) پس جس نے نہ پایا (مومن غلام کو)۔ تو اس کے لیے متبادل صورت یہ ہے (روزے رکھے دو مہینے کے مسلسل۔ یہ ہے توبہ اللہ کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے) (۹۶)

ربط آیات

پہلی آیات میں جہاد کی ترغیب اور مجاہدین کی فضیلت کا ذکر تھا۔ اور کوتاہی کرنے والوں کو منافقین کے زمرہ میں شمار کیا گیا تھا۔ اور اُن کی مذمت بیان کی گئی تھی اس کے علاوہ چالپوزی کرنے والے مفاد پرست کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا حکم دیا گیا۔ اور اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان کے باسے میں دوڑائیں نہ رکھیں بلکہ ان کو دشمن ہی سمجھیں جب تک کہ یہ ایمان قبول کر کے ہجرت نہ کر لیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اس قسم کے منافقین کے ساتھ کھٹے کافروں جیسا سلوک کیا جائے۔

یہ تو کفار کے ساتھ سختی کرنے کا حکم تھا، کہ انہیں جہاں بھی پاؤ، پکڑ لو اور مارو۔ اب اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جان کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا کہ مومن کی جان و مال اور عزت محفوظ ہے جب کہ حربی کافر کو یہ رعایت حاصل نہیں۔ یہ تقابلی ربط ہے

مومن کے مال و جان کی حفاظت

اس آیت میں مومن کے مال و جان کی حفاظت کا قانون بتلایا گیا ہے۔ اور اگر کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا جائے تو اس کی نذر کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔
 وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ كَيْفًا أَنْ يَبْغِيَ قَتْلَ مَنْ بَغَىٰ عَلَيْهِ وَلَا يَتَّقِ الْكُفْرَانَ كَمَا يَتَّقِ الْمَوْتِ
 کہ کسی مومن کو قتل کرے۔ یہ مومن کے قتل ناحق کی مطلقاً نفی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک بھی ہے اَلْمُسْلِمُ لِأَخِيهِ الْمُسْلِمِ
 ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لَا يَخْزِلُهُ وَلَا يَظْلِمُهُ نَأْسُ
 بڑا کرتا ہے اور نہ اُس پر ظلم کرتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام مومن آپس

جب بائینوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ تو آپ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر بائینوں سے خطاب فرمایا کہ لوگو! تم میرے قتل کے کیسے درپے ہو۔ جب کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اور سجدہ میں نے کبھی زمانہ جاہلیت میں بھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور نہ میں نے دین کو چھوڑا ہے۔ میں نے جب سے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسلام قبول کیا ہے، اس پر قائم ہوں لہذا تمہارے پاس مجھے قتل کرنے کے لیے کیا دلیل ہے۔

تو فرمایا کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے **الْأَخْطَاءُ قَتْلُ خَطَا** مگر غلطی سے قتل خطا کی صورت مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شکاری جانور کو تیرا بندوق کا نشانہ بنا تا ہے مگر وہ غیر ارادی طور پر کسی مسلمان کو لگ جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو یہ قتل خطا ہوگا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ڈسٹرکٹ جیل میں ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی جو قتل کے کیس میں ملوث تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ قتل تو ضرور ہوا ہے مگر ایسے کہ میں نے ایک گڑھے کے کنارے بیٹھے ہوئے کبوتر کو بندوق کا نشانہ بنایا۔ میرے علم میں نہ تھا کہ اسی گڑھے میں کوئی شخص رفع حاجت کے لیے بیٹھا ہوا ہے جو ہنسی میں نے گولی چلائی، تو گڑھے میں موجود آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور گولی کبوتر کی بجائے اُسے جا لگی، جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ میرا اس شخص سے کوئی تنازعہ نہیں تھا، نہ میں نے اُسے اراداً قتل کیا ہے۔ بہر حال ایسا غلطی سے ہو گیا ہے۔ یہی قتل خطا ہے۔

قتل عمد

اس آیت میں تو قتل خطا کا ذکر ہے تاہم قتل عمد کا بیان سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو قصداً قتل کرنے کے لیے اس کا بدلہ قصاص کی صورت میں ہوتا ہے یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ البتہ اگر مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں تو قصاص کی بجائے خون بہا بھی لے سکتے ہیں۔ یا چاہیں تو مٹا بھی کر سکتے ہیں۔ اس کا قانون یہ ہے کہ مقتول کے ورثہ میں سے کوئی ایک وارث بھی اگر معاف کرنے کے لیے تو قصاص نہیں لیا جائیگا بلکہ خون بہا ہوگا جو قاتل کے مال

میں سے ادا کیا جائے گا۔

قتلِ شہِ عمد

قتلِ عمد اور قتلِ خطا کے علاوہ

قتل کی ایک تیسری قسم قتلِ شہِ عمد

بھی ہے جس کا ذکر حدیث میں ملتا ہے۔ یہ قتلِ عمد کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے۔ کہ قتل ہونا تو عمداً ہے مگر کسی ایسے آدمی کے ساتھ جس کے ساتھ عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کسی کو لاکھی، بچھڑ، کلہاڑے کا دستہ وغیرہ مار دیا اور مضر دہ مگر کیا حالانکہ ایسی ضربات سے عام طور پر ہلاکت واقع نہیں ہوتی۔ اگر چھڑا، تلوار یا پستول وغیرہ استعمال کہہ تا تو یہ تو واقعی آلاتِ قتل ہیں اور ایسا قتل عمد ہی شمار ہوتا ہے۔ مگر معمولی ضرب آدھی ہلاک ہو جائے تو وہ قتلِ شہِ عمد کہلاتا ہے۔ قتلِ شہِ عمد اور قتلِ خطا میں قصاص نہیں لیا جاتا۔ ہے، بلکہ اس میں خون بہا اور کفارہ ہوتا ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

قتلِ خطا کا کفارہ

فرمایا وَمَنْ قَتَلَ صُورًا نَاخِطًا جِسْنِ مَوْنٍ كَوْ غُلَطِيٍّ

قتل کہہ دیا۔ ارادہ قتل نہیں تھا۔ مگر غلطی سے ایسا ہو گیا تو اسکے لیے دو سزائیں

میں۔ ایک۔ کفارہ اور دوسری خون بہا۔ چنانچہ فرمایا قتلِ خطا کا کفارہ یہ ہے۔

فَاتْرِيْ رَفَاتٍ مَّوْصِيْنَ تِ اَبِ مَوْنٍ غَلَامٍ كَا اَزَادِ كَرْنَا، غَلَامٍ

مرد ہو یا عورت، بہر حال اسے ضربہ قتل آزاد کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ایمان شرط

ہے۔ صرف مومن غلام یا مومنہ لونڈی ہی کفاسے میں قابلِ قبول ہے۔ اب تو

دنیا بھر میں غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ لہذا کفاسے کی یہ شکل باقی نہیں رہی

اب دوسری صورت باقی ہے جس کا ذکر آیت کے اگلے حصے میں آ رہا ہے

رَقَبَةً دَرِاصِلٍ كَرْدَنٍ كَوْ سَكْتَنٍ مِّنْ اَزَادِ كَرْمَنٍ سَعِ مَرَاةٍ غَلَامٍ يَّا لَوْنُذِي

کو آزاد کرنا ہے۔

کفارہ یعنی غلام کی آزادی تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اب مقتول کے وارثوں کا حق

یہ ہے وَدِيَّةٌ مَّسَدَلَمَةً اِلَى اَهْلِهِ كَمَا مَسْتَدَلُّوْنَ كَغَضْرَاوِنٍ كَوْ نَقْدِيٍّ يَّامَالٍ

کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔ نقدی کی صورت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم

دبیت یا خون بہا

ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر درہم چھوٹے سائز کا ہو تو بارہ ہزار دینا ہوگا۔ اور اگر دیت کے طور پر مال دینا ہو تو اس کی مقدار ایک سو اونٹ ہیں جو مختلف عمروں کے ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق سو اونٹوں کی تفصیل یہ ہے

- | | | |
|--------------|-----------------------|-------------|
| (۱) جذعہ | (عمر چار تا پانچ سال) | بیس اونٹ |
| (۲) حقہ | (عمر تین تا چار سال) | بیس اونٹ |
| (۳) ابن لبون | (عمر دو تا تین سال) | بیس اونٹ |
| (۴) بنت لبون | (عمر دو تا تین سال) | بیس اونٹیاں |
| (۵) بنت مخاض | (عمر ایک تا دو سال) | بیس اونٹیاں |

فقہانے کرام کے نزدیک اونٹوں کی یہی تعداد راجح ہے۔ ناہم دیت منغلظہ یعنی سخت دیت کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے مطابق پانچ قسم کی بجائے چار قسم کے اونٹ بھی دیت میں ادا ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہر عمر میں بیس بیس کی بجائے پچیس پچیس فی قسم کے اونٹ آئیں گے۔ بعض روایات میں تین اقسام کے اونٹوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کے مطابق تیس تیس اونٹ دو عمروں کے ہوں گے اور چالیس اونٹ تیسری عمر کے۔ موجودہ زمانے میں یا کسی آئندہ زمانے میں اگر دیت کا قانون نافذ ہو جائے تو سکھ راج الوقت میں زر دیت کا تعین انٹوں کی قیمت سے لگایا جائے گا یا دینار و درہم کے مبادلے کی مقدار کے مطابق۔

بہر حال قتل خطا میں مذکورہ کفارہ اور دیت ادا کرنا ہوگا۔ اَلَا اِنَّ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ

سوائے اس کے کہ مقتول کے وارثان دیت معاف کر دیں، ایسی صورت میں دیت ادا نہیں ہوگی۔ فَاِنَّ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ عَدُوٌّ لِّهٖمْ

تمہاری دشمن قوم سے ہے وَهُوَ مِنْ دِيْنِ مَكْرِهٍ مَّبْرُورٍ، تو پھر خون بہا نہیں دیا جائے گا بلکہ صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا فَتَحْرِيْرٌ رِّقَبَةٍ مِّنْهُنَّ یعنی ایک غلام کو آزاد کرنا۔ چونکہ مقتول کی قوم کافر ہے لہذا وہ خون بہا کے مقدار نہیں ہیں وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّمِّ شَاقٌّ

اور اگر مقتول کا تعلق ایسی قوم سے ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان ہو چکا ہے۔ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ تو ایسی صورت میں مقتول کے وارثان کو مقررہ خون ہوا کرنا ہو گا کیونکہ معاہدہ قوم کا معاملہ آزاد قوم جیسا ہی ہوتا ہے۔ اور دیت کے علاوہ وَ تَحْرِيْرٌ رَقَبَةٍ یعنی کفار کے طور پر ایک غلام بھی آزاد کرنا ہو گا۔ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے اسکی جان، مال اور عزت بھی اسی طرح محفوظ ہوتی ہے جس طرح خود مسلمان ملک میں ہونے والوں کی۔ اس کی مثال گذشتہ درس میں بھی آچھی ہے إِنَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ یعنی جن لوگوں کی تمہاری کس معاہدہ قوم سے میل ملاقات ہے ان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال فرمایا کہ اگر مقتول معاہدہ قوم سے متعلق رکھتا ہے تو کفارہ اور دیت دونوں چیزیں ادا کرنی پڑیں گی۔ ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے معاہدہ قوم کے دوا دمی قتل کر ڈالے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے لہذا انہوں نے دشمن سمجھ کر مار دیا۔ حضور علیہ السلام کو اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ نے افسوس کا اظہار کیا اور دیت بھی ادا کی۔

فرمایا فَمَنْ لَمْ يَجِدْ اگر کفارہ ادا کرنے کے لیے غلام میسر نہ ہو یعنی غلام نایاب ہے جیسا کہ آجکل کے زمانے میں قاتل غلام خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ تو اس کا بدلہ یہ ہے فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ صُمَّتَا بَعْدَئِ پس دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ کفارے کی دوسری صورت ہے اور اس سے مقصود قاتل کی تنبیہ اور اصلاح ہے تاکہ وہ ایسا کام نہ کرے دیت کی ادائیگی مالی لحاظ سے اور دو ماہ کے مسلسل روزے جسمانی اعتبار سے بڑا مشکل کام ہے تاہم انسان کی بہیمیت کی اصلاح کے لیے کفارے کی ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔ دیت سے خاندان، بولادری، یا اہل دفتر و فیچر ٹری کو ادا کرنا ہوگی، کہ وہ اسکی غلط تربیت کے ذمہ دار ہیں اور روزے خود رکھنے ہوں گے تاکہ اسے غلطی کا احساس ہو جائے

غلام کا بدل

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَّتَعِدًا فِجَزَاؤُهُ جَهَنَّمَ
خَلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ
لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے

گا، پس اُس کی منزل جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔

اور اُس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اُس کی لعنت ہوگی۔ اور

تیار کیا ہے اس کے لیے بہت بڑا عذاب ﴿۹۳﴾

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ سختی کرنے اور ان کے ساتھ

قتال کا حکم دیا ہے اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کی جانوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے

فرمایا کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے۔ اور اگر نیت اور

ارادے کے بغیر محض غلطی سے قتل ہو جائے۔ تو قاتل کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کفار

کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اگر غلام بیستر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے

رکھے۔ اس کے علاوہ مقتول کے ورثاء کو خون بہا بھی دینا ہوگا جو کہ سوا اونٹوں یا سونے

چاندی کی شکل میں ہوگا یا ان کی مساوی قیمت کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے۔ قتلِ خطا میں خون

کی ادائیگی کی ذمہ داری قاتل کے عاقلہ یعنی اس کے خاندان قبیلہ یا برادری پر ہوتی ہے۔ اسے

محکمہ، دفتر، فیکٹری یا ادارہ پر ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ قاتل منسک ہو، خون بہا یا دیت

کی ادائیگی بالاقساط تین سال میں واجب الادا ہوتی ہے، جس کا انتظام حکومت وقت

کے ذمہ ہوتا ہے۔ کہ وہ قاتل کے عاقلہ سے وصول کر کے مقتول کے ورثاء تک پہنچائے

مفسر قرآن، قاضی ثناء اللہ بانی پٹی اپنی تفسیر منظر ہی میں لکھتے ہیں کہ اگر قاتل کے عاقلہ

رابط آیات

موجود نہ ہوں، تو دیت کی ادائیگی حکومت اپنے بیت المال سے ادا کریگی، کیونکہ کسی مؤمن کا خون رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔

قتل عمد

آج کی آیت کا موضوع قتل عمد یعنی جان بوجھ کر کسی کی جان کو تلف کرنا ہے اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس جرم کے گناہ اور اس کی اغزوی سزا کے متعلق احکام نازل فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے **وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَتَعًا مَّا كَانَتْ لَهُ حَيَاتٌ مُّبَرَّكَةً** کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، کسی شخص کی جان قصداً تلف کرنا اکبر الکبائر یعنی سات بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ ان کی تفصیل جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے اس کے مطابق پہلا بڑا گناہ شرک ہے اور دوسرا قتل نفس۔ اس کے متعلق قصاص کا قانون درج ہے اس میں بیان ہو چکا ہے **وَلَا فِرْيَا كَيْتَ عَلَيْكُمْ الْقصاصُ فِي الْقَتْلِ قَتْلُ هُوَ جَائِزٌ فِي الْقصاصِ كَمَا كَانَ فِي الْقصاصِ** قتل نفس بالانفس والاعین بالاعین..... الخ پوری جان کا بھی بدلہ ہے اور ہر عضو کا بھی قصاص ہے۔ جسے آنکھ، ناک، کان، دانت وغیرہ اور اگر کسی عضو کا قصاص نعیہ ممکن نہ ہو تو وہاں دیت ادا کرنا ہوگی مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو زہر دیا تو اس کا لہا لہی ٹانگ پر مارا جس سے ٹانگ درمیان ٹوٹ گئی۔ اب یہ ممکن نہیں کہ قصاص کے طور پر دوسرے کو ایسے ہی گناہ مار جائے اور اس کی ٹانگ اسی مقام سے اتنی ہی ٹوٹے، تو ایسی صورت میں حکومت وقت کا فیصلہ تسلیم کرنا ہوگا، نا ان یا ارشاد کی جان بوجھ کر قتل عمد میں یہ قانون بھی ہے کہ اگر مقتول کے ورثہ میں سے کسی ایک راضی ہو جائے تو قصاص کی بجائے خون بہا ادا کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ورثہ بالکل محافظ ہی کر دیں تو ان کو اجر عظیم حاصل ہوگا۔ قتل عمد میں دیت کی ادائیگی خود قاتل کے ذمہ ہوتی ہے، عاقلہ پر یہ بار نہیں ہونا، البتہ قتل خطا میں دیت کی ذمہ دار قاتل کی عاقلہ ہوتی ہے۔

قصاص

زندگی ہے

قصاص اور دیت کا قانون بڑا اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ **وَكَمْ فِي الْقصاصِ حَيوةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ** اے عقل مندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔ اگر قصاص کا قانون صحیح طریقے سے نافذ کر دیا جائے تو لوگوں کی جانیں محفوظ ہو کر انہیں زندگی نصیب

ہو جائے۔ اس قانون کے تحت کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ قانون کے نزدیک چھوٹا بڑا اور امیر غریب سب برابر ہیں۔ اورنگزیب علیگیر کے بھائی داراشکوہ نے قتل عام کا ارتکاب کیا تھا۔ اپنے باپ کی موجودگی میں تو وہ گرفت سے بچا گیا مگر جب مقتول کے باپ نے یہ مقدمہ علیگیر کی عدالت میں دائر کیا، اگر ہی کے فیصلے قتل کا ثبوت فراہم کیا تو قانون شریعت جاری ہو گیا اور داراشکوہ کو سزائے موت ہو گئی، انگریز تو اس معاملہ میں علیگیر کو بدنام کرتے ہیں کہ اس نے اپنا رشتہ صاف کر نیچے کے لیے بھائی کو سزا دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے قتل عام کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا تھا اور اپنے بھائی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی تھی۔

انگریزی قانون

ہم اسے ہل اب تک تعزیرات کا انگریزی قانون جاری ہے، اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں ہو سکا، محض نام بدل کر اسے تعزیرات پاکستان کر دیا گیا ہے حقیقت میں یہ وہی انگریز کا جاری کردہ فوجداری قانون ہے، یہ ایسا پیچیدہ قانون ہے جس میں صریح مجرم بھی سزا سے بچ سکتے ہیں، کامیاب ہو جاتا ہے اور مجرم و راجی بچیں جاتا ہے اس قانون کے تحت کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اس قانون میں فیصلہ حقائق کی بجائے دکلا کی قانونی مشمولوں پر ہوتا ہے۔ صاحب ثروت آدمی دکلا کی بھاری فیسیں اور رشوت دیکر اکثر بچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قانون کی موجودگی میں کسی شخص کی جان محفوظ نہیں پاکستان میں بے دریغ قتل کیے جاتے ہیں، مگر قاتل کا بال بیکا تک نہیں ہوتا۔ اگر قانون قصاص و دیت نافذ کر دیا جائے تو ساری غنڈہ گردی ختم ہو جائے اور ملک میں لوگوں کو حقیقی زندگی نصیب ہو جائے۔ انگریزی قانون میں دیت کا مسئلہ تو بالکل ہی ناپید ہے۔ اگر عدالت جرمانہ عاید کرے تو وہ حکومت کے خزانے میں چلا جاتا ہے۔ اور مقتول کے ورثا کو کچھ نہیں ملتا۔ مگر شرعی قانون دیت کی بہت بڑی رقم مقتول کے ورثا کو دلاتا ہے۔

صدر ایوب کے زمانہ میں قتل ناحق کے متعلق ایک رپورٹ اسمبلی میں پیش ہو کر زیر بحث آئی تھی۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ مشترکہ پاکستان (مشرقی اور مغربی) میں تین سال کے عرصہ میں سو لاکھ ہزار افراد قتل ہوئے۔ ایک

دوسری رپورٹ کے مطابق صرف ایک ضلع میں ایک سال میں قتل کے ایک ہزار واقعات پیش آئے۔ خونِ ناحق کی یہ ارزانی اس لیے ہے کہ یہاں شریعت کا تعزیریاتی قانون جاری نہیں کیا گیا۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا اب لگناہ جانیں ضائع ہوتی رہیں گی۔ اگر قصاص اور دیت کا قانون جاری کر دیا جائے اور اسکی مناسب تشہیر بھی کی جائے جس سے لوگوں کو پتہ چل سکے کہ قتل کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی کتنی بڑی سزا ہے، تو اس کا لازماً مثبت نتیجہ برآمد ہوگا اور قتل گری بند ہو جائے گی۔ قانون پر عمل درآمد کے لیے عملے کا انتخاب بھی نہایت چھان بین کے بعد ہونا چاہیے اگر قانون نافذ کرنے والے افراد دیندار ہوں جو خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں تو ملک امن کا گوارہ بن سکتا ہے وگرنہ انگریزی قانون کے ذریعے تو یہی کچھ ہوتا ہے گا جو اب تک ہو رہا ہے۔

دیگر جرائم چوری، ڈاکہ وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ پورے فوجداری قانون میں نہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ ہے اور نہ ان پر عمل درآمد۔ اسلامی قانون میں چوری ثابت ہو جانے کے بعد چور کے ساتھ کوئی رعایت نہیں بہتی جاسکتی اس کا ہاتھ کاٹنا ہی پڑے گا۔ ڈاکو دن رات سڑکوں پر دزدانے پھرتے ہیں، ہر شخص کی زندگی غیر محفوظ ہو کر رہ گئی ہے۔ قرآن پاک نے ڈاکو کے لیے چار سزائیں مقرر کی ہیں
 اَنْ يُقْتَلُوا اَوْ يُصَلَّبُوا اَوْ تُقَطَّعْ اَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
 مِنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَخَا مِنْ الْأَمْشِرِ اَنْ يَمُوتَ قَتْلًا كَمَا دِيَا جَائِئِ يَسُوئِي
 لَدُّ كَا دِيَا جَائِئِ يَا اِيك طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا
 ملک بدر کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جب اس قسم کی سنگین سزا دی جائے گی تو پھر
 ڈکیتی کی کوشش کون کرے گا۔ ہماری بہت سی مہیندوں کا باعث شرعی تعزیرات
 کا عدم نفاذ ہے۔

ہمارا انگریزی وان طبقہ اسلامی تعزیرات سے بلاوجہ خوف زدہ ہے
 یہ ایک مکمل قانون ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کی مکمل تشریح

احادیث میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ فقہائے کرام نے پوری سیرج کے بعد اس کی جنیات کا فیصلہ کیا ہے اور یہ قانون ہر طرح سے قابل عمل ہے اس قانون کے ذریعے جہاں جرم ثابت ہونے پر سخت سزا ملتی ہے، وہاں شک کی بنا پر ملزم کو رعایت بھی ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا واضح ارشاد ہے ادرءالحدود بالمشیہات یعنی شک کی صورت میں ملزم پر حد جاری نہ کرو، اُسے شک کا فائدہ دوغرضیکہ اسلامی تعزیری قانون ایک فطری قانون ہے جس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی

فرمایا جو کوئی کسی مومن کو دانتہ قتل کرے گا فجز آؤہ جہنم
 تو اُس کے لیے اُخروی سزا دوزخ ہے خلدًا فیہا جس میں اُسے ہمیشہ
 ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت سے استدلال کرتے
 ہیں کہ قتل عمد کی توہم نہیں اور قاتل کافروں کی طرح ابدی جہنمی ہے۔ البتہ جمہور
 صحابہؓ اور فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کبیرہ گناہ ضرور ہے مگر اس کا مرتکب
 ابدی سزا کا مستحق نہیں ہے ابدی سزا صرف کفر اور شرک کے جرم پر ہے کیونکہ
 ان جرائم میں عقیدے کی خرابی پائی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ باقی جرائم میں اگر توہم
 کرے تو جہنم سے بچ سکتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ توہم اُخروی دم
 تک قبول ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ
 تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا كَفَرُ يَفْرَغُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِپنہ بندے کی توہم اس وقت
 تک قبول کرتا ہے جب تک عمر غرہ کی کیفیت نہ طاری ہو جائے۔ سورۃ فرقان میں موجود
 ہے۔ بعض لوگوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے ذمہ قتل اور زنا
 جیسے بڑے گناہ ہیں۔ اگر ایمان لانے سے یہ سب معاف ہو جائیں تو ہم ایمان لاتے ہیں
 ورنہ کیا فائدہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ
 صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ جو توہم کمرہ بگا
 ایمان لانے کا اور نیک اعمال انجام دے گا، تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ مٹا دیکے۔ اس لحاظ سے

قتل عمد کا
گناہ اور سزا

قتل عمر بھی قابل معافی ہے۔ بشرطیکہ ایمان موجود رہو اور سچی توبہ کر لے۔ البتہ **هَتَّ**
اسْتَحَلَّ حَرَامًا فَقَدْ كَفَرَ جس نے حرام کو حلال سمجھ لیا، وہ کافر ہو گیا۔
 اگر کوئی شخص قتل ناحق کو حلال سمجھتا ہے تو پھر وہ واقعی ابدی جہنمی ہے۔ وگرنہ **خُلِدَ فِيهَا**
 کا مطلب یہ ہوگا کہ اُسے بڑی دیر تک جہنم میں رہنا ہوگا، امام رازی فرماتے ہیں کہ اس
 کا مطلب ابدی جہنمی نہیں بلکہ طویل مدت تک کے لیے سزا کا مستحق ہے دل میں ایمان
 موجود ہے تو کسی نہ کسی وقت جہنم سے خلاصی پائیگا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے **إِنَّ أَهْلَ**
التَّوْحِيدِ لَا يُخْلَدُونَ فِي النَّارِ یعنی اللہ کی وحدانیت کو
 ماننے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں بیٹھے، کیسا بھی بڑا جرم ہو، ایمان کی بدولت دوزخ
 سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، سوائے کفر اور شرک کے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان
 میں ایمان موجود ہے مگر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے انسان قتل ناحق جیسا عظیم گناہ بھی کہہ
 سکتے ہیں ہے تو وہ ابدی جہنمی نہیں ہوگا۔ بلکہ سزا کے طور پر دیر تک وہاں رہنا ہوگا۔

اس کے علاوہ **وَعَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ** اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس کی لعنت ہوگی جس پر
اللہ ناراض ہو جائے وہ کتنا محتوب شخص ہوگا۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق اللہ نے فرمایا
 کہ یہ بد وضع لوگ ہیں، ان پر اللہ کا غضب ہے۔ یہ عنادی ہیں اور حق کی شدید مخالفت
 کرتے ہیں۔ اسی طرح کفر و شرک والا آدمی بھی خدا کی لعنت اور غضب کا شکار ہوتا
 ہے۔ نیز فرمایا **وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا** اللہ نے قاتل کے لیے بہت
 بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے یہ اُس کے کیسے کا وبال ہے۔ اس نے
 ایک مومن کی جان لے کر بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ حالانکہ کسی مومن
 پر کسی مومن کی جان حلال نہیں۔ یہ آخری سزا کا ذکر ہے اور دنیا میں اگر اسلامی قاتل
 نافذ ہوگا تو قصاص یا دیت بھی دینا ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ آتَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ
مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ
مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ
اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں
(یعنی جہاد کے لیے) پس پوری طرح تحقیق کر لیا کرو۔ اور نہ کہو اس
شخص کے لیے جو تمہاری طرف سلام ڈالتا ہے کہ تو مومن نہیں ہے
کیا تم تلاش کرتے ہو دنیا کی زندگی کا سلام۔ پس اللہ کے ہاں
بہت سی غنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے، پس اللہ
نے تم پر احسان کیا، پس خوب تحقیق کر لیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ
جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر لکھنے والا ہے ﴿۹۴﴾

رہنمائیات گذشتہ کئی دروس سے جہاد کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے، اس ضمن میں ہجرت کا ذکر بھی
ہوا، اللہ تعالیٰ نے جہاد سے گریز کرنے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور ان پر اعتماد
نہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمنوں کے متعلق فرمایا کہ جہاں بھی ملیں انہیں مار ڈالو، نہ ان سے دوستی
رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد حاصل کرو۔ اس کے برخلاف مومن کی حفاظت جان کے متعلق
احکام نازل فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ کسی مومن کے لیے یہ بات روا نہیں کہ وہ کسی دوسرے

مسلمان کی جان کے درپے نہ ہو۔ اور اگر غلطی سے کوئی مسلمان کی جان کے درپے ہو۔ اور اگر غلطی سے کوئی مسلمان مار جائے، تو اُس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے اور دیت کا قانون نازل کیا۔ قتلِ خطا کا کفارہ ایک غلام کی آزادی یا دو ماہ کے مسلسل روزے ہیں۔ اور اس کے علاوہ مقتول کے وارثان کو خونِ بہا بھی ادا کرنا ضروری ہے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا بہت بڑا جرم اور قاتل پر وبال ہے ایسا کرنے والا انسان جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کی زد میں آجاتا ہے۔ قتلِ عمد کے ضمن میں قصاص کا قانون دوسرے درجے پر پارے میں پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔ اگر مقتول کے وارثان راضی ہو جائیں تو قصاص کی بجائے دیت پر بھی تصفیہ ہو سکتا ہے۔ یا اگر وارثان بالکل معاف کر دیں تو ان کے لیے بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ اگر کوئی شخص قتلِ ناحق کو جائز سمجھے تو وہ کافر اور مرتد ہو جائیگا اور ابدی جہنم کا حقدار ہوگا۔

آج کی آیت بھی مسلمان کی جان کی حفاظت کے متعلق ہی ہے۔ اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ کہ کسی شخص کے اسلام کے زبانی اظہار کے بعد اس کا خون حرام ہو جاتا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں کسی شہک کی بنا پر خون بہانا ہرگز جائز نہیں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ صحابہؓ نے کسی مسلمان کو اس شہر کی بنیاد پر قتل کر دیا کہ اسلام نہیں لایا۔ حالانکہ وہ اسلام لا چکا تھا۔

عیاش بن ابی
ربیعہ کا واقعہ

امام بغوی اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ ابو جہل، حارث ابن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ مادرِ زنا بھائی تھے، عیاشؓ کو اللہ نے توفیق دی تو وہ اسلام قبول کر کے مدینہ طیبہ ہجرت کر گیا، اس کی کافرہ ماں کو اس بات کا رنج ہوا۔ اُس نے اپنے دوسرے بیٹوں سے کہا کہ کسی طرح عیاشؓ کو واپس لاؤ۔ جب تک وہ واپس نہیں آتا، میں نہ سائے میں بیٹھوں گی اور نہ کچھ کھاؤں گی اور اس طرح اُس نے جھوک پڑتا ل کر دی۔ چنانچہ باقی دونوں

بھائی عیاش کی تلاش میں مدینے پہنچے۔ اُسے کسی ٹیلے میں پالیا اور اُس کی منت خوشامد کی کہ تم واپس چلے چلو، ورنہ تمہاری ماں بھوکے پیاسی جان بے دیگی۔ بہر حال اُسے واپس آنے پر آمادہ کر لیا۔ مدینے کی حدود سے باہر آ کر اُسے خوب مارا پیٹا اور جکڑ کر واپس لے آئے ابو جہل کی اسلام دشمنی تو پہلے ہی زبان زد عام تھی، اُس نے ساری کسر اپنے بھائی عیاش ابن ربیعہ پر نکال دی۔ بہر حال جب وہ ماں کے پاس پہنچے تو اُس نے کہا کہ جب تک عیاش اپنے سابقہ دین پر واپس نہیں آ جاتا میں راضی نہ ہوں گی۔ عیاش نے ہر چیز انکار کیا اور اپنے بھائیوں کے مظالم برداشت کیے مگر بالآخر مجبور ہو کر اسلام چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔

جب کوئی شخص سخت مجبور ہو جائے تو اضطراری حالت میں اُسے کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی جان کی حفاظت کر سکے۔ تاہم ایسا کرنا اس بشرط کے ساتھ ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں ایمان موجود رہو اور وہ ایسا بالکل مجبوری کے تحت کر رہا ہو۔ تاہم عزیمت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان شہادت قبول کرے مگر کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔

جب عیاش دین اسلام ترک کرنے پر تیار ہو گیا تو مکے کے ایک آدمی زید بن حارث نے اُسے طعنہ دیا اور کہا کہ عیاش! جس دین کو تم آب چھوڑ رہے ہو، اگر وہ واقعی گمراہی تھی، تو تم گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے اور اب واپس آ کر اس گمراہی کا ازالہ کر دیا ہے۔ اور اگر دین اسلام سچا مذہب ہے۔ تو پھر اُسے ترک کرنے کے لیے تم کیسے تیار ہو گئے ہو اس پر عیاش کو سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جب بھی موقع ملے گا زید کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسی عیاش ابن ابی ربیعہ کے متعلق بخاری شریف میں روایت آتی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اس کے لیے قنوت نازلہ پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اُسکی رہائی کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی، عیاش رہا ہو کر پھر مدینے پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد زید بن حارث بھی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔

اتفاق سے قبا کے قریب عیش اور زید کا آمنہ سامنا ہو گیا۔ عیاش کو زید کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا اور اُس کے دل میں پرانی رنجش بھی موجود تھی لہذا اُس نے اُسے وہیں قتل کر دیا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو مسلمان ہو چکا تھا، تم نے اُسے ناجائز قتل کیا ہے۔ چونکہ یہ لاعلمی کی بنا پر ایسا ہوا تھا لہذا اسے قتل خطا ہی شمار کیا گیا، جس کے قانون اور تعزیر کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اسامہ بن زید
کی لغزش

اسی طرح کا ایک واقعہ اسامہ بن زیدؓ کے متعلق بھی آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کے ایک لشکر کو کفار کی طرف جہاد کے لیے روانہ کیا۔ اسامہ بن زیدؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ جب یہ لشکر اپنے ہدف پر پہنچا، تو وہاں کے سب لوگ بھاگ گئے اور صرف ایک شخص پہاڑ پر رہ گیا جو دراصل اسلام قبول کر چکا تھا۔ یہ شخص اپنی بھریوں سمیت پہاڑ سے اس خیال سے بچنے اتر آیا کہ میرے اسلامی بھائی آگے ہیں، یہ میرے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔ اُس نے اکرمہ السلام علیکم اور کلمتہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی پڑھا۔ اسامہ بن زیدؓ نے سمجھا کہ اس شخص نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے، لہذا اُسے دشمن تصور کرتے ہوئے مار ڈالا اور اس کی بھریوں پر قبضہ کر لیا۔ جب

یہ لشکر مدینہ طیبہ واپس آیا تو مذکورہ واقعات کی اطلاع حضور علیہ السلام کو دی گئی۔ مسلم شریعت کی روایت کے مطابق آپ علیہ السلام نے اسامہ کو طلب کیا اور ایک مسلمان کے قتل کی وجہ دریافت کی۔ اسامہ نے عرض کیا: حضور! اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا، وہ دراصل مسلمان نہیں تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: هَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ تَوْنَةَ اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اسامہ بہت نادم ہوئے اور حضور علیہ السلام سے التجا کی میری خطا کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا تَصْنَعُ يَا اِلٰهَ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جب وہ شخص کلمہ

لا الہ الا اللہ کے کمر قیامت کے دن حاضر ہوگا، تو پھر تم کیا کرو گے صحنور یہ الفاظ بار بار دہرتے تھے۔ اس پر اسامہ نے تمن کی کاش وہ آج کے دن مسلمان ہوتے اور ایمان قبول کرتے تاکہ اس قتل کا وبال ان کے سر پر نہ ہوتا۔ اس واقعہ کے بعد اسامہؓ بہت محتاط ہو گئے۔ اور صرف اسی شخص پر ہاتھ اٹھاتے جنکی اسلام دشمنی کی اچھی طرح تصدیق کر لیتے۔ حضرت سعدؓ کے متعلق بھی آتا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں بھی کسی شخص پر بغیر سہچے سمجھے تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ اور صرف اسی کے خلاف ہاتھ اٹھاؤں گا جس کے خلاف اسامہؓ کا ہاتھ اٹھے گا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تہنید فرمائی کہ قتل جیسا انتہائی قدم پوری تحقیق کے بعد اٹھانا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ إِذَا ضَرَبْتُمْ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ جب تم سفر کرو، اللہ کے راستے میں۔ ضرب کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ضرب کا عام فہم معنی تو مارنا ہے اور اس کا معنی بیان کرنا بھی ہے جیسے قرآن پاک میں يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور ضرب کا معنی سفر کرنا بھی ہے جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے۔ اور فی سبیل اللہ سے مراد جہاد کے لیے نکلنا ہے۔ اس کی تشریح گذشتہ دروس میں بھی کی جا چکی ہے۔ تو بہر حال مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! جب تم جہاد کے لیے سفر پر نکلو، یعنی تمہارا سفر محض اللہ کی رضا کے لیے ہو اس میں ملک گیری اور مہوس زد کرنا نہ ہو۔ تو دوران سفر اگر کوئی ایسی صورت

حال پیدا ہو جائے فَتَبَيَّنُوا تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو وَلَا تَقُولُوا

لَمِنَ الْقَوْمِ إِلَيْكُمْ السَّلَامُ لَسْتَ مَوْمِنًا اور جو شخص تمہیں اسلامی طریقے سے سلام کرے اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ مقصد یہ کہ جو شخص ظاہری طور پر زبان سے کلمہ پڑھ لیتا ہے اور تمہیں سلام کہتا ہے اس کو مسلمان سمجھو اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو۔

اس کو قتل کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کے لیے اسلام کا اقرار کر رہا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے پاس ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسے سزا دے گا۔ تمہیں اس پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

مال کی تمنا

چونکہ اس امر نے اُس مقتول کی بھجریوں پر قبضہ کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو۔ عرض کا معنی دنیا کا ساز و سامان ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ تو حقیر مال و متاع ہے۔ فَعِنْدَ اللَّهِ مَعَانِمٌ كَثِيرَةٌ مگر اللہ تعالیٰ کے پاس بہت زیادہ نعمتیں ہیں۔ خدا تو خیرتوں کا مالک ہے اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ تمہیں ان بھجریوں پر قبضہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے خیرتوں پر نظر رکھنی چاہیے تھی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے وہ بھجریاں مقتول کے خاندان والوں کو واپس بھجوا دی تھیں کیونکہ یہ مسلمانوں کے لیے جائز نہ تھیں۔

فرمایا كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ اُس سے پہلے تم بھی اسی شخص کی طرح تھے۔ تم کھڑے تھے۔ جب تم نے کلمہ پڑھ لیا تو تم پر اعتبار کر لیا گیا۔ اب تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تھا کہ جب اس شخص نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر دیا تھا تو اس پر اعتماد کرنا تھا۔ حضور علیہ السلام کا اپنا طریق کار بھی یہ تھا۔ کہ جو بے دشمن پر حملہ مطلوب ہوتا تو آپ رات کو طلوع فجر تک انتظار فرماتے اگر اُس بستی سے اذانِ فجر کی آواز آجاتی تو سمجھتے کہ یہاں کچھ مسلمان بھی موجود ہیں۔ لہذا حملہ کا ارادہ ترک کر دیتے۔ اور اگر وہاں سے شعائر اسلام کی کوئی نشانی نہ ملتی تو حملہ کا حکم دے دیتے۔ بہر حال قانون یہی ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہ مارا جائے۔ فرمایا پہلے تم بھی ایسے ہی تھے فَمَنْ لَدُنَّ اللَّهِ عَلَيْكُمْ پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا تم مسلمان ہو گئے فَتَبَيَّنُوا اب لازم ہے کہ تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں خونریزی بالکل ممنوع ہے۔ مگر اس حکم پر عمل درآمد صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی سرکزیہیت قائم ہو۔ خلافت کے خاتمہ کے بعد اہل اسلام کا مشترکہ سرکزیہ باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ انارکھی میں مبتلا ہے اور اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اب مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ کہیں دو ملک آپس میں الجھے ہوئے ہیں اور کہیں دو پارٹیاں درست و گمراہیاں ہیں جب تک مسلمانوں کی اجتماعیت قائم نہیں ہوگی مسلمانوں کی آپس کی خونریزی نہیں رک سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا کہ ایک دوسرے کا خون بہایا جائے۔ یہ بڑی قیمتی چیز ہے۔ اور یہ قانون بھی واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی ظاہراً اسلام کا اقرار کرتا ہے تو پھر اس کی جان، مال اور عزت مسلمانوں کے ہاتھوں محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں آپس کی قتل و غارت تو کافروں کا شیوہ ہے، مگر آج مسلمان اسے اختیار کر چکے ہیں۔ جو کہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ہمتی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لینی کا حکم دیا ہے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا تَمَّ جَوَ كُفْرُ هِجْرَتِ كَمَرْتِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ وہ تمہارے ارادوں اور نیت سے واقف ہے تمہاری تمام کارگزاری پر اللہ تعالیٰ ہر وقت نگاہ رکھے ہوئے ہے اور تم ہر آن اس کی نگرانی میں ہو دو سکر ہر مقام پر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَسَبَّ اِلٰهًا حَوْصًا بِشَيْكٍ تَمَّ هَا رَبُّ كُفْرَتِ يَسْ هُوَ۔ وہ تمہاری تمام حرکات کی نگرانی کر رہا ہے، لہذا کوئی ایسا بے احتیاطی کا کام نہ کرو جس سے کسی مسلمان کی جان تلف ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حفاظت جان کا یہ قانون بھی بیان فرمادیا۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۙ ⑨۵ ۙ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ ⑨۶ ۙ

۳۵۰

ترجمہ : نہیں برابر وہ لوگ جو بیٹھے والے ہیں اور
 ہیں سے جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ جو جہاد کرنے والے ہیں اور ان کے ساتھ ہیں اپنے
 مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ (سوائے ان لوگوں کے جو عذر
 والے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے جہاد کرنے والوں
 کو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ بیٹھے والوں کے مقابلہ
 میں۔ وجہ کے اعتبار سے اور ہر ایک سے وعدہ کیا ہے
 اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے جہاد
 کرنے والوں کو بیٹھے والوں کے مقابلے میں بہت بڑے اجر کی ⑨۵
 یہ درجے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بخشش اور مہربانی ہے
 اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ⑨۶

اس کی تہیہ کی گئی تھی کہ بے احتیاطی کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان ضائع نہ ہونے پائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جب لوگ جہاد کے لیے جاتے تھے تو لہذا اوقات غلط فہمی کی بنا پر مسلمان کے ہاتھوں مسلمان قتل ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ اس تہیہ کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں لوگ جہاد میں شرکت سے محض اس لیے اعراض نہ کرنے لگیں کہ کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان ناحق تلف ہو جائے۔ اس خدشے کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور واضح فرما دیا کہ جہاد میں حصہ لینے والے گھبر بیٹھے ہونے والوں سے بہر صورت اولیٰ اور افضل ہیں خواہ ان کا پیچھے رہ جانا کسی بھی وجہ سے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی ترغیب دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَا يَتَّوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَيْنِ أُولِي الضَّرَرِ
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُمِطُّونَ عَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ عَيْنِ أُولِي الضَّرَرِ
راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد برابر نہیں ہیں۔ اور مجاہدین بھی ایسے جو جہاد کرنے
ہیں بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ پانے والوں کے ساتھ اور اپنی جانوں
کے ساتھ یعنی جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو پھر اپنا مال اور جان
دونوں اٹانے اللہ کی راہ میں پیش کرتے ہیں۔ قَعْدُونَ جمع ہے قَاعِدٌ
کی جس کا لغوی معنی بیٹھنے والے ہیں اور سردار وہ لوگ ہیں جن کی ضرورت بوجہ محاذ
جنگ پر نہیں ہوتی اور وہ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں۔ تاہم حسب ضرورت جہاد میں
بالفعل شمولیت کے لیے بھی ہمہ وقت تیار ہوتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں
انہیں ریزرو فورس (RESERVE FORCE) کا نام دیا جاسکتا ہے۔ انہی
لوگوں کے متعلق فرمایا کہ پیچھے بیٹھنے والے مومن اور آگے لڑنے والے مجاہد
برابر نہیں ہیں۔ البتہ درمیان میں عَيْنِ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ لاکر محذور
لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا کہ ان پر کچھ التزام نہیں۔ اور مطلب یہ ہوا کہ بغیر غدر پیچھے

قاعدین اور
مجاہدین کا تقابل

بیٹھنے والے مومنین اور میدان جنگ میں

جانے والے مجاہدین برابر نہیں ہیں بلکہ مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے

شان نزول

اس آیت کی شان نزول کے متعلق احادیث اور تفاسیر میں مذکور ہے کہ

أَوَّلًا آيَةُ كَايَةِ حَصَّةٍ نَازِلٍ بِهِيَ لَا تَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اس پر حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ

کو تشویش لاحق ہوئی آپ نابینا تھے مگر قدیم الاسلام صحابی اور مؤذن بھی تھے۔

انہوں نے محسوس کیا کہ معذور ہونے کی وجہ سے وہ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے

اور پیچھے بیٹھے رہتے ہیں جب کہ مجاہدین جہاد میں بالفعل شریک ہو کر فضیلت

میں بڑھ جاتے ہیں۔ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا

حضور! میں معذور ہوں، اگر مینا ہوتا تو ضرور

جہاد میں شریک ہوتا۔ آپ کی اس خواہش اور حسرت کے جواب میں اللہ تعالیٰ

نے عَائِشَةَ أُولَى الضَّرَفِ کے الفاظ نازل فرمائے۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں

کہ جس مجلس میں یہ وحی نازل ہوئی، میں اس مجلس میں موجود تھا اور حضور

علیہ السلام کی ران مبارک میری ران پر تھی۔ جب وحی نازل ہوئی تو میری ران پر

اس قدر بوجھ پڑا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران ٹوٹ رہی ہے یہ وحی کا بوجھ

تھا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جہاد میں عملی شرکت نہ کرنے والوں میں سے معذور

افراد مثلاً لنگڑا، اندھا، اپاہج وغیرہ کو عذر کی بنا پر مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اور اعلان

فرما دیا کہ بلا عذر پیچھے بیٹھنے والے اور جہاد میں بالفعل شریک ہونے والے برابر

نہیں بلکہ مؤخر الذکر لوگ اول الذکر لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

مغذروں کے لیے رعایت

مغذروں کا یہ استثنا، ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا ذکر سورۃ

توبہ میں آتا ہے "إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ" یعنی ان کا عذر اس صورت

میں قابل قبول ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہ ہوں۔ اور

پیچھے بیٹھے مومنانوں کی خیر خواہی کی باتیں کہیں نہ کہ کوئی ایسا غلط پراپیگنڈا کریں

جس سے دشمن کو تقویت حاصل ہوتی ہو جی چالوں میں سے پراپیگنڈا بھی ایک مؤثر ہتھیار ہے اور ہر فریق سے دشمن کے خلاف استعمال کرتا ہے تاکہ اس کے اعصاب کمزور ہوں تو اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ معذور لوگ دشمن کے پراپیگنڈا کا شکار ہو کہ کوئی چھوٹی موٹی خبریں نہ پھیلانا شروع کر دیں جس سے عوام میں بددلی پیدا ہوتی ہو۔ یہ رعایت اپنی معذوروں کو حاصل ہوگی جو اہل ایمان کے خیر خواہ ہوں گے اور کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جس سے جماعت المسلمین میں ضعف پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ اہل اسلام کے بدخواہوں کو یہ رعایت حاصل نہیں ہوگی بلکہ وہ عند اللہ معتبوب ہوں گے تو فرمایا پیچھے رہ جانے والے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، سوائے معذوروں کے۔

فَمَا قَضَىٰ اللَّهُ الْمَجِدِّينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
عَلَى الْقَوَدِّينَ دَرَجَةً ۗ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ نَظَرَ
سَاتِدًا جَاهِدُوا كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
وَالْوَالُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
وَكَلَّا ۗ وَعَدَّ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ اللَّهُ لِي سَبِّ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
رُكْحًا ۗ مَقْصِدِي كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
دَوْلُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
رُزْوَ مَاتُ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
اللَّهُ تَعَالَىٰ نَظَرَ سَاتِدًا جَاهِدُوا كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ
قِيَمَتِي مَتَاعِي كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ كَمَا تَقْوُونَ

درجہ کے
اعتبار سے
فضیلت

آیت کے اس حصہ كَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ امام ابو بکر جصاصؓ اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جہاد میں حصے لینے والے اور نہ لینے والوں سب کے ساتھ جھلائی کا وعدہ

جہاد فرض
کفایہ ہے

ہی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ جہاد میں کس و ناکس کے لیے فرض عین نہیں ہے۔ لہذا جماعت المسلمین میں سے کچھ لوگ جہاد میں حصہ لے لیں تو پوری ملت اس فرض سبکدوش سمجھی جائے گی۔ اور اگر کوئی شخص بھی جہاد کے لیے تیار نہ ہو تو سب گنہگار ہوں گے۔ جہاد کا معاملہ بھی جنازہ اور کفن و دفن والا ہے۔ کہ اگر بستی، گاؤں، محلہ یا شہر کے کچھ لوگ مرنے والے کے کفن و دفن اور جنازہ کا انتظام کر دیں تو یہ فرض سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا اور اگر کوئی شخص بھی یہ انتظام نہ کرے تو سارے کے سارے بستی والے گنہگار ہوں گے نماز جنازہ بھی فرض کفایہ ہے۔

البتہ بعض غیر معمولی حالات (ABNORMAL) میں جہاد فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اگر دشمن مسلمانوں کی جماعت پر حملہ کرے، تو اس وقت ہر عاقل بالغ، مرد اور عورت پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ملکی دفاع کے لیے ہر مسلمان کو اپنا حصہ ادا کرنا پڑے گا۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے حالات میں عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر دشمن کے خلاف تدریر کے لیے جا سکتی ہے۔ اسی طرح غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں شریک ہو سکتا ہے۔

قانون جہاد کی رو سے اب لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں پہلا گروہ منافقین کا ہے۔ ان کے متعلق لَیْذِیْطٍ مِّنْ اَیْکُمْ ہے۔ کہ وہ جان بوجھ کر ہلا عذر جہاد سے گریز کرتے ہیں۔ اور گھبر بیٹھتے ہیں دوسرا قاعدین کا ہے جس کا ذکر آج کے درس میں آیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بالفعل جہاد میں شریک نہیں ہوتے مگر ضرورت پڑنے پر محاذ جنگ پر جانے کے لیے مستعد ہتے ہیں۔ تیسرا گروہ مجاہدین کا ہے۔ جو بالفعل جہاد میں شریک ہو کر۔ جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اور چوتھا گروہ معذوروں کا ہے جو کسی عذر کی وجہ سے شریک جہاد نہیں ہو سکتے مگر اہل ایمان کے خیر خواہ

ہوتے ہیں۔ ان چاروں گروہوں میں سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت بیان کی ہے، قاعدین سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے، مجاہدین کو بلند درجہ کی خوشخبری سنائی ہے اور مغزورین کو مشنٹی کیا ہے۔

جہاد باللسان

اس آیت کریمہ میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا ذکر ہے۔ تاہم البوداؤد شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں جہاد باللسان کا ذکر بھی آتا ہے اور جہاد باللسان کا بھی۔ یعنی جہاد زبان کے ساتھ بھی ہے اور اللہ کے ساتھ بھی ہے۔ البوداؤد شریف کی روایت میں اس طرح آتا ہے جَاهِدُوا الْكُفْرَانَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسِّنْتِكُمْ یعنی کفار و مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ تو گویا بوقت ضرورت لسانی جہاد بھی فرض ہو جاتا ہے۔ دین اسلام کی تبلیغ یعنی اللہ کے احکام کو دوسروں تک پہنچانا لسانی جہاد ہے۔ تقریباً بیان کے ذریعے اسلام کی تبلیغ یا اسلام کے متعلق کسی فرد یا جماعت کے شکوک و شبہات دور کرنا بھی زبانی جہاد کا حصہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم، اس کی اشاعت اور تبلیغ جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی شعبے میں لگایا ہوا ہے اور میں اپنا فرض انجام دے رہا ہوں۔ آپ نے بارہ سال تک دہلی میں تعلیم دی، پھر حج کے لیے گئے۔ وہاں سے استفادہ حاصل کیا اور پھر واپس آکر ساری عمر تبلیغ کے شعبے میں لگے رہے۔ آپ بالفعل تو جہاد میں شریک نہیں ہو سکے تاہم آپ نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لیے اپنا فرض احسن طریقے سے پورا کیا تبلیغ اسلام کے لیے تصنیف و تالیف بھی جہاد میں داخل ہے میرے سامنے جو قرآن پاک ہے اس کا ترجمہ اور کچھ حاشیہ شیخ السنندری کا ہے اور یہ آپ نے مالٹا میں اسیری کے دوران لکھا تھا۔ اور بقیہ حاشیہ آپ کے شاگرد حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل کیا تھا۔ یہ بہترین،

جہاد بذریعہ

تصنیف

مستند اور مختصر حاشیہ ہے۔ آپ کے پاس جو قرآن کریم ہے اس کا ترجمہ اور مختصر حاشیہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا ہے۔ بڑا آسان اور عام فہم ترجمہ ہے۔ یہ بھی ایک عظیم جہاد ہے تصنیف و تالیف کے ذریعے جہالت کو مٹانا، علم کو پھیلانا، عدل و انصاف کو قائم کرنا ایمان اور توحید کو دنیا میں غالب کرنا، معاصی اور فسق و فجور کا قلع قمع جہاد ہی کا حصہ ہے۔ بلکہ یہ جہاد کبیر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

يُوزَنُ مَادُّ الْعَلَمَاءِ بِدَمِ الشَّهِدَاءِ وَ قِيَامَتُ يَوْمِ دُنِ اللّٰهِ تَعَالٰی

تصنیف و تالیف کرنے والے علما کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کا درجہ عطا فرمائیں گے۔ تصنیف و تالیف کی اتنی بڑی فضیلت آئی ہے۔ گویا جہاد کی یہ چار ٹہکیں واضح ہو گئیں یعنی تصنیف و تالیف، تبلیغ تعلیم اور جہاد باغفل۔ جن لوگوں کو اللہ نے توفیق بخشی ہے وہ اللہ کی راہ میں مال کبھی لگاتے ہیں اور جان بھی پیش کر دیتے ہیں۔ تاہم بعض لوگ جسمانی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ جنگ میں بنفس نفیس شامل ہو سکیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے توفیق دی ہے۔ تو وہ جہاد بالمال میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے دین کے قیام اور غلبہ اسلام کے لیے جو مال خرچ کیا جائے اس کا درجہ عام صدقات وغیرات سے بہت بلند ہے۔ جہاد کا موقع تھا۔ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک اونٹنی لایا، اس پر کجاوہ اور پالان کسا بڑا تھا۔ عرض کیا، حضور! یہ اونٹنی پوری طرح تیار ہے، اسے کسی مجاہد کے سپرد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا کام کیا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح کی سات سو اونٹنیاں عطا فرمائے گا۔ گویا جہاد کے لیے ایک پیسہ خرچ کرنے کا ادنیٰ درجہ سات گنا ہے۔ سورۃ انعام میں عام نبی کا صلہ تو دس گنا بتایا ہے "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَلِهَا" مگر جہاد کے لیے اجر و ثواب سات سو گنا تک بڑھ جاتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ذُرْوَةٌ سَنَّاهُ الْجِهَادِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰی کی کوٹھن کی بلندی جہاد ہے۔ جہاد کی وجہ سے ملت اسلامیہ میں استحکام پیدا ہوتا

جہاد بالمال

ہے۔ حدود الشریعہ جاری ہوتی ہیں، برائی کا خاتمہ ہوتا ہے، کفر کا غلبہ ٹوٹتا ہے اور زیر میں خلافت کا نظام قائم ہوتا ہے۔

ایک عرصہ ہذا ملت اسلامیہ سے جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ کفار نے اس جذبہ کو ختم کرنے کے لیے ایٹمی چوٹی کا زور لگایا ہے، ہندوستان میں مزارقادی کو کھڑا کیا جس نے اعلان کیا اب جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔ ایسا ہی کچھ براہین سنیہ سے کروا گیا۔ ایران میں یہ کام بہا، اللہ سے کروا کر نئی شریعت آگئی ہے لہذا اب جہاد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب انگریز کی خیانت ہے جس نے مسلمانوں میں بندوبست پیدا کرنے کے لیے جہاد سے پیچھے ہٹایا خلافت کو ختم کرنے کے انگریز نے ملت اسلامیہ کی مرکزیت کو ختم کر دیا۔ اسلامی خلافت اور کجستی کی وجہ سے انگریز اور جرمن وغیرہ مسلمانوں سے خوفزدہ تھے چنانچہ انہوں نے ملی جھگڑت سے دنیا بھر میں مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے خطوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ان کی اجتماعیت ختم ہو۔ اور کسی مشکل کے وقت یہ ایک دوسرے کی مدد بھی نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمانوں کو کہیں بھی عزت کی زندگی نصیب نہیں۔ فلسطین اور افغانستان کے مسلمان بے یار و مددگار ہیں۔ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ انگریز نے ایسی پابندیاں لگا دی ہیں کہ چاہنے کے باوجود کوئی مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ سب بغیر اقوام کی سازش کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ اپنا مال جہاد میں لگاؤ مگر آج مسلمانوں کا مال تعیش کے کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ آج مسلمانوں کی دولت کا رخ کھیل تماشے، میٹھی، فحاشی، ہمشرکانہ عموماً، اور بدعات کی طرف ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے کتنا روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ عالیشان عمارتیں ضرور بن رہی ہیں مگر دین کی تبلیغ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ ہر شخص راتوں رات دنیا بھر کے خزانوں کا مالک بن جانا چاہتا ہے اور اسے اس بات کی کچھ پروا نہیں کہ ذرائع آمدن حلال ہیں یا حرام حالانکہ حکم یہ ہے **أَجْبَلُوا فِي الطَّلَبِ**

ترک جہاد
کا دیال

فضول شریعی

جائزہ ذرائع سے کاڈ اور جائزہ امور پر خرچ کرو۔ جو کوئی صلہ کاموں پر مال خرچ کرے گا
عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ آج صرف دس فیصدی لوگ دو لختند ہیں اور باقی نوے فیصدی
سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آج کون ہے جو غریبوں کو بھی اپنا بھائی سمجھ کر ان
کے دکھ درد میں شریک ہو۔ آج کس کو احساس ہے۔ کہ سب مسلمان بھائی بھائی
ہیں۔ سب کا نظریہ حیات (۱۵۵۱-۵۵۲) ایک ہے لہذا ایک بھائی کو دوسرے
بھائی کی ضروریات کا بھی خیال ہونا چاہیئے۔

بلی جذبہ

وہ لوگ کہاں گئے جن کے دلوں میں بلی جذبہ موجود تھا اور وہ اپنے بھائیوں
کے لیے جذبہ ہمدردی رکھتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیا سحری کے وقت کھانا
نہیں کھاتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ جسمانی طور پر کمزور ہیں اور روزہ بھی رکھتے
ہیں، کچھ کھاپی لیا کریں۔ فرمایا مجھے ان غریب مسلمانوں کا خیال آ جاتا ہے، جن
کے پاس سحری کرنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ جب ان کا تصور آتا ہے۔ تو خلق
سے لقمہ نیچے نہیں جاتا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مغرب میں کوئی مسلمان
عورت اغوا ہو جائے تو مشرق کے مسلمانوں پر اس کی امداد فرض ہو جاتی ہے
فرماتے ہیں اگر مشرق کے رہنے والے کسی مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے
تو مغرب والے مسلمان اس کی چھین محسوس کرتے ہیں۔ یہ تھا وہ جذبہ جن کی وجہ
سے مسلمانوں کو دنیا میں عزت نصیب تھی اور اغیار ان سے دہشت کھاتے تھے

ابو عظیم

فَرَمَا وَقَضَّ لَ اللّٰهِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعْدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا مَا اللّٰهُ تَعَالٰى نَعْمَ الْمَجَاهِدِيْنَ كَوْفُضِيْلَتِ كُنْحَشِيْ هِ
يَسْمَعِيْ يَسْمَعِيْ وَالْوَلِيْ اَبُو اَبْرَ عَظِيْمِيْ هِيْ فَرَمَا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ يَدْرِيْ
هِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى كِيْ طَرَفٍ سَيِّئِيْ كِيْ رَوَايَتِيْ مِيْنِ اَتَا هِيْ۔ كِهْ حَضْرُوْرَ عَلِيْهِ السَّلَامِ
نَعْمَ فَرَمَا اللّٰهُ تَعَالٰى نَعْمَ الْمَجَاهِدِيْنَ كِيْ لِيْ جَنَّتِيْ مِيْنِ تُوْرِيْجِيْ تِيَارِ كَرَسَمِيْ هِيْ
اَوْرَ مَرِيْجِيْ مِيْنِ اَتَا فَرْقِيْ هِيْ جَنَّا اَسْمَانِ اَوْرَ زَمِيْنِ كِيْ دَرَمِيَانِ۔ فَرَمَا اِسْ كِيْ
عَلَاوَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى كِيْ وَ مَغْفِرَةٌ كَبِيْرَةٌ مَغْفِرَةٌ هِيْ جَوَابِيْنِيْ نَصِيْبِيْ هُوْ كِيْ۔

جہاد میں بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ کوئی مسلمان غلطی سے مارا جاتا ہے۔ تو اس قسم کی لغزشوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش حاصل ہوگی وَرَحْمَةً اور اللہ تعالیٰ مجاہدین کو اپنی آنکوش رحمت میں جگہ دے گا۔ اس کی مہربانی شامل حال ہوگی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا۔ وہ بخشتے والا ہے۔ انسان کا اعتقاد صحیح ہو، جذبہ اور طلب صادق ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ وہ ضرور معاف کر دے گا۔ اور رحیم ہے، اس کی مہربانی بڑی وسیع ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کے دین، اس کی کتاب اور نبی کے مشن کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے مال و جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت جوش میں آکر اس کی تمام کوتاہیاں معاف فرمادیں گی۔

النساء ۴

آیت ۹۷ تا ۱۰۰

والمحصنات ۵

درس پنجاہ و سہ ۵۳

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمْ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَلْفُسِهِمْ قَالُوا
 فِيهِمْ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ
 قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا
 فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾
 إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ لَا
 يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾
 فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ
 عَفُورًا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يَهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ
 فِي الْأَرْضِ مُرْغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ
 يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
 ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى
 اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٠٠﴾

= (۹۷) =

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں
 اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر زیادتی کرتے ہیں (فرشتے)
 کہتے ہیں کہ تم کس بات میں تھے۔ وہ کہتے ہیں، ہم زمین
 میں کمزور تھے (فرشتے) کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی
 کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ پس یہی لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا

جہنم ہے اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی (۹۷) مگر وہ لوگ جو کمزور ہیں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے، جو نہیں طاقت رکھتے کسی تدبیر کی اور وہ نہیں راہ پاتے (۹۸) پس یہ لوگ ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر لے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشش کرنے والا ہے (۹۹) اور جو شخص ہجرت کریگا اللہ کی راہ میں، وہ پائے گا زمین میں بہت سی جگہ اور وسعت۔ اور جو شخص نکلے گا اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف، پھر پالے اُس کو موت پس بیشک واقع ہو گیا اللہ پر اُس کا اجر۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے (۱۰۰)

گذشتہ درس میں مجاہدین اور قاعدین کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا تھا اور مجاہدین کی فضیلت اور اجر عظیم کا ذکر تھا۔ اب جہاد کے ساتھ ساتھ ہجرت کی ضرورت اور اسکی فرضیت کا تذکرہ ہے۔ اور بوقت ضرورت ہجرت نہ کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے۔ جس طرح بعض حالات میں جہاد فرض کفایہ سے فرض عین بن جاتا ہے اسی طرح بعض اوقات ہجرت بھی فرض عین کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ جب کسی مقام میں کفار کو اس قدر غلبہ حاصل ہو جائے کہ مومن اپنے دین کے شعار پر عمل نہ کر سکے، تو مومن پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے گھر بار، کاروبار، وطن، عزیز واقارب وغیرہ کو اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے جہاں وہ دین کے احکام پر آسانی سے عمل پیرا ہو سکے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے۔ کہ کفار نہ تو مسلمانوں کو نماز پڑھنے دیتے تھے۔ اور نہ ہی اسلام کے کسی دیگر شعار کو انجام دینے کی اجازت دیتے۔ اس کے علاوہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ ان حالات میں اہل اسلام نے مکہ سے ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ نبوت کے چھٹے سال مسلمانوں کا

ہجرت کی
فرضیت

ایک کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ وہ سنتے تھے کہ حبشہ کا بادشاہ رحم دل ہے اور وہ تعرض نہیں کرے گا، اس لیے امید کرتے تھے کہ وہاں جا کر مسلمان سکھ کا سانس لے سکیں گے۔ اس کے بعد پھر دوسرا فائدہ بھی حبشہ چلا گیا، مگر وہاں جا کر بھی اسلام کی پوری طرح آبیاری نہ ہو سکی۔ آخر سچی دور کے تقریباً تیرہ سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں کئی جماعتیں مدینہ منورہ روانہ ہوئیں اور پھر خود حضور علیہ السلام بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی معیت میں مدینہ پہنچ گئے آپ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی جماعتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچتی رہیں۔ اس طرح جس آدمی کو موقع ملتا وہ کفار کے حصار کو توڑ کر مدینہ منورہ پہنچ جاتا۔ اور اس طرح کفار کے ظلم و ستم سے بچ جاتا۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے پہلے بیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔

کو تاہم کی سزا

جب ہجرت فرض ہو جاتی ہے تو پھر صاحب استطاعت کو درالکفر میں ٹھہرے رہنے کی اجازت نہیں ہوتی اور اگر وہ جان بوجھ کر بلا عذر ہجرت نہیں کرتا تو جہنم کا تعلق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں سخت وعید فرمائی ہے۔ البتہ بعض کمزور طبقوں کو ہجرت سے اس بنا پر مستثناء قرار دیا گیا ہے۔ کہ سفر ہجرت ان کے بس میں نہیں ہوتا بعض جسمانی طور پر اتنے کمزور ہوتے ہیں کہ سواری پر بھی سفر نہیں کر سکتے۔ بعض کے پاس زاد راہ نہیں ہوتا اور بعض راستے سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں انہیں کسی کا تعاون بھی حاصل نہیں ہوتا ایسے لوگ معذور سمجھے جاتے ہیں اور عند اللہ ماخوذ نہیں ہوتے ہر حال بلا عذر ہجرت سے گریز کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْغَالِبِينَ بیشک وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں ان حالات میں ظَالِمِينَ انفسہم

کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں۔ توفی کا معنی کسی چیز کو پوسے طریقے سے قبض کر لینا ہوتا ہے۔ یہ لفظ موت پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کے بعض دیگر معانی بھی ہیں۔ اپنی جانوں پر ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اُن پر ہجرت فرض ہو چکی تھی۔ مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے عاید کردہ فرائض مثلاً نماز، روزہ

حج، زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں کرتا، وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت بھی فرض تھی مگر اس فرض کو انجام نہ دینے والا ظالموں کی فہرست میں آ گیا۔ تو فرمایا اس قسم کے مجرم لوگوں کی جب فرشتے روح قبض کرتے ہیں قَالُوا فَيَذَرُكُمْ كَتُمًّا تَوَّانًا سے کہتے ہیں، تم کس حال میں تھے۔ تم پر ہجرت فرض ہو چکی تھی، مگر تم نے دارالکفر کو کیوں نہ چھوڑا۔ تو وہ لوگ جواب دیتے ہیں قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ہم زمین میں کمزور خیال کیے جاتے تھے۔ فرشتے پھر سوال کرتے ہیں قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضًا لِلَّهِ

وَأَسْعَةً كَمَا آتَى اللَّهُ زَمِينَ وَسِعَ نَبِيحًا فَتَمَاجِرًا فِيهَا کہ تم اس میں ہجرت کہ جاتے۔ یہ درست ہے کہ تم کفار کے مقابلے میں کمزور تھے مگر کیا چلنے پھرنے سے بھی معذور تھے۔ تم میں اتنی ہمت تو تھی کہ اُس مقام سے چلے جاتے، پھر تم نے اللہ کے حکم کے مطابق ہجرت کیوں نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمَ کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے وَسَلَّاتُ مَصِيبًا اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت بُری جگہ ہے۔ غرضیکہ فرض عین کے ہر تارک کے لیے یہی حکم ہے۔

فرمایا اس حکم سے یہ لوگ مشتتا ہیں إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ مَرْدُودٍ، عورتوں اور بچوں میں سے کمزور طبقہ، بعض اتنے معمر ہوتے ہیں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوتے ہیں اور بعض عورتوں بچوں کے ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہوتا یا راستے کا علم نہیں ہوتا

مذکوروں
کے
رعایت

فرمایا لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةَ ایسے کمزور لوگ ہجرت کر جانے کی کوئی تدبیر نہیں پاتے۔ ان کے پاس ہجرت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا انہیں راستے کا علم بھی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ اللہ کے ہاں معذور تصور ہوں گے اور ان پر ہجرت نہ کرنے کی صورت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا البتہ استطاعت رکھنے کے باوجود ہجرت سے گریز کرنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ان معزور اور کمزور لوگوں کے متعلق فرمایا فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ امید ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ کیونکہ وہ مجبور ہیں۔ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا۔ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا اور بہت زیادہ بخشش کرنے والا ہے۔

ہجرت کی
برکات

فرمایا وَمَنْ يَهْجُرْ فِ سَبِيلِ اللَّهِ جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مَرَعًا كَثِيرًا وہ زمین میں بہت جگہ پائے گا۔ مَرَعًا اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی بھاگ کر چلا جائے اور مَرَعًا مٹی کو بھی کہتے ہیں۔ اور رَعْمًا کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے مخالف کی ناک پر مٹی مل کر چلا جائے بہر حال مَرَعًا کا معنی اجائے ہجرت ہے کہ جو شخص ہجرت کے ارادے سے نکلے گا وہ ضرور مناسب جگہ تلاش کرے گا۔ اس کے علاوہ وَسَعَةً اسے وسعت بھی میسر آجائے گی یعنی اللہ تعالیٰ اس کے زرق میں کشادگی پیدا فرمادیں گے، گو یا اللہ تعالیٰ ہجرت کے نتیجہ میں ممکنہ تکالیف کو دور فرمادے گا۔

ہجرت کا معاملہ بڑا دشوار ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ شَكَانَ إِلَهًا حَبْرَةً لَشَدِيدًا جب آدمی اپنا کاروبار، زمین، مکان وغیرہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو بعض اوقات نئی جگہ پر اسے آب و ہوا موافق نہیں آتی اور انسان طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مکے سے مدینے جانے

و اے بہت سے مہاجرین بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بعض اوقات غذا مرفوق نہیں آتی، زبان کاٹھک پیدا ہوتا ہے اور دیگر کئی قسم کی پریشانیوں لاجق ہوتی ہیں اس لیے ہجرت کا معاملہ بڑا دشوار ہے۔ مگر اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔

ہجرت دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ایسے دارالکفر میں ہیں جہاں وہ دین کے شعار پورے نہیں کر سکتے، اس لیے انہیں ایسی جگہ پر ہجرت کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ جہاں مسلمانوں کی مرکزی قوت موجود ہو اور وہ اپنے دینی فرائض آزادی کیساتھ پورے کر سکیں جتنور علیہ السلام کے مدینہ طیبہ پہنچنے پر وہاں مرکزی قوت میسر آگئی تھی وہ دارالہجرت قرار پایا۔ چنانچہ اس دور میں مسلمانوں کا مرکزی مقام پر پہنچنا ضروری ہو گیا تھا۔ اسی مشن کے تحت صحابہ کرام اور خود حضور علیہ السلام نے بھی ہجرت کی۔ اس سے پہلے عبدالنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی عراق سے ہجرت کی تھی۔

اگر کسی مقام پر اسلام کی مرکزی قوت ضائع ہو جائے تو اسی بحالی کے لیے بھی ہجرت ناگزیر ہو جاتی ہے، یہ ہجرت کا دوسرا مقصد ہے۔ قریبی زمانہ میں اس کی مثال حضرت سید احمد بدلیوی اور شاہ اسماعیل شہید کی ہجرت ہے۔ یہ بزرگ دہلی سے ہجرت کر کے سرحد پہنچے تاکہ وہاں مرکز اسلام قائم کر کے ہندوستان میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت بحال کر سکیں۔ انہوں نے ہجرت کے لیے بڑے طویل اور کٹھن راستہ اختیار کیا۔ رائے بریلی سے دہلی پہنچے وہاں سے کلکتہ، پھر مدراس اور پھر سندھ سے ہوتے ہوئے قندھار گئے، قندھار سے پشاور آئے اور اس طرح انہوں نے تقریباً اڑھائی تین ہزار میل کا سفر طے کیا، یہاں سے وہ کشمیر جا کر اسے مرکز بنانا چاہتے تھے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ انہوں نے چار سال تک انتھک جدوجہد کی مگر مسلمانوں کی بد سنجی اور ان کی نالائقی اور جاسوسی کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے اور جام شہادت نوش فرما گئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے زمانے میں جب انگلیزوں نے

ہندوستان میں غلبہ حاصل کر لیا تو شاہ صاحب نے اپنے فتویٰ کے ذریعے ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا تھا۔ بہر حال یہ وہ مقاصد ہیں جن کے حصول کے لیے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے۔

مہاجر کے
اجرو ثواب

آیت کے اگلے حصے میں مہاجر کی فضیلت، اور اس کے لیے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ كَيْدٍ مُمْهَجًا حَسْبُكَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ جَوْشِقُ اللَّهِ اور اس کے رسول کی طرف اپنے گھر سے مہاجر بن کر نکلا تُوَّيِّدُكَ اللَّهُ السُّوْتُ پھرتے میں اس کو موت نے پایا۔ فَقَدْ وَقَعَ أَحْبَبُهُ عَلَيَّ اللَّهُ پس اس کا احبہ اللہ پر واقع ہو گیا۔ یعنی مہاجر گھر سے چل کر اگر جائے ہجرت پر نہ بھی پہنچ سکے تو اسے ہجرت کا ثواب حاصل ہو جانے کا۔ یہی دور میں جب ہجرت کا اعلان ہوا۔ تو ایک ضعیف اور بیمار شخص بھی ہجرت کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ خود تو چل پھر نہیں سکتا تھا، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے کسی طرح یہاں سے نکال کر لے چلو۔ انہوں نے ہر چند کہا کہ تم سفر کے قابل نہیں ہو، لہذا تم ہجرت سے مستثنیٰ ہو، مگر بوڑھا بھنڈ تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ضرور ہجرت کرے گا۔ بالآخر اس کے بیٹے اسے اٹھا کر چل پڑے۔ ابھی مکے سے چند میل دور تنعیم کے مقام پر آئے تھے کہ بوڑھے کا انتقال ہو گیا۔ کافروں نے خوب تمسخر اڑایا مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی کہ جو کوئی ہجرت کے لیے چل نکلے، پھر اسے راتوں میں موت آجائے، تو اس کا اجر و ثواب اللہ پر واقع ہو گیا۔ یعنی خداوند کریم اسے ہجرت کا پورا پورا بدلہ عطا فرمادیں گے۔ البتہ یہ بات یاد رہے۔ کہ ہجرت کے ثواب کا حقدار وہی شخص ہے، جو خالص نیت سے اللہ کی رضا، اس کے رسول کے اتباع اور دین کی بلندی کے لیے ہجرت کرتا ہے۔ جو شخص کسی دیگر نیت سے ہجرت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔ سنجاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ مکے سے ایک شخص عورت

کی خاطر ہجرت کر کے گیا حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص دنیا یا عورت کی خاطر ہجرت کر کے جائے گا اُسے وہی کچھ ملیگا۔ وہ آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ ہر مقدس سفر کا حکم ہجرت کے سفر کا ہی ہے جو شخص خالص نیت سے حج کے سفر پر روانہ ہوتا ہے، جہاد کے لیے نکلنا ہے یا دین کی تعلیم کی خاطر گھر سے چلتا ہے، پھر اُسے میں اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ واقع ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں ہجرت بعض دیگر وجوہات سے بھی فرض ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی مسلمان کسی مقام میں گناہ میں مبتلا ہے اور اُس سے بچ نہیں سکتا۔ تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ جائے تاکہ وہ گناہ سے بچ جائے۔ یا کسی جگہ مسلمان کو زرقی حلال نصیب نہیں، وہ ایسی جگہ چھینا ہوا ہے۔ جہاں اُسے سو فیصدی حرام رزق حاصل ہوتا ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی ہجرت فرض ہو جاتی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دنیاوی اشغال میں اس قدر منہمک ہو کہ خدا کی طرف توجہ دینا نصیب نہیں ہوتا، تو اُسے چاہیے کہ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تاکہ اپنے رب سے تعلق پیدا کر سکے۔

بہر حال فرمایا جو کوئی شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لیے نکلے گا تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف جائے اور پھر اُسے راستے میں موت آجائے گی تو اسے اللہ تعالیٰ ہجرت کا پورا ثواب عطا کریں گے وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ ایسے لوگوں پر خاص مہربانی فرمائے گا۔

تہذیب
بجرویں
میں

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ
تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ خِفَتُمْ أَنْ يُفْتِنَكُمْ
الَّذِينَ كَفَرُوا طَائِفَةٌ لَكُمْ وَعَدُوٌّ مِمَّنَّا ⑩

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو، پس تم پر
کوئی گناہ نہیں ہے کہ کم کر دو نماز میں سے۔ اگر تمہیں
خوف ہو کہ تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے، کفر کرنے والے لوگ
بیشک کفر کرنے والے تمہارے کھلے دشمن ہیں ⑩

گذشتہ آیات میں جہاد اور مجاہدین کی فضیلت کا بیان تھا، پھر ہجرت کی فرضیت
اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے وعید کا تذکرہ تھا، ہجرت اور جہاد کے لیے
دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جہاد میں خاص طور پر دشمن کے ساتھ مقابلے یا اس
کے تعاقب میں بہت دور تک جانا پڑتا ہے۔ بہر حال ان دونوں امور کے لیے سفر کا
اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اب اس رکوع میں دوران سفر نماز کا حکم بیان کیا گیا ہے
پہلی دو آیات کا تعلق اسی موضوع سے ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلی آیات
کا تعلق مطلقاً سفر کے ساتھ ہے، خواہ وہ سفر کسی بھی نوعیت کا ہو، اور دوسری آیت
کا تعلق خوف کی حالت میں نماز پڑھنے سے ہے۔

سفر ایک دشوار چیز ہے۔ حضور علی الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلسَّفَرُ سَفَرٌ
قَطَعَهُ مِنْ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ لَوْمَةً الْغَلِيظِي سَفَرِ اس اثرات
عذاب کا ٹکڑا ہے جو تمہاری نیند میں بھی خلل کا باعث بنتا ہے۔ دوران سفر انسان آرام و
راحت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کھانے پینے کا نظام متاثر ہوتا ہے، گھبر بار سے دور

ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ تم میں حیب کوئی مسافر
 کہتا ہے تو کسی ضرورت کے تحت ہی کہتا ہے، لہذا جب ضرورت پوری ہو جائے
 فَلْيُعِجِّلْ إِلَىٰ أَهْلِهِ تُوَفِّرْ أَيْ تَغْضُرْ كِي طَرَفٍ وَاسِئِ اجْمَا چاہیے مسافر بحال
 کلفت کا باعث ہے۔

مسفر کی حالت میں بعض شرعی احکام بدل جاتے ہیں اور مسافر کو بعض عائین
 حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً روزہ افطار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور چار رکعت
 والی نماز نصف رہ جاتی ہے۔ یعنی چار رکعت کی بجائے صرف دو رکعت
 پڑھی جاتی ہے۔

البتہ دو یا
 تین رکعت والی نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ تین کا نصف ڈیڑھ ہے اور ڈیڑھ
 رکعت کی کوئی نماز نہیں ہے۔ لہذا یہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ تاہم ظہر، عصر اور
 عشا کی نمازوں میں دو رکعت کی تخفیف ہو جاتی ہے۔ ان میں قصر کرنے کا حکم ہے
 قرآن پاک یا فرمان رسول علیہ السلام میں شرعی مسافر کو صحت کے ساتھ متعین نہیں

شرعی مسافر
 کی صفت

کیا گیا جس پر نماز قصر ہو جائے یا روزہ افطار کرنے کی اجازت ہو۔ اسی لیے
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شرعی مسافر کے تعین کے لیے

کئی عوامل کو دیکھنا پڑتا ہے۔ لہذا اس میں عذر و فحک کی ضرورت ہے اس ضمن میں جو
 کچھ افذ کیا گیا ہے اس کا دار و مدار صحابہ کرام کے عمل پر ہے۔ چنانچہ شرعی مسافت
 کے مسئلہ میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اہل ظواہر، تین یا نو میل تک کی مسافت کو

کو بھی شرعی مسافر شمار کرتے ہیں حالانکہ چار، پانچ یا چھ میل تو انسان اپنے گھر سے
 اپنے کھیرت، فیکرٹی یا دفتر وغیرہ کے لیے بھی چلے جاتے ہیں، بعض اوقات

آدمی حفظانِ صحت کی خاطر چار یا پانچ میل کی سیر کر لیتا ہے۔ تو اتنی قلیل مسافت کا سفر
 مسافر شرعی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے کسی معتد بہ مسافت کا تعین کرنا پڑے گا۔

۴۸ ابو حنیفہ اور امام مالک چار برد کو شرعی مسافر تسلیم کرتے ہیں ایک برد بارہ میل
 کا ہوتا ہے اور اس طرح شرعی مسافر کی کم از کم مسافت ۴۸ میل بنتی ہے۔ بعض

علمائے کرام تین برید یعنی ۶۴ میل کو شرعی سفر مانتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرعی سفر دراصل تین دن کی مسافت ہے۔ اوسط رفتار سے کوئی شخص پیدل یا اونٹ پر جتنا سفر تین دن میں طے کرتا ہے، وہی شرعی سفر ہے۔ یہ عام طور پر بارہ تا سو گھنٹہ تک یہ ہوتا ہے کیونکہ مسافر کو آرام بھی کرنا ہوتا اور دیگر ضروریات زندگی کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے امام صاحب نے شرعی سفر کی مسافت چار برید یعنی اٹھائیس میل مقرر کی ہے اور اسی پر زیادہ علمائے حنفیہ کا اتفاق ہے۔ تاہم تازہ الاساتذہ مولانا عبدالحی کھٹوریؒ، امام اہل سنت والجماعت مولانا عبدالحق کھٹوریؒ اور مولانا خلیل سہانپوریؒ وغیرہم تین برید یعنی ۶۴ میل کے قابل ہیں۔

سمندری سفر کے لیے بھی امام ابوحنیفہ تین دن مسافت ہی متعین کرتے ہیں۔ بادبانی کشتی تین دن میں اوسط رفتار سے جتنا سفر کرتی ہے، وہی سفر ہے، سختی کی نسبت آبی راستہ کے ذریعہ نسبتاً کم سفر طے ہوتا ہے جو کہ تقریباً بیس میل کے قریب بنتا ہے۔ لہذا دریائی یا سمندری شرعی سفر بیس میل ہوگا اس سے کم شرعی سفر شمار نہیں ہوگا۔

نماز میں
قصر

اِذَا صَوَّبْتُمْ فِي الْأَرْضِ جَبْتُمْ زَمِينَ فِي سَفَرٍ
كَمُرٍ وَفَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ
تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں سے کچھ کم کر دو۔ اس کمی سے مرد تعداد رکعت کی کمی ہے نہ کہ کسی ایک رکعت میں مطلوبہ قرائت میں کمی۔ اس طرح چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت ادا کی جائیں گی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اصل نماز دو رکعت ہی تھی مگر اقامت کی صورت میں اسے چار کر دیا گیا۔ چنانچہ سفر کی حالت میں اسے اپنی اصل حالت دو رکعت پر برقرار رکھا گیا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عیال و عیال الصغی کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ یہ مکمل نماز ہے کیونکہ مسافر میں اتنی ہی پڑھنے کا حکم ہے۔

اگر کوئی مسافر شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے یا امامت کھلا رہا ہے تو وہ چادر کی بجائے دو رکعت پڑھے گا اور اگر مقیم امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے تو پھر اسے چار رکعت پوری کرنا ہوں گی، حتیٰ کہ امام کے پیچھے اگر چوتھی رکعت میں آکر شامل ہوا تو پھر بھی اسے چار رکعت ہی پوری کرنا ہوں گی۔ خود امام ہونے کی صورت میں حضور علیہ السلام نے منیٰ اور عرفات میں دو دو رکعت ہی پڑھائیں اور مسافر امام کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ وہ بلند آواز سے اعلان کرے کہ ہم مسافر ہیں اَتَمُّوا الصَّلَاةَ تم اپنی نماز پوری کر لو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، مسافر نمازیوں نے بھی ایسا ہی کیا البتہ مقیم نمازیوں کے لیے چار رکعت مکمل کرنے کا حکم تھا۔

اب یہ سئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے یا مستحب۔
 امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اسے وجوب کا درجہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قصر نہ کرنے والا مسافر گنہگار ہوگا۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ گو مسافر میں قصر کرنا افضل ہے۔ اگر پوری نماز پڑھ لے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ قصر کرنا صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَةَ يَدِ اللَّهِ تَعَالَىٰ كِي تَرْوَوْا مِنْهَا صَدَقَةٌ، اس صدقہ کو قبول کرنا چاہیے اور آدھی نماز پڑھنا چاہیے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت یعلیٰ ابن امیرؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کا حکم صرف خوف کی حالت میں ہے جب کہ حضور علیہ السلام نے امن کی حالت میں بھی قصر نماز پڑھی، فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو پورے عرب میں غلبہ حاصل ہو گیا تھا مگر آپ نے دو سال بعد یعنی حجة الوداع کے موقع پر بھی نماز دو رکعت ہی ادا فرمائی اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا، بھائی! میں نے بھی حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ بظاہر یہ آیت خوف کی حالت کے متعلق ہی ہے مگر درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی

قصر کی
 شرعی حیثیت

اور صدقہ ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ صدقہ ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے ایک دفعہ ملے کر ملے والیں نہیں لیا جاتا کہ یہ ایک کیلینہ حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب کرمیوں کا کریم ہے لہذا اس کی طرف سے سفر میں دور کھت کی معافی کا صدقہ قبول کرنا چاہیے۔

وطن اصلی
اور وطن اقامت

کسی شخص کا وطن اصلی وہ مقام ہے، جہاں وہ پیدا ہوا، اس کا گھر بار، بیوی بچے مکان، زمین، دکان، فیکٹری، دفتر وغیرہ ہے اور وطن اقامت وہ جگہ ہے جہاں کوئی شخص شرعی سفر کر کے پندرہ دن یا زیادہ مدت کے لیے عارضی طور پر مقیم ہوتا ہے۔ نماز سے متعلق وطن اصلی اور وطن اقامت کا حکم یکساں ہے ہر دو مقامات پر انسان پوری ہی نماز ادا کرے گا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ سے ثابت ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے اصلی وطن سے اڑتالیس میل یا زیادہ دور جا کر پندرہ دن سے کم مدت بٹھرنے کا ارادہ کرے تو وہ مسافر شمار ہوگا اور نماز قصر ادا کرے گا۔

حضرت عثمانؓ حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے منیٰ اور عرفات وغیرہ میں پوری نماز ادا کی، تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ باقی صحابہؓ نے ان مقامات پر نماز قصر ادا کی ہے، مگر آپ پوری نماز پڑھتے ہیں اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بہت ناراض ہوئے کیونکہ مسافر کے لیے نماز قصر واجب ہے نہ کہ محض مستحب۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ لوگو! اَللّٰهُ تَاٰهَلَتْ بِمَكَّةَ مِنْ قَدِمَتْ فِيْهَا مِنْ نِكَاحٍ كَمَا لِيَا هِيَ اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا مَنْ تَاٰهَلَتْ بِمَكَّةَ فَلْيَصِلْ صَلَاةَ الْمُقِيمِ جو شخص کسی شہر میں نیکاح کر لیتا ہے تو اسے وہاں پر مقیم کی نماز پڑھنی چاہیے چنانچہ یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ سسرال میں جا کر پوری نماز ادا کرنی چاہیے۔

سنتوں کا مسئلہ

یہ مسئلہ تو واضح ہو گیا کہ شرعی سفر کے دوران نماز قصر پڑھی جائے گی یعنی

چار فرض کی بجائے صرف دو ادا ہوں گے۔ اب رہا سنتوں کا مسئلہ کہ کیا یہ بھی پڑھی جائیں گی یا نہیں۔ یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں بھی موجود ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شرح موطا میں بھی لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سفر کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ جب کوئی شخص فی الواقع سفر کر رہا ہوتا ہے تو وہ سفر جاری کہلاتا ہے اور جب دوران سفر کسی مقام پر قیام کرتا ہے تو وہ نزول ہوتا ہے۔ سفر جاری میں سنتوں کو ترک کر دینا چاہیے۔ اور نزول کی حالت میں اگر سنتیں پڑھے تو بہتر ہے، ضروری نہیں۔ اگر نہ پڑھیگا تو کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ البتہ حدیث شریفین میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی سنتیں سفر و حضر ہر حالت میں ادا فرماتے تھے۔ اور وتر چونکہ واجب ہیں، آپ وہ بھی ضرور پڑھتے تھے یہاں پر فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحُ کے الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ کہ نماز قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ دوران سفر نماز کم ہو جانے سے بعض افرطان میں یہ خیال آسکتا تھا کہ رکعتوں کی کمی کی وجہ سے شاید ثواب میں بھی کمی واقع ہو جائیگی۔ تو اس شبہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کو کم کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ تو میری طرف سے رعایت ہے، لہذا اس سے ضرور فائدہ اٹھاؤ۔ اس قسم کا طرزِ خطاب دوران حج صفا و روہ کی سعی میں بھی آیا ہے۔ "فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنَّ یُطَوَّفَ بِہِمَا" یعنی صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ جب تم حج یا عمرہ کے لیے جاؤ تو ان دونوں کی سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہاں بھی لوگوں کو شبہ پیدا ہوا تھا کہ صفا و مروہ کی سعی شاید زمانہ جاہلیت کی کوئی رسم ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے "فَلَا جُنَاحَ" کے الفاظ استعمال کر کے سعی کا حکم دیا۔ بہر حال فرمایا نماز میں کمی ہو جانے سے کوئی حرج محسوس نہ کرو، کیونکہ جس طرح عزیمت پر عمل درآمد باعثِ ثواب ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا بھی ویسے ہی باعثِ اجر ہوتا ہے۔

قصر لازم ہے

خوف کی
شرط

اَگے فرمایا اِنَّ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ اگر اس حصہ
آیت کو پچھلے حصے کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ پہلے حصہ کی شرط بن جاتا
ہے اور مطلب یہ ہو گا کہ نماز قصر کی اجازت صرف اس صورت میں ہے
جب کہ تمہیں کفار کی طرف سے خطرہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب خوف کی شرط
نہ پائی جائیگی تو رعایت ختم ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں
کہ یہ شرط اتفاقی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک میں کفار کی
طرف سے عموماً خطرہ رہتا تھا کہ کہیں وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں چنانچہ
اس بات کا ذکر اگلی آیتوں میں آ رہا ہے اور وہاں یہ بھی حکم ہے کہ اس قسم
کے حالات میں ہمیشہ ہتھیار بند رہو، حالانکہ صحابہ کرام بعض اوقات ہتھیار اتار
کر آرام بھی کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خِفْتُمْ
کا لفظ اتفاقی ہے۔ ضروری نہیں۔ لہذا جب خطرہ مٹ جائے اور امن و امان
قائم ہو جائے، تو قصر کرنا اس وقت بھی روا ہے۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اِذَا ضَمِيَ نَبِيْهُم مِّنَ
الصَّلٰوةِ تک جملہ مکمل ہو جاتا ہے اور اس میں نماز قصر کا واضح حکم موجود
ہے۔ البتہ خوف کا تعلق اگلے جملہ اَنْ يَّفْتِنَكُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کے ساتھ ہے اور آخر میں فَاحْتٰطُوْا کا لفظ محذوف ہے۔
اس طرح جملہ کا معنی یہ ہو گا کہ اگر تمہیں کفار کی طرف سے فتنے میں ڈالے
جانے کا خوف ہو تو محتاط رہو اور ان کی ہر ممکنہ جارحیت کا مقابلہ کرنے
کے لیے تیار رہو۔ لہذا آیت کے اس حصے کا قصر کے ساتھ تعلق باقی نہیں
رہتا۔ قصر کا ذکر پہلے حصے میں مکمل ہو چکا ہے۔

فَرَمٰی اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَالْوَالِدِ الَّذِيْ هُوَ لِيَّ اَعْمٰی
بیشک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں۔ ان سے بچاؤ کی تدابیر کرنا تمہارے لیے

ہر حالت میں ضروری ہے۔ بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عمل سے واضح کر دیا کہ دشمنانِ دین کے خلاف ہمیشہ مستعد رہنا ہے اور صلوٰۃ قصر ہر حالت میں ضروری ہے خواہ سفر امن کا ہو یا خوف کا۔

اپنے ہتھیار - پسند کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح تم کو غافل پائیں اپنے اسلحہ اور سامان سے پس حملہ کمہ دیں تم پر یجبارگی حملہ کرنا۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تمہیں تکلیف ہو بارش کی وجہ سے یا تم بیمار ہو، کہ تم اپنے ہتھیار اتار دو اور (مہر حالت میں) اپنے بچاؤ کا سامان اختیار کرو بیشک اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۱۶﴾

ربط آیات

اس رکوع کی پہلی آیت میں سفر کی حالت میں نماز کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی سفر میں چار رکعت والی نماز میں تخفیف کر کے اُسے دو رکعت بنا دیا ہے۔ اس ضمن میں دیگر ضروری مسائل بھی گذشتہ درس میں بیان کر دیے گئے تھے۔ تاہم سفر ہی سے متعلق دو مسائل باقی رہ گئے تھے۔ پہلا مسئلہ یہ کہ نماز قصر کہاں سے شروع کرنی چاہیے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزعومہ سفر کی نصف منزل طے کر لینے کے بعد نماز قصر شروع ہوئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر نماز قصر کرے۔ بعض دیگر حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سفر کی نیت کر لے تو گھر سے ہی قصر شروع کر سکتا ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے۔ کہ جب مسافر اپنی لٹی، گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو قصر شروع کرے۔ شہر کی حدود سے مراد یہ ہے کہ مثلاً چونگی سے باہر نکل جائے تو نماز کا وقت ہو جائے تو قصر پڑھے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا معصیت کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے یا نہیں۔ اہم شافعی اور بعض دیگر ائمہ معصیت کے سفر پر نماز میں قصر کی اجازت کے قائل نہیں اگر کوئی شخص چوری، ڈاکے، قتل، کھیل تماشے یا دیگر حرام امور کے ارتکاب کے لیے سفر کرتا ہے تو اُسے دو رکعت کی معافی حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ ایسا شخص گنہگار ہے اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ سفر کی نوعیت خواہ کسی ہی ہو، قصر کی

اجازت ہے، کیونکہ قصر کا تعلق سفر سے ہے نہ کہ اطاعت یا معصیت سے، البتہ جس غلط ارادے سے کوئی شخص جا رہا ہے اس کی معصیت کا گناہ اس پر الگ ہوگا۔ نماز بہر حال قصر ہی کمرہ بگا۔

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ خوف عام طور پر دشمن کی طرف سے ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں اہل اسلام اکثر دشمن کی طرف سے خوف میں مبتلا رہے۔ مسلمانوں کو دشمنوں کی طرف سے کسی ممکنہ حملہ کا ہمیشہ خوف رہتا تھا اور بعض اوقات کفار اور اہل ایمان کے درمیان جنگ جاری ہوتی تھی۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق یہ آیات ایک لڑائی کے متعلق ہی نازل ہوئیں۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جمہینہ کے کفار کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ ہم لوگ ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ کفار نے آپس میں مشورہ کیا سَتَاتِيهِمْ صَلَوةٌ هِيَ اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنْ الْاَوْلَادِ مسلمانوں کی ایک اور نماز (عصر) آ رہی ہے جو انہیں اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ لہذا جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کر کے انہیں نیرت و نابود کر دیا جائے۔ بہر حال حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے متعدد بار صلوٰۃ خوف پڑھی ہے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ یہاں پر اس کا اجمالی طریقہ اور قانون بیان کر دیا گیا ہے، تاہم اسکی تشریح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد مبارکہ اور عمل سے واضح ہوتی ہے۔ اور اس کا ذکر احادیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ یہ نماز سفر میں بھی پڑھی جاسکتی ہے اور اقامت میں بھی اور ہو سکتی ہے نماز خوف کے متعلق سورۃ بقرہ میں بھی کچھ بیان آچکا ہے۔ وہاں صرف اس قدر تذکرہ آیا ہے کہ جب خوف کی شدت ہو تو فَسَبِّحْ جَلَّ اَوْ رُكِعَا پڑھیں پھر کھڑے ہو یا سواری پر ہو تو وہیں اشارے سے نماز پڑھ لو۔ ایسی حالت میں رکوع و سجود کی ضرورت بھی نہیں۔ البتہ اس معاملہ میں فقہائے کرام کا اختلاف

ہے کہ کیا چلتے پھرتے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک جگہ کھڑے کھڑے تو نماز ہو جاتی ہے، مگر چلتے پھرتے نماز پڑھنا جائز ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جنگ کے علاوہ اگر کسی مؤذنی جانور یا درختے کا خوف ہو تو پھر بھی نماز خوف ادا کی جا سکتی ہے۔ کہیں سے شیر یا اژدھا کا خطرہ ہے اور اسکی نگرانی ضروری ہے۔ تو اس صورت میں بھی صلوٰۃ خوف پڑھی جا سکتی ہے تاہم ان تمام حالات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نماز ایسا اہم فریضہ ہے۔ کہ یہ کسی بھی حالت میں ترک نہیں کی جا سکتی۔

اس آیت میں نماز خوف سے متعلق **وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ** کے الفاظ آتے ہیں۔ اور بظاہر معنی یہ ہے کہ نماز خوف اس وقت ادا کی جائیگی جب آپ ان کے درمیان موجود ہوں۔ گویا نماز خوف حضور علیہ السلام کی حیثیت طیبہ میں ہی روا تھی۔ حقیقی اماموں میں سے امام ابو یوسفؒ، اور امام ابو حنیفہؒ کے دور کے شاگرد حسنؒ اسی کے قائل ہیں۔ مالکی مسلک کے امام ابن ماجہؒ کا ذکر بھی ملتا ہے کہ یہ نماز حضور نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی بلکہ جمہور ائمہ کرام (چاروں امام) اور جمہور محدثین اور فقہائے کرام متفق ہیں کہ صلوٰۃ خوف حضور علیہ السلام کی حیثیت طیبہ کے بعد بھی جاری ہے۔ لہذا یہ حکم عام ہے۔ آپ کے بعد یہ نماز صحابہ کرامؓ نے مختلف مقامات پر ادا کی، حضرات ابو بکر، عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانوں میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی رہی۔ گویا حکم منسوخ نہیں۔ اگرچہ یہ خطاب حضور کو ہے مگر حکم عام ہے اس کی مثال **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَسِبْ** میں بھی ملتی ہے۔ کہ اگرچہ یہ بھی خطاب نبی علیہ السلام کو ہی ہے مگر نماز اور قربانی کا حکم ہر مکان و زمان کے لیے عام ہے۔

نماز خوف اس وقت ادا کی جاتی ہے جب تمام لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں اور دشمن یا دیگر خطرے کی نگرانی بھی ضروری ہو۔ اگر سب لوگ بیگ وقت نماز میں مشغول ہو جائیں تو دشمن کی طرف سے حملہ کا

حکم عام یا
حکم خاص

نماز خوف
کب ادا کیوں

خطرہ ہوتا ہے۔

لہذا یہ نماز ایک اہم کے پیچھے دو مختلف گروہوں کی صورت میں پڑھی جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں جب آپ بنفس نفیس محاذ جنگ پر موجود ہوتے تھے، تو سب کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ حضور علیہ السلام کے پیچھے ہی نماز ادا کریں۔ تاہم آپ کے بعد بھی اگر جماعت میں کوئی ایسی بزرگ ہستی موجود ہے کہ سب لوگ اسی کی اقتدار میں نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو پھر نماز خوف کا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔ اگر کسی خاص امام کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری نہ ہو۔ تو پھر صلوٰۃ خوف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جماعت کے مختلف گروہ یا سیکشن بنا لیے جائیں جو اپنے اپنے اہم کے پیچھے یکے بعد دیگرے نماز ادا کر لیں۔

نماز خوف
کا طریقہ

فَرَايَا وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ
جب آپ ان میں موجود ہوں اور انہیں نماز پڑھائیں فَلَقَمَّ طَائِفَةٌ
مِنْهُمْ مَعَكَ تَوَجَّاهُتُمْ إِلَىٰ مَنْ أَمَرَ بِكُمْ وَأَقَمْتُ
لَهُمُ الصَّلَاةَ وَأَمَرَ بِكُمْ وَأَقَمْتُ لَهُمُ الصَّلَاةَ
اور اپنے دفاع کا سوال اور اسلحہ اپنے ساتھ رکھیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر نماز خوف سب کی حالت میں ادا کی جا رہی ہے، تو ایک گروہ بمعہ اسلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے گا۔ جب یہ لوگ ایک رکعت مکمل کر لیں تو اپنے اسلحہ سمیت واپس اپنے محاذ پر چلے جائیں گے اور دوسرا گروہ آگے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے گا

اور ایک رکعت آپ کے ساتھ ادا کرے گا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رکعت پوری کر کے سلام پھیر دیں گے جب کہ یہ دونوں گمروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر ادا کریں گے۔

اب بقیہ ایک رکعت ادا کرنے کے مختلف طریقے وارد ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ پہلا گمروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر واپس محاذ پر جائے اور وہیں اپنی دوسری رکعت پوری کر لے۔ اسی طرح جب دوسرا گمروہ ایک رکعت امام کے ساتھ ادا کر لے تو اپنی دوسری رکعت واپس جا کر الگ پڑھ کر سلام پھیرے اہادیت میں یہ طریقہ بھی آتا ہے۔ کہ پہلا گمروہ ایک رکعت پڑھ کر محاذ پر چلا جائے اور دوسرا گمروہ آجائے، وہ بھی ایک رکعت پڑھ کر محاذ پر چلا جائے تو پہلا گمروہ واپس آ کر اسی جگہ اپنی دوسری رکعت مکمل کر لے۔ یہ پھر اپنے محاذ پر چلا جائے تو دوسرا گمروہ پھر واپس آ کر اپنی دوسری رکعت مکمل کر لیں۔ اور اگر اقامت کی حالت میں چار رکعت نماز ادا کرنا ہے۔ تو ایک کی بجائے دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کی جائیں گی اور دو دو رکعت مقتدی علیحدہ ادا کریں گے۔ اس طرح نمازیں دونوں گمروہوں نے آنے جانے میں جو حرکات کی ہیں، وہ جائز ہیں۔ نماز خوف کے لیے یہ خاص حکم ہے، اور نہ عام حالات میں اگر کوئی نمازی نماز کے دوران کوئی ایسی حرکت کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

صلوٰۃ خوف کا ایک طریقہ یہ بھی آیا ہے۔ کہ پہلا گمروہ ایک یا دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اپنی بقیہ ایک یا دو رکعتیں وہیں پوری کر کے محاذ پر آجائے اور دوسرا گمروہ آ کر ایک یا دو رکعت امام کے ساتھ ادا کر لے۔ امام سلام پھیرے تو یہ گمروہ وہیں پر اپنی بقیہ ایک یا دو رکعت ادا کرنے کے بعد محاذ پر واپس جائے یہ سب طریقے روا ہیں۔ اور مغرب کی نماز ادا کرنا مخصوصہ تو پہلا گمروہ دو رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور بقیہ ایک رکعت علیحدہ ادا کرے گا پھر دوسرا گمروہ آ کر ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور دو رکعت علیحدہ ادا کرے گا۔

یہ تمام طریقے اس صورت میں اختیار کیے جائیں گے جب کہ دشمن قبلہ کی طرف نہیں ہے بلکہ الٹی طرف ہے یا کسی دوسری سائڈ میں ہے۔ اور اگر دشمن قبلہ کی سمت میں صفت آ رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں حضور علیہ السلام نے تمام مجاہدین کی دو صفیں بنائیں۔ اور سب نے بیک وقت نماز شروع کی۔ دونوں صفوں نے قیام اور رکوع اکٹھا کیا، پھر حضور علیہ السلام سجدہ میں گئے تو پہلی صف والے آپ کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوئے جب کہ دوسری صف والے دشمن کی نگرانی کے لیے کھڑے رہے۔ جب اگلی صف سجدے سے فارغ ہو گئی تو پھلی صف والوں نے بھی سجدہ کیا۔ جب دوسری رکعت شروع ہوئی تو اگلی صف تیچے چلی گئی اور پھلی صف آگے آگئی ہے۔ پھر سب نے رکوع اکٹھا کیا۔ پھر اگلی صف نے حضور کے ساتھ سجدہ کیا اور پھلی صف والے کھڑے رہے اس کے بعد پھلی صف والوں نے سجدہ کیا۔ اور پھر شہد کے بعد سب نے نماز اکٹھے مکمل کی۔

دشمن کا منصوبہ

فرمایا نماز خوف کا یہ طریقہ دشمن سے حفاظت کے لیے اختیار کیا گیا ہے
 كَيْنُوكُمْ وَذَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَوَيْفَلُوكُمْ عَنْ اَسْلٰمَتِكُمْ
 وَ اَمْتَعَتِكُمْ كُفٰرًا كَمَا مَنصُوْبَةٌ لِّهٖ هِيَ . کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے اہل اور
 سامان سے غافل ہو جاؤ۔ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلًا وَّ اَحَدَةً
 اور وہ تم پر بیکارگی حملہ کر دیں۔ ترمذی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے
 کہ کفار نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ کہ جب مسلمان نماز میں مشغول ہوں
 تو ان پر ٹوٹ پڑیں مگر بدیشتر اس کے کہ وہ اپنے منصوبے کی تکمیل کرتے اللہ تعالیٰ
 نے نماز خوف کا طریقہ بتلا کر دشمنوں کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔ بہر حال یہ سب
 طریقے اسی صورت میں اختیار کیے جائیں گے جب دوران جنگ کھڑے رہیں
 موقع مل جائے جس کے دوران مذکورہ طریقہ سے نماز ادا کی جاسکے۔ اور اگر
 حالات ایسے ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی دشمن سے غافل ہونا باعث
 نقصان ہو سکتا ہے، تو پھر نماز کو قضا کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بیگ خندق

سامان نہیں ہے۔ اور دشمن ان پر غالب آ رہا ہے گزشتہ چار سو سال سے یہی حالت ہے۔ دشمن ہر محاذ پر مسلمانوں کو ناکام بنا رہا ہے۔ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بالکل لپیٹا ہوا ہے ہیں۔ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی سامان نہیں۔ پہاڑوں سے معدنیات نکالنا ہوتا تیل کے لیے کنواں کھودنا ہوا مسلمانوں کے پاس کوئی انتظام نہیں۔ نہ اوزار ہیں اور نہ ٹیکنالوجی۔ ماہرین بھی باہر سے منگوانا پڑتے ہیں اور مشینری بھی باہر سے درآمد کرنا پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر محاذ پر شکست کھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل کی کمی نہیں مگر انہیں ان کے دماغ اس قدر ماؤف کر دیے ہیں کہ یہ اپنے وسائل سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے **لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عِشَاءٌ** حضور علیہ السلام ہر موقع و ہر حالت کے لیے سامان تیار رکھتے تھے، مگر آج مسلمان بہت پیچھے رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے ناکام ہو رہے ہیں، سائنس، ٹیکنالوجی، صنعت و حرفت، تجارت، جنگ وغرضیکہ ہر میدان میں آج مسلمان دوسروں کا دست نگر ہے لہذا دشمن کی زد میں ہے۔

فرمایا ان اللہ اعلم لِّلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے اگر تم مستعد ہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ہی دشمن کو سزا دلوائے گا۔ ورنہ اپنے قانون مکافات کے مطابق ان کو آخرت میں تو سزا مل کر رہیگی۔ تم اپنے بچاؤ کا سامان بہر حال تیار رکھو۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقَعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۖ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأْتُوا الصَّلَاةَ
إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾
وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقُوَىٰ ۗ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ
فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ
اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾

۴۸۲

ترجمہ: پھر جب تم پورا کر چکو نماز کو، تو اللہ کا ذکر
کرو کھڑے ہوئی حالت میں اور بیٹھنے کی حالت میں اور اپنی
کردلوں کے بل پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو جاؤ تو
نماز کو قائم کرو (دستور کے مطابق) بیشک نماز ایمان والوں پر
فرض کی ہوئی ہے بقید وقت ﴿۱۰۳﴾ اور مت سستی کرو دشمن کا
تعاقب کرنے میں اگر تم درد پاتے ہو، پس بیشک وہ بھی درد
پاتے ہیں جیسا کہ تم درد پاتے ہو، اور تم اُمید رکھتے ہو، اللہ
سے اس چیز کی، جس کی وہ اُمید نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ
سب کچھ جانتے والا اور حکمت والا ہے ﴿۱۰۴﴾

اس رکوع کی پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں اور خوف کی حالت
میں نماز ادا کرنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ دورانِ سفر بعض نمازوں کی رکعتوں کی تعداد میں کمی
ہو جاتی ہے اور سنت اور نوافل وغیرہ بھی ضروری نہیں ہوتے۔ اور جب کسی دشمن کا خوف

رابط آیات

ہو یا کسی موذی جانور کی طرف سے خطرہ لاحق ہو، تو اس موقع پر نماز خوف ادا کی جا سکتی ہے، جس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔ کہ ایک گمروہ امام کے ساتھ نصف نماز پڑھے اور دوسرا گمروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا ہے۔ پھر دوسرا گمروہ آکر امام کے ساتھ مل جائے اور نصف نماز ادا کرے۔ ہر دو گمروہ اپنی اپنی بقیہ نصف نماز علیحدہ ادا کریں۔ اس طرح نماز کی حالت میں چلنا پھرنا، تھکنا، اٹھانا، سمٹت تبدیل کرنا وغیرہ جائز قرار دئے دیا گیا حالانکہ عام حالات میں یہ چیزیں ناقض نماز ہوتی ہیں۔

ذکر پر
مدومت

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بعد ذکر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ نماز خواہ سفر کی ہو یا خوف کی یا عام نماز اس کے بعد ذکر الہی پر مدومت اور اوقات نماز کا بیان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ جب تم نماز پوری کر چکو۔ یعنی نماز کے لیے تو وقت مقرر ہے، اس مقررہ وقت میں جب نماز سے فارغ ہو جاؤ فَاذْكُرُوا اللَّهَ تَوَالفَهُ كَمَا ذَكَرْتُمْ اور ذکر کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں، ہر وقت اور ہر حالت میں رَوَابِعِ قِيَامًا کھڑے ہو وَقَعُودًا بیٹھے ہو وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ یا اپنی کروٹوں کے بل یعنی لیٹے ہو، ذکر الہی ہر حالت میں جاری رہے گا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں اس جملے کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ جب نماز پوری کر چکو تو دَاوْمًا وَعَلَىٰ الذِّكْرِ تو اللہ کے ذکر پر مدومت اختیار کرو۔ چنانچہ صحیح حدیث میں أَمِ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةُ صَدِيقَتُهُ سے روایت ہے كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللَّهَ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کا کوئی وقت ذکر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کسی مجلس میں تشریف لاتے تو مجلس کی ابتدا بھی اللہ کے ذکر سے کرتے اور اس کی انتہا بھی ذکر الہی سے ہوتی۔

زبانی ذکر کے لیے طہارت ضروری ہے مگر قلبی اذکار طہارت سے مستثنیٰ ہیں مثلاً کوئی شخص رفع حاجت کے لیے گیا ہے۔ تو ایسی حالت میں زبانی ذکر تو نہیں کر سکتا مگر قلبی ذکر روا ہے۔ اہم البوجہ جصاص فرماتے ہیں کہ قلب یا روح کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرے اس کے انعامات اور نشانیوں کو یاد کرے، جب ایسا کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی، اس کی وحدانیت، قدرت، کاملہ اور حکمت، بالغہ اور اسکی صفات کو پہچانے گا، یہی قلبی ذکر اور عبادت ہے۔ اہم صاحب فرماتے ہیں کہ قلبی ذکر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے اندر موجود لطائف، باطنیہ کو بیدار کرے، انسانی جسم میں انیس لطائف باطنیہ یا مرکزہ ہیں جن کا تعلق اس کے قلب اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب انسان خوب محنت کرتا ہے تو اس کے لطائف بیدار ہو کر ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اہم البوجہ جصاص نے قلبی ذکر کے یہ دو طریقے بتائے ہیں۔

بزرگان دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کا کوئی سانس ذکر الہی سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ نفی اثبات کا ذکر لَا رَالَهُ إِلَّا اللَّهُ کے ذریعے کرے یا صرف ذکر جلالہ اللہ کرے۔ اُدھا ذکر سانس لیتے وقت ہو اور اُدھا سانس ختم ہوتے وقت۔ اس ذکر کے لیے کوئی پابندی نہیں، یہ ہر حالت میں روا ہے جو لوگ اس کی مشق کر لیتے ہیں، وہ نیند کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں سوئے ہوئے ہیں مگر ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر جاری ہے۔ نقشبندی حضرات کسی سانس کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ چلتے وقت ان کا کوئی قدم بھی ذکر الہی سے خالی نہیں ہوتا، بلکہ ہر قدم پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ کا ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد (LIMIT) نہیں قرآن پاک میں موجود ہے۔ "وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ" اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرنا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔ زبان کے ساتھ

ہر سانس کے ساتھ ذکر

لا محدود ذکر

ذکر مخصوص کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تکبیر بیان کرے، اس کی حمد و ثناء بیان کرے، عظمت کے کلمات دہرائے، استغفار کے کلمات کہتا ہے یا قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہے۔ بہر حال ہر قسم کی نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر الہی پر مدد و دست کا حکم دیا گیا ہے اور ذکر کھڑے کھڑے بھی ہوتا ہے، بیٹھ کر بھی اور کمر وٹ کے بل لیٹ کر بھی جاری رہتا ہے۔

نماز بھی
ذکر ہے

امام بیضاویؒ آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مفسر ہوئے ہیں۔ آپ ایران کے ایک گاؤں بیضا کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم، فاضل اور صالح آدمی تھے۔ حج کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ امام شافعیؒ کے پیروکاروں میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر الہی سے مراد نماز ہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جنگ کے دوران پاؤں پر کھڑے کھڑے، دوڑتے ہوئے یا لیٹے لیٹے بھی نماز ادا ہو سکتی ہے مگر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سواری پر بیٹھ بیٹھ تو نماز ہو سکتی ہے مگر پیدل چلتے وقت نماز ادا نہیں ہوتی، البتہ پاؤں پر کھڑے کھڑے پڑھ سکتا ہے اگرچہ رکوع موجود اثنائے سے ہی کرے اور بیٹھ کر پڑھنے کا تو قانون موجود ہے **فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَاَعِدْ** یعنی اگر کھڑے ہوئے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا **فَعَلَىٰ جَنْبِكَ** تو پہلو کے بل لیٹ کر یہ فریضہ ادا کر سکتا ہے۔

لیکن بعض دو مفسرین فرماتے ہیں کہ ذکر الہی صلوة خوف اور صلوة سفر پر تبصرہ ہے یعنی جب نماز ادا کر لی، خواہ وہ سفر کی حالت میں ہو یا خوف کی حالت میں، تو پھر کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مجاہد اور غازی کی تعریف کی ہے جو دشمن کے ساتھ سرد آزا ہے اور ساتھ اللہ کا ذکر بھی کر رہا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کے ذکر پر مدد و دست اختیار کرو، اس کے ذکر سے کوئی لمحہ خالی نہیں ہونا چاہیے، ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے **مَا مِنْ**

شَيْءٌ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ ذَكَرِ اللَّهُ الشَّرَّكَ
ذکر سے بڑھ کر عذاب بچانے والی کوئی چیز نہیں۔ لہذا کثرتِ ذکر ذریعہ نجات ہے

آگے فرمایا: إِذَا أَطَمَأَنَّكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

نماز بعد از
رفعِ عذر

جب تم اطمینان کی حالت میں ہو جاؤ تو (دستور کے مطابق) نماز قائم کرو۔
مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت کا تعلق نمازِ سفر اور نمازِ خوف کے ساتھ
ہے۔ سفر کے دوران نماز میں کھٹی آگئی تھی اور خوف کی حالت میں نماز کا طریقہ
بدل گیا تھا۔ اب فرمایا کہ جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے یعنی سفر سے واپس
آ جاؤ یا خوف کی حالت زائل ہو جائے، تو پھر اسی طریقے سے نماز ادا کرو جس طرح
عام حالات میں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آدھی کی بجائے پوری نماز پڑھو اور پھر
اس میں رکوع، سجود، قنومہ، قعدہ پوری طرح ادا کرو، استقبال قبلہ بھی ضرور ہو۔ غرضیکہ
نماز کی تمام شرائط پوری کرو۔ کیونکہ اب عذر رفع ہو چکا ہے۔

فرمایا: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا

نماز بقید وقت

صَوِّفَتْ بِشِكِّ نَمَازِ مَوْمِنُونَ بِرِ بَقِيدِ وَقْتِ فَرَضِ كِي گئی ہے۔ پانچوں نمازوں
کے اوقات مقرر ہیں جن کے اندر ہر نماز ادا کی جائیگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا: إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا بِشِكِّ ہر نماز کے لیے وقت
کی ابتداء اور انتہا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اول اور آخر اوقات میں خود نمازیں
ادا کر کے اوقات نماز کی عملاً تعلیم دی۔ اور ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام
کو بھیج کر نمازوں کے اوقات بتلائے۔ جبریل علیہ السلام نے دو دن آپ
کو نماز پڑھائی۔ پہلے دن اول اوقات میں اور دوسرے دن آخر اوقات
میں تاکہ اوقات نماز کا تعین ہو سکے۔ بہر حال اوقات نماز کا تعین اسی دنیا
میں ممکن ہے جہاں نظام شمسی کے تحت دن رات کا نظام موجود ہے۔

نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے۔ وقت
ظہر کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں آتا ہے: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ

السُّمَّيْنِ یعنی یہ نماز سورج کے ڈھلنے کے وقت ادا کریں۔ ظہر کے منہاٹے وقت میں آئمہ کا کچھ اختلاف ہے۔ اکثر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے کے بعد سے لیکر کسی چیز کے ایک مثل سایہ تک رہتا ہے جب کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے تک ظہر کا وقت ہوتا ہے۔ سایہ مثل معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی چھتری وغیرہ دھوپ میں کھڑی کر دی جائیگی۔ عین زوال کے وقت اس چھتری کا جتنا سایہ ہو، اس پر نشان لگا دیا جائے۔ اس کے آگے جب سایہ بڑھتے بڑھتے اس چھتری کی لمبائی کے برابر ہو جائے تو وہ ایک مثل ہوگا۔

عصر کا وقت دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا بعض آئمہ کے نزدیک ایک مثل اور بعض کے نزدیک دو مثل سایہ کے بعد ہوتی ہے، اور یہ غروب آفتاب تک نماز کا وقت رہتا ہے۔ تاہم جب سورج میں زردی آ جائے تو نماز کے لیے وقت مگر وہ ہو جاتا ہے۔ لہذا زردی آنے سے پہلے پہلے عصر کی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ نماز مغرب کا وقت غروب آفتاب کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کے انتہائی وقت میں بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ نماز مغرب کا وقت شفق یعنی سرخی کے غائب ہونے تک ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ بیست و تین منٹ کا وقفہ ہونا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سرخی ختم ہونے کے بعد سفیدی کے اختتام تک نماز مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔ اور یہ وقت ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بنتا ہے۔ بہر حال شفق کی تعریف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے سرخی پر محمول کرتے ہیں اور بعض سفیدی پر۔

نماز عشاء کا وقت تین حیثیت سے ہے۔ اس کا اول وقت غروب شفق سے لیکر ایک تہائی رات تک ہے۔ مستحب یہ ہے کہ نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرے اور اگر لوگوں کو وقت ہو تو ابتدائی وقت میں بھی

پڑھی جاسکتی ہے۔ عشاء کا دوسرا وقت تہائی رات سے نصف شب تک ہے اور صبح وقت یہی ہے۔ تیسرا وقت نصف رات کے بعد ہے۔ اگرچہ نماز تو اُس وقت بھی ادا ہو جائیگی مگر اُس میں کراہت پائی جاتی ہے۔ لہذا اتنی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ بہر حال تیسرے وقت کی انتہا طلوع فجر تک ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر پانچ نمازیں بقید وقت فرض کی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا، اوقات نماز کا تعین اسی خط ارض میں کیا جاسکتا ہے۔ جہاں نظام الاوقات میں باقاعدگی پائی جاتی ہے البتہ جن مقامات پر یہ نظام ہی موجود نہ ہو، یا جہاں اس میں معتد بہ تبدیلی آجائے، وہاں اوقات نماز کے تعین میں دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص پہاڑی جہاں کے ذریعے مغرب کی طرف مسلسل بیس گھنٹے سفر کرتا ہے تو اس کے لیے تو سورج غروب ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی حالت پر قائم ہے گا۔ تو ایسی صورت میں نماز ظہر اور عصر کیسے ادا کی جائیگی؟ قطب شمالی یا قطب جنوبی جہاں پر دن رات چھ ماہ یا کم و بیش عرصہ کے ہوتے ہیں، وہاں پر بھی نماز سچکانہ کے اوقات کا تعین کسی دوسرے طریقے سے کہنا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان چاند یا کسی دوسرے سیارے پر پہنچ جائے جہاں اس زمین کا نظام شب و روز موجود نہیں، تو وہ کیسے نمازیں ادا کرے گا؟ دنیا میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں صرف چار نمازوں کا وقت ملتا ہے یعنی مغرب کی غروب شفق سے پہلے فجر طلوع ہو جاتی ہے اور اس طرح نماز عشاء کے لیے وقت نہیں ملتا۔ تو اس صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائیگا۔

اس ضمن میں حضور علیہ السلام نے قاعدے کے طور پر یہ بات سمجھا دی کہ جب دجال کا ظہور ہوگا تو ایک دن ایک سال کے برابر طویل ہو جائے گا۔ ایک صحابی نے عرض کیا، حضور! کیا اتنے لمبے عرصہ میں پانچ ہی نمازیں ادا کرنا ہوں گی؟ آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں

نظام الاوقات
کی عدم موجودگی
میں نماز

ادا کرنی ہوں گی اور اس کے لیے اوقات کا تعین خود حساب لگا کر کرنا ہوگا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ مقام جہاں نظام الاوقات معمول کے مطابق جاری نہیں یا کسی دوسرے سیارے میں جہاں زمین کا نظام لیل و نہار موجود نہیں، وہاں اوقات نماز کا تعلق خود حساب لگا کر کرنا پڑے گا۔ اور ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں پڑھنا ہوں گی۔ بغیر معمولی حالات میں بھی نماز ترک نہیں کی جا سکتی، کیونکہ نمازیں دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں کسی صورت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا پہلی چیز تہذیب نفس ہے۔ کہ نماز کے ذریعے انسان میں شائستگی پیدا ہوتی ہے اور دوسری چیز یہ ہے کہ نماز کے ذریعے انسان تعلق بالشر قائم کرتا ہے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں لہذا نماز بیخ وقتہ بھی لازمی ہے۔ فرضیت نماز بقیہ وقت کا بھی مطلب ہے۔ نماز سفر اور نماز خوف اور پھر اس کے بعد اوقات نماز کا ذکر ہوا۔ اب اگلی آیت پھر اسی جہاد کے سلسلہ ہی کی کھڑی ہے جو کہ پانچ چھ رکوع تک چلے گا۔ فَرَمَا وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ دُشْمَنِ كَاتِبِ کرنے میں سستی نہ کرو۔ یہاں پر قوم سے مراد دشمن ہے۔ جس طرح نماز میں سستی کو ممانع ہے، اسی طرح دشمن کے تعاقب میں بھی سستی کی ممانعت ہے۔ گذشتہ سورۃ میں گمراہ چکا ہے کہ احد کے موقع پر زخم خوردگی کے باوجود صحابہ کرام نے کسی میل تک دشمن کا تعاقب کیا تاکہ وہ دوبارہ حملہ آور نہ ہو سکے۔ فرمایا اپنی تکالیف کے باوجود دشمن کا تعاقب کرو إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ اگر تم تکلیف میں مبتلا ہو فَاتْلَمُوهُمْ یا تَأْلَمُونَ کما تَأْلَمُونَ تو وہ کفار بھی تمہاری طرح تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ان کے اور تمہارے اجسام کی خست میں کوئی فرق نہیں نہ وہ زیادہ مضبوط ہیں اور نہ تم کمزور۔ جس طرح تمہیں دکھ درد آتا ہے اسی طرح انہیں بھی آتا ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ کافر تو شیطان پروردگار کے لیے تکالیف برداشت کرتے ہیں جب کہ تم اللہ کے دین کی خاطر نکلے ہو لہذا تمہیں بطریق اولی مشقت برداشت کرنی چاہیے اور دشمن کا تعاقب

دشمن کا
تعاقب

کہہ کے اس پر کاری ضرب لگانی چاہیے۔

فرمایا اس تمام جدوجہد کے نتیجے میں وَتَسْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَآلًا
يَسْجُونَ تم اللہ تعالیٰ سے اس اجر کی امید رکھتے ہو، جو کافر نہیں رکھتے۔
 کفار و مشرکین جنہم رسید ہوں گے جب تم میں سے ہر زخمی اور شہید اللہ تعالیٰ
 سے عظیم بدلہ لائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں درجات عالیہ پر فائز فرمائیں گے۔ اس
 دنیا میں بھی تمہارا مطلع نظر ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو۔ پیغمبر آخر الزمان کی بعثت
 کا مقصد ہی "لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دین
 اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا چاہتا ہے اور اس کا صلہ تم اس دنیا میں بھی
 پالو گے اور آخرت میں بھی درجات عالیہ کے مستحق ہو گے۔ لہذا دشمن کے
 تعاقب میں سستی نہ دکھانا۔

فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا اللہ تعالیٰ سب کچھ
 جانتے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی نیت اور ارادے سے واقف ہے۔ ہر شخص
 کا خلوص اس کی نگاہ میں ہے اور وہ کمال حکمت کا مالک ہے۔ اس کے تمام
 احکام نسل انسانی کی فلاح کے لیے ہیں۔ لہذا انسانوں کا فرض ہے کہ وہ بلاشبہ
 ان احکام پر کما حقہ عمل پیرا ہو کر ہمیشہ کی کامیابی حاصل کر لیں۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
 بِمَا أَرَادَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۰۵
 وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۰۶
 وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلِفُونَ أُنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ
 لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ۝۱۰۷
 يَسْتَخْفُونَ مِنْ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ
 إِذْ يُبَيِّتُونَ مَالًا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
 يَفْسَلُونَ مُحِيطًا ۝۱۰۸
 هَآأَنْتُمْ هَآؤَآءِ جَدَلْتُمْ
 عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا قَدْ فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ
 عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ
 وَكِيلًا ۝۱۰۹

ترجمہ: بیشک ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف کتاب
 حق کے ساتھ تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان اس کے
 مطابق جو اللہ نے آپ کو بات سمجھائی ہے اور نہ ہوں آپ
 خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھجکا کرنے والے ۝۱۰۵
 اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے
 والا اور مہربان ہے ۝۱۰۹ اور جھجکا کریں آپ ان لوگوں کی

طرف سے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں بیکھ اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا۔ اُس شخص کو جو خیانت کمریوالا اور گنہگار ہو (۱۰۷) یہ لوگ چُھتے ہیں لوگوں سے اور نہیں پچھتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جب کہ وہ رات کو مشورہ کرتے اس بات کا جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی یہ کام کرتے ہیں، اس کا احاطہ کرنے والا ہے (۱۰۸) ہاں سنا لے لوگو! تم جھگڑتے ہو اُن کی طرف سے دنیا کی زندگی میں۔ پس کون جھگڑے گا، اللہ تعالیٰ کے سامنے اُن کی طرف سے قیامت والے دن۔ یا کون ہو گا اُن کی طرف سے وکیل (۱۰۹)

رابط آیات

گذشتہ دروس میں سفر اور خوف کی حالتوں میں نماز کا بیان تھا۔ اس کے بعد امن کی حالت میں دستور کے مطابق نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ پھر جہاد کے ضمن میں دشمن کا تعاقب کرنا بھی متقین کی گئی ہے اور اس معاملہ میں سستی کا اظہار کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اہل ایمان کو یاد دلایا کہ کافر باطل پروردگار رکھنے کے باوجود بڑے مستعد ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس تو اللہ اور اس کے رسول کا دین برحق ہے لہذا انہیں دشمن کے مقابلہ میں زیادہ مستعد ہونا چاہیے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ اُمید ہے جو کفار کو نہیں ہو سکتی۔

اُس سے پہلے منافقین کا تذکرہ تھا کہ وہ جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور اس میں شمولیت کے خلاف جیلے ہانے تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فضیلت بیان فرمائی اور اس ضمن میں بہت سے دیگر احکام بھی نازل فرمائے۔ اب آج کے درس میں منافقین کی اُن کارگزاریوں کا ذکر ہے جنہی وجہ سے وہ قابل مذمت ہیں اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی طرف راہی نہ کریں، یہ

شان نزول

بڑے برباطن لوگ ہیں اور اسلام کو ہمیشہ نقصان پہنچانے کی تدابیر سوچتے ہیں۔
 ترمذی شریف کی کتاب التفسیر مستدرک حاکم اور حدیث کی بعض دوسری کتب
 میں ۳۷۷ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ مدینہ میں بنو امیہ کے ایک خاندان آباد تھا۔
 منافقین کا یہ خاندان تین بھائیوں بشیر، بشیر اور مدبشر پر مشتمل تھا۔ بشیر کو طعنے بھی سکتے
 تھے۔ یہ شاعر تھا اور اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی ہجو کرتا تھا۔
 چونکہ منافق تھا، اس لیے ایسے اشعار وہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کر دیتا
 تھا تاکہ اُس کا نفاق نہ ظاہر ہو جائے۔ صحابہ کرام اس شخص کے متعلق دو مختلف
 رائیں رکھتے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ یہ بد بخت خود اشعار کہتا ہے، اور
 دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ جب کہ بعض دوسرے صحابہ کو تردد
 تھا کہ ہو سکتا ہے یہ کسی اور شخص کی کمزورت ہو۔ بہر حال یہ اس قسم کا بدکردار آدمی تھا۔
 حضرت رفاعہ بن زید حضور کے ایک کھاتے پیٹے آسودہ حال صحابی
 تھے۔ ان کے بالانگنے میں گندم کے آٹے کی بوری تھی، اس زمانہ میں گندم کا
 آٹا تو کسی خوشحال آدمی ہی کی خوراک ہوتا تھا، مگر نہ عام لوگ جو اور کھجوروں پر گزارہ
 کرتے تھے اس آٹے کی بوری پر کچھ ہتھیار بھی رکھے تھے۔ رات کو مکان میں
 نقب زنی ہوئی اور چور آٹے کی بوری اور ہتھیار اٹھالے گئے۔ صبح رفاعہ کو
 پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بھتیجے قتادہ سے ذکر کیا۔ تفتیش شروع ہوئی تو بنو امیہ
 پر شک کیا گیا۔ اُن کے آس پاس سے پتہ چلا کہ رات ان کے ہاں چولہا جلا
 ہے اور روٹی پکی ہے، حالانکہ یہ خاندان مالی طور پر کمزور ہے جنہیں آٹے
 کی روٹی میسر نہیں۔ جب بنو امیہ کو علم ہوا کہ چوری میں اُن کا نام لیا جا رہا ہے
 تو انہوں نے بھی اپنے دفاع کے لیے اپنے جھانسی جمع کیے اور چوری کا الزام
 حضرت بسید بن ہاشم پر لگا دیا۔ جب انہیں اس بات کا علم ہوا، تو وہ تلوار نکال
 لائے اور بنو امیہ سے کہا کہ یا تو چوری ثابت کرو، ورنہ یہ تلوار تمہارا کام تمام
 کر دے گی۔ اس پر وہ ڈر گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اُن سے جان چھڑائی۔

جب بنو امیہ ق کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تو انہوں نے اپنی صفائی کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنے خاندان کے بعض معتبرین کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ اس وفد میں خاندان کا بڑا چوہدری بھی شامل تھا جو مخلص مسلمان تھا، مگر اپنی برادری کے کہنے پر ان کی سفارش کے لیے چلا گیا۔ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت رفاعہؓ اور ان کے بھتیجے قتادہؓ انہیں خواہ مخواہ بدنام کر رہے ہیں حالانکہ وہ چور نہیں ہیں، حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ بعض شریف آدمی ان کی صفائی پیش کر رہے ہیں، لہذا ہو سکتا ہے یہ بگینا ہوں اور ان پر غلط الزام لگایا جا رہا ہو۔ اس وقت تک آیات نازل نہیں ہوئی تھیں لہذا حضور علیہ السلام نے ان کی بات پر یقین کر لیا۔

اسی دوران حضرت رفاعہؓ نے حضرت قتادہؓ کو کہا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر چوری کا واقعہ بیان کرو اور آپ کو یہ بھی بتاؤ کہ قرآن بتا رہے ہیں کہ چور بنو امیہ ق ہیں۔ جب حضرت قتادہؓ حضور کی خدمت میں پہنچے تو وہ مخالفین کی بات کو پہلے ہی صحیح سمجھ چکے تھے۔ آپ نے حضرت قتادہؓ کو ڈانٹا کہ تم خواہ مخواہ بے گناہوں پر الزام لگا رہے ہو جب کہ اتنے آدمی ان کی صفائی پیش کر چکے ہیں۔ حضرت قتادہؓ کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا کہ ان کی چوری بھی ہو گئی ہے اور ان کا اپنی کو ڈانٹ ڈپٹ بھی ہو گئی۔ انہوں نے واپس آ کر ساری بات حضرت رفاعہؓ کے گوش گزار کر دی کہ یہ تو معاملہ ہی ان کا ہو گیا ہے، ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کے پاس وفد بھیج کر اپنی صفائی پیش کر دی ہے اور آپ نے مجھے ڈانٹا ہے کہ تمہارا الزام غلط ہے اس پر حضرت رفاعہؓ نے کہا کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے۔ اس پر دور کورج پرست تل یہ آیات نازل ہوئیں اور منافقین کی سازش کو ظاہر کر دیا گیا۔

بعض تفاسیر میں یہ بھی آتا ہے کہ بشیر ابن ابی رقیہ نے اسے کی بوری

ایک شخص زید بن سہین یہودی کے گھر میں امانت کے طور پر رکھ دی، جب مسروقہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو وہ بشیر کی بجائے زید یہودی کے گھر سے برآمد ہوا۔ جب اُس سے دریافت کیا گیا کہ آٹے کی بوری تمہارے گھر کیسے پہنچی تو اس نے بشیر کا نام لیا کہ اس نے امانت کے طور پر رکھی تھی۔ مگر بشیر نے انکار کیا۔ اور قسم اٹھا کہ کما کہ سپور وہ ہے جس کے گھر سے مال برآمد ہوا ہے اس واقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ منافقوں کا زلفاش ہو گیا، حضرت لیدہ اور یہودی بے گناہ ثابت ہوئے اور بنو ابریق پر چوری ثابت ہو گئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں منافقین کی کارکنہ زاری کی طرف اشارہ کر کے ان کی مذمت بیان کی ہے جب مسروقہ مال مل گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت رفاعہ اور قاہلہ کو بلا کر ان کے سپرد کر دیا۔ اور منافق اپنی جان بچانے کے لیے دہاں سے بھاگ گیا۔ ایما نذر ہوتا تو اقرار جرم کہہ کے حد مسروقہ برداشت کرتا، اور آخرت خراب نہ کرتا، مگر وہ صریحاً مرتد ہو کر مشرکین میں سے جا ملا۔ اور ایک عورت سلافہ بنت سعد کے پاس جا بٹھرا۔ اُدھر حضرت حسان کو علم ہوا تو انہوں نے اپنے اشعار میں بشیر اور سلافہ دونوں کی مذمت بیان کی۔ جب اُس عورت کی بدنامی ہوئی تو وہ سخت سیخ پا ہوئی اور اُس نے بشیر کا سامان اٹھا کر باہر بٹھا میں پھینک دیا اُسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ شخص سخت ذلیل و خوار ہوا اور پھر اس کی موت بھی اس طرح واقع ہوئی کہ یہ ایک زید تعمیر دیوار کے پیچھے آ کر داخل بہ جہنم ہوا۔

اللہ کی طرف سے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے جنہوں نے بنو ابریق کی باتوں میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کی صفائی پیش کی تھی حضور علیہ السلام نے بھی ظاہری حالات کے مطابق منافقین کو بے گناہ سمجھ کر حضرت قتادہ کو ڈانٹا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی ہے۔ اور تمام اہل ایمان کو یہ بات اصولاً سمجھا دی ہے کہ خائن لوگوں کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ہمیشہ پوری تحقیق

کے بعد کسی نتیجے پر پہنچنا چاہیے اور حق کی حمایت کرنی چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ بِشَاك
ہم نے یہ کتاب (قرآن مجید) آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے۔ اس
کتاب کے اصول، ضوابط احکام اور فرامین سب برحق ہیں۔ اور اسے نازل کرنے

کا مقصد یہ ہے لَتَكُونَ بَيْنَ السَّائِسِ بِمَا اَرْسَلَ اللّٰهُ
تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کریں، جو اللہ نے

آپ کو سمجھائی ہے اِنَّكَ بِمَعْنٰی رُؤِیْتِ لَعِنٰی دیکھنا ہے۔ اور مطلب یہ ہے

کہ آپ اس چیز کے ساتھ فیصلہ کریں جو چیز اللہ نے آپ کو دکھائی ہے

یا سمجھائی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس روایت یا فقہانہ کا ذریعہ اللہ کی

وحی ہے۔ تو فرمایا وَلَا تَكُنْ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ خَصِيْمًا اِنَّمَا تَنْتَظِرُ

کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں۔ یعنی ان منافقین نے اپنی صفائی

کے لیے جو ماحول پیدا کر دیا ہے، ان سے متاثر نہ ہو کہ آپ انہی حمایت نہ کریں۔

فرمایا منافقوں کو بے گناہ سمجھنے میں جو لغزش ہوئی ہے اس کے لیے

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی سَعْفُوٌّ رَّحِيْمٌ اس کی بخشش کے

طلبگار ہوں۔ اور ساتھ ساتھ تمام اہل اسلام کو بھی یہ بات سمجھا دی کہ جب بھی

کوئی ایسی غلطی ہو جائے۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ

کا قانون حق و انصاف پر مبنی ہے۔ اس کے مطابق اپنے تنازعات پٹائے

جائیں۔ رشتہ داری، خویش پروری اور اقربا نوازی نہیں ہونی چاہیے۔ ایسی خطا

پر جب معافی طلب کریں گے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

تو اللہ تعالیٰ بھی بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔ وہ ضرور معاف

فرمائے گا۔ لہذا غلطی پر معافی مانگنے میں نابل نہیں کرنا چاہیے۔

فرمایا وَلَا تَجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یُحْتٰلٰوْنَ اَنْفُسَهُمْ
اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے نفسوں کے ساتھ

استغفار
کی تلقین

خاتونوں کی
فہرست

خیانت کرنے والے ہیں۔ جو شخص چوری کرتا ہے، وہ ظاہر ہے کہ اپنے ہی نفس سے خیانت کرتا ہے۔ اس کا وبال اسی پر پڑے گا، دُنیا و آخرت میں اسی سے باز پرس ہوگی اور اُسے اس کا بدلہ چکانا ہوگا۔ فرمایا خائِنوں کی حمایت نہ کریں، کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَاتًا اٰثِمًا بِيْشَكَ اللّٰهِ تَعَالٰی خائِن اور گنہگار آدمی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ تعدل و انصاف کا حامی ہے اور اطاعت گزار کو پسند فرماتا ہے۔ دھوکہ باز اور خیانت کرنے والوں سے وہ بیزار ہے۔ پھر دیکھو! یہ لوگ کیا کرتے ہیں يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ لوگوں سے چھپ چھپا کہ مصیبت کا ارتکاب کرتے ہیں چوری کرتے ہیں خفیہ سازش کرتے ہیں۔ مگر انہیں علم ہونا چاہیے وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں چھپا سکتے۔ وہ تو ہر آن ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، وہ گونشتہ کہاں پائیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی نظر نہ پہنچی ہو لَيْسَ خَفْوَنَ کا معنی اشرمانا بھی ہو سکتا ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ منافقین لوگوں سے شرمناک چوری چھپے غلط کام کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ جو حاضر ناظر ہے اس سے نہیں شرماتے، یہ اس قدر ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ
حاضر ناظر ہے

فرمایا وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّنُوْنَ جب یہ لوگ رات کو مشورہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور بات بھی ایسی کرتے ہیں مَا لَا يَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ایک تو چوری کی اور دوسرا الزام بے گناہوں پر لگایا اور اپنی جھوٹی صفائی پیش کر دی یہ سب چوری کی منشا ہے ایندوی کے خلاف ہیں۔ اور یہ اس قدر جاہل لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس کی موجودگی میں اس قسم کے مشورے کرتے ہیں

فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ لِبِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا مبینہ ہے جو کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ وہ محیط کل ہے

کوئی چیز اُس کے علم اور احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تمام چالوں سے اپنے نبی کو بزرگیہ وحی آگاہ کر دیا اور اس طرح ان کی سازش کو بے نقاب کر دیا۔

مجرم کی
بے بسی

آگے فرمایا هَآءِتُمْ "ہا" حرف تنبیہ ہے۔ یعنی تم غور سے
سنو! هَآءِتُمْ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
یہی وہ لوگ ہیں جنہی طرف سے تم دنیا کی زندگی میں جھگڑا کرتے ہو۔ ان خاندانوں
اور گنہگاروں کی طرف ذمہ داری کرتے ہو، ان کی سفارش کرتے ہو اور ان کی صفائی
پیش کرتے ہو۔ اس دنیا میں تو ایسا کر رہے ہو۔ فَمَنْ يُّجَادِلِ اللّٰهَ عَنْهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُكْرِمًا قِيٰمَتِ كِرَامَتِ كِرَامَتِ كِرَامَتِ كِرَامَتِ كِرَامَتِ
کون جھگڑا کرے گا۔ اُس دن تمام راز فاش ہو جائیں فَمَا لَهُ مِنْ فَوْقِ وَلَا
نَاصِيَةٍ تُوَاسِ دِنِ اُنْ كَ كُوْنِي حَامِي وَمَد دَكَار نِيْنِي هَو كَ ا تُو فَرَمَا اَمْرٌ مَنْ
يُّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا اُس دِنِ گنہگاروں کی کون و کالت
کرے گا، یہ لوگ اس دنیا میں تو چرب زبانی کر کے غلط سفارش کرا لیتے ہیں
مگر قیامت کے دن اللہ کے ہاں کون سا ایڈووکیٹ یا بیسٹر پیش کریں
گے۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا گویا اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے
کہ آئندہ ایسے دھوکہ بازوں کی طرف ذمہ داری نہ کریں اور ہمیشہ حق کی حمایت کریں
اب اگلی آیات میں اس بات کا تذکرہ ہے۔ کہ اگر کوئی جرم مجرم کی بجائے
کسی بے گناہ پر ڈال دیا جائے تو اس کا کتنا بڑا وبال ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ
 اللَّهُ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَكْسِبْ
 إِثْمًا فَإِنَّ مَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ
 اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً
 أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ
 بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ
 وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضْلَوْا
 وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصْرِفُونَ مِنْ
 شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
 عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَقْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ
 عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾

تکرار

الاشکالی

ترجمہ : اور جو شخص بُرائی کرے یا ظلم کرے اپنی جان
 پر پھر وہ اللہ سے بخشش طلب کرے تو پائیگا اللہ تعالیٰ کو
 بخشش کرنے والا اور مہربان ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص گناہ کھائے گا ،
 بیشک وہ کھائے گا اسکو اپنی جان پر ، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور
 حکمت والا ہے ﴿۱۱۱﴾ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کریگا ، پھر وہ
 اسے کسی بری شخص پر لگائے گا ، بیشک اُس نے اٹھایا بہتان

اور صریح گناہ (۱۱۲) اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اٹکی رحمت، تو البتہ ارادہ کیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے، کہ آپ کو بیکا دیں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کسی قسم کا۔ اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت۔ اور سکھایا ہے آپ کو وہ کچھ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے (۱۱۳)

رابط آیات

اس سورۃ میں منافقین کا تذکرہ اور ان کی مذمت مختلف مقامات پر ہوتی رہی ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کارگزاری کا تذکرہ فرمایا کہ جرم کا ارتکاب خود کر کے اس کا الزام دوسروں پر لگاتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا تھا، کہ منافقین نے حضرت رفاعہؓ کے گھر چوری کئے اس کا اہتمام پہلے ایک مسلمان پر لگایا اور پھر یہودی پر۔ اس کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی بریت کی سفارش بھی ہم پہنچائی، ظاہری حالات دیکھ کر نبی علیہ السلام نے بھی ایسا ہی خیال کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر اصل صورت حال سے مطلع فرمادیا اور منافقوں کی سخت مذمت بیان کی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر اس قسم کی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینا چاہیے اور مجرموں کی طرف داری نہیں کرنی چاہیے۔ فرمایا ایسے لوگ دنیا میں تو اپنا سماجی پیدا کر لیتے ہیں مگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کونسا وکیل پیش کریں گے جو ان کی وکالت کر سکے۔ فرمایا اگر وہ منافق چور ارتکاب جرم کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا، مگر انا بھگا گیا اور مرتد ہو کر کفار کے ساتھ جاہلا اور نہایت بری موت مرا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اصول کے طور پر یہ ارشاد فرمایا وَمَنْ يَعْمَلْ سُوًّا فَاَوْفَرًا يَوْمَئِذٍ يَخْتَارُ
سُوًّا اور ظلم بر نفس تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں اور بُرّائی یا گناہ پر محمول کیے جاتے ہیں تاہم سوؤ

گناہ کے
بوعزتغفار

سے مراد وہ گناہ ہے جو مستعدی ہو۔ یعنی خود گناہ کر کے الزام دوسرے پر لگا دیا جائے یا بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر براہِ راست دوسروں پر پڑتا ہے، جیسے کسی کو قتل یا زخمی کر دیا جائے، کسی کی بے عزتی کی جائے یا مال چوری کر لیا جائے اور ظلم وہ گناہ ہے جس کا اثر ترکیب کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ کا تارک یا حلال و حرام سے بے نیاز۔ تو فرمایا کسی قسم کا گناہ کیا ہے، اس کے بعد ثُمَّ كَيْسَتْ غُضُّفُ اللَّهِ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو يَجِدِ اللَّهُ حَفْوَ الرَّحِيمِ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا، کیونکہ اس زندگی میں بڑے سے بڑے گناہ کفر اور شرک سے بھی توبہ ہو سکتی ہے۔ البتہ حقوق العباد میں یہ شرط ہے۔ کہ توبہ کے ساتھ وَأَصْلَحَ یعنی جس شخص کا حق تلف کیا ہے، اُسے ادا کرے یا اُس سے معاف کر لے۔ اگر متعلقہ شخص معاف کرنے تو بھی مجرم بری الذمہ ہو گیا ہر حال اللہ نے یہ توبہ کا قانون بھی بتا دیا کہ التَّوْبَةُ مَعْرُوضَةٌ مَا لَمْ يُغْضَبْ انسان کی توبہ اس وقت تک قابل قبول ہے۔ جب تک مذکوری کے آخری لمحات میں غرغرے کی حالت طاری نہ ہو جائے۔ جب اُس کی جان بپاؤں پیدا ہوتی ہے اور عالم غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے، فرشتے اور بے زخ کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں، تو اُس وقت توبہ کی قبولیت کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے پہلے تندرستی ہو، بیماری ہو، ہر حالت میں توبہ قبول ہوتی ہے۔

أَكْفَرُ مَا وَصَنَ يَكْسِبُ إِثْمًا جو کوئی شخص گناہ کمائے گا۔

فَأَثْمًا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ تو یقیناً وہ اپنے نفس پر ہی کمائے گا۔ یعنی جو آدمی قصداً برائی کا ارتکاب کرتا ہے اُس کا وبال اُسی کی جان پر پڑے گا۔ ایسے مجرم میں وہ خود ہی ماخوذ ہوگا۔ وَكَانَ اللَّهُ مُعْلِمًا حکیم اللہ تعالیٰ علیم ہے۔ کہ ہر چیز سے واقف ہے اور حکیم ہے کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ گناہ کرنے والے کے گناہ اور

اسکی سزا کو جانتا ہے اور اس کا ہر فیصلہ پُر از حکمت ہے۔

فرمایا وَمَنْ يَكْتَسِبْ خَطِيئَةً أَوْ اتَّأَمَّ بِهَا مَنٌ شَخْصٌ نَسَىٰ

کوئی خطا کی یا گناہ کا ارتکاب کیا۔ خطا سے مراد صغیرہ گناہ جو بغیر ارادے کے سہواً

سرزد ہو گیا۔ اور اثم وہ بڑا گناہ ہے جو نیت اور ارادے سے کیا جائے نیکی اور بدی

وہی مؤثر ہوتی ہے جو قصداً کی جائے۔ تو فرمایا جس شخص نے تجھ کو گناہ کیا یا بھلائی

يَوْمَ يَكْفُرُ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ پھر اسکی تہمت کسی بیگناہ پر لگا دی جیسا کہ اس نے

پوری کار تکاب کر کے دوسروں کو ملوث کرنے کی کوشش کی تھی، تو فرمایا

فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَقَدْ اتَّأَمَّ بِهَا مَنٌ شَخْصٌ

نے بہت بڑا افترا اور گناہ اٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کر دیا کہ کسی

بیگناہ پر اتہام لگانا بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے بچتے رہنا چاہیے۔ اس کے

ساتھ ساتھ منافقین کی مذمت بھی بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ منافقین حضور علیہ السلام کو اپنے ساتھ شامل کر کے

آپ کو بھی ملوث کرنا چاہتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے سفارش بھی بہم

پہنچائی اور دوسروں پر بھی الزام لگایا تاکہ وہ خود بری قرار پائیں مگر اللہ تعالیٰ نے

ساری صورت حال سے بذریعہ وحی مطلع فرمادیا اور اس طرح آپ کو غلطی سے بچا

کہ عصمتِ انبیاء کو برقرار رکھا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اگر اس کا نبی بعض ظاہری

حالات کو دیکھ کر یا کسی قرینے کی بنیاد پر کوئی خلاف معمول رائے قائم کرے یا

حکم جاری کرے تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے نبی کو مطلع کر دیتا ہے اور

اُسے اپنی خلاف حقیقت رائے پر قائم نہیں رہنے دیتا۔ اگر نبی غلطی پر قائم ہے

تو یہ اُس کی عصمت کے خلاف ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ اُسے ایسی حالت

پر نہیں چھوڑتا۔

نبی اور مجتہد میں یہ بنیادی فرق ہے۔ کہ مجتہد جب اپنے اجتہاد اور شعور و فہم

سے کوئی غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کا اجر تو بہر حال اس کو مل جاتا ہے مگر یہ

عصمتِ انبیاء
علیہم السلام

ضروری نہیں ہوتا کہ اُسے اسکی غلطی سے مطلع کہہ کے اصلاح کر دی جائے۔ اس کے برخلاف اگر نبی سے کسی فیصلہ میں کوئی لغزش ہو جائے تو اُسے فوراً بذریعہ وحی مطلع کہہ دیا جاتا ہے اور ایسی خطا سے بچا لیا جاتا ہے۔ عصمت کا یہی معنی ہے جس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا **وَكَوَلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ** اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ پر نہ ہوتی۔ **كَلِمَاتٌ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ** تو ان میں سے ایک گمروہ نے ارادہ کر رکھا تھا کہ آپ کو بھی بہکا دیں۔ اور اپنا طر فدار بنا لیں۔ منافقین نے اس مقصد کے لیے بھر پور کوشش کی تھی اور معززین کا ایک وفد لیکر حضور علیہ السلام کے پاس گئے۔ آپ نے بھی ظاہری حالات کے مطابق ان کو بیگناہ سمجھا، اور حضرت قتادہؓ کو فرمایا کہ تم ایسے باصلاحیت اور نیک لوگوں پر کیوں شبہ کرتے ہو۔ قریب تھا کہ حضور علیہ السلام ان کی باتوں میں آکر ان کے طرفدار بن جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو متنبہ کر دیا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے کہ **وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ** یہ لوگ اپنے آپ کو ہی بہکا رہے ہیں۔ اور وہ نہیں نقصان پہنچا سکتے آپ کو کسی قسم کا اب بھی اگر کوئی ایسی حرکت کہہ بیگا تو مجرم محض رہے گا۔ اگر کوئی دوسرا شخص بہکا رہے ہیں آکر غلط طور پر طر فدار بن جائے گا تو اس سے اس کام کا محرک بری الذمہ نہیں ہوگا، نہ اس کا گناہ کم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اُسے جواب دینا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ظاہری حالات سے متاثر ہو جانے کی وجہ سے آپ پر تو کوئی الزام نہیں آتا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسے حالات میں کوئی شخص ایسی رائے قائم کر لیتا ہے مگر جن لوگوں نے یہ ساری کاروائی کی ہے، وہ نقصان سے نہیں بچ سکیں گے۔ اور اس گناہ کا وبال انہی پر پڑے گا۔

فرمایا **وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** اللہ تعالیٰ

حفاظت
خلوندی

کتاب حکمت

نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور بقول امام مالک حکمت سے مراد سنت ہے۔ حکمت کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال آئے ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ "وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ" اور اس بات کو یاد کرو جو اللہ کی آیتیں اور حکمت تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ آیات اللہ سے مراد قرآن پاک اور حکمت سے مراد آپ کے اقوال اور اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو وحی علی ہے اور جس کے الفاظ منجانب اللہ ہیں۔ اور حکمت وحی خفی ہے جس کے الفاظ اللہ کی جانب سے نہیں ہیں مگر مضمون اللہ تعالیٰ کا ہی القا کردہ ہے۔ جو بائیں حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا شدہ ہیں حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے قرآن پاک کی تشریح کی ہے اور یہی حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی
 وَعَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُن تَعْلَمُونَ وَأَوْعَضَكُمْ بِمَا لَمْ تَأْتُوا
 تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَالْإِيمَانُ الرَّاسَخُونَ (الشوریٰ) آپ کتاب اور ایمان کی تفصیلات نہیں جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ کو آگاہ کیا بعض چیزیں وحی علی کے ذریعہ بتائیں اور بعض وحی خفی کے ذریعے۔

بعض اہل بدعت آیت کے اس ٹکڑے سے حضور علیہ السلام کا کلی علم ثابت کر نیکی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نبوت سے متعلقہ تمام چیزیں سکھادیں، اور جن کا تعلق منصب نبوت کے ساتھ نہیں ہے ان میں سے بھی بہت سی چیزوں کا علم دیدیامگر ذرے ذرے کا علم نہیں دیا۔ اگر اس آیت کے ذریعے اللہ نے سب کچھ

کلی اور
 جزوی علم

آپ کو بتا دیا تھا تو یہ آیت تو سورہ ۲ یا سورہ ۵ میں نازل ہوئی اس کے بعد باقی
سورتوں کے نزول کی کیا ضرورت تھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سورہ کے بعد
سورہ مائدہ، سورہ توبہ، سورہ احزاب اور بہت سی سورتیں نازل ہوئیں۔ جب ایک
چیز بکھادی تھی تو دوبارہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس آیت
کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا علم حضور علیہ السلام کو دیا ہے سب
سے زیادہ تھا جیسا فرمایا اَوْتِلِّتْ جِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مجھے پہلوں
اور پچھلوں کا علم دیا گیا، بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلی امتوں کے حالات بتائے۔ قرآن پاک میں قصص کا ایک مختصر مجموعہ موجود
ہے اور ان میں پیش کیے ہوئے بہت سی واقعات سے بھی آپ کو آگاہ کیا۔ جن کا ذکر
قرآن و سنت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اس کے باوجود آپ علم محیط
کے مالک نہیں ہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ عالم الغیب والشہادت
صرف وہی ذات ہے۔ اللہ نے اپنے انبیاء اور رسل کو دین اور شریعت
کا مکمل علم دیا مگر ذرے ذرے کا علم نہیں دیا، کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔
اب اگر کوئی کہے کہ حضور علیہ السلام فلاں مشینری جوڑنا، یا ہوائی جہاز بنانا نہیں
جانتے تھے، تو اس سے آپ کی ذات پر کیا فرق پڑتا ہے اور آپ کی شان
میں کیا کمی آتی ہے؟ یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق کائنات سے ہے اور ان
کا جاننا آپ کے لیے ضروری نہیں تھا۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور علیہ السلام
دین کی فلاں بات یا حلال و حرام کا فلاں مسئلہ نہیں جانتے تھے، تو یقیناً یہ کلمہ کفر
ہے۔ مگر دنیا کی عام چیزیں تو انسان اپنے مشاہدے اور عقل سے سمجھتے ہیں اور
اپنے تجربات کو برہنہ بنا لیتے ہیں۔ البتہ بعض علم مضربیں وہ اللہ نے اپنے نبی
کو نہیں سکھائے اور نہ وہ اپنی شان کے لائق ہیں۔ سحر، کھانت، نجوم آپ کے
منصب کے شایان شان نہیں اور اللہ نے آپ کو نہیں سکھائے۔ اسی
شعر و شاعری کے متعلق فرمایا وَهٰا عَلَّمْنٰهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ
ہم نے اپنے نبی کو شعر کا علم نہیں سکھایا، نہ وہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اگر

ایسی چیزیں آپ نہیں جانتے تو آپ کی شان میں ذرا برابر فرق نہیں آتا، مزید برآں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی آپ سے نفی کمرہ فی ضروری ہے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ دہلوی تفسیحات الیہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کے واجب الوجود ہونے کی نفی کمرہ ضروری ہے، ورنہ انسان ایماندار نہیں ہوگا۔ واجب الوجود، قادر مطلق اور علیم کل تو صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے حضور علیہ السلام کی ذات سے ان سب کی نفی لازم ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ حضور کو ذمے ذمے سے کما علم دیا گیا، درست نہیں ہے

فَرَمَا وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا وَأُورِثَ بِرِئَاسَةِ اللَّهِ تَعَالَى
 کا بہت بڑا فضل ہے۔ اہم بریضادوی فرماتے ہیں کہ اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ آپ کو نبوت عطا فرمائی، پھر آپ کو ختم نبوت کا تاج پہنایا۔ آپ کو جو کتاب دی گئی وہ سب کتابوں سے افضل۔ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل۔ آپ کے متبعین بھی سب سے زیادہ۔ آپ کو معجزات بھی دوسرے انبیاء سے زیادہ دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ظاہری اور معنوی اولاد بھی سب سے زیادہ بنائی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

اگلی آیات میں منافقوں کی بعض مزید سازشوں اور ان کے مشوروں کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے اور ان کی مذمت بھی کی گئی ہے۔

فضل عظیم

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ جُؤَاهِمَ إِلَّا مَنِ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ
 أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَمَن
 يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ
 أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: کچھ بہتری نہیں ان کے بہت سے پوشیدہ مشوروں
 میں مگر وہ شخص کہ جس نے حکم دیا صدقہ کرنے کا یا نیک کام
 کرنے کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا اور جو شخص یہ کام کئے
 گا اللہ کی خوشنودی کی تلاش کے لیے، پس ہم عظیم دینے

اس کو بہت بڑا اجر ﴿۱۱۴﴾

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی کارگزاری بیان فرمائی کہ انہوں نے
 خود چوری کر کے مورد الزام دوسروں کو بٹھرایا۔ اور حضور علیہ السلام کو بھی باور کرنے کی کوشش
 کی کہ وہ چور نہیں ہیں بلکہ ان پر الزام لگانے والے زیادتی کے مرتکب ہیں۔ انہوں نے برادری
 کے معزین کے ذریعے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی صفائی بھی پیش کی
 مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کی سازش کا پردہ چاک کر دیا اور اپنے نبی کو تمام
 حالات سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام کی عصمت کا مسئلہ بھی آگیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا۔
 تو یہ لوگ آپ کو غلط بات کا طرفدار بنا دیتے، اللہ نے فرمایا کہ خائن لوگوں کی حمایت نہیں کرنی
 چاہیے، اللہ تعالیٰ خائون کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور جن مخلص مسلمانوں نے محض برادری کی
 وجہ سے حضور علیہ السلام کے پاس منافقوں کی سفارش کی تھی۔ اللہ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی

کہ اس دنیا میں تو تم نے اُن کی وکالت کا حق ادا کر دیا مگر کل قیامت کے دن وہ اللہ کی بارگاہ میں کونسا وکیل پیش کریں گے جو ان کی حمایت کر سکے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ کسی بے گناہ پر الزام لگانا بہت بری بات ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ جس منافق نے چوری کا ارتکاب کیا تھا، اُس نے صحیح راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ چوری کا راز کھل گیا، پھر وہ ہتھیار بھی والپس ہوئے جو اصل مایکان نے اللہ کی راہ میں وقف کر دیے۔ چور کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ اقرار جرم کر کے دنیا میں سزا پالیتا تو اُس کی آخرت برباد نہ ہوتی مگر اُس نے غلط راستہ اختیار کیا۔ سرتہ ہو کہ کافروں سے جا ملا، اور پھر ایک دیوار کے نیچے آکر گر گیا اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بددوری کے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو اپنے آدمی کی بددیت کے لیے خفیہ مشورے کرتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اجتماعی مسائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اہل ایمان کی بہتری کے لیے پوشیدہ مشورے یا مینگیس کرنا بالکل درست ہے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن امور کی نشاندہی بھی کی ہے۔ جن کے متعلق مشورہ کرنا بہ حق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ جُحُودِهِمْ اِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ لَآ يَفْقَهُوْنَ شَيْئًا يَأْتِيهِمْ مِّنْ غَيْرِهَا لِيَكْتُمُوْا لِلْاٰمِلِيْنَ فِيْهَا سُلٰتِيْنَ لِيُؤْتُوْهُم مِّنْ غَيْرِهَا وَلَئِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
 پوشیدہ مشوروں میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ جب لوہے کی گولیاں یا گولیاں پھوسی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد خفیہ مینگیس ہے جس میں صلاح مشورہ کیا جائے۔ تو فرمایا کہ یہ لوگ بشیرِ نفاق کی صفائی کے لیے اور دوسروں پر الزام لگانے کے لیے جو خفیہ مینگیس پھوسے کرتے ہیں اور مشورے بھی ایسے کہ لَآ يَفْقَهُوْنَ شَيْئًا مِّنْ اَقْوَالٍ جو منشاء اللہ کے خلاف ہیں، منسرایا ایسے مشوروں کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔

خفیہ مشورے

صدقہ کا حکم

فرمایا بعض خفیہ مشورے مفید بھی ہیں مثلاً **اَلَا مَنَ اَمَرَ بِصَدَقَاتِهِ** یہ کہ کوئی شخص صدقہ کرنے کا حکم ہے تاکہ غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اس قسم کا مشورہ کبیرنا تو بڑی خوبی کی بات ہے کہ کسی کی حاجت بڑی بھی ہو سکے اور اس کی عزت نفس بھی برقرار ہے قرآن پاک میں صدقہ کی بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے **لِيَسْ حَقُّ اللّٰهِ الْمَرْبُوٰا وَيُسْ لِبِ الصَّدَقَاتِ** اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ تاکہ سوسائٹی کو امن و سکون حاصل ہو۔ محتاجوں کو اپنا بھائی سمجھنا اور اللہ کے عطا کردہ وسائل سے ان کی مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ فرائض میں سے ہے۔ اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صدقہ سے انسان میں تذکرہ نفس پیدا ہونا آجکل ختم ہو کر فیضی جیسی اعلیٰ اقتدار پیدا ہوتی ہیں۔

صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے **كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ** یعنی ہر شیئی صدقہ کے حکم میں آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انسانی جسم کے تین سو ساٹھ اعضا (جوڑے) ہیں۔ جب انسان صبح نیند سے صحیح سلامت ابھرتا ہے۔ تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ ہر عضو کے بدلے صدقہ کرے۔ عرض کیا گیا حضور! یہ تو بہت بڑا بوجھ ہے۔ اگر کوئی شخص ہر جوڑے کے بدلے ایک ایک بیسہ بھی صدقہ کرے تو سارے جسم کے لیے کافی رقم کی ضرورت ہوگی، اور ہر ایک کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص جو بھی اچھا کلمہ اپنی زبان سے نکالتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص سبحان اللہ، یا اھم للہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہتا ہے۔ درود شریف پڑھتا ہے یا استغفار کے کلمات ادا کرتا ہے، تو یہ سب اس کے لیے صدقہ بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کو نیچے کی بات بتا دینا یا پرانی سے روک دینا بھی صدقہ ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص راستے سے کانٹا یا پتھر ہٹا دینا ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ

ہوتا ہے۔ فرمایا اگر کسی کو کوئی چیز بھی میسر نہ ہو تو چاشت کے وقت دو رکعت نفل ادا کرنے کے لیے سب اعضا کی طرف سے کفایت کر جائیں گے بہر حال صدقہ کا عام فہم معنی اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا ہے کسی حاجت مند کی مالی اعانت کر دی جائے، زکوٰۃ بھی اسی میں آتی ہے کہ یہ واجب ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو کپڑا پہنا دینا، کھانا کھلا دینا، عید الاضحیٰ پر قربانی کر دینا اور عید الفطر کو فطرانہ ادا کرنا سب صدقات میں آتے ہیں بشرطیکہ یہ سب کچھ خالص اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے صدقہ کی ضد سود ہے جس سے سوسائٹی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ کسی ضرورت مند کی اعانت کرنے کی بجائے اسے رقم دیکر اس پر سود وصول کرنا نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ جس سوسائٹی میں سود کی لعنت آجاتی ہے وہ سوسائٹی لپٹ لپٹ تہمت ہوتی چلی جاتی ہے۔ سود حرص اور لالچ کو جنم دیتا ہے، انسان میں تنگدلی پیدا ہوتی ہے، انسانی ہمدردی کا جذبہ ختم ہو کر خود غرضی پیدا ہوتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہودی ہیں۔ بنکاری کا پورا نظام سود کی بنیاد پر ہی قائم ہے۔ یہودیوں کے بعد دوکرتیبر یہ سود خور ہندو سماجن ہیں جن کی سنگدلی کے واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ انتہی کی دلچسپ سود خوری کی لعنت پٹھانوں اور عربوں میں بھی آگئی ہے اور پھر بعض دور سے لوگ بھی سود خوری کرنے لگے ہیں۔ فرمایا مشورہ وہ اچھا ہے جو کہ صدقہ کی ترویج کی خاطر کیا جائے۔

سود خوری

فرمایا اچھا مشورہ صدقہ کے حکم میں ہے یا پھر اَوْ صَعْرُوفٍ
 نیچا کا حکم کرنے میں۔ کسی سوسائٹی میں نیچے پھیلانے اور بُرائی کو مٹانے کی خاطر جو مشورہ کیا جائے وہ بھی اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ نیچے کے صرف بڑے بڑے کام ہی قابل توجہ نہیں ہیں بلکہ معمولی سے معمولی نیچے پر بھی عمدہ اللہ ماجور ہوتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ
 کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو وَاَنْ تَلْفِيْ اَخَالَكَ يَوْجِلُ طَلِيْقٍ
 خواہ اتنی سی بات ہو کہ تم اپنے بھائی کو ہنس مکھ چہرے کے ساتھ ملو یہ بھی نیچے ہے

نیک عمل

کسی بجائی کے برتن میں باڈی ڈال دینا بھی نیکی ہے۔ غرضیکہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اکٹھی ہو کر قیامت کو پہاڑ بن جائیں گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ثمرہ قریب ہوگا۔ فرمایا زبانی نیکی یہ بھی ہے کہ کسی کو نیکی کی تلقین کر دی یا باڈی سے منع کر دیا۔ اور فعلی نیکی یہ ہے کہ کسی مظلوم کی مدد کر دی جائے اور کسی مصیبت زدہ کی مصیبت کو رفع کر دیا جائے۔ یہ قولی اور فعلی محروف باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر نیکی کے کاموں کے لیے مشورہ کیا جائے، میٹنگ کی جائے یا کوئی اجلاس بلایا جائے تو یہ بہت۔ اچھی بات ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ منافقوں کی بہت سی پوشیدہ میٹنگوں کا کوئی فائدہ نہیں البتہ فائدہ اُس غرضیہ مشورے کا ہے جو صدقہ کے متعلق ہو یا نیکی کو پھیلانے کے لیے کیا جائے، وگرنہ اکثر مشورے اور میٹنگیں فضول ہی ہوتی ہیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ابو داؤد شریف اور بعض دوسری کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے **صِنِّ حَسَنٍ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرَكَ حَسَنًا مَا لَا يَحْدِيْهِ** یعنی کسی انسان کی اسلام کی خوبی میں سے ہے۔ کہ وہ لایعنی اور فضول باتوں کو ترک کرے۔ اور اس کے بجائے اچھی باتوں کو اختیار کرے، تو اس سے انسان میں طہارت اور سماحت جیسی پاکیزہ چیزیں پیدا ہوں گی۔

اصلاح
ذات البین

فرمایا تیسری چیز جس کے لیے مشاورت جائز ہے، وہ ہے۔ **اَوْ**
اصْلَاحِ بَيْنِ النَّاسِ لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا۔ بعض افراد یا جماعتوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے، ان کی اصلاح کرنے کے لیے جھگڑے کو مٹانے کے لیے اگر میٹنگیں اور مشورے کیے جائیں تو بہت اچھی بات ہے اسے اصلاح ذات البین کہتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے **اصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** اللہ تعالیٰ نے اپنے حالات اچھے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے برخلاف فساد ذات البین بہت بری بات ہے

مسلمانوں کا آپس میں جھگڑنا اور فساد مختلف وجوہات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جھگڑا معاملہ میں ہوتا ہے اور اخلاق میں بھی، حتیٰ کہ بسا اوقات فساد و عقیدے کے بارے میں بھی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فساد ذات البین کے متعلق فرمایا:

لَهِيَ حَائِقَةٌ مَيُونَةٌ وَالِي حَيْزٍ هِيَ - پھر فرمایا کہ میں نہیں کہتا کہ فساد بالوں کو موندتا ہے بلکہ یہ دین کو موندتا رکھ دیتا ہے۔ آپس کا فساد دین کو ایسے برباد کر دیتا ہے۔ جیسے استر بالوں کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔

جھگڑا پارٹیوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے اور ملکوں کے درمیان بھی۔ لہذا جھگڑے کو مٹانے کے سلسلے میں جو کوشش، محنت، مشورہ اور میٹنگ کی جائے وہی بہتر ہے۔ فضول کاموں کے لیے مشورہ کرنا لاجینی ہے، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ برائی کو تقویت حاصل ہوگی۔ الغرض! یہ تین چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کے لیے باہمی مشاورت بالکل درست ہے یعنی صدقہ، نیکی اور اصلاح ذات البین۔ اور ان تمام امور کا مقصد ایک ہی ہے۔ کہ لوگوں کے حالات اچھے ہو جائیں۔ برائی کا خاتمہ ہو جائے۔ فاسد رسومات سے جان چھوٹ جائے اور ان کی بجائے سنت لایا جائے۔ لوگوں میں اسلام اور شریعت کے لیے محبت پیدا ہو جائے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں جو اصلاح ذات البین کے لیے کوشش کرتا ہے، ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس کے حق میں بہتری کی دعا کرتے ہیں۔ ایسا انسان اللہ کے بلوں پسندیدہ انسان ہوتا ہے کہ وہ فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق بنتا ہے۔

مشورے افراد کے درمیان بھی ہوتے ہیں اور مقامی اور ملکی سطح پر جماعتوں کے درمیان بھی۔ میونپل کمیٹی کے ممبران بھی میٹنگ کرتے ہیں اور شہر کی اصلاح کے لیے مشورے کرتے ہیں۔ اسی طرح صوبائی اور ملکی سطح پر ممبران صوبائی و قومی اسمبلی اجلاس کر کے صوبائی اور ملکی بہبود کے لیے مشورے کرتے ہیں اور پھر بڑے بڑے منصوبے معرض وجود میں آتے ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ سب لوگ قوم و ملت

جاہل اور
ناجانہ مشورے

کی اصلاح احوال کے لیے مشورے کرتے ہیں یا کھیل نمانشے اور دیگر فضول باتوں کو زیر بحث لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے یعنی صدقہ، نیکی اور اصلاح ذات البین۔ کیا ہمارے شہر صوبے یا ملک کے نمائندگان کو کبھی یہ توفیق حاصل ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مذکورہ بالا تین آئٹمز (ITEMS) کو کبھی زیر بحث لائیں؟ کیا ان امور کی انجام دہی کے لیے بھی قانون سازی ہوتی ہے؟ کیا غریبوں کی بہبود کے لیے کبھی مشورہ ہوا ہے؟ وہاں تو فضول چیزوں کے لیے قانون بناتے ہیں۔ وہاں تو فلموں اور ٹیلی ویژن کی ترقی کی باتیں ہوتی ہیں۔ کرکٹ اور ٹینس کے لیے مشورے ہوتے ہیں۔ چاہتے تو یہ تھا کہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کی باتیں ہوتیں؟ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ پیش ہوتا۔ محتاجوں کی عزت نفس کے لیے کوئی منصوبہ بنا، عزت دور ہو کر لوگوں کی بنیادی ضروریات کا اہتمام ہونا۔ مگر ایسی چیزیں انہیں کہاں نصیب ہیں یہاں پر اختلاف ددر کرنے کی بجائے اولاد اور پارٹیوں کے درمیان اختلافات بڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ انگریز کا پرانا اصول ہے کہ اختلاف بڑھاؤ اور حکومت کرو (DIVIDE AND RULE) کیونکہ اگر لوگ اچھی بات پر متفق ہو جائیں تو انہیں حکومت کر لینا موقع کیسے مل سکتا ہے۔ یہاں تو سیاسی پارٹیوں میں رسہ کشی کو ہوا دی جاتی ہے۔ شیعہ عینی کا فساد کر لیا جاتا ہے۔ بقلہ غیر متعلقہ کا مسئلہ پیدا کیا جاتا ہے، دیوبندی اور یہ بلوچی کو لڑایا جاتا ہے اور یہی ایک اصول ہے جس کے ذریعے اپنی حکومت کو طول دے سکتے ہیں۔ اقتدار پر قبضہ جاسکتے ہیں۔ بھائی تھامسے ذمے تو لازم تھا کہ نیکی کا نظام قائم کرتے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتے برائی کا قلع قمع طاقت کے ساتھ کرتے عربی اور فحاشی کے خلاف جہاد کرتے، نظام صلوة قائم ہوتا، ہر شخص کی عزت اکبر و مال اور جان محفوظ ہوتی۔ اگر تم برائی ختم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ باتوں پر عمل نہیں کرتے تو تمہاری ممبریاں کسی کام کی نہیں ہیں۔ تم اپنے فرائض کو

کما حقہ ادا نہیں کرتے ہے۔ اقتدار کی امانت اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کی ہے اسے محض تنخواہ اور بھتہ وصول کرنے تک محدود نہ رکھو بلکہ عوام کی خدمت کرنے کے نہ صرف دنیا میں سرسروٹی حاصل کرو بلکہ آخرت کے لیے ذریعہ نجات بھی پیدا کرو۔

اہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کی تمام امتوں کے لیے چار صفات کا ہونا ضروری ہے (۱) طہارت (۲) اجابت یعنی خدا تعالیٰ کے سلسلے سے عاجزی

اہل ایمان کی
چار صفات

(۳) سماحت یعنی فیاضی اور رذیل چیزوں سے پرہیز اور (۴) عدالت۔

عدلی و انصاف کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے جھگڑے مرٹ جائیں۔ تمام لوگ صلح و صفائی سے رہیں۔ اختلاف اپنوں میں ہو یا بیگانوں میں، افراد میں ہو یا پارٹیوں میں، خاندان میں ہو یا ممالک میں، صلح کروا دینا بہت بڑی نیچی ہے۔ سورۃ حجرات میں بھی آتا ہے۔ کہ مؤمنوں کے دو گروہوں کے درمیان اگر جھگڑا ہو جائے۔

فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا تَوَّابًا

تو اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا ایجنڈا لے کر فرمایا کہ اگر میٹنگ کرنی ہے، کوئی مشورہ کرنا ہے تو ان چیزوں کے متعلق کرو۔ صدقہ کا حکم دو تاکہ محتاجوں کی ضروریات پوری ہوں۔ نیچی کا حکم دو تاکہ برائی کا خاتمہ ہو جائے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو تاکہ تمام جھگڑے اور تنازعات مرٹ جائیں۔ اگر تمہارے اپنے جھگڑے ختم ہو جائیں تو کوئی غیر تمہارے طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکیگا۔ برخلاف اس کے اگر تم آپس میں الجھتے رہے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی اور تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔

رضائے الہی

فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تلاش میں ایسا کرے گا، صدقہ یا نیچی کا حکم کرے گا یا لوگوں کے درمیان صلح کرے گا یا ان مقاصد کے حصول کے لیے مشورہ کرے گا اور اس کی ملو رضائے الہی ہو، اپنی نیک نامی اور یا کاری یا ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایسا نہیں کرے گا، فرمایا مَسُوْفٌ لَّوْ تَبَيَّنَ اَجْرًا عَظِيْمًا

عنقریب ہم اُسے بہت بڑا اجر عطا کریں گے نیکی دراصل وہی ہے جو صرف خدا کی رضا کے لیے ہو۔ اور ہر اُس شخص کے ساتھ کی جلتے جو اس کا مستحق ہو۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ زکوٰۃ و خیرات اُس شخص کو دی جاتی ہے جو اپنی پارٹی کا آدمی ہو سفارش اُس کی کی جاتی ہے، جس نے ووٹ دیا تھا یا آئندہ دیکھا یا پھر نیکی اس لیے کی جاتی ہے کہ اپنے فرقے کو عروج حاصل ہو۔ حکومت بھی الغایت سے اُسی شخص کو نوازتی ہے جسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا مطلوب ہو۔ یہ تمام چیزیں نیکی کی روح کے خلاف ہیں۔ نیکی جب تک محض اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہوگی، اس کا کچھ فائدہ نہیں، ابتداء مرصحات اللہ سے یہی بات سمجھائی گئی ہے۔ اور اللہ کی خوشنودی کے لیے وہی نیکی کرے گا جس کا نظریہ یعنی (IDEOLOGY) صحیح ہوگی۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہوگا اور ملائعہ اعلیٰ کی دعاؤں کا مستحق بھی۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ
وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص مخالفت کریگا اللہ کے رسول کی اُس
کے بعد کہ اس شخص کے لیے ہدایت واضح ہو چکی ہے۔ اور وہ
شخص پیروی کرتا ہے مومنین کے راستے کے علاوہ، ہم اُس کو
پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اُس نے رُج کیا ہے اور ہم
اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹ
کر جانے کی ﴿۱۱۵﴾

گذشتہ آیات میں منافقین کی مذمت بیان ہوتی رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کی
خیانت، بُرائی، خفیہ مشوروں اور سٹینگوں کا ذکر فرمایا۔ گذشتہ اور اس سے پیوستہ دروس میں
منافقین کے ایک خاندان بنو امیہ کا ذکر تھا کہ اُن کے ایک آدمی بشیر ابن ابیرق نے
چوری کا ارتکاب کیا۔ مگر خود کو اُس سے بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے چوری کا الزام
ایک مخلص مسلمان لبید ابن سہیلؓ پر اور پھر ایک یہودی پر لگایا اس کے علاوہ معززین قبیلہ کا ایک
وقف بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا، جس میں مخلص مسلمان بھی شامل تھے۔ اس وفد نے
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باور کرنے کی کوشش کی کہ اُن کا آدمی بے گناہ ہے، اور
رفاعہؓ اور قتادہؓ نے اس پر غلط الزام لگایا ہے حضور علیہ السلام نے بھی ظاہری حالات کے
مطابق بشیر منافق کھجے گناہ سمجھا اور حضرت قتادہؓ کو ڈانٹ دیا کہ انہوں نے غلط الزام لگایا ہے
تاہم اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرما کر اس سازش کو بے نقاب کر دیا چور پکڑا گیا اور اس

ربط آیات

سے مال بھی برآمد ہو گیا۔ پھر وہ منافق شخصت کے ماننے و سینہ سے بھاگ گیا اور مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کی بھوکھی، جب اس کا چہرہ چاہوا۔ تو بدنامی کے ڈر سے اس عورت نے بھی بشیر کو گھس سے نکال دیا جس کے پاس وہ بٹھا ہوا تھا، مہنسرین بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی دیوار کے نیچے آکر سر گیا۔ یہ حال اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے حوالہ سے منافقین کی مذمت بیان کی کہ اگر اس شخص میں انصاف کا مادہ ہوتا تو اپنے جرم کا اقرار کر کے حد سترہ قبول کر لیتا اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاتا، مگر اس نے غلط راستہ اختیار کیا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سفارشی مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ وہ ایسے غلط لوگوں کی حمایت کیا کریں۔ خود حضور نبی کریم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہوتا تو یہ لوگ غلط طور پر آپ کو بھی اپنا طرفدار بنا لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر منافقین کی شقاوت کو ظاہر فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد حج کی آیت میں مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ منافقوں کی چالوں میں آنے کی بجائے مومنین کے راستہ پر چلیں اور مومنین کے راستہ کے خلاف نہ کریں۔

رسول کی
مخالفت

چنانچہ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَهَنَ يَشْكِرِ الرَّسُولَ جَوْكُوْنِي اللّٰهُكَ الرَّسُوْلُ كِي مَخَالَفَت كَمَر تَابِهٖ مَشَاقِقَت وَشَمْنِي ضَدَّ عَنَّا دِيَا يَارِيْ بَا زِي كَد كَسْتِهٖ يَنْ بِيَه تَمَام قَبِيْح صِفَات بَشِيْر بن ابيْرُق پيْرَقِ آتِي هِيْن اور اسي كِي طَرَف اِشَارَه هِيْ كَه اِسْ شَخْص نِهْ خُوْد چُوْرِي كِي، پِھِر دُوسَرُوْل پَر اِتْمَام لِكْجَا يَا اور اَخِر ميْن اللّٰهُكَ رَسُوْل كِي نَافِر مَانِي كَا مَرْتَكِب هُو كَد كَفَار مَكْمَه سِهْ جَا مَلَا۔ اِسي لِيهْ فَر مَآ يَا كَه جُوْ شَخْص اللّٰهُكَ رَسُوْل كِي نَافِر مَانِي كَمَر تَابِهٖ، مَخَالَفَت كَمَر تَابِهٖ صِرْف اَبْعُدِ هَا تَبَيِّنْ كَلِمَ الْهُدَى بَعْد اِسْ كِهْ اِسْ پَر هَا يْتِ وَاصِحْ هُو كِي مَحْتِي۔ اور هَا يْتِ كَا رَسُوْلَهٗ وَهِيْ هِيْ جِسْ پَر اللّٰهُكَ رَسُوْل اور اِسْ كِهْ مَتَبِعِيْن چلْ هِيْ هِيْن اور جِسْ كِي طَرَف دُوسَرُوْل كَر هِيْ دَعْوَت مِيْ هِيْ هِيْن۔ يِهْ وَهِيْ هَا يْتِ كَا پَر وَكْرَام هِيْ۔ جُو اللّٰهُ جَلْ شَانِهٗ نِهْ اِپْنِيْ اَخْرِي

کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام صحتی تشریح و توضیح بیان فرماتے ہیں۔ اسی مضمون کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اس طرح بیان فرمایا قَدْ تَبَيَّنَ الْبُرْهَانُ مِنَ الْعَجْبِ یعنی ہدایت کا راستہ گمراہی کے راستے سے بالکل واضح ہو گیا ہے، اس کے باوجود اگر کوئی مستخص اللہ کے رسول اور اس کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کرتا ہے۔ تو پھر اس کی سزا وہی ہے جو آیت کے اگلے حصے میں بیان ہو رہی ہے۔

اہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نبی ہمیشہ اپنی قوم کی زبان میں ان کو دین کی دعوت دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ کسی کو کوئی اشتباہ نہ رہے کہ اللہ کا نبی کس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ لہذا جب کوئی نبی اپنی قوم کو اپنی زبان میں سمجھائے، پھر قوم کا کوئی آدمی دعوت کو سن کر اس کا انکار کرے، تو وہ قطعاً طور پر سزا کا مستحق ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چار چیزیں انسان کو سزا کا مستحق بناتی ہیں۔ پہلی چیز پیدائشی فطرت ہے کہ اس اعتبار سے بھی کوئی انسان سزا یا جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دوسری چیز ملائعہ اعلیٰ کے فرشتے ہیں جو اچھا کام کرنے والوں کے لیے دعا اور بڑا کام کرنے والوں کے لیے بر دعا کرتے ہیں لہذا یہ فرشتے بھی جزا و سزا کا سبب بنتے ہیں۔ فرمایا تیسری چیز شریعت مکتوبہ ہے۔ جب یہ نازل ہوتی ہے تو اس پر عمل کرنے والے جزا پاتے ہیں اور انکار کرنے والے سزا پاتے ہیں۔ پھر چوتھے درجے میں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو بھیج کر ہدایت کا راستہ واضح کرتا ہے۔ اس حجت کے تمام یہ بھی اللہ تعالیٰ جزا و سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

فرمایا کہ جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا۔ وَيَتَّبِعْ عَادِيَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ اور مؤمنین کے راستے

سزا کی
وجوہات

اتباع کے
درجات

کے علاوہ کسی دوسرے راستے پر چلیگا۔ جیسا کہ بشریٰ منافق مومنوں کا راستہ چھوڑ کر
مشرکوں کے ساتھ جا ملا، تو فرمایا ہم اس کو وہ سزا دیں گے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے
اور یہ اس لیے کہ اُس نے نبی کی اتباع چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا، حالانکہ نبی
کا اتباع فرض ہے۔ اس سورۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اس لحاظ سے فرض ہے کہ وہ خالق اور مالک ہے۔ اور نبی کی اطاعت اس کی
رسالت کی وجہ سے لازم ہے۔ اور اس آیت کی رو سے تیسری چیز یہ آگئی کہ
مومنین کے راستے پر چلنا بھی فرض ہے۔ اور مومنین وہ جو اللہ اور اس کے
رسول کے ساتھ چلنے والے ہیں اور جن کا اعتقاد اور عمل بالکل صحیح ہے۔ یہ تینوں چیزیں
درجہ بدرجہ آتی ہیں۔

اہم شافعی فرماتے ہیں کہ مومنین سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام
ہیں جو آپ پر ایمان لائے، آپ کی زیارت کی اور آپ کا اتباع کیا۔ پھر ان کا
کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو وہ دلیل شرعی بن جاتی ہے۔ گویا اجماع امرت
میں سب سے پہلے صحابہ کی جماعت آتی ہے اور جو کوئی ان کے طریقے کے خلاف
کہے گا، تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ صحیحین میں حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک
کی شرح میں محدثین کرام فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ
أَمْرُنَا فَهُوَ كَمَا جَسَّ شَخْصٌ نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق
نہیں ہے تو وہ مردود ہے اس طریقے کے متعلق محدثین کرام فرماتے ہیں کہ
دلائل شرعیہ چار ہیں اور کسی معاملہ کو سمجھنے کے لیے ان چاروں کو پیش نظر رکھنا
چاہیے۔ سب سے پہلے کتاب اللہ ہے، دوسرے نمبر پر سنت رسول اللہ
تیسرا اجماع صحابہ اور چوتھا قیاس ہے۔ اگر کوئی چیز پہلے تین دلائل سے
ثابت نہ ہو، تو پھر چوتھی دلیل کو بروئے کار لایا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ تمام چیزوں
کی تفصیل قرآن پاک میں تو نہیں ہے، وہاں تو اصول و ضوابط ہیں۔ پھر ان اصولوں
کی بہت حد تک تشریح و تفسیر حضور علیہ السلام کے قول، فعل یا تقریر سے ملے

دلائل شرعیہ

گی۔ مگر تمام مسائل وہاں سے بھی حل نہیں ہوں گے۔ پھر اس مسئلہ کو امت کے بہترین لوگوں یعنی صحابہؓ پر پیش کیا جائیگا۔ اگر وہ کسی نتیجہ پر متفق ہیں تو وہ حل ساری امت کے لیے واجب العمل ہے ورنہ ایسی بات میں مجتہدین اجتہاد کے مسئلہ کا حل نکالیں گے، چنانچہ یہ اجتہاد یا قیاس بھی شرعی دلیل ہے۔ دنیا میں ہر روز نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں کا حکم واضح طور پر قرآن، سنت اور اجماع صحابہؓ میں نہیں ملتا، تو پھر ایسے مسائل قیاس و اجتہاد کے ذریعے ہی حل کیے جائیں گے اور ان پر عمل کھانا عام لوگوں کے لیے ضروری ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ ان چار دلائل شرعیہ میں سے درج ذیل ہیں یعنی قرآن و سنت ایسے دلائل ہیں جنکے ذریعے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا یہ مثبت دلائل ہیں۔ اور دو دلائل منظر ہیں کہ ان کے ذریعے مسائل کا حل ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ ہیں اجماع اور قیاس۔ ظاہر ہے کہ جس چیز پر صحابہؓ کہہ ماضی کا اجماع ہوگا، اس کی ضرورت کوئی نہ کوئی بنیاد ہوگی۔ اور جو بات کوئی مجتہد بتلاتا ہے وہ بھی کسی دلیل کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے۔ مجتہد مطلوبہ مسئلہ کے لیے پہلے علت (CAUSE) دریافت کرتا ہے اور پھر اس علت کی بنیاد پر مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے، لہذا یہ بھی شرعی دلیل کا درجہ رکھتی ہے۔

امام شافعیؒ نے اسی آیت سے اجماع کو ثابت کیا۔ بعض کتب میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کو اس معاملہ میں تردد تھا کہ اجماع کا ثبوت قرآن پاک کی کس آیت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی آپ نے ایک دن میں تین دفعہ پورے قرآن پاک کی تلاوت کی مگر آپ کی تسلی نہ ہوئی۔ آپ متواتر تین دن تک تین تین مرتبہ اول سے آخر تک قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے اور آخر کار اسی آیت پر آکر اٹک گئے

وَيَذِيعُ عَنِّي سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ. اب آپ کی تسلی ہو گئی کہ اجماع بھی قطعی دلیل شرعی ہے۔

کثرت
تلاوت قرآن

چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا تو بہت سے صالحین کا معمول رہا ہے۔ اہم البصیضہ رمضان المبارک کے دوران ایک مرتبہ دن کو اور ایک مرتبہ رات کو مکمل قرآن پاک پڑھتے تھے۔ امام بخاریؒ کیجی بن معینؒ اور سیبی بن سعید قطانؒ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دن رات میں دو مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ بعض صاحب کرامت بزرگوں نے اس سے بھی کم وقت میں قرآن حکیم کی تلاوت مکمل کی ہے خواجہ نظام الدینؒ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ خواجہ بہاؤ الدینؒ کو با ملتان کے ایک مرید حسن افغانؒ ہر روز سات سو مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ لوگوں نے خواجہ صاحب نظام الدینؒ سے دریافت کیا کہ سات سو مرتبہ تلاوت تو پھر تصور ہی میں کرتے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ پورے الفاظ کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کٹھیریؒ جو ہمارے اکابرین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے مان لو کہ کرامت کے طور پر سات سو مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت ممکن ہے۔ امام رازیؒ نے امام فاجیؒ کے بارہ میں جو تین سو مرتبہ قرآن پاک کی تلاوت کی روایت بیان کی ہے۔ وہ درست معلوم نہیں ہوئی۔ تین دن تین تین مرتبہ والی روایت صحیح ہے اہم محمدؒ کا معمول تھا کہ آپ ہر روز دس پائے تلاوت فرماتے تھے مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شیخ الہندؒ بھی دس پائے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے استاد اور شیخ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بہت مصروف آدمی تھے، مگر سات پائے روزانہ آپ بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پاک پڑھ جاتے تھے۔ ترمذی شریفین میں موجود ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعیؒ بھی ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرتے تھے

خواجہ قطب الدین سنجتیار کا کی دور رکعت میں پورا قرآن اور مزید چار پائے پڑھتے تھے
حضرت مولانا شاہ اسماعیل بشیر اور مغرب کے درمیان پورا قرآن تلاوت کرتے تھے
یا پھر آپ صبح کی نماز کے بعد بیٹھتے اور طلوع شمس تک قرآن پاک پڑھ جاتے۔ یہ
لوگ صاحب کرامت تھے۔ ہر آدمی کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ عام لوگوں
کے لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین دن سے کم عرصہ میں تلاوت قرآن مکمل نہ
کی جائے ایسا کمروگے کو سمجھ نہیں سکیں گے، مگر خاص لوگوں کا معاملہ اور ہے، وہ
الفاظ اور مضامین کی تفہیم کے ساتھ کم سے کم عرصہ میں قرآن کریم کی تلاوت
مکمل کر لیتے تھے۔

اجماع کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہ ہے کہ جس مسئلہ پر امت
کا پہلا طبقہ خصوصاً صحابہ کرام متفق ہو، اس کو ماننا ضروری ہے اور اس
کے خلاف چلنا گمراہی۔ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب کی ابتدا میں لکھا ہے کہ ہمارے
امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ کی کتاب قرآن پاک
کو لیتے ہیں، اس کے بعد نبی علیہ السلام کی سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر
اجماع صحابہؓ میں سے متفق علیہ مسئلہ پر عمل کرتے ہیں۔ اور اگر صحابہ میں اختلاف پایا
جائے۔ وہاں امام صاحب کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے مطابق عمل
کرتے ہیں اور اس کے بعد جب تابعین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو فرماتے ہیں
مَنْ رَجَعَ إِلَى رِجَالٍ وَهُمْ رِجَالٌ يَعْنِي وَهِيَ تَحْقِيقُ كَشَاهِدٍ مَسْمُومٍ، ہم
بھی تحقیق کرتے ہیں اور جو بات ہمیں کتاب و سنت اور اجماع کے مطابق
معلوم ہوگی، اس کو اختیار کریں گے۔ آپ صحابہ رض کے اجماع تک ہر فیصلہ
شدہ مسئلہ کو تسلیم کرتے ہیں، اگر وہاں تک کوئی حکم معلوم نہ ہو تو پھر اجتہاد
کرتے ہیں۔

مسک امام
ابوحنیفہؒ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حرکت الارباب حجۃ اللہ البالغہ قوانین اسلام
کی تشریح ہے اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں حدیث کی شرح بیان کی گئی
مسک امام

ہے اور دوسرے میں کلی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں اسلام کا مکمل نظام پیش کیا گیا ہے۔ گذشتہ بارہ سو سال میں ایسی بلندی پر کتاب نہیں لکھی گئی۔ آپ باوجود صدی کے مجدد و محدث، مہتمم اور صاحبِ طریقت بزرگ ہوئے ہیں۔ چار پانچ پشتوں تک آپ کا سارا خاندان اسی پایہ کا ہوا ہے۔ آپ کے والد، بیٹے اور پوتے دین کے شیدائی ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر پوری قوتیں صرف کر دیں اور پوری دنیا خصوصاً برصغیر میں دین کی بے پایاں خدمت انجام دی۔ آپ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اگر ہماری کوئی تحریر کتاب اللہ کے خلاف ہو یا سنت رسول کے خلاف ہو یا اجماع قرونِ مشہود لہا بالخیر کے خلاف ہو فَإِنَّهُ خَطَاؤٌ تَوَسَّجْنَا لَهُ غُلْفًا ہے رَحِمَ اللَّهُ مَنْ يَقْظَنَا مِنْ سُنَّتِنَا اللَّهُ تَعَالَى اس شخص پر رحم کرے جو ہمیں ہماری غلطی سے آگاہ کرے گا۔

قرونِ مشہود لہا بخیر سے آپ کی مراد وہ زمانہ ہے جبکہ بہتری کی گونہی دی گئی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد خیر القرون قرنی ثمر الذین یلونہم ثمر الذین یلونہم یعنی بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر جو ان کے ساتھ ملنے والے ہیں اور پھر جو ان کے ساتھ ملنے والے ہیں بغیر یہ آپ بھی اجماع صحابہؓ کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ، پھر اجماع اور پھر اجتہاد۔ اگر ہمارے اجتہاد میں کوئی غلطی ہو جائے تو وہ ہمارا مذہب نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ ایک تحقیقی بات ہوگی۔ اس سے روشنی تو حاصل ہوتی ہے گی۔ مگر اسے بطور عقیدہ اور عمل نہیں اپنایا جاسکتا۔

فرماتے ہیں کہ اجماع امت کا ماننا اس لیے ضروری ہے کہ یہ یونین کا راستہ ہے۔ وہ یونین جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ جو شخص ان کے راستے کو چھوڑ دیکو وہ یقیناً گمراہ ہو جائے گا۔ تمام

فرقہ بندی
کی وجہ

فرقے اسی لیے وجود میں آئے ہیں کہ یہ قرآن و سنت کے مرکز سے ہٹ گئے۔ اگر یہ لوگ یَسْبِغُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمَسْؤُومِينَ کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے مرکز پر قائم رہتے تو گمراہ نہ ہوتے، فکری عملی اور اخلاقی گمراہی مرکز سے ہٹنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، مرزا قادیانی اسی مرکز سے ہٹ کر گمراہ ہوا۔ سر سید نے من مانی تاویلین کیں ہجرات کا انکار کیا تو گمراہ ہوا۔ علامہ مشرقی نے بھی ہمیں سے ٹھوکر کھائی۔ پرویز نے قرآن پاک کے تے تے معانی بنائے اور اسی وجہ سے گمراہ ہوا۔ غرضیکہ جتنے بھی فرقے ہیں وہ سب اسی نقطے پر اکٹھے بٹھکتے ہیں۔

حضرت مولانا نور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں بہت سی باتیں آتی ہیں مگر جہاں عقیدے کا معاملہ آتا ہے، میں کہتا ہوں کہ ان کو نہیں مانوں گا۔ میں تو وہی بات مانوں گا جو تمہو نے تسلیم کی ہے۔ اور جس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے۔ حضرت عنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں بڑے بڑے نکات آتے ہیں مگر جب تک کتاب و سنت کے دو گواہ موجود نہ ہوں، میں کسی چیز کو نہیں مانوں گا۔ غرضیکہ دلائل شرعیہ میں تیسرا نمبر اجماع امت کا ہے اس میں صحابہ کرام کا اجماع اول درجہ میں ہے۔ جس معاملہ میں ان کا اتفاق ہو، اس کے خلاف چلنا گمراہی ہے۔

فرمایا جو اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو گئی۔ اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی دوسرے طریقے کی پیروی کرے گا۔ لَوْلَا مَا نُوْحِيَ تو ہم پھیر دیں گے اس کو اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہرنیک و بد کام کے لیے توفیق دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جب کوئی شخص رائی کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہاری توفیق سلب نہیں کرتے اگر اسی راستے پر جانا چاہتے ہو تو جاؤ، اس معاملہ میں تم اپنے فعل میں مختار ہو۔ نیک کام کرنا چاہو تو اس کی توفیق بھی دیتے ہیں اور کفر شرک میں مبتلا ہونا چاہو تو اس سے

توفیق
خداوندی

اجتماعیت
کی اہمیت

بھی ہم روکتے نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن اس کا حساب کتاب
 تم سے لے لیں گے۔ اس وقت جدھر جانا چاہو ہم اُسی طرف پھیر دیں گے۔
 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے عَلَیْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ
 یعنی جماعت کو لازم پکڑو۔ جماعت سے علیحدگی اختیار نہ کرو کیونکہ مَن
 شَدَّ شِدًّا فِي النَّارِ تَرْمِذِي شَرِّ لَيْفِ كِي رَوَايَتِ هِيَ كِه جَوِ جَمَاعَتِ
 سے الگ ہوا وہ جہنم میں جا پڑا۔ فرمایا جب تک کوئی شخص جماعت کے ساتھ
 منسلک ہے گا شیطان کے حملہ سے محفوظ رہے گا۔ جو بیکری ریوڑ کے اندر رہتی
 ہے وہ بھیڑیے کے حملے سے بچ جاتی ہے اور جو ریوڑ سے الگ ہو جاتی
 ہے وہ درندوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شیطان بھی اس شخص پر مسلط ہوتا
 ہے جو جماعت سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے
 خلاف چلنے والا آدمی شیطان کا شکار ہو کر گمراہ ہو جائے گا۔ افسوس کا مقام
 ہے کہ اہل اسلام کی اجتماعیت ایک زمانہ سے بگڑ چکی ہے جس کی وجہ سے
 مسلمانوں کے عقیدے اور عمل بگڑ چکے ہیں۔

فرمایا ہم ایسے شخص کو اس کی خواہش کے مطابق پھیر دیں گے اور اس کا
 نتیجہ یہ ہوگا وَذُصِّلَ لَهُ جَهَنَّمَ آخِرَ كَارِهِمْ اُسے جہنم میں داخل کر دیں گے
 کیونکہ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد جماعت کے راستے سے الگ ہو گیا اس نے
 اللہ کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو شخص جہنم میں پہنچ گیا وَسَاءَتْ مَصِيرًا
 وہ تو لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے ناکام
 ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کے ساتھ ساتھ اجماعِ امت کا منسلک
 بھی سمجھا دیا کہ ہمیشہ جماعت کو لازم پکڑو، سلفِ صالحین کے منسلک پر قائم
 رہو، اس کے خلاف چلنے والا گمراہ ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلَالًا كَبِيرًا ۝۱۱۶ إِنَّ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا نَسْأَةً
وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝۱۱۷ لَعَنَهُ اللَّهُ

وقت لازم

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نہیں معاف کرتا اس بات کو کہ اُس
کے ساتھ شرک کیا جائے، اور سختی ہے اُس کے سوا جس کو چاہے
اور جس شخص نے شرک کیا اللہ کے ساتھ پس بیشک وہ گمراہ
ہو گیا اور گمراہی میں دُور جا پڑا ۝۱۱۶ (شرک کرنے والے) نہیں پکارتے
اللہ کے سوا مگر عورتوں کو، اور نہیں پکارتے یہ مگر شیطان
سرخس کو ۝۱۱۷ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجماع کے خلاف چلنے والے شخص کے متعلق
فرمایا کہ جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول کی مخالفت کرے
گا اور مومنین کے راستے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسکی
توفیق کو سلب نہیں کرے گا، بلکہ جس طرف وہ جانا چاہتا ہے، اُسے جانے دے گا، اور
پھر اُس کا انجام جہنم ہوگا، مومنین کے راستے کی مخالفت کا نتیجہ گمراہی ہوتا ہے، اور انسان
شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گذشتہ دروس میں جس منافق بَشِیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے
وہ مومنین کا راستہ چھوڑ کر مشرکین کے راستے پر چل نکلا اور پھر وہاں جہنم رسید ہو گیا۔
اِس شخص نے چوری کی تھی، اگر وہ تائب ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ

ربط آیات

اُسے معاف کر دینا، مگر وہ مرتد ہو کر کفر، شرک میں ملوث ہو کر مر گیا تو اسکی سختی کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ بلکہ شرک کے علاوہ باقی تمام گناہ قابلِ معافی ہیں، چنانچہ آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات بیان فرمائی ہے۔

شرک
معافی ہے

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔
اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ شرک اللہ تعالیٰ کے حق میں بغاوت ہے۔ اگر مرنے سے پہلے پہلے اس دنیا میں تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ یقیناً معاف فرما دیگا۔ ورنہ موت کے بعد شرک کی معافی کا کوئی قانون نہیں۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لوگوں کو یہی تبلیغ مذکور ہے۔ "أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّكُمْ لَوْ كُفِرُوا بِاللَّهِ لَكُنُّهُمْ أَعْتَابًا"۔ عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ "إِنَّهُ مَنْ شَرَكَ بِلَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ"۔ جو شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور اسی حالت میں مر گیا، اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، ایسا شخص ابد الابد تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ کے لیے بدجنی میں مبتلا ہو گیا۔ دوسرے مقام پر کفار کے متعلق فرمایا "لَا تَفْتَحْ لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا فِي سَبْعِ الْمَمَلِكِ الَّذِينَ لَمْ يُحِلُّوا فِي سَبْعِ الْمَمَلِكِ لَمْ يَكُفِّرُوا بِلَدِّهِمْ وَلَا بِاللَّهِ"۔ جس طرح کافروں کے لیے رحمت کا دروازہ نہیں کھل سکتا، اسی طرح کافروں کے لیے رحمت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مشرک اور دہریہ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جانور کو ایسے پتھر سے بند کر دیا جائے، جس میں سونے کے ٹکڑے کے ساتھ جینا بھی سوراخ نہ ہو۔ اور اُسے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو، اسی طرح کافروں کو بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ تو فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے۔
 وَ كَيْفَ فَرَّ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يُكْتَسَبُ آدَمُ اور اس کے سوا، اس
 کے ورے یا نیچے جس کو چاہے بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ کے بھی
 معاف کر دے۔ مگر توبہ کرنے پر تو وہ بخش ہی دیتا ہے۔ مگر شرک کی معافی
 کا کوئی امکان نہیں۔ عام طور پر مشرک زندگی میں توبہ نہیں کرتا، لہذا اس کی معافی
 بھی معدوم ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ گناہ کے تین دفتر ہیں۔ پہلا دفتر کفر و شرک
 کا ہے جس کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔ دوسرا دفتر باقی کبائر کا ہے، جن کی
 معافی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہے تو بڑے سے بڑا گناہ مٹائے
 شرک کے معاف کر دے۔ اور گناہ کا تیسرا دفتر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ
 دیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ یہ حقوق العباد ہیں۔ جس شخص نے کسی دوسرے کا حق تلف
 کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا حق ضرور دلائیں گے اور جب تک بندہ اپنا حق معاف
 نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی معافی نہیں دیں گے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شرک صرف بتوں کی پوجا کا
 نام نہیں بلکہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کا حکم مان لینا یا کسی دوسرے دین
 کو تسلیم کر لینا بھی شرک میں داخل ہے۔ بیشتر منافق نے یہی کیا تھا۔ کہ اللہ کا حکم
 ماننے کی بجائے مشرکین کی بات کو تسلیم کیا۔ یہ اللہ کے حکم میں شرک ہے چنانچہ
 حضرت مولانا شیخ الہند فرماتے ہیں کہ جب منافق رسول کے حکم کے خلاف
 کر کے مشرکین سے جا ملا تو اس کی حضرت کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ یہاں شرک
 سے مراد شرک فی الحکم ہے۔

مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے قرآن پاک کا پہلا با محاورہ اردو ترجمہ
 آج سے تقریباً دو سو سال پہلے ۱۲۰۵ھ میں لکھا تھا۔ یہ ترجمہ آپ نے دہلی کی اکبری مسجد
 میں بارہ سالہ اعتکاف کے دوران کیا تھا۔ یہ اردو کا ابتدائی زمانہ تھا مگر آپ نے

بما حورہ ترجمہ لکھ کر دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ اکبری مسجد دہلی میں لکھتے ہوئے روڈ پر واقع تھی جسے انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران گرا دیا تھا۔ اب یہ مسجد نہیں ہے تو شاہ صاحبؒ سورۃ بقرہ کی آیت "وَلَا تَسْجُدُوا لِلشُّرُكِيِّينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا بِمَا حُورُوا الْمَشْرُكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا بِمَا حُورُوا الْمَشْرُكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا بِمَا حُورُوا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کسی دوسری ذات میں مانی جائے تو یہ شرک ہو گیا۔ مثلاً کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں شخص ہماری ہر بات کو جانتا ہے، تو وہ مشرک ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اللہ کی صفت غیر میں مانی۔ اسی طرح قدرت تامہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہے سو کرے، اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر یہی صفت کسی دوسرے میں مانے گا تو شرک کا مرتکب ہو گیا۔ مختار مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اگر کوئی شخص غیر اللہ کو مختار مطلق جان کر کچھ طلب کرے، تو بھی مشرک بھٹرا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خالق سمجھنا بھی شرک کے مترادف ہے کیونکہ خالق کوئی دوسرا نہیں اور اس بات کو دہریوں کے سوا مشرک بھی تسلیم کرتے ہیں۔ غرضیکہ شرک کی مختلف قسمیں ہیں۔ جن کے ذریعے اس قبیح فعل کا ارتکاب ہوتا ہے عبادت سے مراد انتہائی مجبے کی تعظیم ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ سجدہ اور رکوع وغیرہ عبادت ہی کے مظہر ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کے ساتھ یہی معاملہ کرے، تو مشرک بن جائیگا غیر اللہ کو نافع اور ضرر سمجھ کر نذر و نیاز پیش کرنا بھی شرک ہے۔ کیونکہ نافع اور ضرر بھی فقط خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ اپنی مخلوقات کے نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے۔ کسی نبی، ولی، فرشتہ یا بزرگ کے نام کی نیاز دے گا تو مشرک بن جائے گا۔

عبادت میں
شرک

قسم میں
شرک

مشرک قسم میں بھی ہوتا ہے، امتداد احمد اور ترمذی شریعت کی روایت میں آتا ہے
مَنْ أَقْسَمَ لِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ جَبْنًا

غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ محدثین کا یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسی بات روا روئی میں نکل گئی تو شرک تو نہیں ہوگا مگر سخت مکروہ بات ہوگی، اور اگر ذہن میں وہی تعظیم ہے جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہے تو قسم اٹھانے میں بھی شرک ہو گیا۔ کسی موقع پر حضرت عمرؓ نے باپ کے نام کی قسم اٹھائی، حضور نے سُن کر فرمایا لَا تَخْلِفْنَا بِأَبَائِكُمْ وَلَا بِالطَّوَاغِیْتِ نہ باپ کے نام کی قسم اٹھاؤ اور نہ طاغوت کے نام کی قسم اٹھاؤ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد نہ میں نے خود کبھی ایسی قسم اٹھائی اور نہ کسی دوسرے کی نقل کی کہ فلاں شخص ایسی قسم اٹھاتا ہے، مجھے اس سے ایسی نفرت ہو گئی۔ بعض اوقات بِسْمِ اللّٰهِ میں بھی شرک ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی لے گا، تو شرک کا مرتکب ہو جائے گا، جیسے کوئی کہے باسْمِ اللّٰهِ وَاَسْمِ مُحَمَّدٍ یٰسِیرٍ وَّ یٰسِیرِ تَجِیْرٍ کا نام لے لے۔ ایسی صورت میں جانور مردار ہوگا اور کہنے والا مشرک۔ صحیح فزع صرف اللہ کا نام لینے سے ہوتا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسحاقؒ کے شاگرد مولانا حافظ احمد الدین بکا کے سینے طے لہنے والے لیل المشرکین کے نام سے عربی زبان میں کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ اس فقیر نے کیا ہے۔ اور اسی ادارہ سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے شرک کی بیسٹس قسمیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرک تصرف میں بھی ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے مخصوص تصرف کسی غیر میں مانے گا تو مشرک ہو جائے گا، خواہ یہ تصرف کسی نبی یا ولی یا پیر میں مانا جائے۔ اسی طرح مشیت میں بھی مشرک ہوتا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا هَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتِ یعنی جو آپ چاہیں اور اللہ چاہے۔ آپ ناراض ہو گئے۔ مندا احمد کی روایت میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ نِدًّا كَمَا تَرْتَنِي مَجْهًا كَمَا تَشْرِكُ بِنَالِيَاہ۔

دیگر اقسام
شُرک

یوں کہو، مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ جو صرف اللہ چاہے۔ ہر کام اللہ کی مشیت پر منحصر ہے۔ لہذا یوں مت کہو کہ اللہ چاہے اور فلاں چاہے ایسا کہنا شرک ہو گا۔

غیر اللہ کی رضا کے لیے جانور ذبح کر نے میں بھی شرک ہے۔ بعض لوگ عمارت تعمیر کرتے وقت اس کی بنیادوں میں خون گرتے ہیں، اور اس سے مقصود جنات کی نیاز ہوتی ہے تاکہ وہ کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ آگے سورۃ النعام میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ مجوسی ذات میں شرک کرتے ہیں اور ایک کی بجائے دو خدا مانتے ہیں۔ یہ تنوی فرقہ ہے بعض شرک قولی ہوتے ہیں کہ انسان زبان سے شکر کہ کلمات ادا کرتا ہے۔ اور بعض فعلی شرک ہوتے ہیں۔ زبان سے تو کچھ نہیں کہا جاتا مگر عملاً نیاز دی جاتی ہے۔ چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے، سجدہ کیا جاتا ہے۔ چادر لپٹتی ہوتی ہے رکوع و سجدہ ہوتا ہے یا طواف کیا جاتا ہے۔ یہ سب فعلی شرک ہیں۔

شرک گمراہی

فرمایا وَهَمَّ كَيْشْرُكَ بِاللَّهِ حَسْبُ شَخْصٍ نَعَى اللّٰهُ كَسَاةً شَرِكًا

کیا خواہ یہ ذات میں ہو، صفات میں ہو، نذر و نیاز میں ہو یا عبادت میں ہو، کسی طرح کا بھی شرک کیا فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا تو ایسا شخص گمراہ ہو کر دور جا پڑا۔ اس کی معافی کا کوئی قانون نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اس آیت کا مضموم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ قادر مطلق، سلطانِ محبت اور ودود ہے۔ وہ تو مخلوق سے محبت کرتا ہے، مگر مخلوق ہی بگڑتی ہے ہے، جو خدا تعالیٰ سے بیزار ہو کر شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ اور محبت کے مقام وَالَّذِينَ آمَنُوا آمَنُوا بِاللَّهِ كَوْضَاعٍ كَرْتِي لَمْ يَكُنْ مومن کی شان تو یہ ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، مگر لوگ محبت کے تقاضے کو پورا نہیں کرتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ "سلطانِ محبت سے امید ہے کہ وہ ہر حرم کو

عزیزوں میں انسانی عورت کے ہم کابرت تھا۔ محدثین فرماتے ہیں کہ انسا اور نالہ مرد اور عورت تھے جنہوں نے کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا، لوگوں نے عبرت کے لیے انہیں بیت اللہ کے سامنے رکھ دیا، پھر آہستہ آہستہ ان کی پوجا شروع ہو گئی، فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ السلام نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مامور کیا کہ طائف طے جس عزیزی دیوبی کی پوجا کرتے ہیں، اس کو مٹا دو۔ آپ گئے اور دیکھا کہ وہاں پر کچھ درخت ہیں جو اپنے کاٹ دیے، ایک کو ٹٹھا تھا جسے اپنے گمراہ دیا۔ وہاں کچھ مجاور بیٹھے تھے جو بھاگ گئے۔ واپس آکر آپ نے اس کا روٹنی کی رپورٹ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا، وہاں دیوبی تو ابھی زندہ ہے، دوبارہ جا کر اُسے ختم کر دو۔ چنانچہ آپ دوبارہ وہاں گئے۔ تلاش کرنے پر تہ خانے سے ایک عورت برآمد ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ حضرت خالدؓ پر دہشت ڈالنے کے لیے اُن پر حملہ آور بھی ہوئی مگر آپ نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا، ایہ عزیزی کتنی جس کی لوگ پرستش کرتے تھے۔ اب آج کے بعد اس کی پوجا نہیں ہوگی۔

شیطان کی
پوجا

غرضیکہ عورتوں کے نام پر اس قسم کی دیوبیاں دنیا بھر میں موجود تھیں۔
 فرمایا حقیقت یہ ہے وَإِنَّ كَيْدَ عَوْنِ الرَّالِّ سَيُطْأَوُهُ نہیں پوجا کرتے مگر شیطان کی۔ انسان کے وہم پر شیطان غالب آکر اُس سے غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ وہ انسان کے ذہن میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جس سے وہ نذر و نیازینے لگتا ہے، کہیں نذر و نیاز ہے یا علیٰ ہمدانیہ پرستش وغیرہ۔ گاڑیوں پر اس قسم کے کلمات لکھے ہیں "المدد یا غوث" گویا اب گاڑی کی حفاظت غوث کے نام سے واجب ہو گئی حالانکہ لکھیں یا نہ لکھیں، مدد تو ہر حالت میں اللہ ہی کرتا ہے۔ بعض موجد لوگ یا اللہ مدد بھی لکھتے ہیں۔ مدد تو کسی غیر کے اختیار میں نہیں ہے۔ غرضیکہ شیطان انسان کے

وہم پر چھا کر اس سے شرکیہ افعال کراتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دُعا میں سکھایا اللّٰهُمَّ سَعِّرْ لِي عُرْسِي اَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشَرِّ كَيْدِهِ اے پروردگار! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں شیطان سے اور اس کے شرک سے۔ بہر حال یہ شرکیہ رسومات شیطان ہی سکھاتا ہے کہ چادر چڑھاؤ، اس میں یہ فائدہ ہے۔ بجز بے چڑھاؤ، سجدہ کرو، غیر اللہ کی دہائی دو، وغیرہ وغیرہ۔ بعض مجسموں پر سرخ رنگ کی چادر چڑھاتے تھے، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ عورت کا مجسمہ ہے اور اسے سرخ رنگ پسند ہے۔

فرمایا نہیں پکارتے مگر شیطان کو جو مَسْجِدًا کمرش ہے جو شخص غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے، شرک جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل شیطان ہی کی پوجا کرتا ہے۔ اسی کے کہنے پر چلتا ہے۔ اُس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جس کے نتیجے میں فرمایا لَعْنَةُ اللّٰهِ اللہ نے اُس پر لعنت بھیجی ہے۔ شیطان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

یہاں تک شرک کی بنیادی حقیقت اور اس کی مذمت بیان کی گئی ہے اس کے بعد شیطان کی کارگزاری کا ذکر ہے کہ وہ کس کس طریقے سے شرک کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

والمحصنت ۵

درس شصت و دو ۶۲

النساء ۴

آیت ۱۱۸ تا ۱۲۲

وَقَالَ لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۱۱۸
 وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيَتْهُمْ وَلَا مَرْتَهُمَ فَيَلْبِتُكُنْ
 اِذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَا مَرْتَهُمَ فَيَغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ
 وَمَنْ يَخْذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ
 خَسِرَ خَسِرًا مُّبِينًا ۱۱۹ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
 يَدْعُوْنَ اِلَى الْغُرُوْرِ ۱۲۰ اُولٰٓئِكَ مَاۤؤِهِمْ
 جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَرْحِيْصًا ۱۲۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ
 مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَعَدَّ اللّٰهُ حَقًّا
 وَمَنْ اٰصَدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۱۲۲

ترجمہ: اور کہا (شیطان نے) البتہ میں بناؤں گا تیرے

بندوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہوا ۱۱۸ اور میں ضرور ان کو

گمراہ کروں گا اور ان کو باطل آرزوئیں دلاؤں گا اور ان کو

حکم دوںگا پس وہ پھیریں گے جانوروں کے کان اور میں ان کو

حکم دوںگا پھر وہ تبدیل کریں گے اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو اور

جو شخص بنائے گا شیطان کو دوست اللہ کو چھوڑ کر، پس

بیشک وہ نقصان میں پڑے صریح طور پر ۱۱۹ شیطان لوگوں کو

وعدہ دیتا ہے اور باطل امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ دیتا ان

کو شیطان منکر فریب کا (۱۲۰) یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہ پائیں گے یہ اس سے کہیں بھی بھاگنے کی جگہ (۱۲۱) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے ، ہم ضرور اُن کو داخل کریں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ، ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں ۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات

کے اعتبار سے (۱۲۲)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی تھی اور ساتھ یہ بات بھی سمجھائی تھی کہ کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ غیروں کی پرستش کرتے ہیں ۔ انہوں نے زمانہ ناموں سے دیویاں بنا رکھی ہیں اور دراصل وہ شیطان کی پوجا کرتے ہیں ۔ شیطان اُن کے دلوں میں بیس دوسرہ ڈالتا ہے اور اُن کے تخیلات پر غالب آکر اُن کو شرک پر آمادہ کرتا ہے ۔ حدیث شریف میں شیطان سے پناہ پکڑنے کے لیے اس دُعا کا ذکر آتا ہے ۔
 اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَیْءِ الشَّیْطٰنِ وَشَرِّکِہٖ اِلَی اللّٰہِ!
 میں شیطان کے شر اور اس کے شرک سے تیری پناہ پکڑتا ہوں ۔ اس لفظ کو شرک اور شرک دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے ۔ شرک کا معنی جال ہوتا ہے تو اگر ایسا ہے تو معنی ہوگا ، اے اللہ ! میں شیطان کے جال سے پناہ مانگتا ہوں ۔ اور شرک کا معنی تو ظاہر ہے کہ شیطان لوگوں کو بہکا کر شرک میں مبتلا کرتا ہے ۔ سورۃ نحل میں موجود ہے کہ شیطان کا غلبہ اُن لوگوں پر ہوتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں وَالَّذِیْنَ هُمْ بِہٖ مُّشْرِکُوْنَ اور وہ لوگ جو اُس کے ساتھ شرک کرتے ہیں ۔ گو شیطان ان لوگوں کے لیے شرک کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے ۔ بہر حال یہ ایک مسئلہ اس لیے کہ تمام نیکیوں کی اصل الاصول توحید ہے اور تمام برائیوں کی جڑ بنیاد شرک ہے ۔ جو شخص شرک میں مبتلا ہو گیا ، اُس کی بنیاد خراب ہو گئی اور بنیاد کی خرابی کی وجہ سے دین کی پوری عمارت

رابط آیات

ہی بگڑ گئی۔ اسی لیے شرک کو اکبر الجبار یعنی سب سے بڑا گناہ کہا گیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ شرک کے ارتکاب میں شیطان کو بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں شیطان کی کارگزاری کا ذکر ہے کہ وہ انسانوں کو کس طریقے سے شرک اور برائی کے راستے پر ڈالتا ہے۔

شیطان
بمقابلہ انسان

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا اَبْلِ وَاَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ تو اس نے انکار کر دیا اور وہ کفر کرنے والوں میں ہو گیا۔ تمام فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی جب کہ شیطان اکبر گیا اور پھر حجت بازی شروع کر دی کہ میں انسان سے افضل ہوں، اس لیے کہ "خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ" اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق شیطان کے سامنے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کا جسم بنا کر رکھا تو شیطان نے گھوم بھرم کر کے اسے غور سے دیکھا، انسان کا پیٹ، خالی دیکھ کر شیطان نے اندازہ لگایا کہ اس خالی جگہ میں دوسرے ڈالنے کی گنجائش موجود ہے کیونکہ گھٹوس چیزیں تو کچھ داخل نہیں ہو سکتی مگر انسانی جسم اس قابل ہے کہ اس میں ایسی ویسی چیز داخل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کو یہ کہنے کا پیر و گرام بنایا۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔ بہر حال شیطان نے مٹی کو حقیر مانا۔ اسی سلسلے میں بشار ابن برد کا شعر ہے۔

ابليس افضل من ايكم آدم

فتبى نوا يا معشر الاشرار

اے اشرار کے گروہ! یاد رکھو، ابلیس تمہارے جدا مجد آدم علیہ السلام سے افضل ہے

النار عصىه و آدم طينته والطين لا يسوم سمو النار

ابلیس کا عنصر آگ ہے جو افضل ہے۔ اور آدم مٹی سے اور مٹی آگ کی بلندی تو حاصل

نہیں کر سکتی۔ یہ شیطان کا فلسفہ ہے۔ کہ آدم مٹی ہے اور مٹی معزول ہے۔ لہذا میں

نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟ سورۃ فاطر میں فرمایا
 "إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا شَيْطَانُ تَهَارُوتَ دُشْمَنٌ هُوَ، لَئِن لَّمْ يَآئِسْ مِنْ هٰذَا
 سَمْعُوْنُ يَظُنُّ اَنَّهٗ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سَمْعُوْنُ يَظُنُّ اَنَّهٗ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سَمْعُوْنُ يَظُنُّ اَنَّهٗ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سَمْعُوْنُ
 مَمْکُوْرٌ لَئِن لَّمْ يَآئِسْ مِنْ هٰذَا سَمْعُوْنُ يَظُنُّ اَنَّهٗ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سَمْعُوْنُ يَظُنُّ اَنَّهٗ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
 اس کی ذریت تو نہیں دیکھ رہی ہے مگر صنفِ حیت لاکر و نھم
 تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، اللہ تعالیٰ نے ایسا عیب کا پردہ رکھ دیا ہے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں اعمکاف فرما رہے تھے آپ کی زوجہ محترمہ
 حضرت صفیہؓ آپ سے ملاقات کے لیے مسجد میں آئیں کچھ دیر آپ سے باتیں ہوئیں جب
 واپس جانے لگیں تو حضور علیہ السلام انہیں چھوڑنے کے لیے مسجد کے دروازے تک
 آئے۔ سامنے سے دو آدمی آ رہے تھے، انہوں نے جلدی جلدی قدم اٹھانے شروع کیے
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دیکر پٹھرایا اور پوچھا تم کون ہو، وہ پٹھر گئے اور اپنے
 نام بتائے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، جان لو! یہ میری بیوی صفیہؓ ہے، کسی کام سے
 آئی تھی۔ انہوں نے عرض کیا حضور! ہمارے دل میں تو کوئی ایسی بات نہیں آئی، فرمایا
 تم نہیں جانتے ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدر
 شیطان انسان کے اندر وہاں تک گھس جاتا ہے جہاں تک خون پہنچتا ہے۔ مجھے
 خطرہ ہوا کہ یہ تمہارے دلوں میں کوئی دہم ڈال دے گا کہ رات کا وقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 اعمکاف فرما رہے ہیں اور یہ عورت کون ہے اور کیسے آئی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 شیطان کی شیطنت سے آگاہ کر دیا۔ کہ یہ انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے
 یہ خون کی طرح باریک باریک نسوں تک بھی پہنچ جاتا ہے اور پھر ورسوسے ڈالتا ہے
 یہ ایسا خطرناک دشمن ہے۔

شیطان
کا حصہ

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی بارگاہ سے مردود کر دیا تو
 اِھْنِیْ وَتِیْ اَیَّامِہٖمْ وَتِیْ اَیَّامِہٖمْ وَتِیْ اَیَّامِہٖمْ وَتِیْ اَیَّامِہٖمْ وَتِیْ اَیَّامِہٖمْ
 مفسر و ضمناً میں تیرے بندوں میں سے ایک اچھے غصے کے گمراہ کردوں گا۔

بلکہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔ اور تیرے فرمانبردار بندے اقلیت میں ہوں گے چنانچہ ابتداء سے لے کر قیامت تک لوگوں کی اکثریت شیطان کے ساتھ رہے گی۔ اس وقت بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے سوا چار ارب لوگ کفر و شرک میں مبتلا ہیں اور پانچویں حصہ سے بھی کم انسان خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اس تعداد میں سے بھی ٹھیک طور پر ماننے والے بہت کم لوگ ہیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں انسانوں کی کمانی میں سے ایک حصہ اپنے لیے ٹھہراؤں گا۔ یعنی پیارا اور کاجو حصہ غیر اللہ کی نذر و نیاز میں صرف ہوگا وہ میرا حصہ ہوگا۔ سورۃ الفام میں تفصیل کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔ کہ مشرکین کھیتوں کی پیارا اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کا ٹھہراتے تھے اور ایک حصہ اپنے شرکاء کے لیے مقرر کرتے تھے، اور ان کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ پھر یہ بھی کہ اللہ کا حصہ ادا کرنے میں احتیاط نہیں کرتے تھے مگر غیر اللہ کی نیاز میں سے ایک دانہ کی کمی بھی برداشت نہیں کرتے تھے، اُن کا حصہ پورا پورا ادا کرتے تھے اور کہتے تھے "هَذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا" گویا ان مشرکوں کے گمان کے مطابق یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ ان کے شرکوں کا۔

آج بھی لوگ شرکیہ رسومات بڑے اہتمام سے ادا کرتے ہیں، فرائض سنن اور نوافل عبادت کی چیزیں پورا نہیں کرتے، زکوٰۃ و صدقات کا فکر نہیں کرتے مگر گیارھویں بڑے اہتمام سے جیتے ہیں۔ یہ وہی ذہنیت کا ردِ فرما ہے تو شیطان نے یہی کیا ہے۔ کہ انسان کی کمانی میں سے میں ایک حصہ اپنے لیے ٹھہرا لیتا ہوں۔ تو گویا نذر و نیاز میں بھی شرک ہوتا ہے۔ اللہ کے علاوہ غیر اللہ کے تقرب اور خوشنودی کے لیے جو نیاز دی جاتی ہے وہ فعلی شرک ہوتا ہے کسی قبر والے، کسی بزرگ، پیر، جن یا فرشتے کو نافع اور ضار سمجھ کر اس کے نام

کی جو نذر و نیا زدی جاتی ہے، وہ شیطان کا حصہ ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ گمراہ غیر اللہ کا حصہ نہ نکالا تو نقصان ہو جائیگا، فصل ٹھیک نہیں پکے گی، پھل پورا نہیں آئے گا یا گائے بھینس کے دودھ میں برکت نہیں ہوگی، اس قسم کا اعتقاد ہی شرکیہ عقیدہ ہے۔

شیطان
فلسفہ

شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بھی کہا وَلَا ضَلَّ اللَّهُ سَبِيْلًا میں انہیں گمراہ کروں گا، تیرے بندوں کو بہکاؤں گا وَلَا هَانِيَتْهُمْ ان کو باطل آرزوئیں دلاؤں گا۔ شیطان نے ہر شرکیہ فعل کا کوئی نہ کوئی فلسفہ بنا رکھا ہے جس کی بنیاد پر وہ انسانوں کو ورغلا تا ہے۔ ان کے اذقان میں ڈالتا ہے کہ یہ رسم ادا کرو، تو تمہاری بڑی عزت ہوگی۔ گنبد بنا لو، جلوس نکالو، جھنڈیاں لگاؤ، تمہارا نام ہوگا، لوگ تمہیں یاد رکھیں گے۔ طرح طرح کی باتیں بتا کر انہیں غلط راستے پر چلاتا ہے۔ جب کوئی آدمی کوئی الٹا سیدھا کام کرنے لگتا ہے تو پھر اس کے لیے جواز بھی خود ہی ڈھونڈ لیتا ہے۔ ایک بڑا تعلیم یافتہ آدمی جو ہندوستان کا وزیر اعظم بھی رہا ہے، صبح اٹھ کر اپنا پیشاب پیتا ہے۔ اور اس کے لیے اس نے یہ فلسفہ گھڑا ہے کہ اس سے اُسے صحت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ پیشاب ہضم کا فضلہ اور گندی چیز ہے، میڈیکل سائنس والے، یونانی طبیب اور ایلوپیتھک والے سب کے سب پیشاب کو مضر صحت بتاتے ہیں مگر پینے والے کا اپنا فلسفہ ہے۔

جلال الدین اکبر ہندوستان کا بادشاہ تھا اور اُس نے بھی ایک فلسفہ گھڑا تھا وہ صاحب علم نہیں تھا، مگر ذہین تھا۔ سفر کے دوران پیلا ہوا۔ بارہ تیرہ سال گمراہ زمانہ کا شکار رہا، اس لیے تعلیم حاصل نہ کر سکا، ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابو الفضل اور فیضی اس کے مشیر تھے۔ یہ گمراہ مولوی تھے۔ اکبر ان کے اشارے پر چلتا تھا۔ آخر گمراہی میں پڑ گیا اپنے آپ کو خدا اور رسول سمجھتا تھا۔ نیادین ایجاد کیا۔ ڈارھی منڈوانے کا فلسفہ حواریوں نے یہ سمجھا یا کہ یہ فوطوں

کی رطوبت کو جذب کر لیتی ہے جس سے قوت مردی گھٹ جاتی ہے ، لہذا
 وارھی نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ شیطانی فلسفہ تھا ، طب کے ساتھ اس کا کوئی
 تعلق نہیں مگر شیطان نے اس طرف لگا دیا۔ بادشاہ نے وارھی صاف کر لٹی تو
 باقی لوگ بھی ایسا ہی کرنے لگے۔

انسان کی گمراہی کے لیے شیطان نے یہ منصوبہ بھی بنایا وَلَا مَرَّتْهُمْ
 قَلْبًا مِّنْهُ لَئِن كَانَ لَأَنَّكَوٰمٍ مِّنْ اَنْبِیَآءٍ جَانُوْرُوْا كَمَا كَانَتْ اَنْبِیَآءُ
 حَکْمٌ کَرُوْنِکَا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی جانوروں کے کان چھید کر انہیں آزاد کر دیا
 جاتا تھا۔ اُسے کسی بت کے نام پر منسوب کر دیا جاتا اور اس کا دودھ وغنیر
 استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اگلی سورۃ میں اسی ضمن میں سحیرہ کا لفظ آئیگا۔ تو یہ شیطان
 نے اللہ کے حضور اسی وقت کہہ دیا تھا کہ تیرے بندوں کو اس طریقے سے بھی
 گمراہ کروں گا کہ وہ جانوروں کو غیر اللہ کے نام سے منسوب کریں گے۔ چنانچہ
 ایسا ہوتا رہا۔ آج بھی لوگ ہسر کے اگلے یا پچھلے حصے میں کسی بزرگ کے نام کی
 چوٹی رکھتے ہیں۔ کوئی ہاتھ یا پاؤں میں کسی بزرگ کی نشانی کے طور پر لٹھے کا ٹکڑا
 ڈال لیتا ہے۔ کہ یہ فلاں بزرگ نے دیا تھا۔

شیطان نے یہ بھی کہا وَلَا مَرَّتْهُمْ قَلْبًا مِّنْهُ لَئِن كَانَ لَأَنَّكَوٰمٍ مِّنْ اَنْبِیَآءٍ جَانُوْرُوْا كَمَا كَانَتْ اَنْبِیَآءُ
 میں انہیں حکم دوں گا یعنی ورغلاؤں گا اور وہ اللہ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے
 کے فطرت کی تبدیلی میں بھی شیطانی فلسفہ کار فرما ہے ، جس سے وہ لوگوں کو
 گمراہ کرتا ہے۔ ملکیت کے زمانے میں بادشاہ جن لوگوں کو گھڑ میں رکھتے
 تھے انہیں خصی بنا دیتے تھے۔ یہ فطرت کی تبدیلی اور حرام ہے۔ اسی طرح
 لواطت بھی غیر فطری چیز ہے مگر شیطان اس پر بھی آمادہ کرتا ہے۔ عورتوں
 کا آپس میں جنسی التفات بھی شیطانی امور سے ہے۔ اسی طرح جانوروں کے
 ساتھ غیر فطری فعل ہے۔ آج سے تیس سال پہلے اخبار میں پڑھا تھا ، کہ
 ڈنمارک کے ایک چھبیس سالہ نوجوان نے جنس تبدیل کرنے کے لیے کئی آپریشن

غیر اللہ کے
 ساتھ نسبت

تیسرے فطرت

کر لئے، کم و بیش دو ہزار انجمن لڑائے اور آخر کار وہ مرد سے عورت بننے میں کامیاب ہو گیا۔ بعض عورتوں کو مرد بننے کا نخط ہوتا ہے۔ یہ سب غیر فطری باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجی ہے جو ایک دوسرے کی وضع قطع، چال ڈھال، لباس اور سٹائل اپناتے ہیں۔ لَعْنَةُ اللَّهِ الْمُسْتَشْبِهِينَ بِالنِّسَاءِ وَالْمُسْتَشْبِهَاتِ بِالرِّجَالِ مردوں پر خدا کی لعنت ہو کہ وہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ عورتیں ملعون ہیں جو مردوں کا سٹائل اپناتی ہیں۔ امام رازی ڈارھی منڈولنے کو بھی اسی بد میں شمار کرتے ہیں۔ عورت کا سر کے بال منڈوانا اور مرد کا ڈارھی منڈوانا ایک ہی قبیل سے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ میہود، ہنود اور مجوس کے ساتھ مشابہت نہ رکھو۔ ڈارھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔ مگر شیطان نے اس سبق کو کھلایا ہے۔ اب ڈارھی منڈائی جاتی ہے اور مونچھیں بڑھائی جاتی ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعْنَةُ اللَّهِ الْوَاصِلَةِ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ جو عورت اپنے سر کے بال دوسری عورت کو دیتی ہے تاکہ اس کے بال بھی لمبے نظر آئیں، اللہ نے دونوں پر لعنت بھیجی ہے، سر نہ کٹھی، ریشمی پیرا نہ وغیرہ تو جائز ہیں۔ عورتوں کو رنگین اور نقش لباس پہننا بھی درست ہے، مگر غیر فطری زیبائش کی اجازت نہیں۔ اسی طرح بالوں کو چن کر باریک ابرو بنانا، اسپر بھی لعنت کی گئی ہے، دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ بنانا، ہاتھوں، پاؤں، ٹانگوں یا پیشانی پر نقش و نگار بنانا سب غیر فطری چیزیں ہیں۔ یہی تفسیر فطرت ہے، شیطان نے کہا تھا کہ اے اللہ! میں تیرے بندوں کو ورغلا کر ایسی چیزوں پر آمادہ کروں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ہر مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مشرک بنا دیتے ہیں۔ جس قسم کا ماحول ہوتا ہے، اس کے مطابق انسان ڈھل جاتا ہے۔ جب کوئی شخص

اپنی فطرتِ سلیمہ سے ہٹ گیا تو اس کی فطرت میں تغیر آگیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں تبدیلی بھی تغیرِ فطرت ہے۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا فطرت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ بعض مشرک لوگ اللہ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ کس دین اور شریعت سے انہیں حرام کیا ہے؟ اسی طرح مشرک کی تمام قسمیں غلاوٹِ فطرت ہیں یہ احکام کو بگاڑنے کے مترادف ہے۔ انسانی فطرت تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے مگر مشرک لوگ مشرک کا ارتکاب کر کے انسانی فطرت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہی وہ تغیرِ فطرت ہے جس کا اعلان شیطان نے روزِ اول کیا تھا کہ وہ انسان کو گمراہ کر کے اس پر آمادہ کرے گا۔

حضرت مولانا شیخ الحداد فرماتے ہیں کہ دیکھو شیطان تمہیں کس طرح کہا کہ جو لوگ میرے حصے میں آئیں گے، میں انہیں طریقِ حق سے گمراہ کروں گا۔ انہیں دنیا کی خواہشات کا گمراہ بنا دوں گا اور روزِ قیامت اور جزا سزا سے بے نیاز کر دوں گا۔ میں لوگوں کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ وہ جانوروں کو کاٹ چیر کر غیر اللہ کی طرف منسوب کریں اور انہیں معبودانِ باطلہ کے نام پر چھوڑ دیں۔ میں انہیں اس بات پر بھی آمادہ کروں گا کہ وہ فطرت کو بدل ڈالیں اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں میں تغیر و تبدل نہ کریں، غیر اللہ کی نشانی کے طور پر کٹاؤ وغیرہ پہنیں اور سر پر چوٹی رکھیں۔ میں لوگوں کو غلط مطلق آرزوئیں دلاؤں گا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈال دیں گے اور میرے پیچھے لگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو کوئی شیطان کا اتباع کرے گا، وہ اس کے حصے میں آگیا۔

فرمایا وَهَنْ يَخْذِ الشَّيْطَانُ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ جَسَدًا
اللہ کے علاوہ شیطان کو دوست بنالیا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا
بیشک وہ صریح خدائے میں جا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی عاقبت خراب

شیطان
کی دوستی

ہوگئی۔ وہ ابد الابد تک جہنم میں ہے گا اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی
 فرمایا يَعِدُّهُمْ وَيُمَيِّدُهُمْ شیطان انہیں جھوٹے وعدے اور جھوٹی
 آرزوئیں دلاتا ہے۔ وہ گناہ کو مزین کرنے کے دکھاتا ہے۔ کہ اس میں بڑا فائدہ ہے
 اسے اختیار کر لو۔ کفر، شرک، بدعات اور غلط رسومات کی ترغیب دیکر انہیں

انپا دوست بناتا ہے۔ فرمایا وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا عَذْرًا
 شیطان تو انہیں محض دھوکے اور فریب کا وعدہ دیتا ہے وہ جو کچھ لوگوں
 کو دکھاتا ہے، سب سراب ہوتا ہے۔ جب انسان آخرت میں پہنچے گا
 تو پتہ چلے گا، کہ اس کے اعمال میں کچھ بھی نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا رہا، شیطان
 کے بہکاوے میں آکر کرتا رہا اور اللہ کے پاس ایسے اعمال کا کچھ اجر نہیں
 اس دھوکے کا نتیجہ یہ ہوگا أُولَئِكَ مَا وَابَهُمْ جَهَنَّمَ ایسے لوگوں
 کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا پھر جہنم سے خلاصی
 کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔ شیطان کی دوستی کرنے والوں کے لیے جہنم۔

رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

شیطانی گمراہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے جماعتِ حقہ کا ذکر بھی فرمایا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 اس کے رسولوں، کتابوں، ملائکہ، جنت، دوزخ اور اس کی نازل کردہ شریعت
 پر ایمان لائے اور ساتھ ساتھ اچھے اعمال منجملہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ
 جہاد، انسانی ہمدردی وغیرہ بھی انجام دیے۔ فرمایا یہی جماعتِ حقہ ہے۔

سَنَدِّحُنَّهُمْ حَبْدًا ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہوگی۔

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں
 سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے۔ فرمایا وَعَدَ اللَّهُ حَقَّ عِدَّتِهِ اللہ تعالیٰ
 کا بکا بجا وعدہ ہے۔ کہ نیک اعمال کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

پہ ایمان لانے والا جنت میں داخل ہوگا۔ اور کفر و شرک کا ترک جب جہنم میں جائیگا۔
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيْلًا اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ
 سچی بات کس کی ہو سکتی ہے وہ احکم الحاکمین ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ کے
 وعدے پر یقین کرنے ہوئے ایمان، توحید اور نیکی کو اختیار کر لے تاکہ اُسے
 ہمیشہ کے لیے فلاح حاصل ہو جائے۔ اور اللہ تے جن باتوں سے منع کیا ہے
 انہیں نقصان کا باعث نہ کہتا ہے اُن سے باز آ جائے۔ اور اللہ کے سچے
 وعدے کے مطابق اپنا ٹھکانا بہشت میں بنا لے۔

والمحصنت ۵

النساء ۴

درس شخصیت و رسم ۶۳

آیت ۱۲۳ تا ۱۲۶

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ
 سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا
 نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ
 أَوْ أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
 وَلَا يظلمون نَقِيرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ
 أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
 حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلَّهِ
 مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
 شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: نہیں ہے تمہاری آرزوں کے ساتھ اور نہ اہل کتاب
 کی آرزوں کے ساتھ بلکہ جو شخص برا عمل کریگا اس کو بدلہ دیا جائے
 گا اس کا، اور نہ پائے گا وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کسی کو
 کار ساز اور نہ کوئی مددگار ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص بھی عمل کریگا نیک اعمال
 میں سے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو،
 پس یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہیں ظلم کیا جائے
 گا اُن پر ایک تیل کے برابر بھی ﴿۱۲۴﴾ اور کون شخص زیادہ بہتر
 ہے دین کے اعتبار سے اُس شخص سے جس نے تابع کر دیا ہے

حقیقت موجود نہ ہو محض خالی نسبت قطعاً مفید نہیں ہو سکتی۔

یہود و ہنود
کا گمان

یہودی اپنی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں مگر وہ نہ تو راست پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت پر۔ انہوں نے تو ان کتاب و شریعت کو بگاڑ دیا ہے، ان میں تحریف کے ترکیب ہوئے ہیں اور اب ان کی خالی خولی آرزوئیں ہی رہ گئی ہیں کہ "كُنْ تَيْدٌ خَلَّ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا" یعنی جنت میں جانے کا حق اسی کو ہے جو یہودی ہے یا عیسائی ہے۔ یہودی کہتے ہیں ہمارے بغیر جنت میں کوئی نہیں داخل ہو سکتا اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ ہمارا حق ہے بعض یہودی یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہم دوزخ میں گئے بھی تو صرف اتنے دن بٹنے دنوں ہمارے بڑوں نے پھڑپھڑنے کی پوجا کی تھی یعنی چالیس دن۔ اور دوسری بات یہ کہ ہم پیروں کی اولاد ہیں۔ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے خاندان سے ہیں اس لیے "مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَآحَبَّ بَنِيَّ" ہم اللہ کے فرزند اور اس کے محبوب ہیں، ہم جو چاہیں کہتے پھریں، ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہمیں کوئی سزا ملیگی۔ ہم تو جنت کے ٹھیکیدار ہیں۔ اللہ نے جنت ہمارے لیے ہی تیار کی ہے۔ یہی ان کا دعوہ ہلا تھا ہنود کا بھی یہی حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ برہمن اللہ کے گھر اور نجات کے مالک ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو چار قوموں میں تقسیم کر لیا ہے یعنی برہمن، کشتری، دیش اور شودر۔ وہ کہتے ہیں کہ نجات یافتہ یہی چار قومیں ہیں، باقی سب ملیج یعنی نجس ہیں اور ان کو کبھی نجات حاصل نہیں ہوگی۔ غرضیکہ ہنود بھی اسی نادانی کا شکار ہیں۔

نصاری کی
خوش فہمی

اُدھر نصاریٰ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ جنت صرف انہی کے لیے ہے۔ وہ بھی اپنے آپ کو انبیاء کی اولاد اور اللہ کے محبوب تصور کرتے ہیں۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی نسبت تو جوڑتے ہیں مگر نہ ان کی

انجیل پر عمل ہے اور ان کی شریعت پر۔ وہ بھی اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ عیسائی ایک مزید خوش فہمی کا شکار ہیں، کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب پر چڑھ کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، اب ہم کچھ بھی کرتے پھریں، ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ سب ان کی آرزوئیں اور خام خیالی ہیں جنہیں سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ نجات کا دار و مدار اس خالی نسبت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمال کا صحیح پیمانہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد القادرؒ نے اپنے ترجمہ قرآن پاک کے حاشیے میں ایک فقرہ لکھا ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ انبیاء کے ساتھ نسبت کی بنا پر خوش فہمی میں مبتلا ہیں اسی طرح اکثر مسلمان بھی اسی زعم میں مبتلا ہیں کہ ہم افضل الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ لہذا ہم کچھ بھی کہیں حضور علیہ السلام ہماری سفارش کر کے ہمیں جنت میں لے جائیں گے اور پھر مسلمانوں میں جو چھوٹے چھوٹے فرقے اور گمروہ ہیں، ان میں سے ہر ایک محض اس لیے جنت کا دعویدار ہے کہ وہ فلاں فرقے یا گمروہ کا رکن ہے۔ شیعہ حضرات کا ایمان یہ ہے کہ اہل بیت کے ساتھ نسبت ہی مدار فلاح ہے۔ محرم میں ماتمی لباس پہن لیا، تعزیر نکال دیا، مجالس کرا دی، ماتم کر لیا تو بس نجات حاصل ہوگی۔ علی ہذا لقیاس دوسرے فرقے بھی اس قسم کا دعوے کرتے ہیں اس کے بعد جو چھوٹے چھوٹے گمروہ ہیں جیسے چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی سب اسی قسم کا دعوے رکھتے ہیں۔ حنفی، بدیلی، دیوبندی، اہل حدیث بھی محض اپنے اپنے فرقے سے منسلک ہونے کی بنا پر جنت میں جانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے سوا کسی دوسرے کی نجات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اصول کے طور پر یہ بات سمجھا دی کہ محض نسبت سے کبھی فائدہ نہیں ہوگا جب تک کہ ایمان اور نیکی کی حقیقت موجود نہ ہو ایک شخص چشتی کہلاتا ہے، اپنے نام کے ساتھ بڑے بڑے القاب لکھتا ہے

مسلمان
فرقے

مگر مشائخ اہل چہشت کا اتباع نہیں کرتا تو اسے خالی نسبت کیا فائدہ دیگی۔
 نقشبندی حضرات بھی بڑے کاملین بزرگ تھے مگر ان کے نام لیواؤں کے
 رستہ پر کہاں تک چل سبے ہیں اب گور پرستی، عرس بازی، تواری اور رسومات
 باطلہ کا نام قادریت رکھ دیا گیا ہے، جب تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے
 طریقے پر نہیں چلیں گے، محض نام قادر ہی رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی
 طرح شہاب الدین سرور دی کے طریقے پر چلنا کامل مجھے کا اخلاص اور اتباع
 ثلوعیت و سنت ہے۔ مگر ان کے نام لیواؤں نے دعویٰ میں کہاں تک پہنچے
 ہیں۔ غرضیکہ عمل کے بغیر خالی نسبت محض خام خیالی ہے

خانڈانی
 تفوق

یہودیوں میں خانڈانی تفوق کا زعم تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان کے جدِ امجد
 حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور کسی
 غلتہ شدہ اسرائیلی کو دوزخ میں نہیں جانے دیں گے اس قسم کی خانڈانی نسبت
 بعض مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے بعض لوگ سادات کی طرف اپنی نسبت
 کرتے ہیں۔ اور بعض دیگر بزرگوں کی طرف لائیکہ خالی نسبت کچھ کام نہ آئے گی،
 گویا شریف و بزرگ خود سادات خانڈان سے متعلق رکھتے ہیں مگر انہوں نے
 یہ عجیب و غریب مسئلہ بیان کر دیا کہ کسی سید زادی کا نکاح امتی کے ساتھ نہیں ہو
 سکتا، حالانکہ یہ سو فیصد غلط مسئلہ ہے۔ اسی طرح بعض لوگ پیر زادے اور بزرگ
 زادے ہونے کی بنا پر اپنا تفوق جتلاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کچھ
 بھی کرتے نہیں، بزرگ ان کا ہاتھ پکڑ کر حیرت میں داخل کر دیں گے، یہ سب
 لوگوں کی آرزوئیں اور خواہشات ہیں، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔
 جب تک کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر نہیں چلے گا۔ خالی نسبت
 سے کام نہیں چلے گا۔

یہودی ہوں یا نصرانی یا نادان مسلمان اس قسم کے تصورات محض خام خیالی
 ہے۔ کوئی شخص اپنے آپ کو سوم تہ جنفی کہے، جب تک اہم ابوخلیفہ اور ان

کے شاگردان کشید کے طریقے پر نہیں چلے گا، اس کا دعویٰ باطل ہے کوئی لاکھ
اہل حدیث یا سنی ہونے کا دعویٰ کرے جب تک محدثین کے نقش قدم پر نہیں چلتا
اہل حدیث نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شافعی ہونے کا دعویٰ کرے یا مالکی اور حنبلی
کہلاتا ہے۔ تو اسے اپنے عمل کے ذریعے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرنا
ہوگا، ورنہ یہ خالی نسبتیں کسی کام نہ آئیں گی۔

اس نسبت کو ذرا وسیع کریں تو کوئی لوگ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے گرویدہ
نظر آئیں گے، وہ اُن کے نام پر ہی پل ہے ہیں۔ بعض مسٹر محمد علی جناح مرحوم
کے نام لیا ہیں۔ اُن کا نام تو بڑے زور شور سے لیتے ہیں مگر طور طریقہ اُن کے
خلاف ہے۔ نہ اُن ہمتیوں جیسا خلوص ہے، نہ عمل اور نہ بے غرضی، مگر نام
لے کر زندہ ہیں۔ بعض لوگ شاہ اسماعیل شہید کا نام بڑی عقیدت سے لیتے ہیں،
اُن کے نام پر کانفرنسیں کرتے ہیں مگر اپنا عمل اُن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ غرض
یہ سب جھوٹے دعویٰ اور آرزوئیں ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں
اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدارِ فلح نہ تمہاری تمناؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب
کی آرزوؤں پر، بلکہ جو کوئی ہماری کتاب کریگا، اُسے اُس کا بدلہ ضرور دیا جائیگا۔
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے۔

شاہ ولی اللہ
افلسفہ

لَا يَدْعُ عَاصِبًا وَه كَسِي مَجْرَمٍ كُو دُنْيَا وَرَا خِرْتٍ مِي سُرَايِي بِي غِيْرِي نِي سِجُوْرَتَا -
دنیا کی سزا اسباب کو معطل کیے بغیر دی جاتی ہے دنیا میں اسباب کے دوران ہی سزا دی جاتی
ہے۔ اور پھر اللہ جہاں میں جب اسباب کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا تو پھر قطعی اور اٹل سزا ملیگی چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھا دی ہے۔ کہ خالی نسبت قطعاً مفید نہیں ہوگی۔
نجات کا دارِ مدارِ عمل پر ہے لہذا جو کوئی بُرا عمل کرے گا اُس کا بدلہ پائیگا۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَرَجُو كُوْنِي اِحْسَانِي كَمِي كَلَا

نیکی کی
جسٹا

مِنْ ذِكْرٍ اَوْ اُنْتِي اُوْرَا وَه مَرُو يُو عُوْرَتٍ وَهُو مَوْْمِنٌ بِشَرِيْكِي

وہ مومن ہو، کیونکہ ایمان ہی اصل الاصول ہے۔ نیکیوں کی جسٹ اور بنیاد ایمان ہے

اگر نیکی کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دیتا ہے فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ
تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا
اور اُن کے ساتھ ایک تِل کے برابر بھی زیادتی نہیں کی جائیگی۔ بات وہی ہے
کہ نجات کا مدار نیکی، ایمان اور عمل پر ہے۔

اس آیت کہ میرے جرنائے عمل کے سلسلہ میں مردوں اور عورتوں کو یکساں
چیت دی گئی ہے۔ شریعت کے احکام محض مردوں کے لیے نہیں بلکہ
عورتوں پر اُسی طرح لازم ہیں، لہذا شریعت اور قانون سب کے لیے یکساں
ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ البتہ مرد و زن
کے دائرہ کار میں اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے۔ عورتیں اپنے فرائض گھر
کے اندر انجام دینے کی پابند ہیں جب کہ مرد باہر کے امور سے عمدہ براہوتے
ہیں۔ باقی فرائض، واجبات وغیرہ جس طرح مرد پر لاگو ہیں اسی طرح عورت بھی اُنکی
مکلف ہے۔

بہترین دین

اس کے بعد فرمایا وَصَنَّا أَحْسَنَ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ
لِلَّهِ اُس شخص سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے، جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ
کے تابع کر دیا۔ چہرہ چونکہ انسانی جسم میں معزز ترین حصہ ہوتا ہے اس لیے چہرہ کا
نام لیا گیا ہے۔ تاہم اس سے مراد پورا جسم انسانی ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ انسان
مکمل طور پر اللہ کی رضا کے تابع ہو جائے اور اپنے آپ کو سمہ تن خدا تعالیٰ کی طرف
جھکا دے۔ چہرے کو تابع کرنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان میں غیبت
درجے کا اخلاص پایا جائے۔ اور اخلاص کا معنی یہ ہے کہ بندہ ہر کام خدا تعالیٰ
کی رضا کے لیے انجام دے اور رضائے الہی سے مراد یہ ہے کہ اس کا عقیدہ
پاک ہو۔ خدا کی وحدانیت پر صحیح ایمان ہو گا تو اخلاص بھی پیدا ہو گا۔ اخلاص اور
توحید کے مسائل حواہم میں سمجھائے گئے ہیں۔ "فَاعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ
لَهُ الدِّينَ" کا کیا مطلب ہے؟ یعنی خالص اُسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرو

اس میں کسی قولی فعلی شرک کی ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے، اخلاص کو حید سے آتا ہے
 اگر اخلاص نہیں ہوگا تو نہ عبادت قبول ہے اور نہ فلاح نصیب ہوگی۔

فرمایا۔ بہترین دین کی ایک صفت تو اخلاص ہے اور دوسری وہو مَحْسِنٌ
 انسان نیکی کرنے والا ہو اور محسن کا مطلب یہ بھی ہے کہ عامل کا طریق کار درست
 ہو۔ جب تک عمل حضور علیہ السلام کی سنت اور شریعت کے مطابق نہیں ہوگا۔
 مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ ارشاد مبارک ہے هُنَّ عَمَلٌ
 عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَصْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ یعنی جو عمل ہمارے طریقے کے
 مطابق نہیں وہ مردود ہے۔

فرمایا بہترین دینار وہ ہے جس میں اخلاص پایا جائے اور اس کا عمل سنت نبوی
 کے مطابق ہو۔ اور تیسری چیز یہ کہ وَاتَّبَعَ مَلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
 وہ ملتِ ابراہیمی کا پیرو کار ہو۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت یہ ہے کہ
 وہ حنیف یعنی ہر طرف سے کٹ کر ایک طرف گئے والے ہیں۔ حنیف
 وہ ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان رکھتا ہے، نماز میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرتا
 ہے۔ غنۃ کرتا ہے، قربانی کرتا ہے اور شرک سے بیزار ہے۔ یہ تمام صفات
 ابراہیم علیہ السلام میں پائی جاتی تھیں، اس لیے اللہ نے اُن کی ملت کے اتباع کا
 حکم دیا اور فرمایا وَمَا اَصِدُّوْا اِلَّا لِيْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهٗ
 الدِّيْنَ حُنَفَاۗءُ اور ان لوگوں کو یہی حکم دیا گیا کہ وہ خالص اللہ کی عبادت
 کریں۔ اور حنیف بن جائیں۔ حنفاء کا معنی ہے ”حنفاء اللہ عن یوں
 مُشْرِئِيْنَ“ یعنی سب کے سب حنیف بن جائیں اور شرک کرنے والے نہ بنوں
 اللہ نے یہی بات تمام انبیاء کی زبان کے ذریعے تمام لوگوں تک پہنچائی کہ
 عبادت خالص اللہ کی کرو۔ غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام سب سے بڑے مؤحد
 اور حنیف تھے لہذا اللہ نے اُن کی ملت کی پیروی کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کا ثمرہ یہ دیا

اتباع
 ملت ابراہیم
 خالص اللہ

ابراہیم خلیل اللہ
 علیہ السلام

وَإِخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا کہ انہیں اپنا خلیل بنا لیا اور خلیل کا معنی دوست ہے۔ اور فلاح اُس کو نصیب ہوگی جو یا تو خود خلیل ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام یا پھر خلیل کے طریقے پر ہو۔ اسی لیے ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ مگر شریف کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **إِخَذَ اللَّهُ صَاحِبَكُمْ خَلِيلًا** اللہ نے تمہارے صاحب یعنی خود مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے اور ترمذی شریف میں حبیب کا لفظ بھی آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یاد رکھو! میں تمہاری باتوں کو میں اللہ کا حبیب ہوں۔ میں یہ فخر سے نہیں کہتا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے مجھے اپنا حبیب یعنی پیارا بنا لیا۔

یہاں پر غلت دو معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔ اس کا عام فہم معنی تو دوستی ہے جس کا تعلق دل کی انتہائی محبت کے ساتھ ہوتا ہے جیسا پانچ ابراہیم علیہ السلام اس لحاظ سے تحلیل ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ جس کی وجہ سے وہ تعمیل حکم میں ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ اور خلیل کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی حاجت کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے پیش نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو امتحان کے لیے فرشتے آئے اور عرض کیا، کہ ضرورت ہو تو ہم آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے صاف فرما دیا، کہ مجھے اللہ کے سوا کسی کی مدد درکار نہیں۔ فرشتے نے کہا، پھر اللہ ہی سے مدد کے لیے دعا کریں، تو آپ نے فرمایا، میرے سوال سے اللہ کا علم زیادہ وسیع ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں، لہذا مجھے بتانے کی بھی ضرورت نہیں۔ گویا آپ "أَفْقَضُكُمْ إِلَيَّ رَاحِي اللَّهِ" کے پورے پورے مصداق تھے۔ غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام کی غلت اس وجہ سے ہے کہ آپ کے دل میں اللہ کی انتہائی محبت اور تعظیم تھی اور دوسرے یہ کہ انہوں نے تمام حاجات صرف اللہ کے سامنے پیش کیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے خلیل ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو اپنا خلیل بناؤں تو حضرت ابو بکر صدیق کو بناؤں گا، مگر تمہارے صاحب کو اللہ نے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کا خانہ خاص صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور حبیب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی محبت ہے جس کی وجہ سے آپ حبیب اللہ بھی ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جو خلیل کے واسطے پر ہوگا، وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ ان کی ملت حقیقت میں ملتِ اسلامیہ ہے یا ملتِ محمدیہ ہے، معنی ایک ہی ہے۔ لہذا اللہ کے نزدیک دین اس شخص کا پسندیدہ ہوگا جس میں اخلاص پایا جائے اور اس کا عمل شریعت کے مطابق ہو، ایسا شخص ملتِ ابراہیمی کا پیروکار سمجھا جائے گا۔

تصرف اور
احاطہ

فرمایا یاد رکھو وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنَ اللّٰهِ
ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا اور اللہ ہر چیز کا محیط یعنی احاطہ کرنے والا ہے۔
اللہ کی ان دو صفات میں اکثر لوگ بہک جاتے ہیں۔ ایک تصرف ہے کہ
جب زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک خدا ہے تو پھر کائنات میں تصرف
بھی اسی کا ہے مگر اکثر لوگ اللہ کی صفت تصرف میں شرک کا ارتکاب کرتے
ہیں اور تصرف میں قبر والوں، فرشتوں یا جنوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔
حالانکہ متصرف فی الامور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ کی دوسری صفت یہاں پر محیط بیان کی گئی ہے یعنی ہر چیز کا احاطہ
کرتا اور انہیں قابو میں رکھتا، اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ احاطہ علم کے ساتھ
ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ہے۔ ذرے ذرے
کا علم اسی کے پاس ہے اور قدرت کے اعتبار سے بھی ہر چیز پر قبضہ اللہ ہی

کا ہے۔ اُس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، لہذا محیط بھی وہی ہے۔ اور متصرف بھی وہی ہے۔

اب جدید سائنس دانوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ سبب اور سبب کا علاقہ قطعی نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ہر ذرہ اپنے مالک کے حکم کا منتظر رہتا ہے۔ جس وقت جو حکم ہو اسی کی تعمیل کرتا ہے۔ پہلے تو سائنس دان اسے خلاف عقل سمجھتے تھے مگر اب مان گئے ہیں کہ کسی چیز کا سبب قطعی نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر سبب ہمیشہ ایک ہی نتیجہ پیدا کرے بلکہ ایک سبب کے مختلف مواقع پر مختلف نتائج بھی ہو سکتے ہیں۔

اہم شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے سبب اور مسبب (CAUSE AND EFFECT) کو قائم رکھا ہے اور عام طور پر اس اصول کو نہیں توڑتا مگر جب چاہے اس کو توڑ بھی دیتا ہے۔ آگ کا کام جلانا ہے مگر بعض اوقات نہیں جلاتی اپنی پیاس نہیں بجھاتا، تلوار نہیں کاٹتی، گولی اپنا اثر نہیں دکھاتی وغیرہ وغیرہ۔ تو معلوم ہوا کہ تصرف اللہ کے قبضے میں ہے اور وہی احاطہ کرنے والا ہے۔ چونکہ اکثر لوگ انہی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ لہذا اللہ نے آخر میں انہی دو صفات کا ذکر کر کے لوگوں کو توحید کا درس یاد کر لیا ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ لَا
 وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِمِّي النِّسَاءِ
 الَّتِي لَا تَوْلَوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن
 تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُوا
 لِيَلَيْتُمُ بِالْقِسْطِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
 بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے
 بارے میں آپ کہہ دیجئے، اللہ تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق
 اور وہ جو تلامذت کی جاتی ہیں تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے بارے
 میں کہ تم نہیں دیتے ان کو وہ چیز جو ان کے لیے مقررہ کی گئی ہے
 اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو، اور کمزور بچوں کے
 بارے میں، اور یہ کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف کے
 ساتھ۔ اور جو کچھ تم بھلائی کرو گے، پس بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے

والا ہے ﴿۱۲۷﴾

گذشتہ رکوعات میں جہاد کا ذکر اور منافقین کی مذمت بیان ہوتی رہی ہے۔ اب
 آج کی آیت میں عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ سورۃ ہذا کی ابتدا بھی اپنی
 موضوعات سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال میں ناجائز تصرف سے منع
 فرمایا تھا۔ اور یتیم لڑکیوں کے متعلق حکم تھا کہ اگر تمہیں ان کے ساتھ نالصافی کا خدشہ

رابط آیات

ہو، تو پھر ان کے ساتھ نکاح نہ کر دو۔ اور جن عورتوں سے نکاح کر دو، ان کے معرضہ خفا سے ادا کر دو، ہاں اگر وہ از خود مہر کا کچھ حصہ واپس کر دیں یا معاوضہ کر دیں تو تمہارے لیے مباح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے بیبیوں کے مال کی حفاظت کے بھی مفصل احکام نازل فرمائے۔ وراثت کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے جن میں اللہ نے واضح کیا کہ وراثت میں عورتوں کا بھی اسی طرح حق ہے جس طرح مردوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے مسائل بھی بیان فرمائے اور واضح کیا کہ نہ تو عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ اور نہ انہیں نکاح ثانی سے روک رکھو۔ پھر اللہ نے محرمات نکاح کا ذکر کیا اور وہ تمام رشتے گنوائے جن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ معاشرتی مسائل میں عورتوں پر مردوں کی فوقیت، دونوں کے دائرہ ہائے کار اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا تذکرہ ہوا، اور ساتھ ساتھ دین کے بنیادی مسائل توحید و رسالت کا بیان بھی ہوا۔

عورتوں کے مسائل

اب آج کی آیت کا تعلق بھی سورۃ کے ابتدائی حصے میں مذکور آیتوں اور عورتوں کے مسائل سے ہے۔ حضور علیہ السلام سے منیم لڑکیوں کے نکاح سے متعلق سوال کیا گیا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ارشاد ہوتا ہے وَيَسْتَفْتُونَكَ اے پیغمبر علیہ السلام! لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ استفتا کسی معاملے میں حکم طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کا مادہ فتی ہے جس کا معنی اجوان ہوتا ہے۔ کسی معاملہ میں جو نہ فتویٰ دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے قوت پیدا ہوتی ہے، لہذا سے استفتا کا نام دیا گیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں فِ الْبَشَاءِ عورتوں کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا وَسَلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيْہِنَّ آپ فرمائیے عورتوں کے بارے میں اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وَمَا يَسْتَلِيْ عَلَیْكُمْ فِ الْكِتٰبِ اور اس ضمن میں کتاب یعنی قرآن پاک کی وہ آیات بھی تمہاری

میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی سختی سے پابندی کرو، یتیموں کو درانت میں حصہ دو اور اُن کے مال کی حفاظت بھی کرو۔ نیز یہ وَإِنَّ تَقْوَىٰ مَوْءَلِيَّتِي بِالْقِسْطِ یتیموں کے بارے میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ ان آیات کا مرکزی مضمون یہی ہے کہ کمزور طبقات کے ساتھ انصاف ہونا چاہیے، عورتیں، چھوٹے بچے یتیم لڑکے اور لڑکیاں سب ضعف میں شمار ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا یہ حکم مسلمانوں کے ہر صاحب اقتدار طبقہ کے لیے ہے خواہ وہ خاندان یا قبیلے کا سربراہ ہو یا وقت کا حاکم، جو بھی کسی معاملہ میں صاحب اختیار ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ کمزور طبقات کے معاملات میں انصاف کی بالادستی کو قائم رکھے، ظاہر ہے کہ اگر ان طبقوں کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے تو دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی انصاف بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور اگر کمزور طبقے ظلم کی چچی میں پس گئے تو دوسروں کے ساتھ بھی انصاف کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ لہذا کمزور طبقات کے ساتھ انصاف کرنا بطور خاص تاکید کی گئی ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں۔ کہ عدل و انصاف کا قیام تقویٰ کی علامت ہے اور تقویٰ کا خلاصہ اور لب لباب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَارْتِئَابِي ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ“ (سورۃ نحل) بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا۔ اور قربانزاروں کے حق ادا کرنا، اور منع کرتا ہے بے حیائی اور سرکشی سے فرماتے ہیں، تقویٰ کا لب لباب اور مرکزی نقطہ عدل ہے۔ جس قوم میں عدل نہیں وہ فاسق قوم ہے۔ جس سوسائٹی میں خلاف شرع اور خلاف عقل باتیں رائج ہیں وہ گندی سوسائٹی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ عدل قائم کرو، اُن کا مال تلف نہ کرو، اُن کے حقوق ادا کرو۔ عدل، طہارت، خشوع و خضوع،

لے غنیۃ الطالبین ص ۱۳۲ ج ۱ مطبوعہ مصر (فیاض)

اجبات اور فیاضی مسلمان کا ورثہ ہیں، انہیں کوئی مسلمان ضائع نہیں کرتا۔

حرف آخر
نیک نیتی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص صحابہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل بسر و چشم کرتے تھے۔ جب یتیم لڑکیوں کے متعلق آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیال ہوا کہ اتنے سخت احکام کا مطالبہ یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا ہی نہیں چاہیے مبادا کہ ان کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ بطور سرپرست تمہیں خود بھی نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمہیں انصاف کے تقاضے بھی پورے کرنا ہوں گے۔ بعض اوقات حالات اس قسم کا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیا تو اس بیچاری کی تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ایسی صورت میں تم خود نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ اس کا ہر پورا ادا کرو، اور اس کے مال کی حفاظت کرو۔ اور اس کا دار و مدار

تمہاری نیت پر ہے۔ وَمَا تَقَعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
بِهِ عَلِيمًا۔ اگر تم بھلائی کا ارادہ رکھتے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔ اگر تم خود نیک نیتی کے ساتھ نکاح پر آمادہ ہو تو ایسا کر لو اور ان کے حقوق کا خیال رکھو

اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یتیم لڑکی کا فائدہ کسی دوسری جگہ نکاح کرنے میں ہے۔ تو پھر وہاں نکاح کر دو۔ اس کو بلا وجہ نکاح سے نہ روکو اور نہ ہی اس کے مال میں ناجائز تصرف کرو۔ فرمایا تم اس معاملہ میں جو بھی فیصلہ کرو نیک نیتی کے ساتھ کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اس کا علم فرمے ذمے پر محیط ہے۔ اگر تمہارا ارادہ بھلائی کا ہے تو عند اللہ ما توجر ہو گے اور اگر نیت میں فتور ہے تو پھر انصاف نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ نا انصافی کی سزا ضرور دیکھا۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَيْتِهَا نَشْوَراً أَوْ إِعْرَاضاً
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِنِ
تَحْسَبُونَهَا تَهْتِكاً فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيراً (۱۲۸) وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ
فَتَذَرُوهُنَّ كَالْمَعْلُوقَةِ وَإِن تَصْلِحُوا وَتَتَّقُوا
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُوراً رَحِيماً (۱۲۹) وَإِن يَتَفَرَّقَا
يَغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعاً
حَكِيماً (۱۳۰)

ترجمہ: اگر کوئی عورت خوف کھائے اپنے خاوند کی طرف
سے نافرمانی یا اعراض کا، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں
صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے اور حاضر کیا گیا ہے جانوں
کے پاس بخل کو اور اگر تم نیچے کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو
پس بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے
والا ہے (۱۲۸) اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ انصاف کر سکو
عورتوں کے درمیان، اگرچہ تم حرص کرو۔ پس تم نہ مائل ہو پوری

طرح ایک طرف مائل ہونا۔ پس چھوڑ دو اس عورت کو معلق
 (ڈٹکی ہوئی) چیز کی طرح۔ اور اگر تم اصلاح کرو گے اور تقویٰ کی
 راہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ بخشے والا اور مہربان ہے (۱۳۹)
 اور اگر وہ دونوں آپس میں جدا ہو جائیں تو مستغنی بنائے گا
 اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ تعالیٰ
 بڑی وسعت والا اور حکمت والا (۱۴۰)

رابط آیات

گذشتہ دروس میں بعض معاشرتی مسائل کا تذکرہ تھا، عورتوں، یتیم بچیوں اور دیگر
 کمزور طبقات کے متعلق حکم دیا گیا تھا کہ ان کے حقوق ادا کرو اور اس ضمن میں اس سوچ کی
 ابتداء میں اسی موضوع پر نازل ہونے والی آیات کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ ان طبقات
 پر وہی احکام لاگو ہیں اور انہی سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیئے۔ عورتوں کے نکاح اور
 مہر کا خصوصی ذکر تھا کہ ان کے مقررہ مہر ادا کرو۔ یتیم بچیوں کے متعلق سرپرستوں کو
 تنبیہ تھی کہ اگر ان سے خود نکاح کرنا چاہو، تو ان کا مہر پورا ادا کرو، اور باقی حقوق بھی بطریق
 احسن پورے کر دو اور اگر خود نکاح نہ کرنا چاہو، تو انہیں دوسری جگہ نکاح کرنے سے نہ روکو
 اور نہ ان کے مال پر ناجائز تصرف رکھو۔ ان کمزور طبقات کو اللہ نے باقی لوگوں کے
 لیے بطور رعایت مقرر فرمایا کہ اگر ان طبقات کے ساتھ انصاف کرو گے تو باقی لوگوں کے ساتھ
 بھی انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اور اگر یہی طبقہ انصاف سے محروم رہا تو پھر باقیوں کے ساتھ بھی
 عدل نہیں ہوگا، اور اسی طرح پوری سوسائٹی جائز حقوق سے محروم ہو جائے گی۔

میاں بیوی
 میں محاصمت

کمزور طبقات کے حقوق کے تحفظ کے بعد آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے
 میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والے کسی ممکنہ اختلاف اور پھر اس کے تصفیہ کے
 متعلق ہدایات دی ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے اور قریب ترین تعلقات قائم
 ہوتے ہوئے زوجین کے درمیان محاصمت کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں کسی ایسی
 صورت حال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا

مَشُوْرًا اَوْ رَاعِيًا اور اگر عورت خوف کھاتی ہے اپنے شوہر کی طرف سے اختلاف کا یا اعراض کا۔ دراصل نشز کا لغوی معنی ابھار ہوتا ہے، جیسے عربی شاعر کہتا ہے
فقد نشز الشرسوف والنصق المعاد۔

یعنی پسلیاں فاتقے کی وجہ سے اُبھر گئیں اور آنتیں ساتھ مل گئیں۔ تو اس نشوز کے لفظ میں لڑائی جھگڑا۔ اختلاف سائے، نفرت، ایذا رسانی، تحقیر وغیرہ ساری چیزیں آتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی کا ڈر ہو دونوں کے مزاج میں موافقت موجود نہیں یا خاوند اعراض کرتا ہے، بیوی کی طرف پوری توجہ نہیں دیتا، تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُصَلِحَا بَيْنَهُمَا صَلِحَا ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں۔ کیونکہ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ صلح بہر صورت بہتر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب نکاح ہو ہی گیا ہے۔ تو اب کوشش یہی کریں کہ یہ رشتہ از دل و دل قائم رہے اور علیحدگی کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے۔

مفسرین کرام اور فقہانے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنیادی طور پر تو میاں بیوی کے درمیان صلح و بیعت
مضموم میں مخالفت اور پھر اس کی اصلاح کے متعلق ہے مگر اپنے وسیع تر مضموم کے پیش نظر یہ آیت بڑی بڑی پارٹیوں، گروہوں اور ملکوں کے درمیان تنازعات اور ان کے تصفیہ کے لیے بھی رہنمائی کرتی ہے۔ جھگڑا دو خاوند کے درمیان ہو یا دو خاندانوں کے درمیان دو پارٹیاں ہوں یا دو سلطنتیں اختلافات ہر جگہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو فریقین کو آپس میں صلح کر لینی چاہیے اور نتائج کے اعتبار سے ہر متعلقہ فریق کے لیے صلح ہی بہتر ہے۔ یہی بات ہوقد حجت میں اس طرح بیان کی گئی ہے وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اُتَتْكُمَا فَاَصْرِحُوا بَيْنَهُمَا اگر مومنوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کر دیا کرو۔ اور جو پارٹی سسرکشی اختیار کرے، اس پر دباؤ ڈال کر صلح پر مجبور کرنا چاہیے کہ اسی میں ان کی بہتری ہے اور ہی اللہ تعالیٰ

کافرمان ہے۔

ہماری ملت کی مشکلات کی وجہ احکام الہی سے روگردانی ہے۔ آج ملتِ اسلامیہ کے کتنے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین پر عمل پیرا ہیں۔ جھگڑے سے متعلق ان واضح احکام کے باوجود دو مسلمان ملکوں کے درمیان کئی سال سے جنگ جاری ہے مگر مصالحت کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنا کردار ادا کریں اور ایران عراق کے درمیان تصفیہ کر لیں۔ اور پھر اگر ان میں سے کوئی فریق ناجائز طور پر اپنی بات پر اڑا ہوا ہے اور مصالحت پر آمادہ نہیں ہونا، تو سورۃ حجرات کے احکام کے مطابق باقی عالمِ اسلام کو اسے مجبور کرنا چاہیے کہ وہ ہٹ دھرمی سے باز آجائے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان ممالک اور دیگر عالمی اداروں کی کوشش کے باوجود یہ جنگ ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ اگر فریقین قرآنی احکام پر عمل کرتے تو اتنا جانی اور مالی نقصان نہ اٹھاتے اس ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے جو ترمذی شریف اور دیگر کتب میں موجود ہے کہ اہل اسلام کے درمیان ہر صلح جائز ہے **الْأَصْلُهَا أَحَلُّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا** سوائے اس صلح کے جس کی بنیاد حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنانا ہو۔ اس کے علاوہ ہر طرح کی صلح جائز اور باعثِ برکت ہے۔

صلح کی اقام
اور شرائط

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صلح کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم اقرار، دوسری سکوت اور تیسری انکار ہے۔ پہلی قسم کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی فریق دعویٰ کرے اور دوسرے فریق اس کو تسلیم کر لے، اپنی غلطی کا اقرار کر لے تو صلح کرنا آسان ہو جاتا ہے دوسری صورت میں اگر کوئی فریق اپنے خلاف لگائے گئے الزام کی نہ تصدیق کرتا ہے اور نہ تکذیب بلکہ سکوت اختیار کرتا ہے۔ تو یہی مصالحت

کی بنیاد موجود ہوتی ہے اور طے بر و طے کا ر لایا جاسکتا ہے۔ باقی رہی تیسری قسم جس میں فریق ثانی دعویٰ کا انکار کرتا ہے تو اس معاملہ میں فقہائے کرام کے درمیان درس کے وقت عراقی اہل انبار جنگ جاری تھی لیکن درس کی طاعت کے وقت ختم ہو چکی ہے۔

اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ انکار کی صورت میں صلح جائز نہیں
 البتہ باقی ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ صلح اس صورت میں بھی جائز ہے اور مقصد جھگڑے
 کو ختم کرنا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت میں اللہ نے فرمایا ہے صلح ہی بہتر ہے۔
 جب صلح کے لیے گفت و شنید ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ فریقین کو اپنے
 اپنے موقف میں لچک پیدا کرنی ہوگی۔ اور اس کی صورت یہی ہوتی ہے۔ کہ ہر فریق
 اپنے حق میں کھی کڑے کے دوسرے کے حق کو تسلیم کر لے اور اس طرح کچھ لے کر اور
 کچھ دے کر معاملہ کو ختم کیا جاسکتا ہے میاں بیوی کا معاملہ اس آیت کا اصل موضوع
 ہے۔ تو یہاں پر بھی اگر عورت سمجھتی ہے کہ خاوند کا دل اُس سے بھر گیا یا وہ اُس سے
 خوش نہیں ہے، تو اُسے چاہیئے کہ وہ خاوند کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے
 اپنے موقف میں لچک پیدا کرے، اپنے کسی حق میں کمی کرے، مثلاً اگر پہلے دو روپے
 خرچہ مقرر ہے تو اسے کم کر کے سو روپے کر دے۔ یا مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے،
 یا کوئی دیگر مالی فائدہ پہنچائے جس سے خاوند کو بیوی کی وفاداری کا یقین دلایا جاسکے
 تو یہی چیز صلح کی بنیاد بن سکتی ہے اور فریقین کے درمیان جھگڑے کو ختم کیا جاسکتا ہے
 حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت سودہ رضی
 سے نکاح کیا۔ چونکہ آپ زیادہ معمر تھیں کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السلام نے اُن کو
 علیحدہ کر دینے کا ارادہ کیا۔ جب ام المؤمنین کو پتہ چلا تو انہوں نے عرض کی حضور!
 مجھے تو دنیا داری کی چیزیں رغبت نہیں، مجھے آپ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری
 کے متعلق اپنا حق حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں، آپ میری بجائے بھی اُس کے
 ہاں ٹھہرا کر لیں۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن میرا نام آپ کی ازواج
 میں شامل ہو۔ حضور علیہ السلام نے اس پیش کش کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ باقی
 بیویوں کے ہاں ایک ایک دن قیام فرماتے تھے اور حضرت عائشہؓ کے ہاں
 دو دن۔ بہر حال یہ میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔
 یہاں پر یہ اصول مد نظر رہنا چاہیئے۔ کہ اگر عورت اپنا حق کسی وقت

صلح کی
مثال

چھوڑتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس حق سے دست بردار ہوگئی ہے، عورت مناسب وقت پر اپنے حق کو بحال کرنے کی بھی مجاز ہے۔ اگر کسی عورت نے کسی وقت اپنی باری کی قربانی دی ہے، تو وہ اس کی بحالی کا مطالبہ بھی کر سکتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ صلح ہی بہتر ہے اور علیحدگی کی نوبت نہیں آنی چاہیے۔

حرص اور سخی

عام طور پر جھگڑے کی بنیاد مالی معاملات ہوتے ہیں۔ ایک فریق دوسرے کا حق مختص کرنا ہے، یا اس کے حق میں کمی کرتا ہے تو دوسرے فریق کا رنجیدہ خاطر ہونا ایک فطری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: "الرَّكْبَةُ الْخَيْرُ لَخَيْرِ لَشَدِيدٍ" یعنی مال کی محبت میں انسان بڑا پکا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا "وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا" تم مال کے ساتھ پوری پوری محبت کرتے ہو۔ یہی محبت حرص پیدا کرتی ہے اور پھر اگر یہ شدید تر ہو جائے تو سخی کو جنم دیتی ہے انسان مال اکٹھا کرنا تو اپنا حق سمجھتا ہے۔ مگر اسے خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلح کی بنیاد عموماً مالی حقوق میں کمی یا تدبیر داری ہوتی ہے مگر "وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسَ الشُّحَّ" حاضر کی گئی ہے نفسوں کے پاس حرص اور سخی، یعنی انسان فطری طور پر حرص اور سخی واقع ہوا ہے۔ یہ مال سے محبت کرتا ہے لہذا اپنے حق میں کمی یا اس سے دست برداری کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ مال سے اس قدر محبت نہ کرو کہ صلح کی بنیاد ہی ختم ہو جائے اگر ضرورت ہو تو مالی قربانی سے بھی دریغ نہ کرو کیونکہ مال آنی جانی چیز ہے اور اس کے مقابلے میں صلح اور حسن معاشرت بیش قیمت ہے۔ لہذا اپنے حقوق کی قربانی دیکھو بھی اگر صلح کرنی پڑے۔ تو اس سے دریغ نہ کرو۔

مال کی فطری محبت کے باوجود نبزرگانِ دین اپنی تمہریت کے ذریعے

اس مادہ کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کی ادائیگی مال کی محبت میں کمی کا ایک ذریعہ ہے۔ اور جس شخص نے مال کی محبت پر قابو پایا، وہ کامیاب ہو گیا قرآن پاک میں موجود ہے ”وَمَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْءًا فَالْيَدُ الَّتِي يُؤْتِيهَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْيَدٍ تَدْعُوهُ“۔ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔ جھنور علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے دو روکے کی تعریف کی کہ وہ نیک آدمی ہے، نماز روزے کا بڑا خیال رکھتا ہے۔ نوافل ادا کرتا ہے، مگر اس میں نخل کا مادہ پایا جاتا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا ائییٰ ذَا عِرٍّ اَدَّوْا عِرًّا مِّنَ الْبَخْلِ نَخْلٌ سَعَىٰ بَدْنِهِ كَمَنْ سَعَىٰ بِمَارِيٍّ هُوَ كَتِيٌّ۔ یہ بہت بری خصلت ہے مومن کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں۔

بہر حال فرمایا کہ انسان میں حرص اتنی زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ کہ وہ اللہ کے دین اور آخرت سے غافل ہو جائے۔ مال بلاشبہ انسان کی مجبوری ہے اس کی اپنی ترغیبات ہوتی ہیں۔ مگر اللہ کے بعض بندوں کی تربیت کی وجہ سے حرص کا مادہ بہت حد تک کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام اوزاعیؒ کا مقولہ ہے۔ کہ میرے سامنے سونے کی ٹہنی بھی رکھی ہو تو مجھے اس میں کچھ رغبت نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں مگر فرمایا کہ عام طور پر انسان حرص اور بخل میں مبتلا ہوتے ہیں جو کہ ان کی فطری کمزوری ہے۔

فرمایا اگر کچھ لے لے کر صلح کی صورت پیدا ہو جائے تو یہ بھی درست ہے تاکہ زندگی کے دن خوش اسلوبی سے گزر جائیں۔ تاہم قرآنِ حَسْبُنَا اَللّٰهُ اَكْرَمُ نَبِيٍّ كَرِيْمًا وَتَتَّقُوا اَوَّلَ تَقْوٰی كِي رَاهِ اَخْتِيَارًا كَرِيْمًا۔ کسی قسم کی زیادتی نہ کرو دو سے فریق پر ناجائز دباؤ نہ ڈالو اور جس قدر ممکن ہو، عورت کو سہولت بہم پہنچاؤ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرًا۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے امور سے باخبر ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تمہاری صلح و مخاصمت نیکی اور پرہیزگاری اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے

نیکی اور تقویٰ

وتمہارے کوائف سے بھی واقف ہے اور تمہاری ضرورتوں کو بھی جانتا ہے۔
 اگر تم اپنی طرف سے دوسرے فریق کو رعایت دے گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے
 فضل سے بہت کچھ عطا کرے گا اور پھر آخرت میں اس کا اجر تو بہت وسیع
 ہے۔ لہذا دوسرے کے ساتھ حتی الامکان حسن سلوک کی کوشش کیا کرو۔ اسی
 لیے فرمایا کہ خود نقصان اٹھا کر بھی اگر دوسرے کے ساتھ نیچے کرو اور پرہیزگاری
 اختیار کرو گے، تو اللہ تعالیٰ سے بہتر اجر پاؤ گے۔

۱ فطری میلان

متعدد ازواج میں سے کسی ایک طرف زیادہ میلان بھی فطری امر ہے
 اور عام طور پر انسان خواہش کے باوجود اس کے خلاف نہیں جاسکتا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ
 نے اسی بات کو بھی دہرایا ہے۔ وَلَوْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ
 النِّسَاءِ وَكُحْرَمٰتِنَا اَوْ تَمُرُّنَّ بِالْحَبْلَةِ لَمْ تَمُرُّنَّ بِهَا كَمَا تَمُرُّنَّ
 بِهَا لَمَّا كُنْتُمْ اَوْدَادًا۔ اگرچہ تم کتنی ہی حرص کرو۔
 چاہتے کے باوجود عورتوں کے درمیان مکمل انصاف بڑا مشکل کام ہے۔
 چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے قانون کے
 مطابق ظاہری طور پر اپنی بیویوں کی رہائش، کھانے، لباس اور لین دین میں
 برابر ہی کی کوشش کرو۔ حضور علیہ السلام خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں مگر ساتھ یہ
 دُعا بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے مولا کریم! میں یہ کام اپنی طاقت کے مطابق انجام
 دے رہا ہوں، اور جس معاملہ میں استطاعت نہیں رکھتا یعنی جو چیز میرے بس میں نہیں
 ہے اُس میں میرا مؤاخذہ نہ کرنا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ طبعی میلان کسی ایک طرف ہو جسے
 میں تقسیم نہ کر سکوں۔ اسی لیے فرمایا کہ تم خواہش کے باوجود عورتوں کے درمیان
 مکمل انصاف نہ کر سکو گے۔ مگر یاد رکھو! خدا تعالیٰ کا قانون یہ ہے فَلَا
 تَسْبُلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ کسی ایک طرف مکمل طور پر نہ جھک جاؤ۔
 کہیں ایسا نہ ہوا فَتَذَرُوْهَا كَالْمَعْلَقَةِ کہ دوسری بیوی کو درمیان
 میں لٹکا چھوڑ دو۔ نہیں، بلکہ اس کے ساتھ تعلقات کو قائم رکھو اور اس کا حق

دوسرا راستہ پیدا فرمائے گا جس سے ان دونوں کی زندگی بہتر طور پر بسر ہو سکے۔ لہذا
 علحدگی کی صورت میں بالکل بد دل نہیں ہو جانا چاہیے۔ بلکہ اپنی اصلاح کرنی
 چاہیے اور آئندہ زندگی کے لیے بہتر لائحہ عمل تجویز کرنا چاہیے وَكَانَ
اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا حکمت
 والا ہے۔ وہ سب الاسباب ہے۔ تمام اسباب اس کے قبضہ قدرت
 میں ہیں، وہ تمہارے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دے گا

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا
 الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكُتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ
 اتَّقُوا اللّٰهَ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
 وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ
 مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفَى بِاللّٰهِ
 وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَأْ يُّذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ
 وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾
 مَنْ كَانَ يُّرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابٌ
 الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا
 بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں
 ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید
 حکم دیا ہے ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی ہے تم سے پہلے
 اور تم کو بھی یہی حکم دیا جاتا ہے کہ ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے
 اور اگر تم کفر کرو گے پس بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے
 جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
 غنی (بے پروا) ہے اور تعریفوں والا ہے ﴿۱۳۴﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے

یہ ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا سزا (۱۳۶) اگر چاہے تو لے جائے تم کو (یعنی فنا کر دے) اے لوگو! اور لائے دوسروں کو۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے (۱۳۷) جو شخص چاہتا ہے تم میں سے دنیا کا ثواب۔ پس اللہ کے نزدیک ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے (۱۳۸)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں، یتیم بچیوں اور کمزور طبقات کے حقوق کا ذکر فرمایا، پھر میاں بیوی کے درمیان نزاع کی صورت میں صلح کرنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ اگر عورت سمجھتی ہے کہ خاوند اعراض کر رہا ہے تو وہ اپنے حقوق میں کمی کر کے خاوند کو صلح پر آمادہ کر سکتی ہے تاکہ اُن کے درمیان نباہ کی صورت پیدا ہو سکے۔ متعدد بیویوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے انصاف قائم رکھنے کی تاکید فرمائی، اللہ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی ایک عورت کی طرف مکمل جھکاؤ ہو۔ اور دوسری کو بھگتا ہوا چھوڑ دیا جائے، فرمایا قانون کے مطابق ہر ایک کے ساتھ عدل قائم کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی خامی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

فرمایا اگر میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے اور علیحدگی تک ذمہ آجائے تو وہ بھی خورش اسلوبی سے انجام پانی چاہیے۔ طلاق کو ایک مستقل دشمنی کی صورت نہیں دینی چاہیے بلکہ عورت اور مرد اسی معاشرے کے افراد ہیں ہر ایک کے کچھ حقوق و فرائض ہیں جنہیں ادا کرنا چاہیے۔ اگر علیحدگی نیک نیتی اور اصلاح کی خاطر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے وسعت پیدا فرما دے گا۔ اور باقی ماندہ زندگی کے گزرنے کیلئے بہتر وسائل پیدا کر دے گا۔

تقویٰ کی
تاکید

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں بھی احکام، اصول اور قوانین کا ذکر آتا ہے اس کے بعد تقویٰ جیسی بنیادی چیز کی تاکید کی جاتی ہے اس قسم کی ترغیب سے انسان میں تعمیل حکم

تقویٰ سے سزا خرف خدا ہے اور جب یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کفر، شرک،
 احاد اور دیگر تمام گنہگار عقیدوں سے متنفر ہو کر معاصی سے بچ جاتا ہے کامل تقویٰ
 کا حامل انسان کیا نثر کے علاوہ صفائے اور شائبہ چیزوں سے بھی بچتا رہتا ہے۔ حرام
 سے بچتا تو بہر صورت لازم ہے ورنہ تقویٰ حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر
 معاملہ میں شرعی حدود قائم کر لیے ہیں۔ جو شخص ان حدود کی حفاظت کرے گا، وہی
 منصف تقویٰ پر فائز ہوگا۔ آخرت میں اچھے ثمرات کا انحصار تقویٰ پر ہے۔ اگر
 انسان متقی ہے۔ تو اس کا اخلاق، نیک اعمال اور اعلیٰ اطوار اُسے دنیا میں بھی سرخرو
 کمریں گے اور آخرت میں تو اُس کے لیے اجر عظیم ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے
 تقویٰ اختیار کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

اہل کتاب
 اور تقویٰ

جیسا کہ اس آیت کریمہ سے واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو بھی
 جیسے ہی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جس طرح اس امت محمدیہ کو دیا گیا
 ہے۔ مگر انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی بجائے اپنے عقائد ہی بگاڑ لیے
 ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ مگر فلاح تقویٰ ہے مگر عیسائی کہتے ہیں کہ کامیابی
 کا مدار محبت پر ہے۔ وہ اس نعم میں مبتلا ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے
 بے حد محبت کرتا ہے اس لیے وہ سب کچھ خود ہی معاف کر دیگا۔ لہذا ہمیں
 کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف اس کے انجیل کی اصلی تعلیم قرآن پاک
 سے ہی مطابقت رکھتی ہے۔ وہاں پر آج بھی ایسی آیات موجود ہیں جن میں انسان
 کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم! تم اس ذات سے ڈرو جو
 روح اور جسم دونوں کو جہنم میں ڈال سکتی ہے۔ مگر عیسائیوں نے تقویٰ کا عقیدہ
 پس پشت ڈال کر انبیت اور کفارے کا عقیدہ وضع کر لیا اور عمل اور تقویٰ
 کو فراموش کر بیٹھے۔

فرمایا ہم نے اہل کتاب اور اہل ایمان سب کو حکم دیا کہ تقویٰ کی راہ اختیار
 کریں۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَلَا تَكْفُرُوا اگر تم انکار کرو گے، کفر کے

ساتے پر چل نکلو گے تو سن لو قَائِلٌ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
 الْاَرْضِ پس بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو
 کچھ زمین میں ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف وہی ہے۔ وَكَانَ
 اللّٰهُ عَزِيْزًا حَمِيْدًا اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے۔ اور ہر حالت میں
 تعریفوں والا ہے۔

بادشاہی
 اللہ کی ہے

پھر تاکید فرمایا وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط
 یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
 وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا ساز۔ ان آیات
 میں لِلّٰهِ فِي الْاَرْضِ تین دفعہ دہرا گیا ہے۔ شاہ عبدالقادر محدثؒ
 فرماتے ہیں کہ پہلی بار نازل ہونے والے اس کلمہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفت وسعت
 کے ساتھ ہے۔ اس سے گذشتہ آیت کے آخری الفاظ تھے وَكَانَ اللّٰهُ
 وَاسِعًا حَكِيْمًا تو اسی صفت وسعت کے ساتھ ہی آج کی پہلی آیت کی
 ابتدا وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے ہوئی ہے
 فرمایا چوتھ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا کائنات
 جیسی وسیع تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی صفت وسعت ہی کا فرمایا ہے۔ شاہ صاحب
 فرماتے ہیں کہ آیت کے لگے حصے میں مذکورہ جملے کا تعلق تکفیر کے ساتھ
 کہ اس سے فوراً پہلے یہی لفظ آیا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ یاد دلانا ہے کہ
 دیکھو! دنیا جہاں کی ہر چیز پر تصرف فقط اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ ہر چیز پر
 قدرت رکھتا ہے۔ تو ان حالات میں تم اس کا کفر یعنی انکار کر کے کہاں جا
 سکتے ہو، بادشاہی تو امی کی ہے، اس کی سلطنت سے بھاگ کہ کہاں جائے
 پناہ تلاش کرو گے، لہذا کفر کر کے تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَمِيْدًا اللہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ کوئی
 اس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ بہر حال سب تعریفوں کا مالک ہے۔

کا پورا کھیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ صرف وہی ہے، باقی تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے دس ہے۔ سورۃ فاطر میں صاف موجود ہے "يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" غنی صرف خدا کی ذات ہے باقی سب اس کے محتاج ہیں۔ صمد وہی ہے وہ بے نیاز ہے اجماع ہے کہ تاسے، حاجت روا اور مشکل کشا بھی وہی ہے کوئی فرشتہ نبی، جن یا کوئی قبر والا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہو سکتا۔ وہ تو مخلوق ہیں اور اللہ کے سامنے محتاج ہیں۔ اس کے باوجود جو لوگ امداد کے لیے غیروں کو پکارتے ہیں۔ اُن کی بے وقوفی کا اظہار بھی اسی آیت سے ہوتا ہے وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ تو سورۃ الرحمن میں فرماتا ہے كَيْسَ مُلْكُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زَمِيْنٍ وَّاسْمٰنٍ کا ہر فرد اسی کے دروازے کا سوالی ہے کائنات کی ہر چیز زبان حال یا زبان قال سے اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے والی ہے۔ درختوں کے پتے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔ تمام نباتات کی جڑیں اپنی ضروریات کی چیزیں اسی سے طلب کرتی ہیں۔ اللہ کے مقرب فرشتے اور اُس کے مقربین بندے اسی کے سوالی ہیں، اسی کا تقرب، اور اسی کے انعامات کے طلبگار ہیں۔ مگر مشرک انسان ستاروں اور سیاروں کے علاوہ سمجھی سمجھتی کی پوجا کرتے ہیں اور اپنی حاجات اُن کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت سے صاف سمجھ آ رہی ہے کہ جب زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے تو پھر سوالوں کو لوہا کر کے والا بھی وہی ہے، اس کے علاوہ نہ کوئی حاجت روا ہے اور نہ مشکل کشا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مذکورہ صفات کے اظہار کے بعد فرمایا کہ جو ذات خالق، مالک اور محتار کل ہے اِنْ يَشَاءُ يَذْهَبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے، اٹھائے، اس دنیا سے نیست و نابود

مخلوق کی
تبدیلی

کہے وَاٰتِ بِالْحَسْرِۙ اور دوسروں کو بے آئے۔ اگر سب لوگ اس
 وعدہ لائے ہستی کا انکار کرے گے تو اس کو اختیار حاصل ہے کہ اس مخلوق
 کو صفحہ ہستی سے مٹا کر کوئی دوسری مخلوق لے آئے یا کسی خاص علاقے کے پھرین
 کی جگہ متبعین کو کھڑا کرے۔ چنانچہ جب عربوں نے نبی آخر الزمان کا انکار کیا تو اللہ نے
 ان کی جگہ نئی ایمان والوں کو لاکھڑا کیا۔ اور جب مشرکین مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی نبوت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو آپ پر ایمان لانے والے بنا دیا۔
 جب مجاہدوں نے انکار کیا تو اللہ نے ان کی جگہ مغلوں کو کھڑا کر دیا کہ دین کے
 پاسبان تم بن جاؤ۔ اگر پاکستانی دین پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو خدا تعالیٰ ان کی جگہ
 کسی دوسری مخلوق کو لے آئے گا اور موقع ملنے کے باوجود اور وسائل کے ہوتے
 ہوئے دین سے اعراض کی وجہ سے لوگ لعنت کے مستحق بن جائیں گے۔
 وَكَانَ اللَّهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِيْرًا اور خدا تعالیٰ ایسا کرنے پر قدرت رکھتا
 ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے سو کرے، اس کی مشیت کے سامنے سب
 عاجز ہیں۔ لہذا اگر اہل وطن ملک و ملت کی کوئی خدمت کر سکیں تو اللہ تعالیٰ
 کا شکر ادا کریں کہ اس نے توفیق بخشی اور اگر اس کی نافرمانی کریں گے تو وہ بے نیاز
 ہے، اُسے کسی کی کچھ پروا نہیں، وہ جب چاہے ایک جماعت کی جگہ دوسری
 جماعت کو لے آئے۔

طلبِ نیا

اے اللہ تعالیٰ نے مخصوص انداز میں دنیا اور آخرت کا موازنہ کیا ہے اور
 اشارتاً یہ بات سمجھائی ہے کہ اس دنیا کی زندگی محدود ہے اور اصل دائمی زندگی
 آخرت کی زندگی ہے، لہذا اس دنیا کی بجائے آخرت کی بہتری کے لیے کوشش
 اور محنت کرنی چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَنْ كَانَ مِنْ يَدِ ثَوَابِ الدُّنْيَا
 جو لوگ دنیا کی زندگی پسند کرتے ہیں اور اس عارضی زندگی کی نعمتوں تک ہی محدود
 رہنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، وہ دنیا کی ہر نعمت عطا
 کرنے پر قادر ہے۔ مگر یاد رکھو! قَبِ نَدَّ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

اللہ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں جگہ کی نعمتیں موجود ہیں۔ مہر طالب کو اس کی مطلوبہ چیز ہی ملتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا لَعَلَّ نَكْفُرَ“ اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ پھر دوسرے گروہ کا تذکرہ فرمایا جو کہتے ہیں ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ اے مولا کریم! ہمیں اس دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا حصہ ان کی طلب کے مطابق ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ زہر میں فرمایا کہ انسان جلد باز ہے، وہ اسی دنیا میں سب کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے ”إِنَّ هُمُ اللَّامِيْنَ يُجِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلاً“ اور قیامت کے بھاری دن کو تیسچھ چھوڑ دیتے یعنی اس کی کچھ فکیر نہیں کرتے جو لوگ اس دنیا کے مال و اسباب، عیش و راحت کے طلبگار ہوتے ہیں وہ اگلی دنیا میں کچھ حصہ نہیں پاتے۔ اور جو لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ بہتری چاہتے ہیں۔ انہیں دونوں جگہوں کے انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو یقیناً ان کی سعی کا بدلہ ملے گا۔ دنیا اور عاقبت کے لیے دو مختلف قانون ہیں۔ یہاں پر صرف اتنی بات سمجھا دی ہے کہ اللہ کے پاس دنیا کی زندگی کا بدلہ بھی ہے اور آخرت کی زندگی کا بھی۔ لہذا صرف دنیا کے مال و اسباب میں اکتھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کا بھی سامان پیدا کرو۔

ظاہر ہے کہ ایمان، تقویٰ اور نیکی کا اصل ثمرہ اور محل آخرت ہے، لہذا دائمی چیز کچھ چھوڑ کر عارضی چیز کے پیچھے نہ پڑو یہ عقلمندی کی بات نہیں۔ یہ ترغیب بھی ہوگئی، اور ترہیب بھی۔ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر دُعا کو سنتا ہے۔ اور تمہاری حرکات و سکنات

کو دیکھ رہا ہے۔ لہذا تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ کفر، شرک اور
 معاصی سے بچنا چاہیے اور اسی سے اُمید وابستہ رکھنی چاہیے۔

النساء ۴
آیت ۱۳۵

والمحصنت ۵
درس شخصیت و محنت ۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ
لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِن
يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلَوْا أَوْ عَرِضُوا
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر
گواہی دینے والے ہو اللہ تعالیٰ کے لیے اگرچہ تمہارے نفسوں کے
خلاف ہو یا ماں باپ یا قرابت داروں کے خلاف ہو جس
پر گواہی دی گئی ہے) اگر وہ مالدار ہے یا محتاج ہے، پس اللہ
زیادہ بہتر ہے ان دونوں کے ساتھ۔ پس نہ پیروی کرو خواہش کی
اس بات سے کہ تم انصاف کرنا چھوڑ دو اور اگر تم زبان کو
پھیرو گے یا اعراض کرو گے، پس بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم
کام کرتے ہو اسکی پوری طرح خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۳۵﴾

گذشتہ آیات میں میاں بیوی کے درمیان تنازعہ کا ذکر تھا اور اس ضمن میں انصاف
کو ملحوظ رکھتے ہوئے صلح کرنیکی ترغیب دی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے
کا حکم دیا تھا، پھر فرمایا کہ اگر زوجین کے درمیان عیحدگی کی نوبت آجائے تو بھی رنجیدہ خاطر
نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کی کفایت کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم تم سے پہلے لوگوں کو بھی دیا گیا تھا اور تمہیں بھی یہی حکم دیا جا

رابطہ آیات

لاہے۔ دراصل تقویٰ ہی بدرِ فلاح ہے۔ اب آج کی آیت میں انصاف ہی سے
متعلق شہادت کا مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے
ٹھیک ٹھیک گواہی دینے کی تلقین کی گئی ہے۔

حق کی گواہی

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِيْمَانُ وَالرَّادِ كُؤُلُومًا
قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر۔ تو امین قولہم
کی جمع ہے جس کا معنی قائم رہنے والا، نگرانی کرنے والا یا حفاظت کرنے والا ہوتا
ہے۔ اس سورۃ میں یہ لفظ پہلے بھی آچکا ہے الرَّجَالِ قَوْمُونَ عَلَى
النِّسَاءِ تو فرمایا قائم رہنے والے بن جاؤ انصاف پر۔ قسط اور عدل دونوں
انصاف کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انصاف کے قانون
کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور انصاف کا زیادہ تر در و مدار شہادت پر
ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا شَهَادَةً لِلَّهِ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ۔
ہاگہ الملک، قادر مطلق، علیم کل اور معبود برحق چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا اس کی رضا جوئی
کے لیے سچی اور ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ اور اس معاملے میں کسی اپنے یا بیگانے کی رُو رعایت
نہ رکھو۔ گواہی صحیح دو وَتَوَقَّ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ اگرچہ یہ تمہارے نفسوں کے خلاف ہی
کیوں نہ ہو، یعنی ایسا کرنے میں تمہارا ذاتی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ أَوْ الْوَالِدِينَ
یا تمہارے والدین کے خلاف ہی کیوں نہ ہو وَالْأَقْرَبِينَ یا تمہارے قرابتداروں اور
رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو گواہی بہر حال سچی دو اور حق و انصاف کے دامن کو نہ
چھوڑو۔ پھر فرمایا کہ مشہود علیہ (جن کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) کی حیثیت کو بھی
خاص میں نہ لاؤ۔ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا وہ غنا و معنی ہے، صاحبِ حیثیت
ہے یا فقیر اور محتاج گواہی کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت کی اجازت نہیں۔

مقصود یہ ہے کہ اگر مشہود علیہ صاحبِ

ثروت ہے، کوئی بڑا آدمی ہے تو اس سے مرعوب ہو کر اس کی رعایت نہ کرو
اور اگر مشہود علیہ غریب اور کمزور ہے تو اس پر ترس کھا کر اس کی رعایت نہ کرو

بلکہ جہاں تک شہادت کا تعلق ہے اُسے ٹھیک ٹھیک من و عنان اور اگر دو کیونکہ
 قَالَ اللَّهُ أُولَىٰ بِهٖمَا تَهْمَارِي نسبت خدا ان دونوں فریقین کے ساتھ
 زیادہ مہربان ہے۔ وہ کسی کو جائز حق سے محروم نہیں رکھتا۔ اگر ان میں سے
 کسی فریق کی امداد کی ضرورت ہوگی تو اللہ تعالیٰ خود اس کے اسباب پیدا فرما
 دیگا۔ تم ان کی ہمدردی کی وجہ سے گواہی میں کمی بیشی نہ کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ
 نے قانون شہادت اس سورۃ کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ حدید میں بھی
 بیان فرمایا ہے۔

اسلام میں قانون شہادت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اسی پر فیصلے
 کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ
 گواہی کو مانت چھپاؤ۔ شہادت کو چھپانے والا سخت گنہگار ہے۔ کسی شخص پر
 ظلم ہوتا دیکھ کر دوسرے شخص خاموش ہے تو وہ خود مجرم بن جائے گا جنسور علیہ السلام نے
 فرمایا بہترین گواہ وہ ہے جو بغیر مطالبہ کے ٹھیک ٹھیک گواہی دے، اور
 بدترین گواہ وہ ہے جس سے شہادت لینے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جھوٹی گواہی
 دے۔ اسی لیے سچی شہادت لینے کی ترغیب دی گئی ہے اور جھوٹی گواہی
 کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغین لکھتے ہیں

کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد رفع النظام
 من بین الناس بھی ہے۔ یعنی لوگوں کے درمیان سے ظلم کو مٹانا سائے بیوں کا
 دستور العمل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سچی لوگوں کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا
 اور سب سے اولین اصلاح عقیدے کی اصلاح ہے۔ چنانچہ تمام انبیائے کرام اصلاح
 عقیدہ کو اولیت دیتے ہیں۔ لوگوں کو کفر، شرک اور محاسی سے پاک کر کے انہیں
 توحید، ایمان اور اخلاص کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے بعد انبیاء کے مشن میں یہ
 بات رہی کہ ظلم کو مٹانا کہ عدل و انصاف کی فضا قائم کریں جنسور خاتم النبیین علیہ السلام
 صلوات اللہ علیہ من بعدہ

رفع النظام

کے زمانہ میں مشرق و مغرب میں ظلم کا دور درورہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
ی و باطالت سے اُسے ختم کیا اور انصاف کا بول بالا ہونے لگا۔ ایک مومن کے
دوسرے مومن پر کچھ حقوق و فرائض ہیں لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ ایک مومن
دوسرے مومن پر نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کو برداشت کرتا ہے بخاری شریف
میں حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے بنی آدم! راجع
حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي مِثْلَ مَا يَحْرَمُ عَلَىٰ نَفْسِي مَا يَحْرَمُ عَلَىٰ نَفْسِي
قرآن نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلْتُهُ حَرَامًا بَيْنَكُمْ اور تمہارا آپس کا
ایک دوسرے پر ظلم بھی حرام کہہ دیا ہے فَلَا تَظْلَمُوا بَيْنَهُمْ فَيُضِلَّ ذِي
الْقُرْبَانِيَّةِ مِنْكُمْ وَمَا يَبْلُغُ الظُّلْمُ لِلْعِبَادِ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ مثال
یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی دعوت دی ہے۔ اور ظلم زیادتی
سے روکا ہے حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اُدْخِلِيْ اَخَاكَ ظِلْمًا
اَوْ مَظْلُوْمًا اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ لوگوں نے
عرض کیا، حضور! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر ظالم کی مدد کیسے ہو
سکتی ہے، فرمایا تَكْفُوْا عَنِ الظُّلْمِ اِنَّ الظُّلْمَ كَرْنٌ سِوَا رُكْنٍ دُوْرٍ
یہی اس کی مدد ہے۔ غرضیکہ ظلم سے روکنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا خود ظلم
سے اجتناب کرنا۔ اگر لَا يَظْلِمُ کی روح معاشرے میں زندہ ہو تو پھر کسی
سے زیادتی نہیں ہو سکتی۔ ظالم ہاتھ کو مظلوم کی طرف بڑھنے سے روکنا ہو گا۔ اور
یہ جذبہ اس وقت پیدا ہو گا جب انسان میں ایمان اور تقویٰ کا عنصر موجود ہو گا۔
جب تک یہ جذبہ موجود رہا، مسلمان آدمی دنیا پر حکمران ہے، مگر جب یہ روح
ختم ہو گئی تو اپنے ملک بھی چھین گئے، غلامی آگئی اور لوگوں کے اخلاق بگڑ گئے
قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنُكُمْ کا یہی مطلب ہے کہ جہاں کہیں ظلم ہوتا

ہو، قریب والا فوراً مداخلت کرے اور ظلم کی بیخ کنی کرے۔ آج عثمان سے یہ جذبہ تنعم ہو چکا ہے جسکی وجہ سے ہر جگہ ذلت و ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

عدل و انصاف کی ذمہ داری محض حکام عدلیہ پر ہی عاید نہیں ہوتی بلکہ تمام مومنین کا بھی فرض ہے۔ کہ انصاف کی ترویج میں معاہدت کریں، شہادت کے معاملہ میں بھی جب تک گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہیں اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کریں گے اس وقت تک انصاف کا قیام مشکل ہے۔ سورۃ حجرات میں موجود ہے "لَتَسْمَا الْمُتُؤْمِنُونَ رِاحۃً لِّعَنۃِ تَمَامِ مُسْلِمَانٍ بَہَانِی بَہَانِی ہوں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر دو مومن بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے "فَاَصْلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالْعَدْلِ تَاۡمُرُۡنَہُمَا بِالْعَدْلِ" کے درمیان عدل انصاف کی رو سے مصالحت کر دیا کر دو۔

اس مسئلہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حاکم کا فرض ہے کہ فریقین مقدمہ کے درمیان بلبری کا سلوک کرے اور کسی کے ساتھ ترجیح نہ برتے اور نہ کسی کے ساتھ رورعایت کرے حتیٰ کہ کسی ایک فریق کی طرف آنکھ بٹھا کر اشارہ بھی نہ کرے۔ امام ابو بکر جصاص نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے امام اسحاق ابن راہویہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کی دستبرد نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے ترجیح لازم آئے گی جو کہ روا نہیں۔ فرماتے ہیں کہ دونوں فریقوں کے درمیان بیٹھنے حتیٰ کہ آواز بلند کرنے میں بھی مساوات قائم رکھیں۔ اگر ایک کے ساتھ درستی سے بات کی ہے اور دوسرے کے ساتھ نرمی سے، تو اس کی بھی اجازت نہیں کیونکہ اس قسم کے افعال روح عدل کے منافی ہیں۔ بہر حال حق و انصاف کے تقاضا کے پیش نظر فرمایا "فَاَصْلِحُوا بَیۡنَہُمَا بِالْعَدْلِ" ان تَعَدِلُوا انصاف کے مقابلہ میں اپنی خواہش کی پیروی نہ کر دو۔

قیام عدل

کی وارداتیں ہیں مگر مجرموں کو کیفر کموار تک کیوں نہیں پہنچایا جا رہا۔ لاکھ دو لاکھ پٹے رشوت و دیگر قاتل کو چھڑا لو۔ چور کو بڑی کی لور۔ عدالتوں میں صحیح شہادت پیش نہیں ہوتی اور جج صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے۔ اور اگر کوئی مقدمہ پایہ تکمیل تک پہنچ ہی جاتا ہے تو اسپر عمل درآمد کہاں تک ہوتا ہے یہ سب نا انصافی کی باتیں ہیں ایک عدالت کا فیصلہ دوسری عدالت بدل دیتی اور دوسری کا فیصلہ تیسری عدالت میں منسوخ ہو جاتا ہے تو مظلوم کو انصاف کہاں ملے گا، اسی مشکلات کا حل کہاں سے میسر ہو گا اور دنیا امن کا گوارہ کیسے بنے گی؟

فرمایا شہادت کے معاملہ میں نہایت احتیاط سے کام لو وَلَا تَتْلُوا اگر تم زبان کو موڑو گے أَوْ تَعْرِضُوا یا اعراض کرو گے، مطلب یہ کہ شہادت کو توڑنے موڑنے کے لیے اپنی زبان کو اس طرح مت حرکت دو کہ اس سے معافی تبدیل ہونے کا احتمال ہو اور شہادت ہی غلط ہو جائے نیز یہ کہ شہادت کی ادائیگی سے گریز بھی نہ کرو۔ اگر شہادت مکمل نہیں ہوگی جج کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکیگا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر تم شہادت کے معاملہ میں زبان کو پھیرو گے یا اعراض کرو گے فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے اگر تم گواہی دیتے وقت کج زبان استعمال کرو گے یا جان بوجھ کر شہادت کو چھپاؤ گے، یا گواہی دینے سے اعراض کرو گے تو خود مجرم بن جاؤ گے۔ سچی گواہی نہ دینا بذات خود ظلم کی حمایت کرنا ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو خدا تعالیٰ تو بہر حال تمہاری نیتوں اور اردوں تک کو جانتا ہے۔ وہ خود تم سے نمٹ لے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ
الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ
قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ
وَرَسُولِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا
ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور اس کتاب پر جس
کو اُس نے نازل کیا ہے اپنے رسول پر اور ہر اس کتاب پر جس کو نازل کیا ہے اُس نے
اس سے پہلے۔ اور جو شخص کفر کریگا اللہ کے ساتھ، اس کے فرشتوں
کے ساتھ۔ اسی کتابوں کے ساتھ، اس کے رسولوں کے ساتھ۔ اور قیامت
کے دن کے ساتھ، پس بیشک وہ گمراہ ہوا، اور گمراہی میں دور
جا پڑا ﴿۱۳۶﴾ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور پھر انہوں نے کفر کا راستہ
اختیار کیا، پھر ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے
گئے، نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ اُن کو بخش دے۔ اور نہ اُن کی

راہنمائی کریگا (سیدھے) راستے کی طرف ﴿۱۳۷﴾

گذشتہ درس میں انصاف پر قائم رہنے کی تقیین کی گئی تھی کیونکہ یہ ایک اہم اصول ہے
پھر اللہ نے فرمایا کہ گواہی اللہ کیلیے دو خواہ وہ خود تمہاری ذات کے خلاف ہو یا تمہارے

والدین یا تو ان کے خلاف ظاہری اور باطنی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ گویا کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا اور
 ان کو لوٹا کر کہ نہایت بڑا گناہ ہے اور کوشش نہ کرنا اور ہی گمراہی سے
 اجراس کہ وہ بلکہ ہر حالت میں عدل و انصاف کے قاعدہ کو۔ انصاف کے بغیر
 دنیا میں لین دین و پیمانہ نہیں ہو سکتا۔ اگر عدل میں ہوگا تو ظلم و زیادتی کی حکمرانی
 ہوگی اور انسان خرابی اور زیادتی میں مبتلا رہیں گے انصاف ایک بنیادی اصول ہے
 جسے اختیار کرنے کا حکم آیا گیا۔ اسے آج کی آیات میں وہ اصل الاصول بیان
 کیے گئے ہیں جن پر دین، شریعت اور اخلاق کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 ان بنیادی اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کی ہے۔

ارشاد فرماتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ** ایمان والو! اللہ سے
 ایمان لاؤ۔ یہاں پر **اتَّقُوا** اور **اتَّقُوا** دو لفظ آکھٹے ہیں۔ اور یہ اشکال
 پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایمان والوں کو خطاب کر کے پھر اُنہی سے ایمان لانے کا
 مطالبہ کیسے کیا جا رہا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ **اتَّقُوا** سے عام
 مومنین مراد ہیں، خواہ وہ مخلص ہوں یا غیر مخلص اور **اتَّقُوا** کا حکم صرف غیر مخلص
 مومنین سے ہے جو ابھی تک اپنے ایمان میں غلوں پیدا نہیں کر سکے بلکہ ڈالرائزڈل
 ہیں۔ کبھی ایمان کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کبھی کفر کی طرف۔ منافقین جو محض
 زبان سے ایمان کے دعویدار ہیں اور دل میں ایمان کیخلاف بغاوت ہے اور جن کے
 نتیجے میں اسلام کے خلاف ظاہری اور باطنی تدبیریں کرتے رہتے ہیں، وہ بھی اس
 خطاب کے محتاط ہیں اور انہیں حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ گو مومنی کی کیفیت کو
 چھوڑ کر ایمان کو مکمل طور پر اختیار کر لو۔ اور اس خطاب کی دوسری توجیہ یہ ہو سکتی
 ہے کہ یہ خطاب عہد الست کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 ازل میں پورے عالم اروج سے دریافت کیا تھا **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** کیا میں تمہارا
 پروردگار نہیں ہوں؟ کہ سب نے بیک زبان جواب دیا تھا **فَاتَّقُوا اللَّهَ**
 مولا کریم! کیوں تمہیں! تو یہی ہمارا رب ہے۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں

مومنین
 خطاب

کو یہ عمدہ یاد دلایا ہے کہ جب انزل میں تم مجھ پر ایمان لایچکے ہو تو اب اس مادی
جہاں میں پہنچ کر بھی مجھ پر دل و جان سے ایمان لاؤ تاکہ اس ایمان کا صحیح نتیجہ
مرتب ہو سکے۔

ایمان پر
مداومت

تاہم عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس خطاب کے مخاطبین میں تمام
اہل ایمان شامل ہیں۔ اور اہل حق کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان
لا چکے ہو، اس ایمان پر مداومت اختیار کرو۔ اور اس میں کسی قسم کا خلل نہ آنے
دو۔ ظاہر ہے کہ ایمان لانے کے بعد جب کوئی شخص، کفر، شرک، نفاق یا کھاد
کی کوئی بات کرے تو اس کے ایمان میں خلل آتا ہے۔ اسی خلل کو دور کرنے
کے سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امرت کے نام فرمان ہے **حَبِّدْ دُؤَا
اِیْمَانِکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** یعنی کلمہ طیبہ کا اعادہ کرنے کے اپنے
ایمان کی تجدید کر لیا کرو۔ اسی کلمہ کو حضور علیہ السلام نے افضل الذکر بھی فرمایا ہے کہ
یہ تجدید ایمان کا ذریعہ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا
کہ جو شخص غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائے **فَلَيْسَ قُلَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** اُسے فوراً
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر اپنی غلطی کا تدارک اور ایمان کی تجدید کر لینا چاہیے۔ ایمان
میں اکثر خرابی آتی رہتی ہے کافر، مشرک تو ایسے ہی ایمان سے خالی ہیں، مگر ایمان
کے دعویداروں میں سے بھی ایک قلیل تعداد ایسی ہے جو ایمان کے ساتھ صحیح طور
پر متصف ہے، اگر نہ اکثریت کے ایمان میں خلل موجود ہے اس لیے اللہ تعالیٰ
نے تاکید فرمایا کہ اے ایمان والو، ایمان لاؤ یعنی اپنے ایمان میں اخلاص پیدا کرو
اس سے خلل کو دور کرو اور اس پر مداومت اختیار کرو۔

ایمان اللہ

انسانوں کی اصلاح کے بنیادی اصولوں میں سے سب سے اہم اصول
ایمان ہے اور پھر ایمان کی جنمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی
تشریح بیان کی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا **اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ** اللہ پر ایمان لاؤ یعنی
اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ۔ اور ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی

ہیں۔ صفات پر ایمان لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ذات پر ایمان لانا۔ چنانچہ ایمان کے متعلق پچوں ٹبروں سب کو پڑھایا جاتا ہے اَمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ یعنی میں ایمان لایا اللہ کے ساتھ جیسا کہ اُس کے اسمائے پاک ہیں اور جن صفات کے ساتھ وہ متصف ہے، میں اُن سب پر ایمان لایا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب شیطان تمہارے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور تمہارے ایمان میں خلل اندازی کا خطرہ ہو، تو فوراً کہہ دیا کرو اَمَنْتُ بِاللّٰهِ یعنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو مانتا ہے مگر اُسے صفات سے عاری تسلیم کرتا ہے جیسے فرقہ مغنزلہ میں سے معطلہ فرقہ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا نام بھی اسی طرح کا فر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کمال صفات کا مالک ہے، وہ تمام صفات حمیتہ کے ساتھ متصف ہے۔ اللہ کا ذاتی نام تو ایک ہی ہے اور رحمان، رحیم، کریم، قدوس، جبار، وہاب وغیرہ اس کے صفاتی نام ہیں جو اُس کی صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور ہر صفت کسی نہ کسی تجلی کی منظر ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اُس کی صفات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

فرمایا ایمان لاؤ اللہ پر وَرَسُولِهِ اور اس کے رسول پر علم عقاید میں رسول کی تعریف یہ کی گئی ہے بَعَثَهُ اللّٰهُ لِتَبْلِيغِ الْاَحْكَامِ اِلَى النَّاسِ یعنی رسول وہ انسان ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ شریعت کے احکام پہنچانے کے لیے لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے۔ رسول ایک لحاظ سے عام ہے اور ایک لحاظ سے خاص۔ عام اس طرح کہ انسانوں کے علاوہ فرشتے بھی رسول ہوتے ہیں جیسے فرمایا اللہ يُصْطَفِيْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (سورۃ حج) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے۔ رسول کی خصوصیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ نبی کے مقابلہ میں خاص

ایمان
بالرسول

ہوتا ہے۔ ہر انسان جس پر اللہ کی جانب سے وحی نازل ہوتی ہے، وہ نبی ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے۔ البتہ رسول وہ ہوتا ہے جس پر وحی تو بہر حال نازل ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ اسے کتاب مہنتقل شریعت بھی دی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت اگرچہ کچھ کمزور ہے تاہم قابل لحاظ ہے آپ نے حضور نبی کریم علیہ السلام سے پوچھا، حضور! پہلا نبی کون تھا۔ تو آپ نے فرمایا پہلا نبی آدم علیہ السلام تھے۔ پھر عرض کیا، کیا آدم علیہ السلام نبی تھے، آپ نے فرمایا نَبِيٌّ مِّمَّا لَمْ يَلِدْ نَبِيٌّ تھے۔ اللہ نے ان سے کلام کیا، ان پر وحی نازل فرمائی اور سب سے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق فرمایا وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی آپ اللہ کے رسول اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اور رسول دنیا میں آئے، جن میں سے تین سو پندرہ رسول اور باقی سب نبی تھے۔ جیسا کہ عرض کیا نبی کے لیے مستقل شریعت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ پہلے سے نازل شدہ شریعت کی ہی تبلیغ کرتا ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہزاروں ایسے گوتے ہیں جو صرف تورات کی تبلیغ کرتے ہیں، وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے۔ جسے نئی شریعت، کتاب یا صحیفہ ملتا ہے، وہ رسول کہلاتا ہے۔

ایمان
بالکتاب

فرمایا ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر وَالَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رِسُوْلًا اور اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا۔ الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور مقصد یہ ہے کہ جتنی بھی کتابیں نازل ہوئی ہیں سب پر ایمان لاؤ۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نوجواں کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے جن میں سے چار عظیم کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن ہیں اور باقی صحیفے ہیں، ان میں سے ان تالیفیں صحیفے موجودہ بائبل میں شامل ہیں۔ بہر حال صحائف میں حضرت یونس علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کے صحیفے ہیں۔ جن میں کچھ صحیح اور کچھ غلط ہیں

کیونکہ اہل کتاب کھلانے والوں نے ان میں تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ غرضیکہ کتاب پر ایمان لانے سے مراد تمام کتب سماویہ پر ایمان لانا ہے۔ وَالَّذِي أَنْزَلَ مِنَ قَبْلُ سَعْدٍ سے مراد قرآن پاک سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب اور صحائف ہیں۔

اب آگے ایمان کے مقابلہ میں کفر کی جزئیات اور اس کے صلہ کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ جِوَئِزًا كَرِهَ اللَّهُ لَنَا مَا هُوَ اللَّهُ كَا۔ یعنی جو شخص اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان نہیں لانا اس کا صلہ اور نتیجہ آخر میں بیان ہوگا۔ اللہ کی صفت میں اس کی مقرر کی ہوئی تقدیر بھی ہے۔ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ هَ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ تَقْدِيرًا كُوْمَقْدَرًا كَرِهَ وَالْاٰخِرُ اللّٰهُ تَعَالٰی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے ہو رہا ہے اور آئندہ ہوگا، سب اللہ تعالیٰ کے حکم، ارادے اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ جو تقدیر کا منکر ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ پر ویز جیسا منکر تقدیر ایمان سے خالی ہے کیونکہ اس نے اللہ کی صفت کا انکار کیا ہے۔

فرمایا جو انکار کرتا ہے اللہ کا وَصَلِبِ كِتَابٍ اور اس کے فرشتوں کا فرشتوں کا انکار کرتا بھی ایمان کے منافی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش سے لاکھوں، کہڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا کیا۔ یہ ایک لطیف مخلوق ہے اور بنی نوع انسان کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات حد درجہ بلند و بالا ہے اس نے اپنا فیض انسانوں تک پہنچانے کے لیے فرشتوں کو مقرر کیا ہے۔ اللہ کا پیغام فرشتے ہی بنی نوع انسان تک پہنچاتے ہیں۔ جو شخص فرشتوں کے وجود کا انکار کرتا ہے۔ وہ بھی ایماندار نہیں۔ پر ویز اور مشرقی و مغربی منکرین ملائکہ میں سے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ انسان کی اچھی صفت کا نام ملائکہ اور غصبی قوت کا نام شیطان ہے۔ اس قسم کی ملحدانہ تاویلیں انکار ملائکہ پر مبنی ہیں اور

کفر اور
اس کا صلہ

انکار ملائکہ

ایسے شخص کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہیں، ان کے اجسام ہیں جن میں روہیں ہیں، ان میں ادراک کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اور ان کو بالفعل کمال حاصل ہے۔ اسی طرح شیطان کا بھی وجود ہے ان میں سے ہر ایک کا جسم اور روح ہے، وہ بھی ادراک و شعور رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں صراحتاً موجود ہے۔ لہذا ان کے انکار پر مبنی تاویلین کرنے والا ملحد اور کافر شمار ہوگا

انکار کتب

فرمایا جو انکار کرتا ہے اللہ کا، اس کے فرشتوں کا و کتبہ
 اور اس کی کتابوں کا۔ ایمان کے سلسلے میں کتاب واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا تھا، آں کتب میں جمع کا صیغہ ہے۔ اور مقصد یہ ہے۔ کہ جتنی بھی آسمانی کتابیں ہیں ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی انسان پر کفر لازم آنے کے لیے کافی ہے۔ سورۃ بقرہ میں آچکا ہے "وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ مِمَّا نَزَّلَ فِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ" جو نبی آخر الزمان پر نازل ہوئی اور جو اس سے پہلے دیگر انبیائے کرام سے کر آئے تمام کتب سماویہ برحق ہیں، اللہ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے نازل فرمائیں اور ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ اور ایمان صرف اس چیز پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توہرات اور انجیل کی صورت میں نازل فرمایا یا دوسرے انبیاء پر جو کچھ نازل کیا۔ بعد میں اہل کتاب نے جو تحریف کردی ہے، اس پر ہمارا ایمان نہیں۔ تحریف کو خود عیسائیوں نے ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ کہ انجیل میں ہزاروں غلطیاں موجود ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا بعض کافر اور مشرک بھی کہتے تھے "مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِمَّا سُبْحٰنَ" اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ وہ لوگ تمام کتب سماویہ کا انکار کرتے تھے، تو فرمایا جس نے کتابوں کا انکار کیا۔

انکارِ رسل

فرمایا وَمُرْسَلًا جس نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کو انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔ ان کی تصدیق

کرنا اور ان پر ایمان ضروری ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان میں سے کسی ایک رسول کا انکار تمام کے انکار کے برابر ہے۔ اللہ کے نبی اور رسول اس کے منتخب اور برگزیدہ انسان ہیں۔ اُس نے وحی نازل فرمائی اور انہیں انسانوں کی راہنمائی پر مامور کیا۔ اُن سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ نصاریٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کر کے کافر ہوئے اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کفر کے مرتکب ہوئے۔ وہ تو صرف اُن انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جن کا ذکر کدرات میں موجود ہے، لہذا وہ بھی منکرین کی صف میں شامل ہوئے۔

پانچویں نمبر پر فرمایا **وَالْيَوْمَ الْآخِرِ** جس نے آخرت کے دن یعنی قیامت کا انکار کیا، وہ بھی منکرین کے گروہ میں شامل ہو گیا آخرت پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے۔ اس کے بغیر انسان مومن نہیں ہو سکتا بلکہ کافر ہی ہے گا اگرچہ وہ باقی چیزوں پر ایمان لے آئے۔ قیامت کا دن جزائے عمل کا دن ہے۔ اس دنیا میں کیے گئے ہر کام کی جزا یا سزا کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ اگر اُس کا انکار کر دیا جائے تو دین کی ساری عمارت ہی مہدم ہو جاتی ہے۔ جزا و سزا کا تصور ہی انسان کو احکام الہی پر عمل کی ترغیب دیتا ہے۔ جب اسی پر ایمان ختم ہو گیا تو اور کوئی بھی کا تمام تصور ختم ہو گیا، لہذا قیامت پر ایمان لانا بھی ضروری ٹھہرا۔

الغرض یہاں پر تمام اجزائے ایمان کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا جس نے کفر کیا اللہ کے ساتھ، اس کے فرشتوں کے ساتھ اس کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ اور جس نے قیامت کے دن انکار کیا **فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا** وہ شخص گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں دور جا پڑا۔ مطلب یہ کہ ایمانیات کا انکار کرنے والے کا صلہ یہ نکلا کہ وہ اصل راستے سے ہٹ گیا۔

اگلی آیت میں بار بار ایمان لانے اور بار بار کفر کرنے کا بیان ہے۔ بعض مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اعتقادی منافقوں کے متعلق ہے اور بعض

انکار
قیامت

مترتین
سکا کردار

دوسرے فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے باسے میں نازل ہوئی تاہم بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس مرتد پر صادق آتی ہے جو ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد ہمیشہ کے لیے مرتد ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
 إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بَشِكَّ وَهَ لَوْ كَفَرُوا وَابْطَغُرُوا
 انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا، جیسا کہ منافقین یا اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ اہل کتاب حضرات عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے مگر جب حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا زمانہ پایا تو صاف انکار کر گئے۔ یہ لوگ کافر ہی رہیں گے فرمایا ثُمَّ كَفَرُوا پھر ایمان لائے ثُمَّ كَفَرُوا پھر انکار کر گئے یعنی ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد کسی نے کفر کیا مگر پھر ایمان لے آیا تو اس کی توبہ قبول ہے۔ لیکن جو مستقل طور پر مرتد ہو گیا ثُمَّ اَزْدَادُوا كُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ وہ خذلان کا شمار ہو گئے۔ ایسے لوگ ایمان سے کھیلنے بہتے ہیں اور آخر کار ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا كَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو معاف نہیں فرماتا کیونکہ وہ کفر پر سنجتہ ہو جاتے ہیں۔ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا كُوْنُ لِيَعْرِضَ يَحْيَىٰ تَوْبَةَ تَوْبَةِ نَزْعِ كَيْ حَالَتِ سے پہلے پہلے قبول ہے۔ اللہ معاف فرما دیتا ہے۔ مگر جو لوگ کفر میں اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کی دلچسپی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی معافی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ حُرًّا سَبِيلًا اور نہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت کے طالب ہی نہیں ہوتے۔ وہ کسی خود غرضی یا کسی کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے ایمان لاتے ہیں مگر جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر کفر کا راستہ پکڑ لیتے ہیں اور اس طرح دائمی محرومی کا شمار ہو جاتے ہیں اب اگلی آیت میں عقائد کی مناقول کے متعلق بعض تفصیلات بیان ہوں گی۔

بَشِيرِ الْمُنْفِقِينَ بَانَ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ
يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
أَيْتَنُونَ عَنْهُمْ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾
وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ
آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيَسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا
مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِنَّمَا
إِذَا مَثَلَهُمْ إِنْ اللَّهُ جَامِعُ الْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرِينَ
فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ
فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ
نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ
قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُمْ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: آپ منافقوں کو خوشخبری سنا دیں کہ بیشک
اُن کے لیے درد ناک عذاب ہے ﴿۱۳۸﴾ وہ (منافق) جو بناتے

ہیں کافروں کو اپنا ساتھی مومنوں کے سوا، کیا یہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزت، پس بیشک عزت اللہ ہی کے لیے ہے سب کی سب (۱۳۹) اور تحقیق اٹارا ہے اُس نے تم پر کتاب میں (یہ حکم) کہ جب تم سُنو کہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے، پس نہ بیٹھو اُن کے ساتھ یہاں تک کہ وہ گھس جائیں، اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں بیشک تم اُس وقت اُن جیسے ہو گے تحقیق اللہ تعالیٰ اکٹھا کر نیوالا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو (۱۴۰) وہ جو انتظار کھتے ہیں تمہارے بارے میں اور اگر تم کو فتح نصیب ہو اللہ کی جانب سے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کا حصہ ہو، تو کہتے ہیں کیا ہم نہیں غالب آگئے تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں حفاظت کی تمہاری منزلوں سے پس اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہیں بنایا اللہ نے کافروں کے لیے مومنوں پر کوئی راستہ (۱۴۱)

گذشتہ درس میں ایمان کی تفصیلات بیان ہوئی تھیں۔ اللہ نے ان اجزائے ایمان کا ذکر کیا جن پر ایمان لانا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مرتدین کا ذکر کیا، جو ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ بار بار ایمان لاتے اور بار بار پھر جاتے ہیں، ایسے لوگ اکثر محروم ہوتے ہیں اُن کی لعنہ میں معاف نہیں ہوتیں۔ اور نہ ہی صحیح راستہ ملتا ہے ویسے اسلامی حکومت میں مرتد کے لیے حکم یہ ہے۔ کہ اُس پر اسلام پیش کیا جائے، علماء کو جمع کر کے اگر کوئی غلط فہمی ہے تو اُسے دُور کیا جائے، اگر وہ مان جائے تو اس سے توبہ کر کے دوبارہ

اسلام میں داخل کیا جائے۔ اور اگر اس کے باوجود ایمان لانے پر آمادہ نہ ہو، تو ایسے غدار ملت کے لیے مزلے موت واجب ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایسے کئی کیس آئے جن میں مزلے موت دی گئی۔

مرتدین کے بعد آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ منافقوں کی دو قسمیں ہیں یعنی اعتقادی منافق اور عملی منافق۔ اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے مگر دل کفر سے لبریز ہو، اعتقادی منافق کافروں کی بدترین قسم ہے۔ حقیقت میں یہ کافر ہی ہوتے ہیں مگر انہیں منافق اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زبان سے اقرار ایمان کرتے ہیں۔ منافقوں کے ساتھ سلوک بھی کفار سے مختلف ہوتا ہے۔ کفار کے ساتھ تو علی الاعلان جہاد کا حکم ہے مگر منافق چونکہ بظاہر کلمہ گو ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے متعلق حکم ہے **وَأَعْلَظْ عَلَيْهِمْ** یعنی ان پر زبانی طور پر سختی کی جائے تاکہ لوگ ان سے محتاط ہو جائیں، یہ لوگ ریشہ دو انیاں کرتے ہیں اور دین کو نقصان پہنچاتے ہیں! بہر حال آج کے درس میں اللہ نے انہی منافقوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی کارگزاری بیان کر کے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے اور پھر ان کے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **كَيْسِي الْمُنَافِقِينَ** منافقوں کو بشارت سنا دیجئے بشارت کا معنی عام طور پر خوشخبری ہوتا ہے اور یہ خوشی کے موقع پر دی جاتی ہے مگر یہاں پر توہ عذاب الیم کی خبر دی جا رہی ہے۔ بشارت کا لفظ یہاں خاص طور پر منافقوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بشارت کا لفظ بطور تحکم استعمال ہوا ہے۔ چونکہ منافق بدترین قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہیں استہزاء کی شکل میں خطاب کیا گیا ہے۔ کہ ذرا انہیں درزنانک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں بشارت کا معنی ردیاتی خوشخبری نہیں بلکہ محض خبر ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ ان منافقین کو

منافقوں
کے لیے بشارت

خبردار کر دیا جائے کہ وہ بدترین انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا، کہ منافقین کو خوشخبری دے دیجئے۔ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا لَّيْسَ لَهُمْ فِيهِ رُحْمٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُغْلَبُونَ۔ انہیں ان کے نفاق کا بدلہ مل کر رہے گا۔

فرمایا منافقین وہ لوگ ہیں الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكُفْرَانَ كِبَارًا كَفَّارًا

مَنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں منافقوں کا کام ہی ہوتا ہے کہ کبھی اور سزا یا نکی کبھی اور کبھی ایک شخص اختیار کیا کبھی دوسرا شخص اور صحر کی بات اور حلقہ دی۔ انہی کا گرفتاری ایسی ہی ہے۔ حالانکہ دوستی تو ہمیشہ

مومنوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ایک مومن کی دوستی کا اثر اور منافق کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دونوں کا نصب العین مختلف ہے، ان کی منزل مقصود جدا جدا ہے۔ اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اہل ایمان منافقوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور رواداری سے تو پیش آسکتے ہیں مگر ان کے ساتھ دلی دوستی نہیں کر سکتے، اگر ایسا کریں گے تو ان کے اپنے ایمان میں خلل واقع ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مومنوں کے علاوہ منافقوں کو دوست نہ بناؤ۔

عزت کی تلاش

فرمایا اَيُّدْعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ لِمَا كَفَرُوا بِهِمْ وَمَا فِي قُلُوبِهِمْ لَأَسْفٰهُنَّ۔ کیا تم کفار کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہو، عزت کا معنی اُتوت اور غلبہ ہوتا ہے۔ عزت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جس کا معنی اُتوت والا اور کمال قدرت کا مالک ہے۔ بخوبی معلوم ہے مَنْ عَزَّيْبٌ جَوْ غَالِبٌ ہوتا ہے وہ دوست پر چھا جاتا ہے۔ الغرض بمنافقوں کو فرمایا کیا تم کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہو، بلکہ حقیقت حال یہ ہے فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ساری عزت تو اللہ کے پاس ہے۔ الْعَزِيزُ تُو خد تعالیٰ ہے۔ تم عزت کی تلاش میں کہاں مائے مارے پھرتے ہو، اللہ تعالیٰ خود بندے کی زبان سے کہلاتے ہیں وَتَعَزُّوْنَ مِنْ شَأْنِهِ وَتَنْزِلُ مِنْ شَأْنِهِ

اے مولا کریم! تو ہی جسے چاہے عزت مے مے اور جسے چاہے ذلیل مرنوار
 کہ مے۔ الْمَعْرُوفُ وَالْمَعْرُوفُ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ وہ جسے
 چاہے غلبہ عطا کر مے اور جسے چاہے مغلوب کر کے رسوا کر مے۔ تو فرمایا
 عزت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور پھر
 اہل ایمان کے لیے ہے۔ عزت ایمان اور نیکی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے مجھ
 منافق اس کی تلاش میں کافروں سے دوستی کرتے ہیں، انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اہل باطل
 کی مجلس

فرمایا منافقین اپنے مذموم مقصد کے حصول کے لیے اہل باطل کی مجلس میں
 جاتے ہیں اور ان کی خوشامد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔ وَقَدْ
 نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ کہ اُس نے کتاب یعنی قرآن پاک میں
 تمہارے لیے یہ حکم نازل فرمایا ہے۔ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا کہ جب تم اللہ کی آیات کے ساتھ
 کفر اور استہزاء کو سنو فلا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ تُوَان لُوگوں کے
 پاس مت بیٹھو۔ حَتَّىٰ يَخْوُضُوا فِي حَدِيثِ عَيْنِهِ بیان تک
 کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفار کی مجلس
 میں آیات الہی اور شعائر دین کا انکار کیا جا رہا ہو اور ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا جا رہا
 ہو تو ایسی مجلس میں ہرگز نہ بیٹھو کہ یہ غیرت اسلامی کے خلاف ہے اور اگر وہاں
 دین پر طعن و تشنیع کرنے کی بجائے کوئی دوسری بات ہو رہی ہو تو پھر تمہیں وہاں
 بیٹھنے کی اجازت ہے۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل باطل
 کی مجلس میں جانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر ایسی مجلس میں احکام الہی اور آیات اللہ
 کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو اور وہاں بیٹھنے والا اس کو پسند نہ کر رہا ہے تو وہ
 بھی کافر ہو گیا۔ اور اگر وہ شخص دین کی توہین کر دل سے تو پسند نہیں کرے تا مگر وہاں
 پر بلا وجہ بیٹھا بھی رہتا ہے تو وہ فاسق ہے۔ البتہ اگر وہ کسی مقصد کی خاطر وہاں

بیٹھا ہے۔ مجبور ہے، مگر دل سے تو میں آمیز باتوں کو برا سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا بیٹھنا مباح ہے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ بیٹھنے والا شخص اس نیت کے ایسی مجلس میں بیٹھا ہے کہ دین کے حق میں تبلیغ کرے تو پھر اس کا بیٹھنا عبادت میں شمار ہوگا۔ بہر حال فرمایا کہ کافروں کے پاس بلاوجہ مرت بیٹھو، کیونکہ اگر ایسا کر دو گے۔ اِنَّكُمْ رَاذٍ مِّثْلَهُمْ تو تم بھی اپنی کی طرح ہو جاؤ گے۔ وہ قرآن پاک اور اللہ کے نبی کا استہزاء کرتے ہیں اور تم ان کی مجلس میں شریک ہوتے ہو، تو تم بھی ان کی طرح سخت گنہگار ہو گے، حالانکہ مومن کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يَجْلِسُ عَلٰی مَا يَدُوْا يَدَاْرِ عَلِيْهَا الْخَمْرُ جَوْشَخُشَ اللّٰهِ پراور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے ایسی جگہ بیٹھنا درست نہیں جہاں شراب کا دور چل رہا ہے۔ اگرچہ یہ خود نہیں پیتا مگر شرابیوں کی مجلس میں بیٹھنے سے بھی منع فرمادیا۔ مقصد یہ کہ جہاں برائی کا کام ہو رہا ہو، اس کے قریب نہیں جانا چاہیے اس لیے اہل باطل کی مجالس میں بلاوجہ جانے کا حکم نہیں ہے۔

اسلام کے
ساتھ استہزاء

باطل قومیں اسلام کے ساتھ استہزاء کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ جہاں اللہ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا ہو رہا ہو، مومن کی شان نہیں ہے کہ وہاں جائے مگر اب تو ایسی مجلسوں میں جانا فیشن بن چکا ہے۔ کفار خصوصاً یہود، ہنود اور نصاریٰ نے اسلام کی تذلیل کے لیے کئی طریقے نکالے ہیں۔ خاص طور پر یہودی اس معاملہ میں بہت آگے ہیں۔ تقریباً پانچ سال پہلے اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ یورپ کی منڈلیوں میں عورتوں کے ایسے انڈر ویر (ذریعہ) موجود ہیں جن پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ بعض خبیثوں نے ایسی قمیصیں تیار کیں جن کے پچھلے حصے پر آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے اور جب آدمی بیٹھتا ہے تو آیت الکرسی والا حصہ نیچے آجاتا ہے یہ یہودیوں کی سازش ہے تاکہ اہل ایمان کو اذیت پہنچے۔ گذشتہ دنوں ایسی ماچس تیار کی گئی جس پر کلمہ طیبہ لکھا۔ لوگ ماچس

استعمال کر کے ڈبیہ بھینک دیتے اور اس طرح کلمہ طیبہ کی توہین ہوتی تھی کیسب ارسلان نے اپنی کتاب حاضری العالم الاسلامی میں لکھا ہے کہ گذشتہ صدیوں کے دوران انگریزوں اور امریکیوں نے اسلام کے خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع کیں۔ شکیب ارسلان جرمن میں مقیم تھا، وہ یورپ کے حالات سے واقف تھا، اور ان کے خلاف لکھتا رہتا تھا۔ انگریز کا سخت مخالف تھا، جلاوطن بھی رہا، ترکوں کے زمانے میں ہسپتالوں کا انچارج تھا۔ جنگ عظیم میں شکست کے بعد یورپ میں پھرتا رہا، بڑا جاگیردار تھا مگر مسلمان ہونے کی وجہ سے سزا کا شکار رہا۔ مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لیے ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام احمد رکھا۔ دنیا بھر میں احتجاج ہوا تو اس نے معذرت کر لی کہ اُسے علم نہیں تھا، غلطی سے ایسا ہوا۔ اسی طرح ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے متعلق (العیاذ باللہ) لکھ کر کا لفظ استعمال کیا تھا۔ یہ سب اسلام اور مسلمانوں کے استہزاء کے طریقے ہیں جو اختیار استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، یا دُرُجُوهَا! اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا ۗ اَللّٰهُ تَعَالٰی اِن مِّنْ اَفْقُوْنَ اَوْ کَافِرُوْنَ سَبَّ کُوْجِهِنَّمْ فِیْ اَکْثَحَا کَرِهَتْ وَاَلَا یَعْلَمُ ۗ اَعْتَقَادِیْ مَنَافِقُوْنَ کَاْثَمٌ کَا نَا لَازِمًا جَهَنَّمَ ۗ اِن کَع دِل اِیْمَان سَع خَالِیْ هِیْ اَوْ اِن کَا کُتْمٌ جُوْرٌ کُفَا رَ کَع سَا مَحْتَمَلٌ ۗ

ان منافقین کی خباثتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا اَلَّذِیْنَ یَاْتُرِبْصُوْنَ بِکُمْ یَرِ لُوْکٌ تَمَآءٌ بَا ءٌ یَسْ غُرُوْشُوْکَا اَنْتَظَارُ کَرْتِیْ هِیْ فَا نُّ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ اَکْثَمَ اِگر تمہیں فتح حاصل ہو جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو فوراً قبول اٹھتے ہیں، کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ یعنی ہم تو تمہاری ہی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وَاِن کَانَ لِّلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۗ اَوْ اِکْرَمُ کَافِرُوْکُوْکُچھ حصہ مل جائے، اُن کو کہیں غلبہ حاصل ہو جائے۔ قَالُوْا تو کہتے ہیں۔

دوٹلی
پالیسی

ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بزرگان دین کا مقولہ ہے **اللَّهُ نِيَا جَيْفَةٌ وَطَالِبُهَا**
صَلَابُجٌ یعنی دنیا ایک مردار ہے اور اس کے طالب کہتے ہیں۔ جو لوگ
 دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں ان کی حیثیت کتوں جیسی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ
 ہے کہ دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو مگر ہم نے اس سبق کو فراموش کر دیا ہے۔ آج
 مسلمان عیاشی اور فحاشی میں مبتلا ہو کر قرآن کا پروگرام فراموش کر چکا ہے جس کی
 وجہ سے کفار کا دست نگر بن گیا ہے۔ مسلمانوں کی یہ حالت تاتاریوں کے
 زمانہ سے شروع ہوئی اور اب بحیثیت مجموعی اہل اسلام کا قدم پھسل چکا ہے
 اب مشرق وائے مغرب والوں کی خوشامد پر امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کی طرف
 سے امداد کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر جب تک اللہ تعالیٰ خود امداد نہ کرے، ان
 کوئی مدد کر سکتا ہے اور نہ عزت دے سکتا ہے۔ عزت و ذلت تو اس مالک الملک
 کے ہاتھ میں ہے۔ تمہاری عزت تو دین میں تھی جسے تم نے خود اپنے ہاتھوں سے
 گنوا دیا۔

”**الذَّجَالُ قَوْمٌ عَلَى النَّسَاءِ**“ کے مصداق مرد عورتوں
 کے نگران، محافظ اور سرکردہ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے خاوند غالب ہے بیوی
 مغلوب یا ماتحت ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اس آیت سے استدلال کرتے
 ہیں۔ کہ اگر خاوند مرتد ہو جائے، تو بیوی اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اصول یہ
 ہے کہ مسلمان کافر کا مغلوب نہیں ہو سکتا۔ بیوی چونکہ مسلمان ہے لہذا وہ مرتد
 یعنی کافر آدمی کی مغلوب یعنی بطور بیوی نہیں رہ سکتی۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ
 مرتد پر دوبارہ اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ ایمان لے آئے تو ٹھیک
 ہے ورنہ عورت جلا ہو جائیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر کافروں کے لیے
 کوئی راستہ نہیں بنایا، بہر حال اہل ایمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ غیر مسلموں کے
 مغلوب نہ ہوں۔ یہ مقصد قربانی اور آخرت طلبی سے حاصل ہوگا۔ مگر افسوس
 کہ آج مسلمان دنیا کے طالب ہو کر آخرت کو بھول چکے ہیں۔ آخرت کا طالب

مرتد اور
نکل

کوئی خال خال ہی نظر آتا ہے، وگرنہ سب کھیل تماشے اور لہو ولعب میں مشغول ہیں۔ آج جو چند لوگ دین کی تعلیم حاصل بھی کرتے ہیں وہ بھی دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں اور نوکری کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں دین کو غالب کرنے کی تڑپ ختم ہو چکی ہے۔ اسلام کو سیاسی غلبہ جنگ صلیب تک حاصل رہا مگر اس کے بعد اہل اسلام کا زوال شروع ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے منافقین کا راستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اب اگلی آیات میں منافقین کی مزید مذمت اور ان کے انجام کا ذکر ہے اور اہل ایمان کے لیے مزید تبلیغ ہے۔

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا
 قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ
 وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ مَذْبذِبِينَ بَيْنَ
 ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضِلِّ
 اللَّهُ فَمَا لَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ
 الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ
 سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ
 الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ صٰبِرِينَ ﴿١٤٥﴾
 إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا
 دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ
 يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ
 اللَّهُ بِعٰذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ
 اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

ترجمہ: بیشک منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ کے ساتھ

اور وہ ان کو ان کی دغا بازی کا بدلہ دیتا ہے اور جب یہ

منافق کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف، تو کھڑے ہوتے ہیں سست دکھادا کھرتے ہیں لوگوں کے سامنے، اور نہیں یاد کرتے اللہ تعالیٰ کو مگر بہت تھوڑا (۱۴۲) یہ اس کے درمیان متردہ ہیں، نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف، اور جس شخص کو اللہ بھگائے، پس ہرگز نہ پائیگا تو اس کے لیے کوئی راستہ (۱۴۳) لے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر، کیا تم چاہتے ہو کہ بناو اللہ کے لیے تمہارے اوپر صریح الزام (۱۴۴) بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ان کے لیے ہرگز نہ پائے گا کوئی مددگار (۱۴۵) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور انہوں نے اپنے دین کو خالص بنایا اللہ تعالیٰ کے لیے، یہی لوگ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور عنقریب اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بہت بڑا اجر دے گا (۱۴۶) کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر اگر تم شکر گزاری کرو گے اور ایمان لاؤ گے اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۴۷)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سزا کا ذکر کیا تھا کہ کافروں اور منافقوں کے سب کو جہنم میں اکٹھا کیا جائے گا، منافق لوگ کافروں کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں اور ان کو اپنا دوست اور رفیق بناتے ہیں ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں تاکہ گمراہی آنے کی صورت میں ذلیل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی رد فرمایا، اور صاف حکم دیا کہ جب اللہ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا جا رہا ہو، تو ایسی مجلس میں کسی مومن کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ کافروں کی مجلس میں جا کر ان کی خوشامد کہتے ہیں اور مومنوں کے پاس آ کر ان کی چالوسی کرتے ہیں تاکہ ان دونوں گروہوں میں سے

جن کا پہلو غالب ہو، اسی کے ساتھ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دوغلی پالیسی کی مذمت بیان فرمائی۔ اب آج کے درس میں منافقین کی مزید کارگزاریوں اور اُن کے انجام کا ذکر فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ بَشِئْخَ مَنْفِقٍ
لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکہ دیا جاسکتا ہے جب کہ وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ دھوکہ تو ناواقف آدمی کھاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات تو اعلیٰ و ارفع اور اُن چیزوں سے پاک ہے، پھر اللہ کو دھوکہ دہی کا کیا مطلب؟ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی دھوکہ باز کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ہیرا پھیری کرتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ لظاہر اسلام ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس دوغلی پالیسی سے وہ

اہل ایمان اور خود اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر وہ فرماتا ہے وَهُوَ خَادِعُهُمْ
کہ اللہ بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ جیسا وہ اللہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس مقام پر خَادِعُهُمْ مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔
کہ جس طرح وہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اُن کو ویسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ منافقوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے نفاق کو نظر ہر فرما دیتا ہے اور وہ خود بھی اپنے اعمال سے اس کا ثبوت پیش کر دیتے ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ کفار کا سا سلوک کرنے کا حکم نہیں۔ کفار کے ساتھ ہمیشہ حالت جنگ کا معاملہ ہوتا ہے، مگر منافقوں کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک ہی کیا جاتا ہے۔ جس طرح مخلص مسلمانوں کی مال، جان، عزت، آبرو محفوظ ہوتی ہے، اسی طرح منافقوں کو بھی امان حاصل ہوتی ہے۔ تو اُن کو اُن کے نفاق کے حال پر ہی چھوڑ

دھوکہ دی

دینا ان کے ساتھ دھوکہ ہے کہ وہ اس خیال میں بہتے ہیں کہ مسلمان ان کے اصل حال سے واقف نہیں اور وہ کفار کے ساتھ بھی گھٹے جوڑ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ناکام ہارے ہیں اور یہی ان کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہے جسے وہ سمجھنے سے عاری ہیں۔

نماز میں
سستی

آگے منافقوں کی کچھ غلط کارگزاری بیان ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
کہ ان کی حالت یہ ہے وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى
جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بددلی اور سستی کے ساتھ۔ وجہ
ظاہر ہے کہ ان کا ایمان پختہ ہے اور نہ انہیں نماز کی افادیت پر یقین ہے
وہ تو محض مسلمانوں کو دکھانے کے لیے مسجد میں آجاتے ہیں، تاکہ ان کا نفاق
نہ ظاہر ہونے پائے حضور علیہ السلام نے منافق کی نماز کے متعلق فرمایا کہ انتظار
کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب مکروہ وقت آجاتا ہے تو اٹھ کر چار ٹھونکے مار لیتا
ہے، فرمایا تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ یہ ہے منافق کی نماز۔ ایک
مخلص مومن کے لیے نماز اہم ترین عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے
اس میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی جاتی ہے، یہ گناہوں کو مٹانے والی چیز
ہے۔ مگر منافق اپنی بد عقیدگی کی وجہ سے اسے ضائع کر دیتا ہے، حضرت
مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کہ تم میرے جن منافقین
کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اعتقادی منافق ہیں اور نماز میں سستی کرتے ہیں۔ وگرنہ
سستی تو بعض اوقات مخلص مومن سے بھی ہو جاتی ہے کوئی بیمار ہو یا بھاری
جسم والا آدمی ہو، تو اسے اُٹھنے بیٹھنے میں دقت پیش آتی ہے، سترایا
یہاں پر ایسا شخص مراد نہیں بلکہ وہ اعتقادی منافق مراد ہے جو دیدہ دانستہ
نماز میں سستی کا اظہار کرتا ہے۔

فرمایا منافق کی نماز محض یہ ہے کہ یٰٰكُفْرًا وَنَاسًا وَهُ لَوْ كُنُوا
لَسَانَتُهُ وَكَلْبًا وَكَرْتًا وَكَرْتًا وَكَرْتًا وَكَرْتًا وَكَرْتًا وَكَرْتًا
کیا جائے۔ حالانکہ نماز جیسی عظیم عبادت پر تو ان کا اعتقاد ہی نہیں ہے یہ تو

اُن پر بوجھ ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ریاکاری کی مذمت بھی بیان فرمادی۔ اور
 ساتھ یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ ایک مومن کے لیے ذکر الہی کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔
 دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي
 میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو مگر منافقین کا حال یہ ہے وَلَا يَذْكُرُونَ
اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت تھوڑا، برائے نام،
 بات وہی ہے کہ محض ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں تاکہ لوگ انہیں مومن
 سمجھیں اور اُن کی مال و جان مسلمانوں کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ قرآن و سنت میں
 ذکر الہی کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ گزشتہ آیات میں بھی گزر چکا ہے۔
فَاذْكُرُوا اللَّهَ قَلِيلًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ یعنی اللہ
 کا ذکر کرو قیام کی حالت میں، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے، اللہ نے یہ بھی
 فرمایا وَأَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا كَفَلْتُمُ الْكُفْرَ كَثِيرًا لُفْلِحُونَ اللہ کو کثرت
 سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ بہر حال فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کو یاد بھی کرتے ہیں۔
 تو نے نام اِزَان میں خلوص و محبت کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا۔

فرمایا اِن منافقین کا حال یہ ہے مُذَبَّذِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ اس کے
 درمیان متروک ہیں۔ کبھی اُن کا ٹھکانہ مومنوں کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کافروں
 کی طرف۔ چونکہ بھاری نظر آتا ہے، فوراً اُدھر ہو جاتے ہیں۔ یہ بدسخت اس
 زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ دونوں گروہوں میں یکساں مقبول ہیں اور بوقت ضرورت
 دونوں طرف سے مفاد حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا
لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ درحقیقت یہ لوگ نہ اس طرف ہیں اور
 نہ اُس طرف اور دونوں اطراف سے محروم ہیں، یہ اِن کی مزید بد قسمتی ہے، کہ
 بوقت ضرورت انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے
 بعض لوگوں کے متعلق فرمایا يَعْبُدُوا اللَّهَ عَلَىٰ حَسْرَةٍ (سورۃ حج، یعنی ایک
 کلمے پر عبادت کرتے ہیں۔ اگر کہیں سے مفاد حاصل ہو گیا تو وہ اِلٰہ تک

تذبذب
 کی حالت

پر ایمان لے آئے۔ اخلاص فی الدین کے متعلق ابن ابی شیبہ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے آپ سے پوچھا من المخلص حضرت یہ بتائیں کہ مخلص کون ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا مخلص وہ شخص ہے، جو نبی کا کام کہہ تا ہے مگر اس پر لوگوں سے تعریف کا طالب نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی بھی ہے اَخْلَصُ دِينِكَ يَكْفِيكَ قَلِيلٌ مِّنَ الْعَمَلِ دِينٍ مِّنْ اَخْلَاصٍ بِيَدِ اَكْرَمِ لَوْ تَوَخَّطُ اَعْمَلُ بَعْضِ كَفَايَتِكَ كَرَّ جَانِغًا، اخلاص اتنی اچھی چیز ہے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اگر خلوص ہو تو سبقِ مِائَةِ دَهْمٍ اَيْكٍ درہم جو خرچ کیا جائے ایک سو درہم پر سبقت لے جاتا ہے۔ گویا خلوص کے ساتھ ایک درہم خرچ کرنا یا کاری کے سو درہم سے بھاری ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ اخلاص انسان کو برائی سے روکتا ہے۔

بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے توبہ کر لی، پھر اصلاح کی، اللہ کے دین کو مضبوطی

سے تقام لیا اور پھر محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر دین میں اخلاص پیدا کیا۔

فَاُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ اے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے

مطلب یہ ہے کہ جب نفاق سے تائب ہو کر اللہ کے دین پر خلوص نیت

سے ثابت قدم ہو گئے تو پھر ان کا حشر مخلص مومنوں کے ساتھ ہو گا۔ انہیں

کامل الایمان مومنین کی رفاقت نصیب ہو جائیگی۔ پہلے اسی سورۃ میں گمز چکا ہے

کہ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَاُولَٰئِكَ مَعَ

الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصّٰدِقِيْنَ

وَالشّٰهِدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وہ اللہ کے انعام یافتہ نبیوں، صدیقوں،

شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ خود انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک

میں آتا ہے کہ وہ نیک لوگوں کی رفاقت کی دعا کرتے تھے تَوْفِئِيْ اَسْلِمًا

وَالْحَقِّيْ بِالصّٰلِحِيْنَ اے اللہ! ہمیں اسلام کی حالت میں موت آئے

اور ہمارا حشر نیچو کاروں کے ساتھ ہو۔ فرمایا ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
أَحْسَنَ أَجْرًا عَظِيمًا اللہ تعالیٰ انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ
 کا بڑا احسان ہو گا کہ کسی کو مومنین کی میرٹ نصیب ہو جائے۔ ایسا شخص یقیناً
 مقبولِ خدا اور عظیم اجر کا مستحق ہو گا۔

اعمال کا بدلہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کسی
 شخص کو جو سزا ملتی ہے، وہ اس کی اپنی بد عملی کی وجہ سے ملتی ہے۔ اگر انسان
 ایمان اور توحید پر قائم ہو اعمالِ صالحہ انجام دیتا ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کو بلا وجہ عذاب
 میں مبتلا نہیں کرتا۔ ارشاد ہے مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ
شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ اگر تم نے اللہ کے انعامات کا شکر ادا کیا اور اس
 پر خلوص نیت سے ایمان لائے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزائے کر کیا کریگا۔ اپنے
 بندوں کو عذاب میں مبتلا کر کے اللہ کو خوشی نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو اپنے بندوں سے
 محبت کرنے والا ہے۔ اگر بندے اس کی بغاوت نہ کریں، تو وہ ان کے ساتھ
 نہایت ہی مہربان اور بخشنے والا ہے وہ جو بھی تمہیں سزا دیتا ہے، وہ تمہارے
 اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
 انسانی فطرت اس طرح بنائی ہے کہ اعمال کا بیج اُس کے اندر سے اُٹھتا ہے
 اور پھر اعمال بھی پلٹ کر وہیں جاتے ہیں اور روح کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں
 اور پھر جزائے عمل کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس
 پر شریعت کا قانون نافذ ہو اور اگر وہ قانون کی خلاف ورزی کرے تو
 سزا کا مستوجب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں میکرت اور ہمسیت دونوں
 چیزیں رکھی ہیں۔ اور دونوں کی آپس میں کش مکش جاری رہتی ہے۔ لہذا اس
 کشمکش کا تقاضا ہے کہ انسان کے لیے جزائے عمل واقع ہو۔ اگر کوئی شخص
 یہ کہے کہ نماز کیوں فرض ہے اور زنا کیوں حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ

درندے کے لیے گوشت کھانا کیوں ضروری اور گائے بھڑی کے لیے گھاس
 چھڑنا کیسے لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی فطرت علیحدہ علیحدہ بنائی ہے
 جس کے مطابق وہ اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اگر بھڑی گوشت کھانے لگے
 تو وہ درندہ بن جائیگی۔ اسی طرح اللہ نے انسان میں خیر و شر کی دونوں قوتیں
 رکھی ہیں، جب وہ حدود و قیود کو توڑتا ہے، تو سزا کا مستحق ہو جاتا ہے وگرنہ
 اللہ تعالیٰ کو بلا وجہ سزا دینے میں کیا فائدہ ہے؟

فرمایا اگر تم شکر گزاری کرو گے اور ایمان لاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ یقیناً اچھا
 بدلہ دیگا **وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا** اللہ تعالیٰ شکر گزار ہی کہہ نیوالا
 اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ شکر گزاری کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف
 کی جائے تو اس کا معنی قدر دانی ہوتا ہے اور اگر اس کی نسبت بندے کی طرف
 ہو تو معنی یہ ہوگا کہ انسان اللہ کے احسان کو یاد کر کے دل میں اُس کی قدر کرتا ہے
 اور زبان سے اُس کی تعریف کرتا ہے وہ اپنے اعضا، اور جوارح سے ایسا
 عمل بجا لاتا ہے جس سے اُس کا نعم راضی ہو جائے۔ پھر جب بندہ اپنے آپ
 کو خالصتاً اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اُس کا ہر حکم بجا لاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ
 بھی اسکی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اُس پر راضی ہوتا ہے اور اُس کی قدر کرتا
 ہے۔ قرآن میں آتا ہے **إِنْ تَشْكُرْ وَاتَّقِ اللَّهَ لَأَكْفُرَنَّ لَكَ** اگر تم ایمان لاؤ گے تو خدا
 راضی ہوگا **وَلَا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ** اور کافروں سے راضی نہیں ہوتا
 اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ وہ ہر حالت میں تعریفوں کا مستحق ہے۔ اگر تم اُس کا شکر کرو گے
 اور ایمان لاؤ گے، تو وہ قدر دان ہے وہ اور زیادہ انعام عطا فرمائے گا وہ ہر چیز
 کو جانتا ہے۔ ہر شخص کی نیچی اور برائی اور ان کے درجات تک سے واقف ہے
 اور اُس کے مطابق جزا یا سزا کا سلوک کرتا ہے۔

النساء ۴

لا یحب الله ۶

آیت ۱۴۸ تا ۱۵۲

درس ہفتاد و یک

لَا يَحِبُّ اللَّهُ
 الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا
 مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۱۴۸
 تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ خَفَوْهُ أَوْ تَعَفَّوْا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ
 اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا ۱۴۹
 إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ
 وَرَسُولِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا
 بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ
 نُوْمِنُ بِبَعْضِ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ
 أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۱۵۰
 أُولَئِكَ هُمُ
 الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
 عَذَابًا مُهِينًا ۱۵۱
 وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
 لَمْ يَفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ
 أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ
 أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۱۵۲

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا مگر وہ
 شخص جس پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سُننے والا ہے اور
 جاننے والا ہے ۱۴۸ اگر تم ظاہر کرو گے بھلائی یا نیچی کو
 یا اس کو چھپاؤ گے یا معاف کرو گے بُرائی کو پس بیشک
 اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے ۱۴۹
 بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ

اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق
 کریں اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان اور وہ کہتے ہیں کہ
 ہم ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور انکار کرتے ہیں بعض کا، اور
 وہ لوگ چاہتے ہیں کہ بنائیں اس کے درمیان ایک راستہ (۱۵۰) یہی
 لوگ کفر کرنے والے ہیں یقیناً اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کفر
 کرنے والوں کے لیے ذلت تا کہ عذاب (۱۵۱) اور وہ لوگ جو ایمان
 لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور انہوں نے تفریق نہیں
 کی اُن میں سے کسی ایک کے درمیان، یہی لوگ ہیں کہ عنقریب
 دیا جائیگا اُن کو اُن کا بدلہ، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، اور
 نہایت ہی مہربان ہے (۱۵۲)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بعض کارگزاریوں کا تذکرہ فرمایا تھا،
 خاص طور پر اُن کی کفار کے ساتھ دوستی کی مذمت بیان کی گئی تھی اور ساتھ ساتھ منوں
 کو یہ بات سمجھائی گئی تھی کہ وہ کافروں کو کسی صورت میں بھی اپنا دلی دوست نہ بنائیں۔
 اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کیا کہ منافقوں کا کفار کے ساتھ دوستانہ حصولِ عزت کے
 لیے ہوتا ہے، مگر انہیں کبھی عزت حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ
 کے پاس ہے۔ جسے وہ عزت نہ دینا چاہے اُسے دُنیا میں کہیں عزت نصیب
 نہیں ہو سکتی۔ فرمایا عزت کا مالک تو اللہ ہے اور پھر دُنیا میں سب سے زیادہ
 عزت والا اللہ کا رسول ہے اور اس کے بعد کامل الایمان لوگ عزت والے ہیں۔
 پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی سزا کا ذکر فرمایا کہ وہ جہنم کے سب سے پچھلے
 طبقے میں ہوں گے اور وہیں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ فرمایا جہنم کے عذاب سے
 بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ یہ لوگ توبہ کر لیں، اپنی اصلاح کریں برائیوں کو ترک کر
 دیں کافروں سے میل جول بند کر دیں، اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اور

ربط آیات

اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیں، تو انہیں بھی مومنوں کی جمعیت حاصل ہو جائیگی۔
 اہل ایمان سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا
 لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ کہ وہ
 بھی کافروں کے ساتھ دوستانہ نہ رکھیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے
 کہ کافر اور منافق دونوں مومنوں کے ساتھ درمی عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا ان کا
 مسلمانوں کو ایذا پہنچانا بھی بالکل واضح ہے۔ جب ایسی صورت ہوگی تو مومنین
 بھی کافروں اور منافقوں کا گلہ شکوہ کریں گے۔ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف
 سے اہل اسلام کا تذکرہ کچھلی سورۃ میں بھی ہو چکا ہے وَلَنْ نَسْمَعَنَّ مِنَ
 الَّذِينَ آتَوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِينَ
 أَشْشِكُوا آذَى كَثِيرًا یعنی اے ایمان والو! تم ضرور اہل کتاب اور مشرکوں
 کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ پھر وہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج
 بھی بتایا کہ اگر صبر اور تقویٰ سے کام لو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ تو یہاں
 پر بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کفار اور منافقین کی طرف سے تمہیں
 اذیت پہنچے تو ایسی صورت میں تمہیں کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے
 کہ تکلیف اٹھا کر تمہاری زبان پر گلہ شکوہ آئیگا تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس
 ردِ عمل کے کچھ حدود و قیود بیان فرمائے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ
 اللہ تعالیٰ بری بات کے اظہار کو پسند نہیں فرماتا۔ جب کسی شخص کو دوسرے
 کے خلاف شکایت پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کا اظہار دوسروں کے سامنے
 کرتا ہے۔ اگر یہ شکوہ تکلیف دہندہ کی موجودگی میں کیا جائے تو طعن کہلاتا
 ہے اور اگر اُس کے پس پشت ہو تو غیبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
 دونوں صورتوں میں گلہ شکوہ کو ناپسند فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کی عیب جوئی کی
 جائے۔ ہاں اپنی تکلیف کے اظہار کی ایک صورت یہ ہے الْأَمِنْ ظِلْمًا

مکالمہ خلاق

یعنی جو مظلوم ہے، وہ اپنی شکایت دوسرے کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔
 مثلاً مظلوم اپنی شکایت کسی با اختیار حاکم یا عدالت میں پیش کرتا ہے تو ظاہر
 ہے کہ یہ ظالم کی برائی کا بیان ہو گا جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، مگر یہاں پر
 اللہ کا استثناء لگا کر اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ مظلوم شخص اپنی
 شکایت حاکم مجاز کے رو برو پیش کر سکتا ہے یہ چیز غیبت یا طعن کی
 تعریف میں نہیں آئے گی۔ اسی طرح اگر حاکم وقت بھی مظلوم کی بات سننے
 اور اس کی دلداری کے لیے تیار نہیں تو مظلوم اپنی شکایت کا اظہار اپنی قوم
 اور جماعت کے سامنے بدلا کر سکتا ہے اس کی بھی اجازت ہوگی۔ لہذا مفسرین
 اور محدثین کہہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یا اثر شخصیت برائی کا ارتکاب کرتی ہے
 اور سمجھانے بچھانے پر بھی اس مذموم حرکت سے باز نہیں آتی، تو ایسی برائی کو عوام
 کے سامنے ظاہر کرنا بھی جائز ہے، وگرنہ عام قانون یہی ہے کہ کسی دشمن کی بھی
 سرعام برائی نہ کرو خواہ وہ یہودی، کافر یا منافق ہی کیوں نہ ہو۔ تکلیف اٹھانے
 کے باوجود اس کے اظہار سے حرمانت سکرام اخلاق کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ فرمایا
 وَكَانَ اللَّهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا اللہ تعالیٰ تمہاری شکایات کو سنتا
 ہے۔ اور جس جس طریقے سے ایذا پہنچائی جاتی ہے، وہ اس کو بھی جانتا ہے
 وہ ظالم کا خود محاسبہ کرے گا، تاہم تمہارے لیے قانون یہی ہے کہ کسی کی برائی
 بیان کرنے سے حتی الامکان گریز کرو۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ
 پہلی آیت ضعفاء کے حق میں ہے کہ مظلوم اپنی فریاد متعلقہ فریاد جماعت
 کے رو برو پیش کر سکتا ہے۔ البتہ اگلی آیت اصحابِ عمریت کے متعلق ہے
 کہ وہ حرمتِ شکایت زبان پر نہ لائیں بلکہ صبر و استقامت کے ذریعے سکرامِ اخلاق
 کی اعلیٰ مثال قائم کریں۔ یہ تعلیم قرآن پاک میں مختلف مقامات پر دی گئی ہے۔
 سورۃ بقرہ میں فرمایا فَمِنْ اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْہِ
 لِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ خَوِیْمًا لِّمَنْ یُرِیْدُوْنِیۡ حُرْمٰتِیۡ ثُمَّ یُعِیۡدُوۡنَہَا عَلَیۡکُمْ

قدر زیادتی کہ جس قدر اُس نے کی ہے۔ سورۃ نحل میں فرمایا وَلَنْ صَبَبْتَهُمْ
لَهُمْ وَخَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ اگر صبر کرو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ افضل
 بات یہ ہے کہ کسی کی زیادتی کا اُس کے برابر بھی بدلہ نہ لو۔ اس سے تمہارے درجات
 بلند ہوں گے، دنیا میں بھی فائدہ ہوگا مگر عاقبت میں تو بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔
 اللہ تعالیٰ نے صبر اور برداشت کو اعلیٰ درجے کی خصلت فرمایا ہے۔

البتہ تعدی یا زیادتی کی صورت میں بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کا ارشاد ہے المستبان فحلی البادی مالم یعتد
المظلوم جب دو آدمی آپس میں گالی گلوچ ہوتے ہیں تو اس کا سارا وبال ابتدا
 کرنے والے کے سر پہ ہوتا ہے۔ جب تک کہ مظلوم تعدی نہ کرے۔ یعنی اگر مظلوم
 نے بھی آگے سے زیادتی کی، تو وہ بھی مبتدی کی طرح ہو گیا اور ظلم میں دونوں برابر بٹھڑے
 ایک شخص نے ایک گالی دی اور دوسرے نے دو گالیاں دیں، تو دوسرا آدمی ظالم بن
 گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ جتنی کوئی زیادتی کرے، اُس کے ساتھ اتنی زیادتی کرنے کی
 اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

پہلی بات تو یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی برائی کہنا پسند نہیں، البتہ مظلوم

نیچے کا اجر

کو شکایت پیش کرنے کی اجازت ہے۔ اب دوسری بات یہ فرمائی اِنَّ
تَبَدُّواْ خَيْرًا اگر تم نیچے کو ظاہر کر دو گے۔ اَوْ تَخْضَعُوْهُ یا پوشیدہ رکھو گے۔
اَوْ تَعْصُوْا عَنْ سُوْعٍ یا برائی سے درگزر کر دو گے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَفُوًّا قَدِيْرًا تو اللہ تعالیٰ بہت ہی معاف کہن والا اور قدرت رکھنے
 والا ہے۔ وہ تم پر بہت زیادہ مہربانی فرمائے گا۔

اس دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے تیج باتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی بات
 نیچے کو ظاہر کرنا ہے۔ نیچے کو سرعام کرنے میں بعض قباحتیں ہیں مثلاً اس میں ریاکاری
 کا عنصر پایا جاتا ہے مگر بعض اوقات ظاہر کرنے میں بھی حکمت ہوتی ہے اور اس
 سے دوسروں کو تہنیغیب دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ بھی اس قسم کی نیچے کا کام

کہیں یا کوئی اور مصلحت ہوتی ہے، وگرنہ عام طور پر کھلے عام نیچی کرنے کا مقصد دار و وصول کرنے یا اپنی تعریف کرنا ہوتا ہے، اور یہی چیز برائی میں داخل ہے۔ جب کسی نیچی میں ریاکاری پیدا ہو جائے، تو عند اللہ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ بیان کی گئی کہ اگر تم نیچی کو پویشیدہ رکھو گے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ جیسے صدقہ کے متعلق فرمایا، اگر چھپا کر دو "نِعَمًا" تو یہ بُری اچھی بات ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر صدقہ خیرات کہنا بھی جائز ہے تاہم اگر پویشیدہ طور پر مستحق تک پہنچا دیا جائے تو ریاکاری نہیں رہتی اور یہ ایک بہتر صورت ہے۔

برائی سے
درگزر

اس آیت کہ میرے میں تیسری چیز برائی سے درگزر کی تعلیم ہے، کسی نے قول یا فعل سے تمہاری برائی کی ہے، اگر تم اسے معاف کر دو تو یہ اعلیٰ درجے کی اخلاقی تعلیم ہے اور اگر یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ خوش ہو کر تمہاری بغضوں کو بھی معاف فرمائے گا۔ کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور تم نے انتقام لینے کی بجائے کسی سے دکر تک نہیں بلکہ اس پر صبر کر کے خاموشی اختیار کر لی ہے، تو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے، ایذا رسانی انسان پر شاق گزرتی ہے۔ اس کے باوجود اگر انسان اس پر صبر و استقامت کا دامن ختم لے اور برائی کرنے والے کی برائی کا جواب نہ دے، تو اس کے اعلیٰ مرتبت انسان ہونے کی دلیل ہو گا حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ اگر تم برائی کا بدلہ نیچی کے ساتھ دو گے، تو اس سے دشمن کا دل بھی نرم ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت کی جگہ محبت پیدا ہو جائے۔ البتہ فرمایا کہ یہ کام ہر آدمی نہیں کر سکتا بلکہ وہ لوگ کر سکتے ہیں۔

وَمَنْ عَزَمَ الْأَمْرَ يُحِبَّ عَزْمَ لِحْمَتِهِ هِيَ - درگزر کرنا اور معاف کر دینا خاصاً عزمت لوگوں کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ قانون کے طور پر بتا دیا ہے کہ کسی کی برائی نہ کرے ورنہ کافروں کے مقابلے میں صبر سے کام لو، کسی فرد یا جماعت کی عیبیت نہ کرو۔ اگر کوئی مشرک دہریہ یا کوئی غیر مذہب بھی برائی کا ارتکاب کرتا ہے، تو تم اس کی برائی بھی لوگوں

فرمایا قَبْرِي يُدُونَنَ اَنْ يَسْتَحْذِرُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً اور یہ لوگ بعض رسولوں کو مان کر اور بعض کا انکار کر کے درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہی چیز ایمان کے منافی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق پیدا کی ہے شاہ ولی اللہ نے اس مسئلہ کو اس طرح سمجھایا ہے کہ ارسالِ رسول اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور کسی ایک یا زیادہ رسولوں کا انکار خدا تعالیٰ کی صفت کا انکار ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار کرے وہ کافروں اور دہریوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا اور ہم نے کفاز کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خدا کے ہاں انہیں سخت سزا ملنے والی ہے۔

اہل ایمان کا بدلہ

کفار کی مذمت بیان کرنے کے بعد پھر ایمان لانے والوں کے اجر کا ذکر بھی کیا وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِمْ جُولُوكَ اللّٰہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لانے یعنی وہ تمام رسول جن کے نام سے ہم واقف ہیں یا نہیں ہیں سب پر ایمان لائے۔ اسی سورۃ میں آگے آ رہا ہے کہ ہم نے خود بخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ اور یہ بھی مندرمایا رُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۗ هُمْ نَعْمَ اٰیٰتٍ لِّمَنْ اَدَّبَعَهُمْ ۗ قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۗ اور بعض کا ذکر سے کیا ہے رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ اور بعض کا ذکر نہیں کیا، بہر حال تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور جو کچھ نبیوں کو دیا گیا ہے اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے وَلَمْ يُغَيِّرُوا بَيْنَ اٰمَدٍ مِّنْهُمْ اور انہوں نے تفریق نہیں کی ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرمایا جو لوگ اس میں ایمان میں پختہ ہو جائیں گے اُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ الْجَنَّةَ حُمْرَ مَعِينٍ اللّٰہ تعالیٰ ان کو ان کا صحیح صحیح بدلہ دے گا۔ فرمایا وَكَانَ اللّٰہ

عَفْوَرًا رَحِيمًا اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اہل ایمان سے بچو
 چھوٹی موٹی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے معاف فرمائے گا۔
 کیونکہ وہ اپنے بندوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔

النساء ۴

آیت ۱۵۳ تا ۱۵۵

لا یحب اللہ ۶

درس ہفتا و دو ۲۰

یَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا
 مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ
 فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ
 بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ
 مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَأَتَيْنَا
 مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ
 بِمِثْقَاتِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
 وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا
 مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ
 مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمْ
 الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ
 بَدَّلْ طَبَعَ اللَّهِ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
 يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ سے اہل کتاب سوال کرتے
 ہیں کہ آپ انہیں ان پر کتاب آسمان کی طرف سے - بیشک
 حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے سوال کیا اس سے بھی بڑی چیز کا

پس انہوں نے کہا کہ دکھا ہمیں اللہ سانسے۔ پس پچھا اُن کو بجلی نے اُن کے ظلم کی وجہ سے۔ پھر بنایا انہوں نے بچھڑے کو محمود بعد اس کے کہ اُن کے پاس واضح باتیں پہنچ چکی تھیں۔ پھر ہم نے معاف کیا اس سے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھٹلا غلبہ عطا کیا (۱۵۲) اور ہم نے اُٹھایا اُن کے اُوپر طور پہاڑ کو اُن کے عہد کے وقت، اور ہم نے اُن سے کہا داخل ہو دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے اُن سے کہا تعدی نہ کرو ہفتے کے دن اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لیا (۱۵۳) پس بوجہ توڑنے اپنے پختہ عہد کو، اور بوجہ اُن کے کفر کرنے کے اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور بوجہ ان کے قتل کرنے کے اللہ کے نبیوں کو ناحق، اور بوجہ اُن کے یہ کہنے کے کہ ہمارے دل غلاظتوں میں بند ہیں ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر مہر کر دی ہے اُن کے کفر کی وجہ سے، پس نہیں ایمان لاتے مگر بہت تھوڑے (۱۵۵)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے نبیوں اور رسولوں کے درمیان تفریق کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور واضح کیا کہ اللہ کے بعض نبیوں پر ایمان لانا اور بعض پر نہ لانا خالص کفر ہے، کیونکہ کسی ایک نبی کا انکار بھی پورے گروہ انبیاء کے انکار کے مترادف ہے۔ بشرطیکہ تو انبیاء کو ویسے ہی نہیں مانتے، وہ تو مطلقاً انکار کی وجہ سے کافر ہیں، انہوں نے توحید کا بھی انکار کیا اور خود خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی انکار کر گئے، البتہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعتقاد ہی منافقوں کا ذکر کیا ہے، جو بظاہر زبان سے تو توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں، مگر اُن کے دل اسی طرح کفر سے بھرے ہوئے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ کر کے انہیں بُرے انجام سے خبردار کیا ہے

رابط آیات

نزل کتاب
کا مطالبہ

یہودیوں کی اکثریت تھی اور وہی تفریق بین الرسل کے مرتکب ہوتے تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کیا اور نہ پیغمبرِ آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لائے۔ چنانچہ ان میں سے بعض متعصب یہودی حضورِ نبی کریم علیہ السلام سے بعض یہودہ قسم کے سوال بھی کرتے تھے۔ ان میں کعب بن اشرف پیش پیش ہوتا تھا۔ یہ شخص مدینہ کے قریب ایک گڑھی میں رہتا تھا، اس کا اپنا قلعہ تھا، بڑا ظالم اور سود خور تھا تو اس نے یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ اٰبِلَ كِتَابِ اٰبِیْكَ آپ سے سوال کرتے ہیں اُن نازل علیہم کتاباً من السماء کہ آپ ان پر آسمان سے کبھی ہوئی کتاب نازل کریں۔ یہودیوں کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ قرآن پاک کے سبقتاً نزول پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ وہ اسے اللہ کی کتاب اس وقت تسلیم کریں گے جب کہ یہ پوری کی پوری تحریری صورت میں آسمان سے نازل ہو۔ اپنے اس مطالبے کی حمایت میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے تھے کہ آپ نے کوہ طور پر اِستخراہ کیا، روزے رکھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تختیوں پر لکھی ہوئی تورات نازل فرمائی تورات کے علاوہ دیگر صحائف کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر صحیفہ وقت کے نبی پر مکمل صورت میں نازل ہوا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اور دیگر انبیاء کے صحائف کا اسی طرح ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو آپ پر قرآن پاک مکمل اور یکبارگی نازل ہونا چاہیے۔

یہودیوں کا یہ اعتراض محض ضد اور دشمنی کی وجہ سے تھا۔ ان کا خیال تھا، کہ حضور علیہ السلام ہمارے سوال کا جواب ہماری تسلی کے مطابق نہیں دے سکیں گے، اس لیے ہمیں آپ کے انکار کا جواز مل جائیگا اور ایمان لانے سے بچ جائیں گے۔

سورۃ نبی اسرائیل میں موجود ہے کہ مشرکین مکہ نے بھی نبی علیہ السلام سے اسی قسم کے سوال کیے۔ انہوں نے چشموں اور باغات کا مطالبہ، آسمان پر چڑھ جانے کا مطالبہ اور اللہ اور فرشتے اُن کے سامنے لانے کا مطالبہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تمہارے لیے سونے کا گھجر ہونا چاہیے اور یہ کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔ وَلَٰكِنْ لَّتُؤْتِيَنَا رِزْقًا غَيْرَ ذَلِكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ آسمان سے کتاب نہ لے آئیں جسے ہم خود پڑھیں۔ وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، یہ وحی یا کتاب ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتی۔ اگر ہم پر کوئی فرشتہ اتارے تو اس کی بات سن کر ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے۔ بہر حال مدینے کے یہودیوں نے آپ پر اس قسم کے یہودہ سوال کیے تاکہ نہ آپ اُن کا جواب دے سکیں اور نہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہودیوں کے اس سوال کے جواب میں تسلی دی ہے۔ کہ اُن کا اعتراض ضد اور بہت دھرمی پر مبنی ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی غلط فہمی ہو، یا وہ واقعی کسی چیز کو سمجھنا چاہے تو اسے مطلوبہ تعلیم دی جا سکتی ہے مگر جس شخص کا سوال ہی بر بنائے عناد ہو، وہ کبھی ایمان نہیں لاسکتا، وہ ہر بات کے جواب میں مزید اعتراضات کرتا چلا جائیگا، اس لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ سے کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں مگر سوال کرتے تو ان کی عادتِ قدیمہ ہے فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ اَكْبَرَ مِنْ ذَالِكَ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑے بڑے سوال کیے تھے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے مجبور ہیں۔ ان کی ذہنیت ہی بگڑ چکی ہے۔

فرمایا یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بڑا سوال یہ کیا تَخَافَتَ لَوْ اَرٰنَا اللّٰهَ جَهَنَّمَ ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے دکھائے، اس کے بغیر ہم ایمان کے لیے تیار نہیں۔ یہ بڑی گستاخی کی بات تھی۔ یہ بد بخت اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے

تھے کہ اس مادی دنیا میں ان آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا، خود موسیٰ علیہ السلام نے بھی جب اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرَ الْاَيْكُ اِنَّ اللہ! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا لَنْ اَرَا سِوَاكَ اِنَّكَ تَرَانِيْ کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ فرمایا کہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ سکا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر اللہ کے حضور توبہ کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک بھی اس ضمن میں یہ ہے۔ اِنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰی تَسُوْا لِعٰیۡنِیْمْ تَمَّ كُنْیَ سے پہلے اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے۔ جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی، نیا جہان پیدا ہوگا۔ نئی قومیں اور صلاحتیں پیدا ہوں گی، تو وہاں عالم قدس میں اللہ تعالیٰ آنکھوں کو وہ قوت عطا کر دیگا جن سے وہ دیدار الہی کر سکیں۔ چنانچہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ جنت میں پہنچنے والے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی درخیزت نصیب ہوگی۔ اس مسئلہ میں صرف رافضی اور معتزلہ وغیرہ دیدار الہی کا انکار کرتے ہیں، باقی سب متفق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ سے توبہ صرف کتاب لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں، یہ بدجنت موسیٰ علیہ السلام سے دیدار الہی کا مطالبہ بھی کر چکے ہیں اور پھر اس مطالبے کے جواب میں فَاتَّخَذْتَهُمُ الصُّوْفَ قَدْرًا بِظُلْمِہِمُ ان کی اس زیادتی یعنی بہبودہ سوال کی وجہ سے ان پر بجلی گری۔ وہ سب مر گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے انہیں دوبارہ زندہ کرکے بخشی۔

پچھڑے
کی پوچھا

فرمایا پھر یہودیوں نے ایک اور قبیح کام کیا ثُمَّ اِتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْہُمْ الْبٰیۡنٰتُ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود سچھڑے کی پوچھا کی۔ فَعَصَوْاۤنَا عَنْ ذٰلِكَ پھر ہم نے ان کا یہ جرم بھی معاف کر دیا۔ اِنَّ كٰی تُوْبَہِ اس شرط کے ساتھ قبول

ہوئی "فَا قَاتِلُوْا اَنْفُسَكُمْ" کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ پھڑپھڑے کی پوجا کرنے والے گنہگاروں کو بے گناہ لوگوں نے قتل کیا۔ اور پھر "وَ اَتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا" ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عطا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھڑپھڑے کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا اور جیسا کہ دوسری سورۃ میں موجود ہے راکھ کا کچھ حصہ بانی میں بہا دیا اور کچھ حصہ بٹو میں اڑا دیا۔ پھڑپھڑا چونکا شرک کا شعار تھا اسے مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا گیا اور اس کے تتر بتر مزار سجاویں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

یہودی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الصُّوْرَ بِمِثْلِ الْقِهْرِ" ان سے عہد لیتے وقت ہم نے طور پہاڑ ان کے سروں پر علق کر دیا تھا۔ بعض جدید مفسرین کی غلط تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں کھڑا کیا گیا تھا۔ بلکہ ان لوگوں کو پہاڑ کے دامن میں اس طرح کھڑا کیا تھا کہ پہاڑ کا کچھ حصہ ان پر جھکا ہوا تھا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ سورۃ اعراف میں آتا ہے "وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ" جب ہم نے پہاڑ ان کے سروں پر لاکھڑا کیا۔ نتق کا معنی اکھاڑنا ہے اور مطلب صاف ظاہر ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے اوپر علق کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ اگر نہیں مانتے تو یہ پہاڑ تمہارے اوپر گر دیا جائے گا اور تم چلنا چور ہو جاؤ گے۔

اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ دین میں جبر تو روا نہیں۔ اللہ کا حکم واضح ہے "لَا اِكْهَادَ فِي الدِّيْنِ" مگر یہودیوں کو پہاڑ کے خوف سے زبردستی منایا گیا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے آزادی ملی اور صحرائے سینا میں پہنچے تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی قانون کی کتاب لائیں جس پر ہم عمل کریں جو اللہ تعالیٰ نے تورات نامہ فرمائی۔ تورات کا معنی ہی قانون (LAW) ہے جب کتاب آگئی تو کہنے لگے

ارتضاع
طور

اس کے احکام بڑے مشکل ہیں، ہم ان کی تعمیل نہیں کر سکیں گے۔ لہذا اللہ نے ان سے عذر لیا تھا خذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ جُوا احکام ہم نے دیے ہیں انہیں مضبوطی سے پکڑو اور اذکروا مَا فِيهَا اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد کرو۔ ان احکام پر عمل کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذر فرمایا اس لیے کیا تھا کہ ایک چیز انہوں نے خود مانگ کر لی ہے۔ اور اب اس پر عمل کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کو جبراً اسلام میں داخل نہیں کیا جاسکتا، ہاں تبلیغ کرو، اگر کوئی مان جاتا ہے تو ٹھیک ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ جس کا دل چاہے ایمان لائے اور نہ چاہے تو کفر پر اڑا ہے، اُسے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کفر کہے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا، بہر حال اُسے زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ اگر اسلام لانے کے بعد کوئی شخص اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا، تو وہ جبر کا مستحق ہوگا۔ اس پر حد جاری ہوگی یا تعزیر سزائیگی، بہر حال دین میں لانے کے لیے جبر نہیں بلکہ دین کا قانون ٹوڑنے پر ضرور جبر ہے۔

سجدے
انکار

فرمایا دیکھو! یہ کیسے بد عہد اور بد طینت لوگ ہیں وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ مُسَجِّدًا اہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرنا ہوتے ہوئے داخل ہونا۔ مگر انہوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی۔ جب یہودیوں نے کہا، لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ صَلَاةٍ مُّكَاوَدَةٍ ہم ایک ہی کھانے یعنی من و سلوئی پر صبر نہیں کر سکتے لہذا ہمارے لیے اپنے رب سے بنزریاں، پیاز اور دال وغیرہ کا مطالبہ کیجیے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ نے فرمایا کہ انہیں کہو کہ اس بستی (اریحا) میں داخل ہو جاؤ، وہاں تمہیں مطلوبہ اشیاء حاصل ہو جائیں گی۔ البتہ یہ ہے کہ شہر میں داخل ہوتے وقت دو رکعت نفل ادا کرنا۔ مفسرین نے سجدہ کے دو معنی بیان کیے ہیں یعنی جھک کر یا سجدہ کر کے مگر یہ ایسے بد طینت لوگ ہیں کہ اللہ

کے حکم کے خلاف بچکنے کی بجائے اگر کمرہ داخل ہوئے صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ پتھروں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تاکہ ٹھکانا نہ پڑے۔

سبت کی
پے حرمی

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ ہم نے انہیں کہا کہ دیکھو! ہفتے کے دن سجاوڑ نہ کرنا۔ انہیں حکم تھا کہ اس روز صرف عبادت کرنی ہے، کوئی کاروبار، تجارت، شکار وغیرہ بالکل نہیں کرنا، حتیٰ کہ چولہے بھی نہیں جلا نا مگر انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں وہ سجاوڑ شروع کر دیا جس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ وَاسْتَلَّهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْيَوْمِ ذُرِّيَاكَ كِنَارِے اُس بستی کا حال دیکھو کہ انہوں نے اللہ کے قانون کو توڑا تو پھر انہیں کیسی سزا ملی۔ اُن کا کمرہ داریہ تھا کہ ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار تو نہیں کرتے تھے مگر انہیں حوض میں بند کر لیتے تھے اور پھر اگلے دن جمع شدہ تمام مچھلیاں بچر لیتے تھے۔ بعض لوگ انہیں ایسا کرنے سے منع کرتے تھے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے لَمْ تَرَ كَيْبُورًا مَا اُرْتَكَبَتْ الْيَهُودُ ثُمَّ اُس حرم کار نکاب نہ کرنا جس کا یہودیوں نے کیا تھا فَتَسَخَّرْتَلُوْا حَرَامَ اللّٰهِ بِاَدْنٰى الْحَبِيْلِ کہ جیلے بہانے سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بناتے پھر وہ آپ نے یہ بھی فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ يَوْمَ دَرَسَ اللّٰهُ كِيْ بَعْدَ اللّٰهِ كِيْ لَعْنَتِ اللّٰهِ اُن پر حلال جانور کی چربی بھی حرام تھی مگر وہ لوگ اُسے فروخت کر کے رقم کھا جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم حکم الہی کی تعمیل میں چربی نہیں کھاتے حالانکہ جو چیز بنفسہ حرام تھی اس کی قیمت بھی حرام تھی مگر انہوں نے جیلے بہانے سے حرام کو حلال بنا لیا۔ مچھلی کے شکار کے متعلق بھی انہوں نے ایسا ہی جیلے کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کا عذاب آیا اور ان کی شکلیں منسوخ ہو گئیں۔ کچھ بند رہ گئے اور کچھ فرسار اللہ نے فرمایا یہ ایسی سزا تھی جو نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلَقَهَا موجود اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت تھی۔

فَرَمٰى وَاخَذْنَا مِنْهُم مِّمَّا قَالُوْا حٰلٰلًا لِّمَنْ يَّشَاءُ مِنْكُمْ

دلوں
پر مگر

پختہ عمل لیا تھا۔ کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ فَبِمَا نَقَضْتُمْ هَٰذَا
مِيثَاقَهُمْ مِّمَّا اس عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے وَكُفِّرْهُمْ عَنْ بَابِيتِ اللّٰهِ
اور ان کے اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے کی وجہ سے وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ يَٰۤاٰیُّهَا
حَقُّ اور اللہ کے نبیوں کے ناحق قتل کی وجہ سے وَقَوْلِهِمْ قُلُوبَنَا
عُضِّلَتْ اور ان کے اس قول کی بنا پر کہ ان کے دل بند ہو چکے ہیں اور اب ان میں
کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا یہودیوں کی ان تمام حرکات کی وجہ سے نہیں۔
بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے
ان کے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں۔ نافرمانیاں کر کے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔
ان پر زنگ پڑھ چکا ہے اور اب ان میں کوئی چیز نہیں اتر سکتی۔ وہ من مانی کہتے
ہیں، برائی کو برائی نہیں سمجھتے۔ لہذا حَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ
اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہ کفر میں راسخ ہو چکے ہیں، اور
راہ راست پر آنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھے ہیں۔ جس کی وجہ سے فَاَلَا
يُؤْمِنُونَ اَلَا قَلِيلًا ان کی ایک قبیل تعداد ایمان لاتی ہے اور اکثریت
کفر پر ہی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ مدینے کے اطراف میں آباد یہودیوں کے دس بڑے
عالموں میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے
باقی سب بے ایمان ہی رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اگر یہ دس علمائے یہود
ایمان لے آتے تو دنیا میں کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔ مگر یہ لوگ چودہ سو سال گزرنے
کے باوجود ویسے کے ویسے ہی عنادی ہیں۔ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے اور
نبی آخر الزمان کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تسلی
دی ہے کہ یہ لوگ آپ سے طرح طرح کے مطالبات کرتے ہیں، آپ کچھ نہیں
نہیں، اس سے پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑے مطالبات کر چکے
ہیں۔ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور اب ان کی اکثریت
ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

وَبِكْفَرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَلَٰئِذَا الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِيهِ لَبِيَ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَإِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۗ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَرِيدًا ﴿١٥٩﴾

ترجمہ: اور بوجہ اُن (یہودیوں) کے کفر کرنے اور بوجہ اُن کے کہنے کے حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم (۱۵۶) اور اُن کے اس قول کی وجہ سے کہ بیشک ہم نے قتل کیا ہے، مسیح ابن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے، حالانکہ انہوں نے نہیں قتل کیا اُس کو اور نہ اُس کو سولی پر چڑھایا، بلکہ یہ بات اُن کے لیے مشتبہ کر دی گئی ہے اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے البتہ شک میں ہیں اس سے۔ ان کو اس کا کچھ علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور نہیں قتل کیا انہوں نے اُس مسیح کو یقیناً (۱۵۷)

حضرت مریم پر عظیم افترا بازھا، حضرت مریم تو اللہ کی مقبول بندی اور صدیقہ تھیں جب وہ بچہ گوہیں لیے آئیں تو کہنے لگی يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا تو یہ بُری چیز کہاں سے لے آئی ہے انہوں نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگاتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا قرار دیا۔ حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے بندے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا اور نبوت کا تاج اُن کے سر پر رکھا۔ فرمایا ان سب خباثروں کی وجہ سے ہم نے اہل کتاب کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا۔

قتل انبیاء

فرمایا وَقَوْلِهِمْ اِنْ كُنَّا لَمَمْسِيحَ

عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هُمْ نَعْتَمُ بِمَسِيحٍ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَوَقْلِ كَرِيَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ جُوْدُ اللّٰهِ كَارَسُوْلٍ كَمَا لَمْ تَخْتَأِ يَهُودِي حَضْرَتِ مَسِيحٍ كَوَقَوْلِ اللّٰهِ كَارَسُوْلٍ نَبِيْنِ تَمْتَعْتِ ۔ اس لیے وہ کہتے تھے کہ ہم نے اُس مسیح کو قتل کر دیا ہے جو اللہ کا رسول کہلاتا ہے۔ ان بد بختوں کا حال تو یہ ہے کہ جن کو اللہ کا رسول مانتے تھے، ان کو بھی قتل کیا، جیسے پہلے کہ چکا وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ انہوں نے اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ قتل انبیا تو بہت ہی بُری خصلت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغمضوب ترین شخص وہ ہے جس کو اللہ کا نبی قتل کرے یا جو اللہ کے نبی کو قتل کرے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا نبی اسی بد بخت کو قتل کرے گا جو نہایت ہی سرکش ہو اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کے نبی کو قتل کرے۔ اسی لیے انبیاء کے ناحق قتل کو بہت بڑا جرم قرار دیا گیا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے لغو عقیدہ قتل مسیح کا رد کرتے ہوئے فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ حَقِيْقَتًا يٰۤهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَلْ كَانُوْا فِيْ سَكْوٰتٍ کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی دی وَلٰكِنْ سَبَّوْا لَهَا۟ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بَلْ كَانُوْا فِيْ سَكْوٰتٍ بابت مشتبہ کہہ دی گئی۔ انہوں نے اشتباہ میں پڑ کر غلط عقیدہ قائم کر لیا وَرَات

قتل مسیح

الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهَا اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ وہ شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن پر حقیقت حال واضح نہیں ہو سکی مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اُنہیں اس کے متعلق کچھ علم نہیں اِنَّ تَبَاعَ الظُّلُمٰتِ سوائے گمان کی پیروی کرنے کے۔ یعنی وہ تو محض اپنے گمان سے اُٹکلے پھرتاوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اصل حقیقت سے ہرگز واقف نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاکیزہ بندے کو اُن کے گندے ہاتھوں سے کیسے محفوظ رکھا۔ اس کا ذکر سورۃ آل عمران میں بھی آچکا ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِيٰعِيسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ رَاىْ وَاُمِّطُّكَ مِنْ مِّنَ الدِّىْنِ كَفَرُوْا لَعِنَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْحَضْرَةَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَام سے فرمایا کہ اس دنیا کی مدت پوری کرنے کے بعد میں تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور کفار کی صحبت سے پاک کر دوں گا۔ اُن کے ناپاک ہاتھ تمہیں نہیں پہنچیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا وَصَكَّرُوْا وَهَكَرَ اللّٰهُ يَهُودِيُوْنَ نے آپ کو قتل کرنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھنے کا منصوبہ بنایا اور پھر وَاللّٰهُ خَيْرٌ الْمَاهِكِرِيْنَ کے مصداق اللہ کی تدبیر ہی کامیاب ہوئی۔ یہودی علیہ السلام کو نہ قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے اور ان کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ فرمایا اب یہ اپنے گمان کی پیروی میں لالچیں باتیں کرتے ہیں۔ وَهَآ قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا یہ یقینی بات ہے کہ یہودی مسیح علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے۔ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ رَاكِبًا بِرِخْلَافِ اس کے اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف یعنی آسمان کی طرف اٹھالیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے اور حکیم ہے کہ کمال حکمت کا مالک بھی وہی ہے۔

رفع مسیح
پہلی روایت

ہمارے مفسرین میں سے عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد امام ضحاکؒ کا بیان تفسیروں میں موجود ہے جسے آپ حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن تھے، کیونکہ وہ اُن کے تعصیب، ضد اور ہٹ مہر می کار د کرتے تھے۔ اُن کے علمائے شریعت کو بگاڑ دیا تھا اور اخلاقی لحاظ سے نہایت

پست ہو چکے تھے۔ جوں جوں مسیح علیہ السلام اللہ کے حکم سے صحیح دین کی تبلیغ کرتے
 توں توں یہودی آپکے جانی دشمن بنتے چلے گئے۔ انجیل میں موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
 یہودیوں کی غلط باتیں دیکھ کر بہداشت نہ کرتے اور سخت الفاظ میں ان کی تردید
 کرتے۔ یہودیوں کے علماء اور پیر غلط طوطا ویلوں کے ذریعے اپنے نلط عقائد کو سچا ثابت
 کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر اللہ کا نبی عیسیٰ علیہ السلام ان کی تمام کدوڑوں کو ظاہر کر دینا
 چنانچہ یہودیوں نے فیصلہ کیا کہ مسیح علیہ السلام کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اور اس کام کے
 لیے حکومت کی امداد حاصل کریں گے۔

اس زمانے میں شام و فلسطین رومیوں کے زیر نگیں تھے اور رومیوں کا گورنر اس
 علاقے میں تعینات تھا، جو دہاں کے معاملات نمٹاتا تھا۔ یہ بالکل اسی طرح کا انتظام تھا
 جس طرح انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں ہندوستان میں انگریزوں کا واسطہ لائے
 یا نائب رہتا تھا۔ تو یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو حکومت وقت کی معرفت قتل
 کر دانا چاہتے تھے اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے یہ لوگ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی
 قتل کر چکے تھے۔ اور اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے
 چنانچہ منصوبہ کے تحت چار ہزار یہودیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں
 مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت مقیم تھے جب عیسیٰ علیہ السلام کو اس محاصرہ
 کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ یہ لوگ میری جان کے درپے
 ہیں، تم میں سے کون آدمی ہے جو میری جگہ باہر نکل کر قتل ہو جائے، ایسا شخص جنت
 میں میرے ساتھ ہو گا۔ اس پر ایک حواری نے لیک کہا۔ مسیح علیہ السلام نے
 اپنی پگڑی اور کرتہ اُسے پہنایا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ بھی
 ڈال دی، وہ شخص باہر نکلا تو یہودیوں نے اُسے مسیح سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا اور اوص
 اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اُس مکان کے روزن سے فرشتوں کے ذریعے
 آسمان پر اٹھا لیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ محاصرین نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اُس

مکان کے اندر بھیجیں جس میں مسیح علیہ السلام مقیم تھے تاکہ آپ کو گرفتار کیا جاسکے۔ جب یہ شخص مکان میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی اور اس کی شکل و صورت بالکل عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی۔ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو تو آسمان کی طرف اٹھایا، مگر جب وہ جاسوس باہر نکلا تو محاصرین نے اسے مسیح سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اس کے بارے میں ان لوگوں کو تسلی نہ ہوئی۔ اور وَاللَّيْنِ مَشْتَبِهًا لَّهُمْ کے مطابق وہ اس شبہ میں مبتلا ہو گئے کہ مسیح علیہ السلام کو تو ہم نے قتل کر دیا، مگر ہمارا وہ آدمی کہاں گیا جسے پتہ کہہ نہ کے لیے ہم نے مکان کے اندر بھیجا تھا۔ اگر ہم نے اپنے ہی آدمی کو مسیح کے شبہ میں قتل کر دیا تو پھر مسیح علیہ السلام کہاں گئے۔ بہر حال وہ تہرور میں پڑ گئے اور آج تک پڑے ہوئے ہیں۔ بعض کو اس قدر شبہ ہو گیا کہ وہ کہتے کہ جس شخص کو ہم نے سولی پر چڑھایا ہے، اس کی شکل و صورت تو مسیح جیسی تھی اور باقی جسم ان کے مشابہ نہیں تھا۔

تیسری
روایت

تیسری روایت اناجیل کے بیان پر مشتمل ہے۔ مؤرخین نے انسائیکلو پیڈیا آف

ریلیجنز (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGIONS) میں لکھا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کے خلاف شور و غوغا بہت بڑھ گیا تو رومی وائسرائے نے اپنے مرکز کو لکھا کہ یہاں کے لوگ ایک بے گناہ کے سخت خلاف ہو گئے ہیں، مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ایسے شخص کو کچھ نہ کہا جائے، وائسرائے نے دوبارہ مرکز سے رابطہ قائم کیا، تو پھر وہی جواب آیا۔ اس اثنا میں مخالفت حد سے بڑھ گئی اور بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ تو مقامی حاکم نے تیسری دفعہ اپنی حکومت کو لکھا کہ اب تو حالات قابل سے باہر ہو رہے ہیں۔ اس پر ہیڈ کوارٹرس سے یہ حکم آیا کہ شورش کو ختم کرو۔ خواہ اس شخص کو قتل کرنا پڑے۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پھر ان کے لیے منرے موت کا حکم ہوا۔ اس زمانے میں رواج یہ تھا کہ سولی پانے والے شخص کو سولی کا شتیر خود اٹھا کر سولی کے مقام تک پہنچانا ہوتا تھا چنانچہ یہ وزنی شتیر حضرت مسیح علیہ السلام کو اٹھوایا گیا۔ ان کے سر پر کانٹوں کا تاج

رکھا گیا اور (العیاذ باللہ) آپ کے منہ پر پتھر کا گیا۔ لوگوں کا جہم ٹھنیر اور رومی پولیس آپ کے ہمراہ چل رہی تھی۔ بھاری شہتیر کا اٹھانا مسیح علیہ السلام کی طاقت سے باہر ہو رہا تھا چنانچہ شہتیر ایک شخص شمعون قمری کے کندھے پر رکھ دیا گیا تاکہ سولی کے مقام تک پہنچایا جاسکے۔ اس دوران میں رومی پولیس کے آدمیوں کی ڈیوٹی بدل گئی اور نئی نفری آگئی۔ نئی پولیس نے رواج کے مطابق سولی اٹھانے والے شخص کو ہی مجرم سمجھا اور اُسے سولی پر لٹکا دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچانا تھا، وہ جہنم میں اُدھر اُدھر ہو گئے۔ روایت ہے کہ اس دوران شمعون کی شکل و صورت بھی حضرت مسیح جیسی اللہ نے بنا دی، جس کی وجہ سے شمعون کو مزے موت دی گئی۔ اور مسیح علیہ السلام کو اللہ نے بچالیا۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اُس دن جمعہ کا دن تھا۔ آگے ہفتہ یہودیوں کی تعطیل کا دن آرہا تھا، جس دن انہیں کوئی کام نہ کرنے کا حکم تھا۔ لہذا انہوں نے کوشش کی کہ مسیح علیہ السلام کا کام آج ہی تمام کر دیا جائے تاکہ پھر اتوار تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ یہ افراتفری بھی مسیح علیہ السلام کو بچانے اور شمعون قمری کو سولی پر لٹکانے کا باعث بنی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ یہودی نہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر سکے اور نہ انہیں سولی پر لٹکاسکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔

اس ضمن میں قادیانیوں نے ایک نیا نظریہ قائم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے بیان کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ سولی پر لٹکایا گیا، بلکہ آپ طبعی موت مرے اور آپچی روح کو اوپر اٹھالیا گیا۔ اس طرح اس گروہ نے قرب قیامت میں نزول مسیح کا بھی انکار کر دیا ہے۔

مولانا مودودی نے مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کو مشتبہات میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ یہی آیت اس مسئلہ میں صریح نص ہے۔ مسیح علیہ السلام کی زندگی اور دوبارہ نزول کا ذکر قرآن پاک میں اجمالاً موجود ہے اور احادیث نبوی اس کی مکمل تصریح کرتی ہیں۔ اس آیت کے الفاظ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ

دیگر
نظریات

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاضِحٌ كَرْتَنے ہیں کہ جس ہستی کو قتل کھنے کے یہودی دعویٰ کرتے تھے، وہ مسیح، عیسیٰ ابن مریم، اللہ کے رسول ہیں۔ ظاہر ہے کہ قتل کا دعویٰ محض روح کے لیے نہیں بلکہ جسم و روح دونوں کے لیے تھا۔ اور انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہ تو انہیں قتل کیا گیا اور نہ سولی دیا گیا بلکہ ان رہو دیوں پر شبہ ڈال دیا گیا۔ پھر اسی مسیح علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

بَلْ كَرَفَعَهُ اللّٰهُ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ یعنی ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔ توجیب قتل کا تعلق جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ اسی عمل کی تردید فرماتا ہے ہیں تو پھر رفیع الی السماء کا تعلق بھی جسم و روح دونوں کے ساتھ ہے۔ نہ کہ صرف روح کے ساتھ۔ لہذا یہ آیت مسیح علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھانے جانے کی صریح نص ہے۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب کشمیریؒ نے "التصحیح بسما لواتر بلہ نزول المسیح" عربی اور اردو میں کتاب لکھی ہے جو دمشق سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس میں آپ نے ڈیڑھ سو کے قریب احادیث نقل کی ہیں جن میں مسیح علیہ السلام کی زندگی اور دوبارہ نزول کا ذکر ہے۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی موجود ہے لیو بشکن ان یمنزل فیکم ابن صریح حکماء عدلاً یعنی وہ وقت بھی آئیگا جب مسیح علیہ السلام تمہارے درمیان حاکم عادل بن کر اتریں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ آپ کے دور میں ملت اسلامیہ کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہیں گی۔

قرآن پاک کی آیت "وَإِنَّ كَعِلْمَ السَّاعَةِ" سے مسیح علیہ السلام کا تذکرہ آپ کو قیامت کی نشانیوں میں سے ظاہر کرتا ہے جس سے ان کا قریب قیامت میں ظہور ثابت ہوتا ہے۔

فَرَمَا وَفَاتٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اور اہل کتاب میں سے

کوئی نہیں ہے۔ اَلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهَا قَبْلَ مَوْتِهِ مگر یہ کہ ایمان لایا محضرت
 مسیح پر آپ کی موت سے قبل۔ موتہ کی ضمیمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی راجح
 ہوتی ہے اور ہر فرد اہل کتاب کی طرف بھی۔ اور اگر اس سے کتابی مراد ہے
 یعنی ہر یہودی اور نصرانی مرنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا تو اس
 وقت کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دیکھا۔ موت سے پہلے جب فرشتے نظر آنے لگتے
 ہیں اور پردہ عنیب اٹھ جاتا ہے، تو اس وقت اگر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا
 کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو ولد الزنا اور درجال تک کے اقداب لیے تھے، تو
 اس وقت ان کا ایمان کچھ مفید نہ ہوگا۔ عیسائیوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور
 تین خداؤں میں سے تیسرا کہا تھا حالانکہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اگر مرنے
 وقت ان پر بھی حقیقت آشکارا ہو جائے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو جائے
 تو اس وقت کی توبہ تہ قبول ہی نہیں ہوگی لہذا ان کی موت بھی کفر پر ہی آئے گی۔
 مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهِ سے
 مراد یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی موت سے قبل ہر کتابی آپ پر ایمان لائے گا۔
 تو حقیقی موت تو اس وقت آئے گی جب آپ دوبارہ نازل ہو کر زندگی کے
 چالیس یا ساٹھ سال گزار چکیں گے۔ اس وقت سے پہلے جو کتابی ایمان نہیں
 لائے گا، وہ موت کے گچھاٹا تار دیا جائیگا، نہ کوئی یہودی باقی رہے گا، اور
 نہ نصرانی۔ اس باسے میں سو سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ
 نازل ہوں گے۔ مسلم شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے
 کہ وہ وقت بھی آئے گا جب عیسیٰ علیہ السلام حج و عمرہ کے مقام سے
 حج یا عمرہ کا احرام باندھیں گے۔ زمین پر حکومت کریں گے۔ انصاف قائم
 کریں گے اور پھر ان کے زندہ رکھنے کی خاص مصلحت و وبال کا مقابلہ ہے اس
 کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے، یا جوج ماجوج کا فتنہ برپا ہوگا، اس کے لیے
 دغا کریں گے تو وہ فتنہ بھی ختم ہو جائے گا۔ آپ شادی بھی کریں گے، زمین پر

پچاس یا ساٹھ سال کا عرصہ گزار کر وفات پائیں گے اور پھر دفن ہوں گے۔ یہ سب باتیں نزول کے بعد وارد ہونے والی ہیں اور آپ کے آسمان پر زندہ اٹھ جانے کی طرف دلالت کرتی ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا عقیدہ بنیادی عقیدہ ہے۔ اہل حق میں سے اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ متواتر اور صحیح احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا انکار کفر ہے۔ ایسا شخص اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ اس آیت میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہیں ہو گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل آپ پر ایمان لے آئے گا۔ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ اور قیامت والے دن يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مسیح علیہ السلام اہل کتاب پر گواہ ہوں گے۔ آپ اللہ کے ہاں گواہی دیں گے کہ یہود و نصاریٰ نے دنیا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ ایک گروہ نے سرے سے تکذیب کر دی آپ کے مخالف ہو گئے حتیٰ کہ سترائے موت دوانے کی کوشش کی، اور دوسرے گروہ نے انہیں خدا کا بیٹا بنا دیا لہذا تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ سب باتیں ہوں گی۔

فِي ظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ
 أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ
 كَثِيرًا ۖ (۱۶۰) وَأَخَذَهُمُ الرَّبُّوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ
 وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَأَعْتَدْنَا
 لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ (۱۶۱) لَكِنَّ الرَّاسِخُونَ
 فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا
 أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ ۗ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ
 وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
 أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ (۱۶۲)

ترجمہ: پس بوجہ ظلم کرنے ان لوگوں کے جو یہودی
 ہوئے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام قرار دیں جو حلال تھیں
 اور بوجہ ان کے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے بہت
 سے لوگوں کو (۱۶۰) اور بوجہ ان کے سود لینے کے حالانکہ انہیں
 منع کیا گیا تھا اس سے۔ اور بوجہ ان کے نکھانے لوگوں کے
 مال باطل طریقے سے اور تیار کیا ہے ہم نے کفر کرنے والوں
 کے لیے دردناک عذاب (۱۶۱) لیکن ان میں سے علم میں پختہ
 لوگ اور ایمان لانے والے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو آپ

کی طرف اُٹاری گئی اور جو آپ سے پہلے اُٹاری گئی۔ اور
 (تعریف کے مستحق ہیں) وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں اور
 زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو ایمان رکھنے والے ہیں پھر اور قیامت کے دن پر۔ یہی
 لوگ ہیں۔ کہ ان کو ہم بہت بڑا اجر دیں گے (۶۱۲)

ربط آیات

گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب کی خرابیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اور یہ درس بھی اسی
 سلسلہ کی کڑی ہے۔ اہل کتاب نے عباد کی وجہ سے کہا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو کتاب
 بیکارگی کیوں نہیں لے آتے، جیسا کہ پہلے نبی لائے۔ اس اعتراض کا حقیقی جواب تو اگلے
 رکوع میں آئے گا، تاہم گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی کہ آپ
 اہل کتاب کے فضول اعتراضات سے دل برداشتہ نہ ہوں، اس ضدی قوم نے آپ سے
 پہلے انبیاء پر اس سے بھی بڑے بڑے سوال کیے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے
 رؤیت الہی کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً سزا دی اور ایک بجلی آئی جس نے انہیں جلا
 کر ہلاک کر دیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی
 اللہ نے یہودیوں کی یہ خواہش بھی بیان فرمائی کہ واضح دلائل دیکھنے کے باوجود انہوں نے
 پچھڑے کی پوجا کی اور کفار کے طور پر ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا گیا۔ ان لوگوں نے اللہ کے
 نبیوں کو ناحق قتل کیا اور آخر میں حضرت مریم پر بہتان باندھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (العیاذ باللہ)
 ولد الزنا کہا۔ انہوں نے فخر یہ یہ دعویٰ بھی کیا کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ
 وہ نہ تو آپ کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے۔ بلکہ یہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ ہو کر رہ گیا
 اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھایا۔ اس کے بعد
 اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کی طرف بھی اشارہ کیا۔ اور یہ بھی فرمایا
 کہ اس زمانے میں یہود و نصاریٰ میں سے کوئی شخص بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے
 بغیر نہیں رہے گا، کیونکہ جو ایمان نہیں لائے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

علائقہ

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو دی جانے والی اس سزا کا ذکر کیا ہے۔

جس کے مطابق ان پر بعض حلال چیزیں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔
فِيْضْلِهِ مِنَ الَّذِيْنَ هَادَوْا يَهُودِيْنَ كَيْفَ ظَلَمُوْا لِيْسِيْنَ كَيْفَ ظَلَمُوْا لِيْسِيْنَ
 عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٌ اُحِلَّتْ لَهُمْ هَمَّ نَ ان پوپا کینرہ چیزیں حرام
 قرار دیدیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔ اور ظلم سے مراد اہل کتاب کی وہ خرابیاں
 ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ دروس سے چلا آ رہا ہے۔

کسی چیز کی حرمت دو وجوہات کی بنا پر ہوتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ حرام چیز میں
 کوئی ایسی خرابی پائی جاتی ہے جو جسمانی یا روحانی لحاظ سے انسان کے لیے مضر ہوتی ہے
 لہذا مصلحتاً اسے حرام قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور یا پھر کوئی حلال چیز محض مزاج کے طور پر
 کسی قوم پر حرام کر دی جاتی ہے۔ آج کے درس میں اس قسم کی حرمت ہی کا تذکرہ ہے
 اگلی سورۃ ماڈرہ میں حلال و حرام کا تفصیل سے ذکر ہے۔ وہاں پر طہیبات

جہانی
 نقصانات

کہ حلال قرار دیا گیا ہے اور پھر بھیسیدۃ الانعام یعنی مریشیوں کو حلال قرار دیا ہے ،
 ان کا گوشت اور دودھ حلال ہیں کیونکہ ان جانوروں یعنی گائے ، بھینس ، بھیر ، بھیر ،
 اونٹ وغیرہ کا مزاج انسانی مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے درندے
 جو انسانی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے ، انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ترمذی شریف
 کی روایت میں آتا ہے اَنَّہُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ
 الدَّوَاۓِ الخَبِيْثِۃِ یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام نے خبیث دوا کے استعمال سے
 منع فرمایا ہے۔ مثلاً کھچیا یا کوئی دوسری زہر دوائے خبیث ہے۔ حضور نے اس
 کے ذریعے علاج کرنے سے منع فرمایا کہ اس کا استعمال انسانی مزاج کے بائیکل
 خلاف ہے۔ اس کی معمولی مقدار بھی انسان کے معدے ، جگر اور مثانے کو زخمی کر
 دیتی ہے۔ خون جاری ہو جاتا ہے۔ جسم میں ورم آ جاتا ہے۔ اور پھر تمام جہانی نظام
 درہم برہم ہو کر مریض کی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ چونکہ زہر انسانی جسم کے
 لیے مضر ہے ، لہذا اس کے استعمال سے منع فرمایا گیا حضور علیہ السلام نے گھوڑے
 کا گوشت کھانے کی اجازت دی مگر

کے گوشت سے منع فرمادیا۔ گدھے کا گوشت انسانی جسم سے مطابقت نہیں رکھتا، جو شخص کھا بیگا بلید الطبع ہو جائے گا اس میں گدھے جیسی صفات پیدا ہوں گی۔ اسی طرح درندوں کا گوشت بھی حرام ہے۔ جو شخص شیر، چیتا، ریسچھ، کیدڑ، بلی، کتا وغیرہ کا گوشت استعمال کرے گا، اس میں وہی صفات پیدا ہو جائیں گی جو قومیں درندوں کا گوشت کھاتی ہیں، ان میں لوٹ مار اور قتل و غارت جیسی صفات ہی پیدا ہوتی ہیں۔ البود و شریفین کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھال سے تیار کیے گئے مصلے پر بیٹھنے سے منع فرمادیا اگرچہ وہ دباغت شدہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ایسی کھال استعمال کرنے والے میں تکبر جیسی قبیح صفت پیدا ہوگی جو کہ ہمارے اخلاق کے لیے سخت مضر ہے۔ بدخلاف اس کے اوتھ، گائے، بھیر بھیری کی کھال کے مصلے پر بیٹھنا جائز ہے۔

کہونکہ جانور انسانی طبائع سے مطابقت رکھتے ہیں :

روحانی
نقصان

اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں روحانی نقصان کی وجہ سے حرام قرار دی ہیں جیسے مردار، دم مسفوح، خنزیر کا گوشت اور زلفیر اللہ مردار کی حرمت میں یہ وجہ کار فرما ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے انسان میں سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے نیز نبی کے کام اور عبادت میں نشاط پیدا نہیں ہوتا، یہ اس کا روحانی نقصان ہے اسی طرح رگوں سے نکلنے والے خون میں یہ خرابی ہے کہ اسے استعمال کرنے والے آدمی میں درندگی کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں شیر، تڑپچھ وغیرہ جانور کا خون ہی پینے میں جس کی وجہ سے ان میں اس قدر درندگی پائی جاتی ہے۔

خنزیر گندگی کھانے والا جانور ہے۔ اس کا گوشت کھانے والے آدمی میں بھی گندگی ہی پیدا ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ جانور بے غیرت بھی ہے لہذا اس کا گوشت کھانے والے بھی بے غیرتی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انگریز اور سکھ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں لہذا یہ دونوں قومیں بے غیرتی میں ملوث ہیں۔ جنسور علیہ السلام نے گندگی کھانے والے جانور (جلالہ) کا گوشت مکروہ تحریمی میں شمار کیا ہے جو گالے

یا بھڑو وغیرہ گندگی کھانے لگے اس کا حکم یہ ہے کہ اُسے دس دن تک بانڈھ کر گندگی سے حفاظت کی جائے تو پھر اس کا گوشت کھانے کے قابل ہوگا اس طرح اگر مرغ بھی گندگی کھانے لگے تو اُسے تین دن تک روک کر پھر اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔

چوتھی چیز غیر اللہ کے نام کی نذر بھی حرام ہے ”وَمَا أَهْلًا بِهِ لَعْنًا“ اللہ کے استعمال سے بھی روحانی سجاوٹ پیدا ہوتی ہے جسے اعلیٰ روحانیت کے حامل لوگ بھی محسوس کرتے ہیں۔ نذر غیر اللہ کی اشیاء کھانا، دودھ، گوشت وغیرہ اگرچہ ظاہر حلال ہیں مگر جب یہ پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی پرستار جن یا فرشتے کی خوشنودی کے لیے موسوم کی جائیں تو ان کے کھانے سے انسان کی روح ناپاک ہو جاتی ہے گویا یہ روحانی طور پر مضر ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے وہ چیزیں یہودیوں پر بطور سزا حرام قرار دی گئی تھیں۔ ان ضدی اور شرارتی لوگوں نے بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر احکام بھی سخت نازل فرمائے دیکھنے کی پوجا اور پھر نبی اسرائیل کی توبہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ انہوں نے شرک جیسے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے قبولیت توبہ کی یہ کڑی شرط لگا دی کہ تمام مشرکین کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی طرح اللہ نے ان کی قباحتوں کی وجہ سے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی حرام قرار دے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت سے پائے جانے والے شتر مرغ ان کے لیے حرام کر دیے۔ اونٹ اور دیگر حلال جانوروں کی چربی حرام قرار دے دی۔ وہ صرف ہڈیوں یا آنتوں کے ساتھ ملی ہوئی چربی تو استعمال کر سکتے تھے مگر گوشت کے ساتھ لگی ہوئی چربی ان کے لیے حرام تھی۔ یہ ان کے لیے بڑا دشوار حکم تھا مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ ان کے اپنے جرائم کی وجہ سے سزا کے طور پر کرنا پڑا۔

فرمایا یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان کے لیے بعض پاکیزہ چیزیں حرام

حرمات
بطور سزا

ظلم
مستقیم
میں رکاوٹ

کر دی گئیں وَبَصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَيْتَرِ اللَّهُ
 کے راستے سے لوگوں کو روکنا بھی یہودیوں کے جرائم میں سے ہے اور ان کے
 لیے بعض حلال چیزوں کی حرمت کی ایک وجہ یہ بھی تھی حضور علیہ السلام کے
 زمانہ مبارک میں یہ لوگ ایٹمی چوٹی کا زور لگاتے تھے کہ کسی طرح لوگ اسلام قبول نہ
 کریں بلکہ کفر و ضلالت کے دام فریب میں ہی پھنسے رہیں۔ آج تک یہودیوں
 کا یہی طریقہ ہے۔ لوگوں کو صراطِ مستقیم سے روکنے میں یہ لوگ تمام اقوامِ عالم سے پیش
 پیش ہیں۔ انہوں نے دنیا بھر میں سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہتھوڑاؤں کے
 مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ لٹریچر اور فلموں کے ذریعے دینِ حق کی قبولیت سے
 روکتے ہیں، مال خرچ کرتے ہیں، عورتوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ سکول اور
 ہسپتال بناتے ہیں۔ ان تمام سکیوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ کسی طرح لوگ قرآن پاک
 کی تعلیم سے بہرور نہ ہو سکیں اور نہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن پر کامزن
 ہو سکیں۔ اسی لیے فرمایا کہ یہودیوں کی سزا کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کی کثیر تعداد
 کو صراطِ مستقیم سے روکتے ہیں۔

سود خوری

فَرِيَا وَآخِذَهُمُ الزَّلْبُو وَقَدْ نَهَوْا عَنْهُ اُورُودُ لَيْعِنُ كِي وَجِه
 سے حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ بنگلگ سٹم کے موجد اور سود خوری کے
 ام بھی یہی لوگ ہیں۔ ان لوگوں نے سود کا طریقہ ایجاد کرنے کے ساری دنیا کو اس لعنت
 میں گرفتار کر دیا ہے۔ سود پہلی شریعتوں میں بھی حرام تھا اور آج بھی حرام ہے۔ مگر
 یہ لوگ اسے مسلسل کھاتے ہیں وَأَكَلِهِمْ أَهْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
 اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے بھی یہ لوگ مستحق لعنت
 ٹھہرے۔ سود خوری بذاتِ خود مالِ طہرپ کرنے کا باطل ترین ذریعہ ہے۔
 اس کے علاوہ دھوکہ، فریب اور من مانے جوازات کے ذریعے ناحق مال کھانا
 ان کی عادتِ قدیمہ ہے۔ سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي
 الْأُمِّيِّاتِ سَبِيلٌ یعنی امیوں کا مال ہمارے لیے ہر طرح مباح ہے اسے

ناجائز طریقے سے کھانے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ
 جھوٹے ہیں کسی کا مال ناحق کھانا اللہ کے دین اور شریعت میں قطعاً روا نہیں
 اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم موجود ہے "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
 بَيْنَكُمْ بِالْبِطَالِ" یعنی ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت
 کھاؤ مگر لوگوں نے ناجائز طریقے سے مال مٹھ لیا کرنے کے کتنے طریقے
 ایجاد کر لیے ہیں۔ خوشی اور غمی کی رسومات، جھوٹے تعویذ گنڈے اور سحر سب
 مال کھانے کے باطل ذرائع ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا وَأَعْتَدْنَا
لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ہم نے منکرین دین و شریعت کے
 لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ اللہ کے ہاں پکڑے جائیں گے۔
 مجرمین کا حال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حق پرست مومنین کا تذکرہ
 بھی کیا ہے۔ گذشتہ سورۃ میں بھی گزر چکا ہے "لَيْسُوا سَوَاءً" سب لوگ
 برابر نہیں ہوتے۔ اہل کتاب میں بھی بعض حق پرست لوگ ہوتے ہیں ایسے
 لوگ باطل پرستوں کی فہرست سے نکل جاتے ہیں اور حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ فرمایا
لَكِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْعَالَمِ مَثَلًا مگر جو لوگ علم میں سچتہ کار ہوتے ہیں۔
 حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے بعض رفقاء
 ایمان قبول کیا، وہ لوگ صحیح معنوں میں اہل علم تھے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا اور کچھ ایسے
 ایمان والے لوگ بھی ہوتے ہیں يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ جو اس چیز
 پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی یعنی قرآن پاک وَمَا أُنزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ اور اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل کی گئی یعنی تمام
 کتب سماویہ۔ اور ایمان کی تکمیل چھٹی ہوتی ہے جب تمام انبیاء اور تمام کتب
 پر ایمان لایا جائے۔ تمام شریع الہیہ کو تسلیم کیا جائے، تاہم عمل صرف آخری شریعت
 اور کتاب ہی پر کیا جائے گا۔

حق پرست
 لوگ

فرمایا قابلِ تعریف ہیں وہ حق پرست لوگ جو علم میں سچتہ اور تمام کتب سماویہ

پر ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے علاوہ وَالْمُتَّقِينَ الصلوات جو نماز قائم کرنے والے ہیں کیونکہ تعلق باللہ قائم کرنے کے لیے نماز ایک بہترین ذریعہ ہے۔ انسان نماز کے ذریعے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتا، مناجات کہتا ہے۔ اور اعضا، جوارح سے اس کی تعظیم بجالاتا ہے۔ پھر فرمایا وَالْمُسْتَوِينَ الزکوٰۃ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے لوگ بھی قابل آفرین ہیں۔ نماز کے ساتھ تعلق باللہ قائم ہوتا ہے تو زکوٰۃ کے ذریعے مخلوق کے ساتھ تعلق اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کے بندوں کی غیر غراہی کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی فرائض میں سے ہے اور سب سے مقدم ہے، اس کے بعد صدقات، خیرات وغیرہ کی تو بہت آتی ہے کہ یہ بھی خدمت السانی کا ذریعہ ہیں۔ اتفاق فی سبیل اللہ میں اللہ نے بہت سی مصلحتیں رکھی ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک طرف یہ عمل انسان کو محل سے بچاتا ہے تو دوسری طرف بنی نوع انسان کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت لَتَمَنَّا الصَّدَقَاتِ لِلْفُقَرَاءِ..... الخ یعنی امور خیر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

فرمایا وہ لوگ بھی قابل تعریف ہیں وَالْمُسْتَوِينَ بِاللَّهِ جو اللہ پر ایمان لانے والے ہیں وَالْمُسْتَوِينَ اور قیامت کے دن پر بھی ان کا ایمان ہے جزائے عمل کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ سَنُوْثِقُهُمْ أَجْرًا عَظِيمًا ایسے لوگوں کو ہم عنقریب اجر عظیم سے مالا مال کریں گے۔ ایسے لوگ جہاں سے ہمدردیت سے لائے ہوں یا نصرت کی گورد سے، اگر وہ علم میں سچے کار ہیں۔ تمام کتب سماویہ پر ایمان لاتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ روز آخرت پر ان کا ایمان ہے تو وہ لوگ لائق تعریف اور مستحق اجر ہیں۔

لا یحب اللہ

النساء ۴

رس من غفار و شیخ ۷۵

آیت ۱۶۲ تا ۱۶۵

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ
 مِنْ بَدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
 وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ
 وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ
 زَبُورًا ۝ (۱۶۳) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ
 قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ
 اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ۝ (۱۶۴) رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ
 مُنذِرِينَ لَعَلَّ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ
 بَعْدَ الرَّسُولِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (۱۶۵)

ترجمہ: بیشک ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف جیسا کہ

ہم نے وحی نازل کی تھی نوح علیہ السلام کی طرف اور ان نبیوں کی طرف
 جو نوح (علیہ السلام) کے بعد آئے اور ہم نے وحی نازل کی ابراہیم
 (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی
 اولاد کی طرف۔ اور عیسیٰ (علیہ السلام)، ایوب (علیہ السلام)، یونس (علیہ السلام)، ہارون
 (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) پر، اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو عطا
 کی (۱۶۳) اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ
 پر بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے، اور ایسے رسول بھی بھیجے جن کے

حالات ہم نے نہیں بیان کیے آپ پر۔ اور اللہ تعالیٰ نے کلام کیا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا (۱۶۷) ہم نے رسول بھیجے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی حجت رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے (۱۶۸)

ربطیات

اہل کتاب سے ملاوٹینے کے اطراف میں پہنچنے والے یہودی ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتراض کا ذکر فرمایا یَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آپ نبوت کے دعویدار ہیں، تو پھر قرآن پاک تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوتا ہے آپ پوری کتاب ایک دفعہ کیوں نہیں آسمان سے لے آتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری تورات تختیوں پر لکھی بکھائی یکبارگی مل گئی تھی، یہودیوں میں بعض ایسے بد بخت بھی تھے جو کہتے تھے مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اور آپ کا دعویٰ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سوال کے الزامی جواب دیے اور حضور علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ معترضین ایسے یہودہ لوگ ہیں کہ انہوں نے اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑے سوال کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سوالوں کو شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا، کہ ہم تجھ پر گواہیاں نہیں لائیں گے، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ان لوگوں نے واضح نشانیاں ملنے کے باوجود کچھ طرے کی پوجا کی، عہد و پیمانہ کو توڑا، انبیاء کو ماسخ قتل کیا، حضرت مریمؑ پر طوفان باندھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہایت گندہ عقیدہ وضع کیا، اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف سے تجاوز اور تعدی کی بنا پر اُن پر سخت احکام نازل فرمائے اور اُن کے لیے بعض حلال چیزیں حرام قرار دے دیں۔ انہیں سود سے اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے سے منع کیا، مگر انہوں نے ذرا پروہیز نہ کیا بلکہ زیادتی میں مزید

بُھٹ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض لوگوں کی تعریف فرمائی جو علم میں پختہ کار تھے جب انہوں نے قرآن پاک سنا اور پیغمبر علیہ السلام کی زیارت کی تو ایمان سے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجر عظیم کی بشارت سنائی۔

صدقہ
کی دلیل

اب آج کے دورس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اُس سوال کا حقیقی جواب دیا ہے جس میں وہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ پر لوری کتاب کھنی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ بَشَرًا مِمَّنْ لَمْ تَلْمِزْ لَنَا مِنْ قَبْلُ وَرَأَيْنَاكَ شَهِيدًا

اور اِن کے بعد آئے طے انبیا کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے چند انبیا کے نام بھی گنوائے ہیں جن کی طرف وحی آتی رہی۔ فرمایا وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ رَاٰسِلٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَاِیْعٰقُوْبَ وَاِلٰسٰکَ بٰطِ وَاوْرٰہِمَ وَاِبْرٰہِیْمَ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام اور انکی اولاد پر۔ اس کے علاوہ وَعِیْسٰی وَاِیُّوْبَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ

ہم نے حضرات عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی وحی بھیجی۔ وَ اٰتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا وَاوْرٰہِمَ وَاِبْرٰہِیْمَ

داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ جو اب کی نوعیت پر ہے کہ اہل کتاب جب سابقہ انبیا علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لاتے ہیں تو نبی آخر الزمان پر ایمان کیوں نہیں لاتے

جب کہ اللہ کے آخری نبی پر بھی اسی طرح وحی نازل ہوتی ہے جس طرح انبیا سابقہ پر ہوتی رہی تو اب اس نبی اور اس کتاب کو تسلیم کرنے میں کونسا مانع ہے۔ ان

حقائق کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے اور یہ کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وحی صرف

نبی پر آتی ہے، غیر نبی پر نہیں۔ البتہ کشف یا الہام غیر نبی کو بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اسے وہ قطعی اور یقینی حیثیت حاصل نہیں ہوتی، جو وحی الہی کو حاصل ہوتی ہے۔

بھی یہ بھی ہے۔ کہ تمام انبیاء پر وحی تو نازل ہوتی رہی ہے مگر سب کو کتابیں نہیں دی گئیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جن کو کتابیں دی گئی ہیں وہ سب کی سب اکٹھی نہیں دی گئیں بعض انبیاء کو کچھ کتابیں دی گئی مگر بعض پر آیات کی صورت میں حضور ﷺ ہی نازل ہوتی رہی، لہذا انبیاء کے واسطے پوری کتاب کا اکٹھا نازل ہونا ضروری نہیں جس کا یہ اہل کتاب مطالبہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی محنت کا ملکہ کے تحت جس نبی پر جس وقت جتنی وحی چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے اگر یہودی حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ باقی انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی مان لینا چاہیے۔

رسول اور
کتابیں

اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو مکمل کتابیں دیں اور بعض کو چھوٹے چھوٹے صحیفے چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ اللہ نے کل کتنے نبی اور رسول مبعوث فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کل انبیاء اور رسول کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ پھر عرض کیا کہ ان میں رسول کتنے تھے۔ فرمایا تین سو پندرہ رسول تھے اور باقی سب انبیاء وحی تمام انبیاء و رسول پر نازل ہوئی مگر کتاب اور شریعت صرف رسولوں کو ملی۔ اسی روایت میں کتابوں کا ذکر بھی آتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا حضور! اللہ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کل ایک سو چار، جن میں چار بڑی کتابیں اور ایک سو چھوٹے چھوٹے صحیفے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے انبیاء پر بھی اللہ نے بعض صحیفے نازل فرمائے۔ اسی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر عرض کیا، کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ہاں! وہ نبی تھے کَلَّمَہُ اللہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کلام کیا، لہذا وہ نبی اور مکلم تھے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اُن کے صلیبی بیٹے حضرت شیت علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ اور اُن کے بیٹے یا پوتے حضرت ادریس علیہ السلام بھی

معروف اور
غیر معروف
انبیاء

اگے ارشاد ہوتا ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ آپ سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا ذکر ہم نے قرآن پاک میں کر دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں چھبیس یا ستائیس انبیائے کرام کے اسماء یا ان کے لقب کا ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط ایسے رسول اور انبیاء بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بالرسول کے لیے تمام انبیاء کے اسمائے گمراہی یا ان کے کارہائے نمایاں کا جاننا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ سب پر اچالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اور جہاں بھی کوئی نبی مبعوث فرمایا ہے، ہمارا ان سب پر ایمان ہے، وہ سب اللہ کے پیغمبر ہی تھے۔ جو لوگوں کی ہدایت کے لیے تشریف لائے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ہمیں چیز پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی وَمَا أَوْحِيَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِمْ اور اس چیز پر بھی ایمان لائے جو تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئی ہر زمانے میں ہر قوم کی طرف رسول آئے ہیں لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اللہ نے ہر قوم کے لیے ہادی اور راہنما بھیجے، ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں، سب پر ہمارا ایمان ہے۔

برصغیر کی
بعض شخصیات

برصغیر کی بعض شخصیتوں کے متعلق لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید وہ نبی ہوں کیونکہ اللہ نے تمام انبیاء کا ذکر کر دیا ہے بلکہ ان کی اکثریت غیر معروف ہے۔ چنانچہ برصغیر کے کوشن جی مہاراج، رام چندر اور بدھ کے متعلق اللہ کے نبی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ایران میں زرتشت ہوا ہے۔ جس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے قریب ہے۔ کوشن جی مہاراج آج سے تقریباً تین ہزار سال پہلے ہوئے ہیں۔ تاریخ میں ان کے صحیح صحیح واقعات نہیں ملتے اور نہ ان کی تعلیم کے متعلق کوئی بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے۔ ہندوؤں نے جو چیزیں ان کی طرف منسوب کی ہیں، ان میں تو کفر اور شرک پایا جاتا ہے، جو ایک نبی کے ساتھ

قطعاً مطابقت نہیں رکھتیں۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کی اصل تعلیم صحیح ہو۔ مگر بعد میں یہاں کے لوگوں نے اُسے اسی طرح بگاڑ دیا ہو، جس طرح یسوع نصاریٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑ کر کچھ سے کچھ کہہ دیا ہے۔ بدھ کے نظریات کے متعلق جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منکر خدا تھا۔ وہ مسیح علیہ السلام سے بھی پانچ سو سال پہلے گزرا ہے، ہو سکتا ہے، وہ اللہ کا نبی ہو، مگر بعد میں اس کی تعلیم کو بگاڑ دیا گیا ہو۔ بہر حال ان لوگوں کے اقرار یا انکار کے لیے ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ ہمارا ایمان اس حد تک ہے کہ اللہ کے تمام انبیاء و رسل برحق تھے۔

ذی الکفل کا نام قرآن پاک میں موجود ہے مگر اُن کے متعلق مزید تفصیلات کا علم نہیں۔ بعض مفسرین نے کفل کو کپل کی بستی سے منسوب کیا ہے جو کہ مندوستان کے صوبہ بہار میں واقع ہے۔ مہاتما بدھ ہمیں پیدا ہوا تھا مگر یہ محض گمان ہی ہے یقینی بات نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ذی الکفل سے مراد وہ کفالت والے نبی ہیں جنہوں نے ایک شخص کی ضمانت دی تھی اور پھر اس ضمانت کی پاداش میں چوڑھارہ تک قید کاٹی اور اس واقعہ کی نسبت سے اُن کا لقب ذی الکفل مشہور ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

بہر حال انبیاء پر ایمان لانے کے لیے اُن کی تفصیلات جاننا ضروری نہیں اُن پر اجمالاً ایمان لانا ہی کافی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام

خدا تعالیٰ سے
ہم کلامی

کی ایک خصوصیت کا ذکر کیا ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَخَلُّیْمًا اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے متعدد بار کلام کیا۔ چنانچہ کوہ طور پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی بہت سی روایات موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو خصوصیت عطا فرمائی، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تکلم کی خصوصیت ہے۔ اسی طرح یہ

خصوصیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی عطا کی گئی کہ آپ کو مہراج کے موقع پر عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب ہوئی۔ تو یہ موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔

انذار
بتشیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا رَبُّ سُبْحَانَ مَبَشِّرِ مَن يَمُنُّ بِمَنْزُورٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّهِ
رسول مبعوث فرمائے۔ اور خوشخبری ایمان اور نیکی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے فرمایا اِنَّ
لَهُمْ قَدْ اَمَّ صِدْقًا اِنَّ كَيْدَ اَنْكَرِ رَبِّكَ كَيْدًا سَاطِرًا
تمہارے نیک اعمال کا بدلہ یقیناً تمہیں ملیگا، اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہوگا، تمہیں درجات
ملیں گے اور نجات حاصل ہوگی۔ وَمَنْ نَذَرَ مَنَّا اللّٰهُ تَعَالٰی نے نبی بھیجے جو ڈرانے والے
بھی ہیں۔ گویا انذار و بتشیر ہر نبی کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ حکم دیا
کہ اہل ایمان کو خوشخبری سے دو اور نافرمانوں کو برے انجام سے خبردار کر دو۔ سورۃ بقرہ
میں حکم ہے اِنۡبِیۡءِ اللّٰہِ عَلَیۡہِ السَّلَامُ اِنۡذِرُوۡہُمۡ لَعَلَّہُمْ یَتَّقُوۡنَ
کہ کفر و شرک کا انجام کیا ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اہل مکہ کو عطا ہوا نبی پر جمع
کیا، اور ان سے تصدیق کرائی کہ آپ بالکل سچے ہیں۔ پھر فرمایا اَللّٰہُ یَبۡتَلِیۡکُمْ
تَوَافٰ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ لِّمَنۡ لَّمْ یَتَّخِذِ
کرے تاہم کہ ایک بڑا عذاب آنے والا ہے، اس سے بچ جاؤ۔ اگر ایمان نہیں
لاؤ گے۔ تو یقیناً بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر مشرکین سخت سرخ پا
ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔

فرمایا اللہ کے نبی لوگوں کو خوشخبری سناتے ہیں اور ڈرتے ہیں لَسَّ اَنَّ
یَکُوۡنَ لِلسَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حِجَّةٌ اَبَعَدَ الرَّسُوۡلِ تَاۡکُۡرُۡمًا یُحِیۡنَ
کے بعد اللہ کے سامنے لوگوں کے لیے کوئی حجت باقی نہ ہے۔ کل کو کوئی یہ نہ
کہہ سکے کہ میں تو اللہ کے احکام کا علم نہیں ہوا، اور جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ کوئی
یہ نہ کہے مَا جَاۡءَنَا مِّنۡ مَّبَشِّرٍ وَّلَا نَذِیۡرٍ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے
والا اور ڈرانے والا نہ آیا، بلکہ فَقَدْ جَاۡءَنَا مِّنۡ مَّبَشِّرٍ وَّنَذِیۡرٍ ہمارے

پاس تبشیر و انذار کرنے والے اچھے۔ انہیں بھیج کر اللہ نے اپنی حجت پوری کر دی ہے اب تمنا ہے پاس لاعلمی کا کوئی بہانہ باقی نہیں رہا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس کے سچوں اور کتابوں پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری نجات ہے۔

مفسر قرآن امام بیضاویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام سامان اپنی مخلوق کو مہیا کر کے اپنی حجت تمام کر دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو اس حمسہ جیلے، عقل و شعور کی دولت دی۔ پھر رسولؐ بھیجے جو لوگوں کے لیے عملی نمونہ تھے۔ اس کے ساتھ اللہ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل فرمائیں۔ اس طرح اللہ نے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہ سکے، کہ مجھے پتہ نہیں چلا اور نہ میں ایمان لے آتا، میں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی یا میرے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ ان تمام ذرائع ہدایت کے باوجود جو لوگ گمراہہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ مَا اللَّهُ تَعَالَىٰ كَمَا تَكُونُ قُدْرَتُ كَمَا تَكُونُ
 وہ سزا اور جزا دینے پر قادر ہے۔ اور وہ حکیم ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ لہذا اس کے احکام پر عمل کرنے سے فلاح حاصل ہوگی۔

سامان
 ہدایت

النساء ۴

آیت ۱۶۶ تا ۱۷۰

لا یرحب اللہ ۶

درس ہفتادوشش ۷۶

لِکِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَهُ
 بِعِلْمِهِ ۚ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَشْهَدُوْنَ ۗ وَکَفٰی بِاللّٰهِ
 شَهِیْدًا ۙ (۱۶۶) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
 سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلًّا کَبِیْرًا ۙ (۱۶۷) اِنَّ
 الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرْ لَهُمْ
 وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ۙ (۱۶۸) اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ
 خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ۗ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرًا ۙ (۱۶۹)
 یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ کُمْ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
 مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاِنْ تَکْفُرُوْا
 فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَکَانَ
 اللّٰهُ عَلِیْمًا حٰکِیْمًا ۙ (۱۷۰)

ترجمہ: لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جس کو اس
 نے اتارا آپ کی طرف۔ اس کو اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے
 اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی کے
 اعتبار سے (۱۶۶) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ
 کے رستے سے روکا، تحقیق وہ گمراہ ہو گئے اور گمراہی میں
 دُور جا پڑے (۱۶۷) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم

کیا اللہ اُن کو نہیں بخشنے گا، اور نہ اُن کی راہنمائی کرے گا سیدھے راستے کی طرف (۱۶۸) سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر آسان ہے (۱۶۹) اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس رسول حق بات لے کر تمہارے رب کی طرف سے۔ پس ایمان لاؤ، تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے، پس آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۷۰)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں گذر چکا ہے کہ "يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ".... الخ یعنی یہودی آپ پر سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی کتاب کیوں نہیں لاتے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام لائے۔ اس اعتراض کے اللہ تعالیٰ نے دو طریقوں سے جواب دیے ہیں۔ پہلا جواب الزامی تھا اور حضور علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں، ان کا مقصود ہر حالت میں یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزماں اور قرآن پر ایمان نہ لایا جائے یہ ان کی قومی عادت ہے انہوں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی سوال کیا تھا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی کا تذکرہ بھی کیا اُن کی والدہ پر زنا کا الزام لگایا اور خود انہیں قتل کرنے کی سازش کی۔

یہودیوں کے اعتراض کا دوسرا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا "وَاَوْحَيْنَا إِلَيْكَ".... الخ یعنی ہم نے آپ پر بھی اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے۔ جس طرح آپ سے پہلے نوح علیہ السلام اور اُن کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی اس استدلال سے مقصود یہ تھا کہ تمام انبیاء و رسل پر نزول وحی کی نوعیت یکساں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ پہلے انبیاء کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر آپ کی نبوت کا انکار کر رہے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام

کی طرح تمام انبیاء کو ان کی کتابیں یک مشت نہیں دی گئیں۔ بعض پیغمبروں پر وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی اور تھوڑی تھوڑی کر کے کتابیں نازل ہوئیں۔ اسی طرح نبی اخیر الزمان پر بھی وقفے وقفے سے وحی نازل ہو کر کتاب تکمیل ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو یکمشت نازل نہ کرنے کی حکمت بھی سورۃ فرقان میں بیان فرمائی کہ **كَذَلِكَ هُنَّ اٰیٰتٌ نَّزَّلْنَآ فَاذْكُرْ فَاذْكُرْ لَنْ نَّسِيَدَ لَكَ** قرآن پاک کا تدریجاً نزول آپ کے دل کی پختگی کے لیے ہے۔ جو شخص سبقاً سبقاً تعلیم حاصل کرتا ہے اس میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور وہ بات کف کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا ہے، سب کچھ یکدم پڑھنے سے اچھی طرح یاد نہیں ہو سکتا لہذا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا تاکہ یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو کر قیامت تک کے لیے مشعل راہ بن سکے۔ تھوڑا تھوڑا پڑھنے میں یہ سہولت بھی ہوتی ہے کہ اس دوران پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کی تشریح بھی ہوتی رہتی ہے اور اس طرح انسانی ذہن اُسے تکمیل طور پر مستبول کر لیتا ہے۔ قرآن پاک کے نزول کا یہ تدریجی عمل تیس سال میں مکمل ہوا۔

باقی انبیاء علیہم السلام پر بھی وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی ہے ان میں سے بعض انبیاء کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کر دیا ہے۔ اور بعض کا نہیں کیا، اسی تفصیلات بھی گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہیں۔ بہر حال تمام انبیاء و رسل پر اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے اگرچہ قابل عمل شریعت آخری نبی کی آخری شریعت اور اللہ کی مقرر کی کتاب ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ سائے نبی مبرور اور مندر ہوتے ہیں۔ لوگوں کو یہی پروردگاری سنانا اور بڑائی کے انعام سے ڈرانا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہوتا ہے تاکہ کلامت کو کوئی شخص نہ کہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم نہیں ہو سکا، بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور بستی کی طرف انبیاء بھیج کر ان پر اپنی حجت تمام کر دی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں

حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہو مگر اس کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ یہودی اپنے پرانے تعصب اور عناد کی وجہ سے کہنے لگے، بخدا! ہم نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ہم آپ میں رسولوں والی کوئی علامت نہیں پاتے۔ اسی طرح ایک موقع پر مشرکین نے بھی یہودیوں سے کہا کہ تم لوگ اہل علم ہو۔ بھلا بناؤ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت میں سچے ہیں؟ وہاں پر بھی انہوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور آپ میں پائی جانے والی علامات نبوت کا صاف انکار کر گئے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس ضد کا تذکرہ مختلف مقامات پر کیا ہے کہ یہ لوگ نبی آخر الزمان کو اچھی طرح پہچاننے کے باوجود آپ کی رسالت کا سلسلہ انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کی علامات ان کی اپنی کتابوں میں ابھی تک موجود ہیں اگرچہ ان کتابوں میں بہت سی تحریف ہو چکی ہے۔ ان میں حسد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں آیا ہے۔ اس اعتراض کا جواب بھی قرآن کے مختلف مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ تو قائم نہیں کر رکھا تھا کہ تمام کے تمام انبیاء انہی کے خاندان سے آئیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ "يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ" وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اس میں کسی کی خواہش اور آرزو کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ بات ازل سے طے ہو چکی تھی کہ نبی آخر الزماں بنی اسماعیل میں سے آئے گا اور اس کا تذکرہ خود تورات میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں تیرے بھائی بندوں میں ایک رسول برپا کروں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہی بات نزول قرآن کی ابتدائی سورتوں میں بھی بیان فرمادی "إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا" ہم نے تمہاری طرف اسی طرح رسول مبعوث فرمایا

کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ آخری کتاب اپنے آخری نبی پر اپنے علم سے اناری۔ اس کے علوم، معارف اور حقائق کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑے سے بڑا انسان بھی اس کی کسی چیز پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سے فرمایا **وَلَا تَجْعَلْ بِالْفُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْبَلَهُ إِلَيْكَ وَحْدًا** جس کے مکمل ہونے سے پہلے آپ جلد بازی نہ کریں۔ **وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا** (رواۃ البیہق) بلکہ یوں کہیں کہ پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

کفار کی
گمراہی

قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ کرتے کے بعد فرمایا **ذُرْكَافَرًا** کا حال جیسا ہے **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کا معنی انکار ہے جو کہ بدترین چیز ہے۔ جن نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی کتاب، اس کے ملائکہ، اس کے انبیاء، اس کی صفت، یقیات کا انکار کیا۔ اور اس سے مراد یہودی ہیں جو صاف کہتے ہیں کہ نہ نبی آخر الزمان کو ہمیں چہانتے گویا آخر نبی اور آخری شریعت کا نہ صرف خود انکار کرتے ہیں بلکہ **وَعَصَوْا وَعَصَوْا** **سَبَّوْا لِلّٰهِ** دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں مختلف قسم کی سازشیں کرتے ہیں کہ کس طرح لوگ اسلام قبول نہ کریں۔ ایسے لوگوں سے متعلق فرمایا **فَقَدْ ضَلُّوا ضَلٰلًا كَبِيْرًا** کہ گمراہ ہو گئے۔ بد دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ اللہ کے راستے سے ذر بہت بائیں والے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا **لَكُمْ رَدُّنَا اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ** کہ یہ لوگ مخلوق کے ترین لوگ ہوتے ہیں۔ **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** البتہ جو ایمان اور اعمال صالحہ کے انجام میں والوں کے لیے لاکھ دراجر ہوگا۔ انسان ایمان اور نبی کے ذریعے ہی اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ خود کفر کرنے والے اور دوسروں کو بھی تسبیل حق سے روکنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ اس آیت کے لیے میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور

راستے کا
پتھر

دوسروں کو بھی قبولیتِ حق سے روکتے ہیں۔ مگر آج جب ہم اپنے گمراہیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آج خود مسلمان اسلام کے راستے میں سب سے بڑا پتھر ہے۔ انگریزوں کو مسلم محمد پھچھال نے مدراس میں اپنی تقریر کے دوران کہا تھا کہ میرا دنیا بھر کا مشاہدہ ہے کہ خود مسلمان اسلام کے راستے کا سنگِ گراں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان توحید کے بجائے شرک اور سنت کے بجائے بدعت پر عمل پیرا ہونگے، کفر کے شعار کو اپنائیں گے تو لوگ اسلام سے متنفر نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا مسلمان کے لیے تو لازم تھا کہ وہ اسلام کی حفاظت کرتا۔ اپنے قول و فعل سے اس کی آبیاری کرتا، اور ہمیشہ محتاط رہتا کہ ہمارے کسی عمل کی وجہ سے انبیاء کو اسلام پر طعن کرنے کا موقع نہ ملے۔ مگر آج مسلمان دنیا میں اپنا جو کردار پیش کر رہا ہے اس نے اسلام کے راستے میں دیوار کھڑی کر دی ہے۔ جاپان کے ایک نو مسلم پروفیسر مشام سے دریافت کیا گیا کہ تمہارے اسلام لانے کی کیا وجہ تھی، تو کہنے لگا، میں مسلمانوں کے کردار کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوا، بلکہ خوش قسمتی سے مجھے قرآن پاک کا نسخہ میسر آ گیا جسے پڑھ کر مجھے یقین آ گیا کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ البتہ مسلمان خود جھوٹے ہیں۔

سید جمال الدین افغانیؒ کے قیامِ مصر کے دوران ان کی ملاقات جہانزادہ پر سوار مسلمانوں کی ایک جماعت سے ہوئی۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو، کہنے لگے یورپ میں تبلیغِ اسلام کے لیے جا رہے ہیں۔ سید صاحب نیک دل مسلمان اور پانے کے سیاست دان تھے، ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ یورپ میں تبلیغ کے دوران یمنی میں ۲۹ دن یہ کہنا کہ ہم جھوٹے ہیں اور ایک دن کہنا کہ اسلام سچا ہے۔ تمہاری کامیابی کی یہی ایک صورت ہے، ورنہ تمہارے افعال و کردار کی بنیاد پر کہی شخص سے اسلام لانے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ خود مسلمان اپنے کردار کی وجہ سے اسلام کی ترقی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ دنیا کے کسی شعبے میں مسلمانوں نے حق و صداقت کا دامن نہیں پکڑا، عبادات کا معاملہ ہو یا سیاست اور تجارت کا

رسومات شادی کی ہول یا عیسیٰ کی ہنگامان شکر کیہ رسوماتیں مبتلا ہیں، بدعات کی بھرمار ہے
قبر پرستی ہو رہی ہے، یہ اسلام کا کوئی نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، اگر آج بھی ہم
اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں یہ کہیں لوگوں کو جو حق درجوق اسلام کی آغوش میں آنا
شروع ہو جائیں، مگر افسوس کہ ہم خود سید راہ بنے ہوئے ہیں۔

مکرمین کے
لیے سزا

فَرَمَا رَبِّي أَنِّي لَأَكْفُرُ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ كَمَا كَفَرُوكُنَّ أُمَّهَاتُ لَأَكْفُرَنَّ لَهُنَّ لَوْلَا إِتْرَافُكُنَّ وَتَقْوَاكُنَّ لَأَكْفُرَنَّ لَكُنَّ سَاقِيَاتُ كُفْرِكُنَّ لَئِيْلَاتٌ يَنْصُرْنَ الْكُفْرَ وَالْكَافِرِينَ
اور زیادتی کی۔ کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا۔ لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ
اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا۔ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا طَرِيقًا اور نہ
ان کو راستہ بتلائے گا۔ جب تک کوئی شخص فسق و فجور میں مبتلا ہو، باطل طریقے
پر اڑا ہوا ہو۔ اسے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بَلْهَذَا صِرَاطٌ
جَهَنَّمَ أَسَءَلْتُمْ لَهَا سَبِيلًا كَمَا كَفَرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ
اس جہنم میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرًا اور جہنم کے راستے پر چلانا اور جہنم میں ڈالنا اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان
ہے۔ اُسے کسی بھی چوڑی منصف و بربندی کی ضرورت نہیں نہ کوئی مشقت برداشت
کرنی پڑے گی، وہ تو قادر مطلق ہے۔ جب چاہے کسی کو سزا دے دے۔

ایمان
بالرسول

یہودیوں کا کردار بیان کرنے کے بعد اگلی آیات میں نصاریٰ کا ذکر بھی آ
رہا ہے۔ البتہ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے پوری نبی نوح انبان کو خطاب کیا ہے
خوہ اس کا تعلق کسی مذہب اور عقیدے سے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے لَيَأْتِيَنَّكَ
قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ الرَّسُولِ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ لَعَلَّكُمْ
تمہارے پاس اللہ کا رسول حق بات لے کر آگیا ہے تمہارے رب کی طرف
سے۔ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ پس ایمان لے آؤ کہ اسی میں تمہاری
بھلائی ہے۔ اللہ کا آخری رسول تمہارے پاس اللہ کا آخری پیغام (قرآن پاک) ایسے
آیا ہے۔ جو تمہاری فلاح کا حتمی پروگرام ہے۔ اگر اس پروگرام پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو
دنیا میں بھی کامیابی نصیب ہوگی اور آخرت کی فلاح تو بہر حال تمہارے ہتھ میں ہے۔

فرمایا وَإِنْ تَكْفُرُوا اگر انکار کر گے۔ نبی آخر الزمان اور اس کے لئے اُنہی
 پر ہو گا کہ تم سے منحرف ہو جاؤ گے تو بارگھو فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک تو اللہ ہے۔ اُس کے بھیجے ہوئے رسول
 اور اس کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر کہاں چلے جاؤ گے۔ اُس کی سلطنت سے
 باہر کیسے نکل سکو گے۔ تم کس چیز پر مغرور ہو۔ تمہاری ذاتی ملکیت میں کیا ہے جس پر
 اکر ہے ہو۔ لہذا اُس کی گرفت سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ وَكَانَ اللّٰهُ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا اللہ تعالیٰ عليم کل ہے وہ تمہارے اخلاص، نفاق اور
 کفر و شرک کو خوب جانتا ہے۔ وہ کمالِ حکمت کا مالک بھی ہے اس کی حکمت
 کا تقاضا ہے کہ وہ انسانوں کو موقع دیتا ہے۔ اور پھر وہ وقت بھی آئے گا جب
 سب کو جمع کر لینگا اور کسی عبادی کو سزا دے بغیر نہیں چھوڑے گا يَوْمَ لَا تَنْفَعُ الدُّنْيَا
 فرماتے ہیں کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پیغمبرِ علیہ السلام پر نازل ہونے
 والی چیز کا ماننا فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

يَا هَلْ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا
عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ
وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا
ثَلَاثَةً إِنْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ
وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكُفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾

د
۱۷۱
وَقَفَّ اِزْوَد

ترجمہ: اے اہل کتاب! نہ غلو کرو اپنے دین میں، اور نہ
کو اللہ پر سوائے حق کے۔ بیشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا
رسول اور اس کا کلمہ (حکم) ہے جس کو ڈالا اُس نے مریم کی
طرف، اور روح اُس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور
اُس کے رسولوں پر، اور نہ کو تین خدا، باز آجاؤ، یہ تمہارے لیے
بہتر ہو گا، بیشک اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے، اُس کی ذات پاک
ہے اس بات سے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ
آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کارساز ﴿۱۷۱﴾

گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب میں سے یہود کا ذکر آ رہا ہے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی آیات
صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو پھر اللہ کی کتاب
آپ پر کبھی نازل ہوئی، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ

نے پہلے الزامی جوابات دیے پھر فرمایا کہ جس طرح باقی انبیاء پر وحی نازل ہوتی رہی ہے اسی طرح نبی آخر الزمان پر ہوتی ہے۔ اور تمام انبیاء پر اکٹھی کتاب نازل نہیں ہوئی جب تم ان تمام انبیاء پر ایمان لٹے ہو تو پھر اس آخری نبی پر کیوں ایمان نہیں لاتے جو شخص وحی الہی کا انکار کرتا ہے، وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ سائے کے سائے ہمیشہ اور مندر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بعض انبیاء و رسل کا ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔ مگر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام انبیاء پر اجمالی طور پر ایمان لائیں، تمام انبیاء کی تصدیق کہنا لازمی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ آپ کی نبوت اور قرآن پاک کا انکار کرتے ہیں، تو کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کا گواہ ہے۔ اور خدا کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفر کا نتیجہ بھی بیان فرمایا کہ جو کوئی کفر کرے گا، وہ گھر ہی میں دُور جا پڑے گا، ایسے شخص کو دنیا میں راہِ راست میسر نہیں آئیگا، اُسے صرف جہنم کا راستہ ہی ملے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے خطاب فرمایا کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے فلاح و کامیابی کا پروردگار ہے کہ آیا ہے، اُس پر ایمان لانے میں ہی تمہاری بہتری ہے۔ اور انکار کی صورت میں وہ جب چاہے گا اپنی حکمت کے مطابق سزا دے گا۔

حضرت علیہ السلام
اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہودیوں کا کیا عقیدہ تھا اور انہوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا، بلکہ اُنٹا آپ کی والدہ پر ناز کا الزام لگایا (العیاذ باللہ) اور آپ کو ولد الزنا کہا گیا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کیا، تو وہ لوگ آپ کے جانی دشمن بن گئے انہوں نے آپ کو طرح طرح کی افیتیں دیں اور آخر میں

سولی پر لٹکانے کی کوشش بھی کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ نے وصیٰ فرمادی کہ یہ لوگ نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر سکے اور نہ سولی پر لٹکاسکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی فرمائی اور آپ کو اُن کے درمیان سے اٹھالیا۔ مگر یہودی اس بات پر بضد ہیں۔ "اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ دَسُوْلَ اللّٰهِ" کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اُن کے درمیان مشتبہ کر دیا گیا "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا" اور وہ مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے میں یقیناً کامیاب نہ ہو سکے حقیقت یہ ہے "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" اللہ تعالیٰ نے انہیں بچھڑات اپنی طرف اٹھالیا۔ یہودی ایسے اُلٹی کھوپڑی والے لوگ ہیں۔ کہ انہوں نے زندگی میں تو مسیح علیہ السلام کو تسلیم کیا مگر جب قرب قیامت میں دجال کا ظہور ہوگا تو ستر ہزار یہودی چغے پہنے اُس کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور اُسے مسیح سمجھیں گے۔ بہر حال یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا، اُن کو دجال کہا، اور اس طرح کفر کا ارتکاب کیا۔

حضرت علیہ السلام
اور نصاریٰ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل کتاب کا دوسرا گروہ یعنی نصاریٰ بھی گمراہ ہو گئے۔ پہلے گروہ نے تو آپ کا بالکل انکار ہی کر دیا تھا۔ اس دوسرے گروہ نے آپ کی حیثیت کے بارے میں غلو کیا جس کی وجہ سے عیسائیوں کے کئی فرقے وجود میں آئے۔ ان میں سے صرف ایک فرقہ حق پر تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول مانا، باقی سب نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ عیسائیوں نے مختلف فرقے حضرت مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد ستر سے سو سال کے عرصہ میں پیدا ہوئے۔ ایک فرقے نے یہ اعتقاد دینا لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام یعنی خدا ہیں۔ آپ انسانی روپ میں دینا پر آئے اور پھر واپس چلے گئے۔ اُن کے اس عقیدہ کی شہادت اللہ تعالیٰ نے اگلی سورۃ مادہ میں یوں دی ہے۔ "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ" یعنی اُن لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم خود خدا ہے

اور عیسائیوں کا دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تو نہیں مانا، مگر انہیں خدا کا بیٹا تسلیم کر لیا۔ بیٹے کا تصور ابتدا میں محبوب اور پیارے کے معنوں میں آیا یعنی ایسا محبوب جس کی بات کو اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا، مگر بعد میں یہ تصور حقیقی بیٹے کے معنوں میں منتقل ہو گیا۔ اور پھر اگلا عقیدہ یہ وضع ہوا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے صلیبی بیٹے تو نہیں مگر وَقَالُوا اخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا اللہ نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ بعض اوقات کوئی بے اولاد شخص کسی دوسرے شخص کا بیٹا حاصل کر کے اُسے منہ بولا بیٹا بتاتا ہے۔ مگر یہ دونوں عقیدے باطل ہیں۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا حقیقی بیٹا تسلیم کیا جائے تو یہ مقام الوہیت کے منافی ہے کیونکہ سلسلہ توالد و تناسل تو انسانوں، جانوروں یا دیگر مخلوق میں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اسکی الوہیت کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ اس چیز سے پاک ہے۔ تناسل ایک ایسی صفت ہے جو مخلوق کے لیے خاص ہے۔ اور مخلوق کی صفت کو خدا میں ماننا، یہ بھی کفر ہو گیا۔ جب اللہ کے لیے بیٹا ثابت کر دیا تو وہ مندرہ نہ رہا بلکہ مرکب بن گیا اور وہ بسیدطنہ رہا حالانکہ وہ ہر چیز سے ورا، اورا ہے۔

اور اگر عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، تو اُس کا احتیاج ثابت ہوگا۔ لاولد ہونے کی صورت میں بیٹا لینے کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ بڑھاپے کا سہارا بنے گا، مگر اللہ تعالیٰ تو عجزی ہے۔ وہ صمد ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں مگر بیٹا لینے میں خدا کا احتیاج ثابت ہوتا ہے۔ لہذا یہ بھی کفر یہ عقیدہ ہے۔

عیسائیوں کا ایک تیسرا فرقہ ہے جو تین خدا مانتے ہیں یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔ پھر ان سب کو ازلی تسلیم کرتے ہیں۔ فرید ریاض ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب یہ تینوں خدا اکٹھے ہوتے ہیں تو تین کی بجائے ایک ہو جاتے ہیں اور مقدس بن جاتے ہیں کیونکہ تین ہو جاتے ہیں اور کبھی ایک۔ اقا نیم ثلاثہ کا یہ عقیدہ عقل اور نقل و نثر کے خلاف ہے چنانچہ بہت سے پور ہیں لوگ اس عقیدے سے بیزار

عقیدہ
تثلیث

نظر آتے ہیں مگر متعصب عیسائی اس عقیدہ پر راسخ ہیں، اس کی طرح طرح سے
 توجیہ کرتے ہیں اور اسپر مناظرے بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب
 کر کے فرمایا يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ
 اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ غلو کا معنی استیوار کرنا یا احد سے بڑھنا ہے
 خدا کے بندے کو الوہیت کے مقام تک پہنچا دینا ہی غلو ہے۔ نبی آخر الزماں نے
 بھی غلو سے منع فرمایا لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ اے لوگو! میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ
 عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق کیا إِنَّمَا أَنَا عَبْدُ اللَّهِ و
رَسُولُهُ میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔
 عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا قَالَ الرَّحْمَنُ عَبْدُ اللَّهِ قَدْ أَتَيْتَنِي الْكِتَابُ
وَجَعَلَنِي سَيِّدًا میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اس نے کتاب دی ہے اور نبی
 بنایا گیا ہوں۔ یہ مبالغہ آرائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی خدا، کبھی خدا کا بیٹا اور
 کبھی بنایا ہوا بیٹا کہا جائے۔ فرمایا ایسی باتیں مت کہو وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ
إِلَّا الْحَقُّ اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو حد سے بڑھنا یا حد سے زیادہ
 کہنا ہی کرنا دونوں باتیں یکساں غلط ہیں۔

غیر تدریجی
 ولادت

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حقیقت کو واضح کرتے ہوئے
 فرمایا إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ بَشِيرٌ
 مسیح، عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں۔ وَكَلِمَتُهُ اور اللہ کا کلمہ ہیں۔
الْقَوْلُ الْحَقُّ جس کلمے کو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا۔ اسکی
 تفصیل سورۃ مریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَاَرْسَلْنَا رَائِحًا
رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ہم نے انسانی شکل میں
 اپنا فرشتہ بھیجا۔ سورۃ انبیاء میں فرمایا فَنفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا
 پھر اس میں ہم نے اپنی روح پھونکی۔ فرشتے کے حضرت مریم کے آستین میں پھونک
 مانے سے آپ کو حمل ٹھہر گیا۔ اگرچہ یہ پھونک فرشتے نے ماری تھی مگر چونکہ یہ

اللہ کے حکم سے مٹھی اس لیے اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم نے پھونک ماری۔ اور پھر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے لیے نو ماہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا، بلکہ پریٹ میں فوراً پچر بن گیا تھا۔ امام جزیری نے التل السائر میں لکھا ہے۔
 فحملت پہ حضرت سریم پھونک مانے سے حاملہ ہو گئیں، فوراً پچر بن گیا، انہیں درودِ زہ محسوس ہوا اور مکانِ شرقیہ میں چلی گئیں اور اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو گئی۔ کلمتہ سے مراد اللہ کا کلام یا اس کا حکم ہے، کیونکہ اللہ کے حکم سے فرشتے نے پھونک ماری تھی وَدُوحٌ مِّنْهُ کلمتہ ہی کا دو ستر نام روح بھی ہے۔ اور اس کا اطلاق بھی نفعہ جبرائیل پر ہی ہوتا ہے، روح کا لفظ اس واقعہ کی شرافت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ پیدائش معمول کے خلاف غیر تدریجی طریقے سے عمل میں آئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشا ہے، وہ جس طرح چاہے کوئی کام کرنے لگتا ہے۔ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ
 اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کے گن گننے سے مطلوبہ کام ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی اللہ تعالیٰ کے خاص حکم کے ذریعے تدریجی عمل کی بجائے غیر تدریجی طریقے سے ہوئی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کو ایک طرف کر دیا۔

اس طرح کے غیر معمولی نوعیت کے بعض دوسرے واقعات بھی ملتے ہیں عام حالات میں کسی انسان یا جانور کی پیدائش جوڑے کے ملاپ کے بعد تدریجی عمل کے ذریعے ہوتی ہے مگر حضرت صلح علیہ السلام کی اونٹنی کی پیدائش بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اونٹنی کو پیٹھ میں سے نکالا اور اس شرافت کی وجہ سے اسے ناقہ اللہ یعنی اللہ کی اونٹنی کا خطاب دیا گیا۔ اونٹنیاں بلکہ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے مگر اس خصوصیت پیدائش کی وجہ سے اسے ناقہ اللہ کا لقب دیا گیا بعض اوقات کسی چیز کی نسبت اس کے خصوصی لگاؤ کی بنا پر کی جاتی ہے جیسے کعبۃ اللہ یعنی اللہ کا گھر۔ مکان تو سارے کے سارے اللہ ہی کے لیے

اولاد ہوں۔ فرمایا یا رکھو! لے، مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
 آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک وہی ہے، ہر چیز اسی کی پیدا کردہ ہے، اسی کا
 تصرف چلتا ہے، تو پھر اُسے اولاد کی کیا ضرورت ہے، وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا
 کارساز بھی اللہ ہی کافی ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی بگڑی بنانے والا نہیں ہے۔
 مسیح علیہ السلام بھی اُس کے بندے اور رسول ہیں، کارساز وہ نہیں ہیں۔ وہ تو تنہا ہی
 اصلاح کے لیے اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے، تم نے انہیں الوہیت کے درجے
 پر کیسے پہنچا دیا، سورۃ مزمل میں حکم دیا گیا "فَاٰخِذْهُ وَكِیْلًا" کارساز صرف
 اللہ کو بچاؤ۔ اس کے علاوہ کسی پر یہ اعتقاد نہ رکھو کہ وہ بھی کوئی کام بنا سکتا
 ہے۔ ایسا اعتقاد مشرکانہ اعتقاد ہے۔

مسلمانوں کا
 غلو

عیسائیوں کے تجاوز کا ذکر ہو گیا، اس کی روشنی میں جب ہم اپنے آپ پر
 نظر مارتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اسی غلو کا شکار
 ہو چکی ہے۔ اولیاء اور اماموں کو نبیوں کے منصب تک پہنچانے والے کون لوگ ہیں
 اور انہی کو الوہیت کا مرتبہ دینے والے بھی مسلمان ہی ہیں۔ قبروں پر بڑے بڑے گنبد بنانا اور
 پھر ان قبروں پر چادریں اور چڑھا کر چڑھانا اسی غلو کا نتیجہ ہے میلاد کی جھنڈیاں اور جلوس
 تعزیے اور ذوالجناح دین کی حدود سے تجاوز کا نتیجہ ہیں۔ یہ پیری مریدی اور پھر حاجت روائی
 اور مشکل کشائی سب مشرکانہ عقائد ہیں اور خدا تعالیٰ کی حدود کو توڑنے کی وجہ سے
 ہیں۔ پیروہ ہے جو اللہ کا راستہ بناٹے، انسانوں کی تربیت کرے۔ تمام اولیاء
 اللہ کے سچے بندے اور مصلح تھے۔ انہیں دنیا کی کوئی طلب نہ تھی، مگر اب جو گمراہیاں
 بنا رکھی ہیں، مزار بنانے ہوئے ہیں۔ یہاں پر کیا ہوتا ہے۔ وہی مشرکانہ اعمال انجام
 دیے جاتے ہیں اور اس میں سچلی سطح سے لے کر دوزرا تک سب شامل ہیں، خواہ چیمبر
 کی قبر پر چڑھانے کے لیے دو لاکھ روپے خرچ کر کے چادر تیار کی گئی، حالانکہ اس
 خدا کے بندے نے زندگی میں اپنے لیے چھوٹی سی بنا بنا بھی لپٹ نہ کیا۔ اب اس کی قبر
 پر عالیشان گنبد بنا دیا گیا ہے وہاں پر سجدے ہوتے ہیں اور نذرین مانگی جاتی ہیں۔

بھائی، بزرگانِ دین کی تعظیم بھی کہنی ہے تو مد سے نہ بڑھو، یہی غلو فی الدین ہے
یہی چیز ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ اس سے آگے
بڑھ کر کفر شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے، بدعت جاری کر دو گے، خود فرقہ بندی دین
میں غلو کا نتیجہ ہے۔ نصاریٰ غلو فی الدین کی وجہ سے گمراہ ہوئے اور یہودی اپنی
ضد اور عباد کی وجہ سے راہِ راست سے ہٹ کر کفر میں مبتلا ہو گئے۔ آگے مسیح علیہ
کے متعلق مزید بیان آ رہا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا
الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ
وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿١٤٢﴾ فَأَمَّا
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ
وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا
وَأَسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٤٣﴾ وَلَا يَجِدُونَ
لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٤٤﴾ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بَرَهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا
إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٤٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
وَأَعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ
وَفَضْلٍ لَّا وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿١٤٦﴾

ترجمہ: مسیح علیہ السلام اس بات میں ہرگز عار نہیں سمجھتے کہ
وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے اس میں عار سمجھتے
ہیں اور جو شخص عار سمجھے گا، اس کی عبادت سے اور پیغمبر کریمؐ
پس اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا ﴿۱۴۲﴾ پس بہر حال وہ
لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، پس پورا پورا
مے گا ان کو ان کا بدلہ، اور زیادہ دیگا ان کو اپنے فضل سے

اور بہر حال وہ لوگ جنہوں نے عار سمجھا اور متحجر کیا (اسکی عبادت سے) پس ان کو سزا دیگا، دردناک سزا (۶۴) اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کسی کو حمایتی اور نہ مددگار (۶۳) اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس برہان تمہارے رب کی طرف سے، اور اُٹا رہے ہم نے تمہاری طرف واضح نور (۶۵) پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور انہوں نے اس کو مضبوطی سے پکڑا پس عنقریب داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں اور اپنے فضل میں، اور

راہنمائی کرے گا ان کی اپنی طرف سیدھے راستے کی (۶۶)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے کفر کا تذکرہ کیا خصوصاً یہودیوں نے انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور دیگر بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب بھی کیا، عیسائیوں نے دین میں تجاوز کیا اور اللہ کے بندے مسیح علیہ السلام کو معبود مانا پھر ان کے کئی فرقے بن گئے، کوئی اہمیت کے عقیدے کا قائل ہوا، کسی نے تثلیث کو اپنا لیا اور کوئی انسانوں میں اللہ کے حلول کو تسلیم کر بیٹھا۔ اللہ نے فرمایا: یہ سب باطل عقیدے ہیں۔ اللہ کی ذات اولاد سے پاک ہے اس کے لیے بیٹا ہونا عجیب کی بات ہے۔ اولاد ہونا مخلوق کی صفت ہے اگر یہی صفت اللہ تعالیٰ میں مانی جائے تو وہ بھی مرکب اور حادث بن جائے گا حالانکہ خدا قدیم اور ازل ہی ہے اس نے کسی کو بیٹا بنایا بھی نہیں کیونکہ یہ احتیاج کی دلیل ہے، اللہ معنی اور صمد ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں۔

رابط آیات

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے عقیدے کا رد کرتے ہوئے مقام نبوت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے مقام تک پہنچا دیا، چنانچہ مسیح علیہ السلام کو کسی نے الہ مانا، کسی نے تین میں تیسرا الہ یا خدا تسلیم کیا اور کسی نے خدا کا بیٹا کہا۔ مشرکین بھی ملائکہ کو بنات اللہ (اللہ کی بیٹیاں) کہتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جن انبیاء یا ملائکہ کی تم پوجا کرتے ہو، وہ تو خود اللہ تعالیٰ

مقام عبودیت

جَهَنَّمَ ذَٰخِرِينَ انہیں رسوا کر کے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ
اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کا بندہ ہو کر اس کی عبادت نہ کرے
تو فرمایا جو شخص میری عبادت کرنے میں عار سمجھے گا اور تکبر کرے گا فسبب عنتی ہم
الَّذِي جَسِبًا لِلَّهِ تَعَالَىٰ اِيسَةَ تَمَامِ لُكُوفِ كَوْمِ اِپْنِي طَرَفِ اَكْطَا كَه لِيَكَا
اور پھر مجاہدے کا عمل شروع ہو جائیگا۔

بہر حال فرمایا کہ بندے کا شرف و مجد اسی بات میں ہے کہ وہ ہر وقت
عجز و انکاری میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خضوع کا اظہار کرے اور
”اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کا مصداق بن جائے۔ بندے کا
فرض ہے کہ وہ عبادت بھی اُمی اللہ العالمین کی کرے اور ہاتھ بھی صرف اُمی
کے سامنے پھیلائے، یہی اظہار عجز و بندگی ہے اور یہی مقام عبدیت ہے،
اللہ کی عبادت اور اس کی نیاز مندی سے روگردانی کرنے والا منتکبر ہے، اُسے
اپنے برے انجام کی فحشہ کرنی چاہیے۔

فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے۔ انہوں
نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو صحیح طور پر مانا۔ انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، وحی الہی
اور خدا کے دین کو سچا سمجھا، قیامت کے دن کو برحق جانا۔ ایمان کی حقیقت
کے متعلق مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے مَا جِئْتُ بِدِیْنِ حَضْرُو عَلَیْہِ السَّلَامُ
نے فرمایا کہ میں جو کچھ خدا کی جانب سے لایا ہوں، اُس ہر چیز کی تصدیق کرنا تکمیل
ایمان ہے۔ تو فرمایا جو لوگ ایمان لائے وَعَسَوْا الصَّٰلِحٰتِ اور
انہوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ اچھے اعمال میں ہر فرستہ نماز، روزہ،
حج زکوٰۃ اور جہاد ہیں۔ یہ پانچ اعمال اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، تو
جنہوں نے ایمان لانے کے بعد اچھے کام بھی کیے فَاِیُّوْا فِیْہِمْ اَجْرُوْہُمْ
اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیکھا۔ کسی عمل کی جزا میں کمی نہیں
کی جائیگی اللہ تعالیٰ عادل ہے وہ نہ صرف عدل کرے گا بلکہ وَاِیُّزِیْدُ لَہُمْ

اہل ایمان
کے لیے جزا

مَنْ قَضَيْتَهُ انبئني فضل سے اور زیادہ دے گا ہم قانون بھی یہ ہے "مَنْ
جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا" (انعام) جو کوئی نیکی کا کام کرے گا
آخرت میں اُس کا بدلہ کم از کم دس گنا دیا جائے گا۔ اور اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ
کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔ ہر عمل کا بدلہ اس کے حالات اور عزائم کے
مطابق دیا جائیگا۔ یہ اُس کا فضل، احسان اور مہربانی ہے۔

عبادت سے
اعراض

فَرَمَا وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا اور ہر مال جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی عبادت
کو عارضہا واستکبروا اور تکبر کیا۔ خدا کی بڑائی بیان کرنے، اس کے سامنے
نیاز مندی کرنے اور اس کی عبادت کرنے سے تکبر کیا اور اکٹڑ دکھانی، اور اس کی بجائے
غیروں کی بوجھ کرتے ہے، مخلوق کو الوہیت کے منصب پر بٹھایا ایسے لوگوں
کے متعلق فرمایا فَيَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وہ عذاب الیم کے مستحق
ہوں گے۔ کفر اور شرک کرنے والوں کا انجام ہی ہے کہ وہ نہ ختم ہونے والی
سزائیں مبتلا ہوں دو کے مقام پر فرمایا "مَنْ تَوَلَّى الْاُمْتِدَّيْنِ"
تکبر کرنے والوں کو بت بڑا ٹھکانا بیٹھ آئے گا۔

ایک صحابی نے سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا حضرت!
ہم اچھا لباس یا اچھا جوتا پہن لیتے ہیں یا اچھی سواری پر سوار ہوتے ہیں، تو کیا
یہ بھی تکبر میں آتا ہے۔ آپ نے فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَبِيْلٌ
يُّحِبُّ الْحَالَ اللّٰهُ تعالیٰ خود جمیل ہے اور وہ اچھی وضع قطع اور خوب صورتی کو پسند
فرماتا ہے۔ لہذا یہ تکبر میں شامل نہیں ہے۔ فرمایا تکبر یہ ہے الْاِكْبَرُ بَطْرُ
الْحَقِّ وَ غَمَطُ السَّائِسِ کہ حق بات کو ٹھکرائے۔ اور لوگوں کو حقیر جانے
کسی معمولی آدمی کی اچھی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے
متعلق فرمایا وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
وَلَا فَصِيْرًا کہ وہ اللہ کے علاوہ کوئی دوست، کارساز اور مددگار نہیں
پائیں گے۔ ان کے خود ساختہ معبود بھی ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ کوئی فرشتہ

کوئی نبی، کوئی جن، کوئی ولی حمایت کے لیے آگے نہیں بڑھے گا اور یہ لوگ اللہ کے
 شیکھے میں جکڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو خاص طور پر تنبیہ فرمائی
 ہے۔ کہ مروج علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر ان کو الوہیت کے درجے پر پہنچانا
 قیامت کو کچھ کام نہ آئے گا، بلکہ اس قسم کا گندہ عقیدہ رکھنے والے غلاب ایہم
 کے مستحق ہوں اور پھر وہاں ان کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔

قرآن بطور
 برہان

اہل کتاب سے مخاطب کے بعد اب پوری بنی نوع انسان کو خطاب
 کیا جا رہا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَدْعَاكُمْ لِمَا بُدِّلَ مِنْ دُونِهِ
 لے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان آچکا ہے۔ برہان کی جمع
 براہین ہے اور براہ کا معنی کاٹنا ہوتا ہے۔ اس کو برہان یا دلیل اسلئے کہتے ہیں کہ
 اس کی وجہ سے شکوک و شبہات کٹ جاتے ہیں۔ اور انسان کو اطمینان حاصل
 ہو جاتا ہے کیونکہ جو بات دلیل اور برہان کے ساتھ کی جاتی ہے، وہ سچی ہوتی ہے
 فرمایا تمہارے پاس برہان آچکا ہے وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ لُحُودًا مُبَيِّنَاتًا
 اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا ہے بعض مفسرین نے وَأَنْزَلْنَا
 کو عطف تفسیر بنایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ برہان اور نور مبین ایک ہی چیز
 ہے اور اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یعنی یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
 پر قطعی دلیل اور ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والی واضح روشنی ہے۔ تمام حق و باطل
 میں امتیاز پیدا کرنے اور شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے اور فتنائے الہی کو
 واضح کرنے کے لیے قرآن سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں۔ برہان، قرآن پاک کے
 ناموں میں ایک نام بھی ہے۔

پہنچنے بطور
 برہان

بعض دور سے مفسرین فرماتے ہیں کہ برہان اور نور مبین دو الگ الگ چیزیں
 ہیں۔ ان کے مطابق برہان سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ، چہرہ انور، شہرہ
 اور تعلیم ہے۔ یہ وہ ذات باہرکات ہے جسے دیکھ کر انسان کے تمام شکوک و شبہات
 دور ہو جاتے ہیں۔ مولانا رموی بھی کہتے ہیں: "رُؤْيُ دَوْلَاتِ پِغْمَبِرِ مَعْجِزِ اسْت" اور

نو میں سے مراد قرآن پاک ہی ہے۔ یہ ایسا واضح نور ہے جو تمام چیزوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کو هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ بھی کہا گیا ہے۔ انسانی آنکھ سے بصارت پیدا ہوتی ہے مگر قرآن پاک بصیرت پیدا کرتا ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ انسان کے دل میں روشنی پیدا کرتا ہے۔ جس سے حق و باطل میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

مستقیم
صراط

اگے فرمایا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا پس بہر حال جو لوگ ایمان لائے وَأَعْتَصَمُوا بنا اور اس کو مضبوطی سے پکڑے۔ اس سے مراد اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا ہے جیسے فرمایا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کی مدد سے مراد اس کے دین کی مدد ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ جو کوئی خدا کے دین کو مضبوطی سے پکڑے گا، اللہ کی وہ مدد و نصرت پر مضبوطی سے قائم رہے گا۔

قرنیا فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ وہ لوگ حَسْبُكَ کی مہربانی کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا وَيَهْدِيَهُمْ لِرِجْلِ رَبِّهِمْ صراطاً مُسْتَقِيمًا اللہ تعالیٰ ان کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے گا۔ وہ راستہ جو خدا کا قرب دلاتا ہے۔ بالآخر ایمان والے لوگ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور یہ سب سے بڑی

کامیابی ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ إِنِ امْرُؤٌ
 هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا
 تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ
 فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْثُ مِمَّا
 تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ
 مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن
 تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۴۴

۲۴
۶۹

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہیں
 اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے بارے میں اگر کوئی شخص
 ہلک ہو گیا اور اسکا کوئی بیٹا نہیں ہے اور اس کی بہن ہے، تو اُسے
 اُس کے ترکہ میں سے نصف ملیگا۔ اور وہ بھائی وارث ہو گا اُس بہن
 کا اگر اس کی اولاد نہیں ہے اور اگر یہ دو بہنیں ہوں تو ان کو
 دو تہائی ملے گا اس میں سے جو اُس نے چھوڑا۔ اور اگر وہ بھائی
 مرد اور عورتیں ہوں (بہت سے) پس مرد کے لیے دو عورتوں
 کے برابر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم

گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۝۱۴۴

سورۃ نساء جن مضامین پر مشتمل ہے، ان میں انسانی حقوق کو اولیت حاصل ہے،
 خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے کمزور طبقات یعنی یتیم بچوں اور عورتوں کے حقوق کا تذکرہ کیا

رہنمائی

ہے۔ اس میں معاشرتی حقوق اور نکاح کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مضامین نکاح کو ذکر ہے۔ اور پھر حقوق ہی کے ضمن میں وراثت جیسا اہم مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ سورۃ کی ابتدا میں بھی وراثت کے احکام آئے ہیں اور یہ آخری آیت بھی اسی مسئلہ سے تعلق رکھتی ہے مسئلہ وراثت کا یہ اہم جزو پہلے حصے میں بیان ہونے سے رہ گیا تھا، جو اس آخری حصے میں سمجھا دیا گیا ہے۔ سورۃ کے درمیانی حصے میں بعض دیگر مسائل بھی آگئے ہیں۔ ان میں توحید، کفر اور شرک کی تردید، اہل کتاب کی ضد اور عناد، ان کے اعتراضات اور جوابات بھی بیان ہو گئے ہیں۔ آج کی آخری آیت مسئلہ وراثت ہی کا ختمہ ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلالہ کی وراثت کا مسئلہ دریافت کیا تھا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اصحاب رسول
اور سوالات

گذشتہ دروس میں اہل کتاب کے سوالات اور ان کے جوابات کا ذکر آچکا ہے۔ یہ لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے مگر اہل ایمان سوال کرنے سے اکثر گریز کرتے تھے۔ حضرت عبد بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی جنت نہیں، کہ وہ آپ سے زیادہ سوال نہیں کرتے تھے، یا کسی معاملہ میں اکتسب ہوا تو سوال کی ممانعت بھی نہ تھی، مگر صحابہ کرامؓ عام قسم کے بے معنی سوال نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ اس معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ وراثت کے سلسلے میں کلالہ کا مسئلہ حل طلب تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق خود صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، چنانچہ یہ آیت اس ضمنی سوال کا جواب ہے۔

کلالہ کی
تعریف

لفظ کلالہ دو مادوں سے مشتق ہو سکتا ہے۔ پہلی تحقیق یہ ہے کہ کلالہ کا مادہ اکلیل ہے اور اکلیل تاج کو کہتے ہیں۔ تاج کا زیادہ ترہ نقش و نگار درمیانی حصے کی بجائے کنارے پر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے نہ اصول (باپ دادا) ہوں اور نہ فروع (بیٹا، پوتا) بلکہ دائیں بائیں کنارے کے

رشتہ دار بھائی بہن وغیرہ ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ کلالہ کے مادہ سے مشتق ہے، جس کا معنی تھک جانا، کمزور ہو جانا ہوتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کلالہ اس شخص کو کہا جائے گا، جس کے قوی وارث موجود نہ ہوں، بلکہ ادھر ادھر کے کمزور ورثا موجود ہوں۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیقؓ سے منقول یہی بات ہے۔ کہ کلالہ وہ شخص ہے، جسکی نہ اولاد ہو اور نہ والدین۔

کلالہ مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی۔ اس سورۃ کے دو سے رکوع میں جس کلالہ کا ذکر ہے، اس سے مراد اور عورت دونوں مراد ہیں "وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤَدُّكَ آلَاكَةً أَوْ امْرَأَتًا" یعنی اگر مرد اور عورت میں سے بطور کلالہ وارث حاصل کی گئی ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو، تو اسے کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو وہ ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ مفسرین کلام اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں بھائی اور بہن سے مراد اخیانی بھائی بہن ہیں۔ جو حقیقی نہ ہوں بلکہ صرف مال کی طرف سے ہوں۔ البتہ اس آخری آیت میں جس بھائی بہن کا ذکر ہے۔ اس سے مراد حقیقی دماغ اور باپ دونوں کی طرف سے، یا علاتی (صرف باپ کی طرف سے) بھائی، بہن ہیں۔ یہ بھی عصبیات میں داخل ہیں۔ اس لیے وارثت کے معاملہ میں ان کا بھی وہی حکم ہے جو حقیقی بیٹے اور بیٹی کا ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ کلالہ کے اخیانی بہن بھائیوں کی صورت میں وارثت کے حصوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کلالہ خواہ مرد ہو یا عورت۔ بلکہ جب تقسیم کلالہ کے حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے درمیان مقصود ہو، تو مرد کلالہ اور عورت کلالہ کے مسائل مختلف ہیں۔ اس آیت کہ یہ میں مؤخر الذکر حصص بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "يَسْتَلُونَكَ" لے پیغمبر علیہ السلام آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اس حصہ آیت میں فتویٰ کی نوعیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر جواب میں بیان کر دیا گیا ہے اچانچہ اس جواب کی روشنی میں "يَسْتَلُونَكَ" کا معنی یہ ہوگا کہ

مرد کلالہ
کی وارثت

اللہ تعالیٰ واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم احکام الہی کو اچھی طرح سمجھ جاؤ اور کوئی غلطی نہ ہو جاوے۔ اِن تَضَلُّوْا مِنْ لَمْ تُخَدِفْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مسائل کی وضاحت اس لیے فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ بلکہ تم ہدایت کے راستے پر چلتے رہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں کِسْرَ اَهْتَاةً مخدوف سے اور پورا جملہ یوں بناتا ہے کِسْرَ اَهْتَاةً اَنْ تَضَلُّوْا یعنی اللہ تعالیٰ اس چیز کو ناپسند فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہ تمہارے ناقص علم سے بھی واقف ہے، اس لیے اُس نے تمام مسائل کی وضاحت فرمادی ہے۔

قدرت اور علم خداوندی

سورۃ براء کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کا تذکرہ فرمایا تھا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ یعنی اس اللہ سے ڈر جاؤ جو کمال قدرت کا مالک ہے۔ یہ اُس قدرت کا شاہکار ہے کہ اُس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور پھر کروڑوں بلکہ اربوں مرد و زن دنیا میں پھیلا دیے۔ اور اب سورۃ کے آخری حصے میں وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ فرمایا کہ اپنے علم پر کل ہونے پر ہر تصدیق ثابت کر رہی ہے۔ کمال قدرت کا مالک بھی وہی ہے اور کمال علم کا مالک بھی وہی خداوندِ قدوس ہے۔ اُس نے انسان کو گمراہی سے بچانے کے لیے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں۔ وہ ہر شخص کے خیر و شر سے واقف ہے۔ وہ کسی نیچو کار کے اچھے اجز میں کوئی کمی نہیں کرے گا اور نہ اپنے سرکش کے مجاہدے میں کوئی کسر چھوڑے گا۔ مجاہدے کا عمل شروع ہونے والا ہے، اسی لیے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَرْتَعَبُونَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نَسَا لَكُمْ فِيْهِ وَالْاَوْحَامُ تاکہ تم اُس کے واسطے سے سوال کرتے ہو۔ اور قرابتداروں سے خیر دار رہو۔ اُن کے حقوق کا خیال رکھو اگر کسی کے حقوق کو پامال کیا تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصّٰوِبِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ